إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

الحمد للہ کہ این نسخۂ کیمیائے سعادت مشتمل بر اوصاف عالیۂ حاملان وحی و رسالت
اصحاب اصطفا و فتوت ارباب اجتبا است و مرد و جزء تنبیہ حقیقت سوم از جلد اول کتاب جامع حامدی موسوم بہ

بامر عالی جناب کرنل نواب سر سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر [illegible]
فرمانروائے ریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور دام اقبالہم وعلومہم [illegible]

النبوة ۲

تالیف سرکار شریعت مدار حجۃ الاسلام حامی ملۃ الدین بصوارم الاقلام الذی عقم عن مثلہ تعاقب الجدیدین
جناب مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہم العالی

در مطبع [illegible]

۱۶۶۷

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

الحمد للہ کہ این نسخۂ کیمیائے سعادت مشتمل بر اوصاف عالیۂ حاملان وحی و رسالت

اصحاب اصطفا و فتوت و ارباب اجتبا و مروت نخستین حصۂ سوم از جلد اول کتاب جامع حامدی موسوم بہ

بنام نامی جناب مستطاب کرنل نواب سر سید محمد حامد علی خان صاحب بہادر ... فرمانروائے ریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور دام اقبالہم و ملکہم

النبوۃ

تالیف سرکار شریعت مدار حجۃ الاسلام حامی دیار الدین بصوارم الاقلام الذی عقم عن مثلہ تعاقب الجدیدین

جناب مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہم العالی

در مطبع سرکاری ریاست عالیہ رامپور ... طبع

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله المتعالى سبحات عزه وجلاله عن وصول قوادم نواهض الاوهام والمحتجب سرادقات كبريائه وجماله عن بلوغ ثواقب بصائر العقول وغوامض مدركات الاحلام ○

هو الله رب العالمين دعاهم	الى ما ارتضاه من شرائع اسلام
وكلفهم لعرنين الالطفه	لشيء يسير من حدود واحكام

المتفضل على عباده بابتعاث السفراء المبشرين بجزيل الثواب وجميل الانعام بتباشير البشائر الداعية الى نيل مصونات كنوز منائح الخلد واحراز مكنونات ذخائر دار السلام والمتطول بارسال اهل الاصطفاء المنذرين عن طويل خزى النكال ونبيل سوء العقاب المتبط عن التجرى على صغائر الجرائم وكبائر الاثام ○

اولئك اهل الاجتباء اصطفاهم	على الناس طرّا بالمكارم والفخر

فلولاهم ما عاش في الأرض نسمة | ولو عاش امسى في الوحوش من البر

واشرف الصلوة وافضل السلام على خير من اصطفاه وافضل من ارتضاه لهداية كافة الانام الى اتباع مطاوى دينه المرضى وامتثال فحاوى شرائع الاسلام - رسوله المجتبى ونبيه المرتجى عند تراكم شدائد الاهوال وتفاقم الكرب الفوادح العظام وصفيه الخالص المنتجب ونجيه المخلص المنتخب الطاهر المعتام - الباقى ناسخ شرعه وشامخ اصله وفرعه الى قيام الساعة وساعة يوم القيام محمد المعرق في المعالى المتلألأ مشرق انواره ومونق اثاره في وجنات النهر وجبهات الليالى كالشمس في حنادس الغسق وحوالك الظلام الشافع لمقترف الجرائم ومجترف العظائم المشفع عند المليك المقتدر والمحسن المتكرم والمفضل المنعام ٥

هدى الناس بالهدى الجميل مكارما | عواقبها محمودة والاوائل
اتاهم بدين قد جلى كل شبهة | فاسفر صبح الحق وانزاح باطل

وعلى افاضل سرته وآله الناسجين على هديه ومنواله في تتميم مكارم الاخلاق وتهذيب نفائس الاداب وتبليغ محاسن الاحكام والتحرى في نشرها من امرها ونهيها غاية اسباب الاتقان ونهاية وسائل الاحكام المنجلى بتائقات بوارق بدور بركاتهم في غرر نواصى الشهور وعواطل اعناق الايام والمتحلى بمتبلجات عقود شوارق هداياتهم مناحر خرائد الدهور وصفحات ترائب اوانس الاعوام ٥

لقد وضحوا طرق الرشاد فاصبحت | منارا تحاكيها مصابيح رهبان
ارى الناس اذ لم يهتدوا بسبيلهم | لقد خبطوا في طرق غي وطغيان

عليهم سلام الله الملك العلام ما تطاعن اقران البيان و

تضارب فرسان الکلام بشباۃ اسنۃ شواجر الیراع وحدود
مضارب صوارم الاقلام - **اما بعد** پس واضح ہو کہ کتاب مستطاب
جامع حامدی جو حضور پر نور اعلیحضرت فلک رفعت سکندر حشمت مرکز محیط عظمت و اقبال
قدر افزائے علم و کمال حامی ذمار دین اسلام مروج علوم اہل بیت کرام علیہم الصلوۃ والسلام
فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ عالیجاہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامراء ہز ہائینس کرنل

عالی جناب نواب سر سید محمد حامد علی خان صاحب بہادر

مستعد جنگ جی - سی - ایس - آئی، جی سی آئی ای، جی - سی - وی - او، اے - ڈی - سی،
ٹو ہز مجسٹی دی کنگ ایمپرر فرمانروائے ریاست رامپور دام اقبالہم وملکہم کے ارشاد سے
تالیف ہوئی ہے - اُسکی جلد اول کا تیسرا حصہ **النبوۃ** ہے - لکن ازبسکہ وہ بہ نسبت
التوحید اور **العدل** کے زائد طولانی ہے اِس لئے دو جزوں پر منقسم کیا گیا ہے -
پہلا جزو **نبوت مطلقہ** جسمیں دراصل اُن اُمور سے بحث کی گئی ہے جنکا ہر ایک نبی
میں موجود ہونا ضروری ہے - اور دوسرا جزو **نبوت خاصہ** جسمیں فقط اُن اُمور سے
بحث کی گئی ہے جو ہمارے حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کے ساتھ مخصوص ہیں - اس تقدیر پر جامع حامدی
کی جلد اول کے تیسرے حصہ کا یہ پہلا جزو ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے اپنی آپ ہی نظیر ہے
حضرات ناظرین سے اُمید ہے کہ اُسکو اول سے آخر تک نہایت غور و امعان کے ساتھ
ملاحظہ فرمائینگے - اور اپنے برادران ایمانی کو اُسکے مطالب سے منتفع ہونے کی طرف رغبت دلائینگے
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب -

نبوت مطلقہ کا بیان

نبی کی تعریف نبی سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر واسطۂ بشر احکام الٰہیہ حاصل کرے

نبی کے اقسام نبی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ نبی ہے جو محض اپنے نفس کی اصلاح و تہذیب پر مامور ہو اور لوگوں کی ہدایت اُس سے متعلق نہو دوسری قسم وہ نبی ہی جو لوگوں کی ہدایت پر مامور ہو۔ اور ایسے نبی کی دو قسمیں ہیں اوّل وہ نبی جو صاحب شریعت ہی خواہ اُسکی شریعت ابتدائی ہو جیسے حضرت آدم علیہ السلام اسلئے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے کوئی انسان ہی نہ تھا جسپر کوئی شریعت نازل ہوتی یا کسی پہلی شریعت کے لئے ناسخ ہو جیسے حضرت نوح علیہ السلام اِس لئے کہ حضرت نوحؑ سے پہلے حضرت آدمؑ کی شریعت موجود تھی جسکو حضرت نوحؑ کی شریعت نے منسوخ کیا دوم وہ نبی جو صاحب شریعت نہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

اور اُصول کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ہشام بن سالم و درست بن ابی منصور منقول ہے کہ

الانبیاء والمرسلون علی اربع طبقات فنبیٌ منبأ فی نفسه لا یعدو غیرها ونبیٌ یریٰ فی النوم و یسمع الصوت ولا یعاینه فی الیقظة ولم یبعث الی احد وعلیه امام مثل ما کان ابراهیمؑ علیٰ لوطؑ ونبیٌ یریٰ فی منامه ویسمع الصوت ویعاین الملك وقد ارسل الی طائفة قلّوا او کثروا کیونسؑ قال الله تعالیٰ لیونس

انبیاء و رسل کے چار طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ نبی جو اپنے نفس میں خبر دیا جاتا ہی۔ اور اپنے نفس کے سوا کسی دوسرے تک اُسکی سرایت نہیں ہوتی دوسرا طبقہ وہ نبی جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُسکی آواز کو سنتا ہو اور اُسے بیداری میں معائنہ نہیں کرتا۔ اور کسی شخص پر مبعوث نہیں ہوتا۔ اور اُسپر امام ہوتا ہے جیسے حضرت لوطؑ پر حضرت ابراہیمؑ امام تھے تیسرا طبقہ وہ نبی جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُسکی آواز کو سنتا اور بیداری میں اُسکا معائنہ کرتا ہے اور کسی گروہ کی ہدایت پر خواہ وہ گروہ کم ہو یا زیادہ مامور ہوتا ہے جیسے حضرت یونسؑ چنانچہ خداوند عالم

وَاَرْسَلْنَاهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ قَالَ يَزِيْدُوْنَ
ثَلٰثِيْنَ اَلْفًا وَعَلَيْهِ
اِمَامٌ وَالَّذِیْ
يَرٰی فِیْ مَنَامِهٖ
ويسمع الصوت ويعاين في اليقظة
وهو امام مثل اولي العزم
وقد كان ابراهيم نبيًّا وليس بامام
حتى قال الله تعالى ذكره
اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ "
من عبد صنما او وثنا لا يكون اماما

ارشاد فرماتا ہے کہ "اور اُن کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا"، حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں زائد سے تیس ہزار مراد ہیں۔ اور اُس پر امام بھی ہے۔ چوتھا طبقہ وہ نبی جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے آواز اُسکی آواز سنتا اور بیداری میں اُسکا معاینہ کرتا ہے۔ اور وہ امام ہے جیسے انبیاء اولو العزم اور حضرت ابراہیم نبی تھے اور امام نہ تھے تا اینکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ
"میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں (حضرت ابراہیم نے) عرض کی کہ میری اولاد میں سے (خداوند عالم) فرمایا جو ظالم ہونگے اُنکو میرا عہد نہ پہونچیگا"
(حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ) جو شخص بُت پرستی کریگا وہ امام نہوگا

اس حدیث شریف کے فقرہ نبی منبأ فی نفسه لا یعدو غیرها (وہ نبی جو اپنے نفس میں خبر دیا جائے اور اُس کے نفس سے غیر کی طرف سرایت نکرے) میں کئی احتمال ہیں

پہلا احتمال یہ کہ غیر سے فرشتہ اور اُمت دونوں مراد لئے جائیں اس تقدیر پر یہ معنی ہونگے کہ اُنکو جو خبر دیجاتی ہے وہ فرشتہ یا اُمت کسی کی طرف سرایت نہیں کرتی اس صورت میں اس طبقہ کی نبوت فقط الہام کے ذریعہ سے ثابت ہوگی۔ اور فرشتہ کو اُسکے حاصل ہونیمیں کسی قسم کا دخل نہوگا خواہ وہ الہام خواب میں حاصل ہو یا بیداری میں۔

دوسرا احتمال یہ کہ غیر سے فقط اُمت مراد لیجائے۔ اِس تقدیر پر یہ معنی ہونگے کہ اُس کو فرشتہ کے ذریعہ سے جو خبر دیجاتی ہے وہ کسی بشر کی طرف سرایت نہیں کرتی اِس صورت میں

اِس طبقہ کی نبوت بھی وحی کے ذریعہ سے ثابت ہوگی اور وہ کسی بشر کی ہدایت کے لئے مبعوث نہوگا خواہ وہ وحی رویا ہو یا بیداری میں حاصل ہوئی ہو۔

تیسرا احتمال یہ کہ غیر سے فقط فرشتہ مراد لیا جائے۔ اِس تقدیر پر یہ معنے ہونگے کہ اُس کو بذریعۂ الہام جو خبر دیگئی ہے اُسی کے ذریعہ سے وہ نبی ہوا اور بشر کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہو اس صورت میں اس طبقہ کی نبوت فقط الہام سے حاصل ہوگی۔ اور ہدایت پر مامور ہوگا خواہ وہ الہام بیداری میں ہوا ہو یا خواب میں۔

چوتھا احتمال یہ کہ اُسکے فی نفسہٖ خبر دیے جانے کا یہ مطلب ہو کہ اُسکو جو خبر دیجاتی ہی وہ خود اُسی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اُسکو کسی دوسرے کی ہدایت سے تعلق نہیں ہوتا اس صورت میں خبر دیئے جانیکا کوئی طریقہ مذکور نہ ہوگا۔ پس ممکن ہیگا کہ اُسکو الہام ہو یا وحی۔ بیداری میں ہو یا خواب میں فرشتہ کو معائنہ کرتا ہو یا نہیں لیکن ہر ایک صورت میں اُسکا غیر مبعوث ہونا ضروری ہوگا۔

اِن احتمالات میں تیسرا احتمال خلاف متبادر ہے اِس لئے کہ فقرۂ لا یعدو غیرھا سے بظاہر اُسکا ہدایت پر مامور نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے لہٰذا تیسرا احتمال ساقط از اعتبار ہوگا۔ اَب اگر چوتھے احتمال کا صحیح ہونا فرض کر لیا جائے تو بعض علماء اسلام حدیث مذکور کے بیان میں یہ کہنا کہ اس سے وہ پیغمبر مراد ہے جو خواب میں اُمور صادقہ کو مشاہدہ کرتا ہو بعد ازاں اپنے نفس کو خبر دیتا ہو۔ اور اُسکو حالتِ بیداری میں فرشتہ کی آواز سننے سے کوئی تعلق نہ ہو درست نہوگا۔ اِس لئے کہ الفاظ حدیث میں بلا وجہ کسی قید کا اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اِس تقدیر پر معنی حدیث کا پہلے دو احتمالوں میں انحصار ہو جاتا ہے۔

اَب اگر حدیث شریف میں غیر نفس سے فقط اُمّت ہی کا مراد لینا متبادر فرض کیا جائے تو اِس طبقہ کی نبوت کا بذریعۂ وحی ثابت ہونا بے اشکال ہوگا اگرچہ وہ کسی بشر کی ہدایت کیلئے مبعوث نہو لیکن عبارت حدیث میں فقط پہلے احتمال کا مراد ہونا بھی محتمل ہے۔ مگر اِس احتمال کی

بنا پر خواب اور بیداری کا فرق کرنا بظاہر صحیح نہ ہوگا۔ اور علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ پہلے اور دوسرے طبقہ میں جو فرق مذکور ہوا ہے وہ خالی از اشکال نہیں ہے اور اُسکی دو طرح توجیہ ہوسکتی ہے۔

(۱) یہ کہ حضرت ع کے قول منبأ فی نفسہ لایعدو غیرھا سے یہ مراد ہو کہ اُسکی نبوت سے اُسکے نفس کے سوا کسی دوسری چیز کا تعلق نہو یا یعنے کہ وہ نہ فرشتہ کی آواز سُنے اور نہ اُسکا معائنہ کرے اور نہ کسی کی طرف مبعوث ہو۔ اور دوسرے طبقہ میں اتنے پر اکتفا نہو بلکہ وہ فرشتہ کا کلام بھی سُنتا ہو لکن اُسکو بیداری میں نہ دیکھتا ہو۔ پس دونوں طبقے اس امر میں مشترک ہونگے کہ وہ کسی شخص کی ہدایت کے لئے مبعوث نہیں ہوئے۔ اور اُن دونوں میں اسیقدر فرق ہوگا کہ دوسرا طبقہ فرشتہ کی آواز کو بیداری میں سُنتا ہے اور پہلا طبقہ نہیں سُنتا۔ اور اس حدیث شریف میں حضرت لوط ع کے ساتھ فقط اس امر میں تشبیہ فرض کیجائیگی کہ اُنپر دوسرے نبی امام تھے اس لئے کہ وہ حضرت لوط ع رسول تھے اور ایک اُمّت کی طرف مبعوث ہوئے تھے جنپر اُن کی مخالفت کی سبب سے عذاب نازل ہوا تھا۔

(۲) یہ کہ پہلے طبقہ میں وہ نبی مراد لئے جائیں جو کسی شخص کی طرف مطلقاً مبعوث نہ ہوں نہ خداوند عالم کی طرف سے نہ اپنے امام کی طرف سے۔ اور دوسرے طبقہ میں وہ نبی مراد لئے جائیں جو خدا کی طرف سے مبعوث نہوں بلکہ اپنے امام کی طرف سے مبعوث ہوں اس صورت میں حضرت لوط ع کا حضرت ابراہیم کی طرف سے مبعوث ہونا فرض کیا جائیگا۔ اگرچہ حضرت لوط ع کا نبی ہونا قابلِ انکار نہیں ہے۔ پس تشبیہ کامل ہوگی اور قول واجب تعالیٰ

وَاِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ | اور یقیناً لوط ع رسولوں میں سے تھے۔

میں یہ مراد ہوگی کہ وہ حضرت ابراہیم کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور فرشتہ کے معائنہ نہ کرنے کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ فرشتہ کا اسوقت معائنہ نہ کرتے تھے۔

اور نہ اُسکی آواز کو سنتے تھے جبکہ وہ (فرشتہ) کوئی حکم شرعی لیکر اُن کے پاس آتا تھا۔ اس صورت میں حضرت لوطؑ کا اُن فرشتوں کو معائنہ کرنا اور اُنکی آواز سُننا جو اُنکی قوم پر عذاب کرنیکی غرض سے آئے تھے۔ اِس مطلب کے منافی نہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے نہ دیکھنے کا یہ مطلب ہو کہ اُن (فرشتوں) کو اُنکی اصلی صورت میں نہ دیکھیں (حضرت لوطؑ نے اُن (فرشتوں) کو بشری صورت میں معائنہ کیا تھا نہ اُنکی اصلی صورت میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے نہ دیکھنے سے یہ مطلب ہو کہ اُن کو اُسوقت معائنہ نہ کریں جسوقت کہ اُنکا فرشتہ ہونا معلوم ہوجائے پس محتمل ہوگا کہ حضرت لوطؑ کو جبکہ اُنکا فرشتہ ہونا معلوم ہوگیا ہو اُسوقت اُنکا معائنہ نکرتے ہوں۔ اور فقط اُن کی آواز سنتے ہوں اور مراد یہ ہو کہ حالت بیداری میں فرشتوں کا معائنہ نکرتے ہوں اور فقط اُن کی آواز سُنتے ہوں (انتہی بحالہٖ) علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ کی اِس عبارت سے دو مطلب مستفاد ہوسکتے ہیں۔

پہلا مطلب یہ کہ پہلے طبقہ کے نہ سننے سے فقط بیداری میں نہ سننا مراد لیا جائے۔ اِس صورت میں وہ (پہلا طبقہ) امام سے ممتاز ہوگا اِس لئے کہ القاء حکم کے وقت فرشتہ کی آواز کا سُننا بھی نبی کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ خواب ہی میں ہو۔ اِس تقدیر پر علامہ مجلسی کے کلام سے دوسرے احتمال کی تائید ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ کہ ہر ایک قسم کا نہ سننا مراد لیا جائے۔ پس اِس طبقہ کی نبوت فقط الہام کے ذریعہ سے ثابت ہوگی۔ اور اِس صورت میں وہ امام سے ممتاز نہ ہوگا۔ اِس لئے کہ الہام دونوں میں مشترک ہوگا اور اِس اشکال کا یہ جواب ممکن ہے کہ امام (خلیفۂ رسول) کا نائب ہونا ضروری ہے بخلاف پہلے طبقہ کے نبی کے کہ وہ کسی کے نائب نہیں ہوتے لہٰذا عدم وحی کی صورت میں بھی وہ خلیفۂ رسولؐ کے ساتھ مشتبہ نہ ہوں گے بخلاف اُس نبی کے جسکے لئے خلیفہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہاں پر نبی کا صاحب وحی ہونا لازم ہوگا ورنہ نبی اور خلیفہ میں کوئی امتیاز باقی نہ رہیگا۔

اور بعض علماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے طبقہ کے نبی پر بھی وحی نازل ہوتی ہے لیکن اُس وحی کا کسی دوسرے شخص سے تعلق نہیں ہوتا۔ اِس تقدیر پر فقرۂ لا یعدو غیرھا میں غیر سے خصوص بشر مراد ہوگا اور فرشتہ کا خواب میں دیکھنا اور اُسکی آواز کا سُننا اور معائنہ کرنا اِس مطلب کے منافی نہ ہوگا خواہ بیداری میں معائنہ فرض کیا جائے یا خواب میں اور بظاہر یہی احتمال راجح معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ فقرۂ لا یعدو غیرھا سے اُسکا غیر کی طرف مبعوث نہ ہونا ہی متبادر ہوتا ہے واللّٰہ یعلم۔ اور بہر تقدیر کلام معصومؑ میں جو انبیاء مرسلین کے چار طبقے مذکور ہوئے ہیں اُس سے یہ مراد ہوگی کہ باعتبار واقع کوئی نبی یا رسول ان چار طبقوں کی علاوہ موجود نہیں ہوا۔ اور یہ مراد نہ ہوگی کہ ان چار طبقوں سے زائد ہونا باعتبار عقل بھی محتمل نہیں ہے۔

اور ہماری غرض اس رسالہ میں فقط اُس نبی سے متعلق ہے جسکو پروردگار عالم اپنے بندونکی ہدایت کے لئے مقرر فرماتا ہے اور اُسکے مقرر ہونے میں کسی بشر کا توسّط[1] نہیں ہوتا۔

اور چونکہ بندوں کو نبی کے ذریعہ سے خداوند عالم کے احکام معلوم ہوتے ہیں اس لئے اُس نبی کو رسول اور پیغامبر اور سفیر بھی کہتے ہیں۔

نبی اور رسول کا فرق اگرچہ لغت میں نبی اور رسول کا ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتا ہے لیکن علماء اعلام نے باعتبار اصطلاح اُن دونوں میں دو(۲) وجہوں سے فرق کیا ہے۔

پہلی وجہہ رسول وہ شخص ہے جس کو حقتعالیٰ کی طرف سے تازہ شریعت عطا ہوئی ہو خواہ (شریعت) ابتدائی ہو جیسے شریعت حضرت آدمؑ یا کسی پہلی شریعت کے لئے ناسخ ہو جیسے شریعت حضرت نوحؑ اور نبی کے لئے شریعت کا عطا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس صورت میں ہر ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہوگا لیکن ہر ایک نبی کا رسول ہونا ضروری نہوگا

[1] وہ شخص کے من جانب اللہ مقرر ہونے میں بشر کا توسط ہوتا ہے اسکو امام اور خلیفۂ رسول کہتے ہیں ۱۲

جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ اس لئے کہ یہ دونوں بزرگوار نبی تھے لیکن رسول نہ تھے۔ کیونکہ اُن کے لئے کوئی تازہ شریعت عطا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے لیکن فرق مذکور بظاہر صحیح نہیں ہے ورنہ حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ کا رسول ہونا باطل ہوگا حالانکہ اُنکا رسول ہونا قابل انکار نہیں ہے۔

دوسری وجہ رسول وہ شخص ہے جو نزول[۱] وحی کے وقت فرشتہ کی آواز بھی سُنتا اور بیداری میں اُسکا معائنہ بھی کرتا ہے اور اُسکو خواب میں بھی دیکھتا ہے۔

اور نبی کے لئے فرشتہ کا بیداری کی حالت میں معائنہ کرنا لازمی نہیں ہے پس اس صورت میں بھی ہر ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہوگا لیکن ہر ایک نبی کا رسول ہونا ضروری نہ ہوگا۔ اور اسی مطلب کی احادیث معصومین علیہم السلام میں بکثرت تصریح ہوئی ہے۔ اس مقام پر بعض احادیث کا وارد کرنا مناسب ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے جسکو زرارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ (زرارہ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ سے سوال کیا کہ۔

من الرسول من النبی من المحدث — رسول کون ہے نبی کون ہے اور محدث کون ہے۔

پھر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

الرسول الذی یاتیہ جبرئیل فیکلمہ قبلاً فیراہ — رسول وہ شخص ہے جسکے پاس حضرت جبرئیل آتے ہیں اور بالمشافہ اس سے ہمکلام ہوتے ہیں اور وہ انکو اسی طرح دیکھتا ہے

---

[۱] اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اور وقتوں میں فرشتہ کی آواز کو وہ لوگ بھی سن سکتے ہیں جو نبی یا رسول نہیں ہیں جیسے حضرت ہاجرہ اور جناب سیدہؑ کہ انکی آواز کو سنا اسیطرح فرشتہ کا اور وہ لوگ بھی معائنہ کر سکتے ہیں جو رسول نہیں ہیں جیسے حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت کو معائنہ کیا تھا حالانکہ آپ نبی تھے اور رسول نہ تھے یا حضرت مریم نے حضرت جبرئیل کو اور آسیہ بنت مزاحم نے دیگر فرشتوں کا معائنہ کیا تھا حالانکہ وہ دونوں نبی اور رسول نہ تھیں۔ پس معلوم ہوا کہ فقط نزول وحی کے وقت فرشتہ کی آواز کا سُننا یا اسکا معائنہ کرنا رسول کے ساتھ مخصوص ہے ۱۲

كما يرى احدكم صاحبه
الذي يكلمه
فهذا الرسول
والنبي الذي يؤتى في النوم
نحو رؤيا ابراهيم ونحو ما كان
يأخذ رسول الله من السبات
اذا اتاه جبرئيل في النوم فهكذا النبي
ومنهم من يجتمع له الرسالة
والنبوة فكان رسول الله
رسولا نبيا يأتيه
جبرئيل قبلا فيكلمه
ويراه ويأتيه في النوم
واما المحدث فهو الذي يسمع كلام
الملك فيحدثه من غير ان يراه
ومن غير ان يأتيه في النوم

جسطرح تم لوگوں میں سے کوئی شخص اپنے رفیق کو
دیکھتا ہے جو اُس سے ہمکلام ہوتا ہے
پس یہ شخص رسول کہلاتا ہے۔
اور نبی وہ شخص ہے جسکے پاس خواب کی حالت میں حضرت
جبرئیل آتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کا خواب تھا اور جیسا کہ
ہمارے حضرت پر خواب طاری ہوتا تھا جبکہ آپ کے پاس
حضرت جبرئیل آتے تھے پس نبی ایسا ہی شخص کہلاتا ہے
اور کسی شخص کے لئے نبوت و رسالت دونوں جمع ہوجاتی ہیں
پس ہمارے حضرتؐ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اور
حضرت جبرئیل آپکے پاس (بیداری میں بھی) آتے اور
آپسے ہمکلام ہوتے تھے آپ اُنکا معائنہ کرتے تھے
اور خواب میں بھی آتے تھے۔
اور محدث وہ شخص ہے جو فرشتہ کا کلام سنتا ہے
اور اُس سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن اُسکو دیکھ نہیں سکتا اور
اور نہ اُسکے پاس وہ (فرشتہ) خواب میں آتا ہی

دوسری حدیث وہ ہے جسکو احول نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے
وہ (احول) کہتے ہیں کہ میںنے حضرتؑ سے رسول و نبی اور محدث کے معنے دریافت کئے
آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

الرسول هو الذي يأتيه جبرئيل
قبلا فيراه ويكلمه فهذا الرسول
واما النبي فهو الذي يرى في منامه

رسول وہ شخص ہے جس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہیں
اور وہ اُن کو برأی العین دیکھتا ہے اور اُنسے ہمکلام ہوتا ہے پس یہ شخص رسول کہلاتا ہے
اور نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے

نحو رؤيا ابراهیمؑ ونحوها كان رأى
رسول الله من اسباب النبوة قبل الوحي حتى
اتاه جبرئيل من عند الله عزوجل بالرسالة
وكان محمد حين جمع له النبوة و
جاءته الرسالة من عند الله يجيئه
بها جبرئيل ويكلمه بها قبلا ومن الانبياء
من جمع له النبوة ويرى
في منامه ويأتيه الروح
ويكلمه ويحدثه
من غير ان يرى في اليقظة
واما المحدث فهو الذي
يحدث فيسمع ولا يعاين
ولا يرى في منامه

جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب دیکھنا یا ہمارے حضرت کا
اسباب نبوت کو قبل وحی دیکھنا یہانتک کہ حضرت جبرئیل آپکے پاس
خدا کی طرف سے رسالت لیکر آئے اور جبکہ ہمارے حضرت کے لئے
نبوت اور رسالت دونوں مرتبے جمع ہوگئے تھے تو حضرت
جبرئیلؑ سے آپ ہمکلام بھی ہوتے تھے اور اُنکو معائنہ
بھی کرتے تھے اور انبیاء میں بعض ایسے بزرگوار بھی گذرے ہیں
جو فرشتوں کو خواب میں دیکھتے تھے اور روح القدس
اُنکے پاس آتے تھے اور اُنسے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور
باتیں کرتے تھے بدون اس کے کہ وہ اُن (فرشتوں)
کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہوں۔
اور محدث وہ شخص ہے جس سے فرشتے باتیں کہتے
ہوں اور وہ اُن کے کلام کو سُنتا ہو اور اُنکا
معائنہ نہ کرتا ہو اور انکو خواب میں نہ دیکھتا ہو۔

تیسری حدیث وہ ہے جسکو زرارہ نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کیا ہے
وہ (زرارہ) کہتے ہیں کہ مینے حضرتؑ سے قول باری تعالیٰ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا کے متعلق دریافت
کیا کہ رسول اور نبی سے کیا مراد ہے پس حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

النبي الذي يرى في منامه و
يسمع الصوت ولا يعاين الملك
والرسول الذي يسمع الصوت
ويرى في المنام ويعاين الملك (الحديث)

نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اُسکی
آواز سنتا ہے۔ اور بیداری میں اُسکا معائنہ نہیں کرتا۔
اور رسول وہ شخص ہے جو فرشتہ کی آواز سنتا ہو اور خواب
میں اُسکو دیکھتا ہے اور بیداری میں اسکا معائنہ کرتا ہے۔

چوتھی حدیث وہ ہے جو بروایت اسمٰعیل بن مرار منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ حسن بن عباس معروفی نے

جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ

جعلت فداک اخبرنی ما الفرق بین الرسول والنبی والامام

میں آپ پر فدا ہوں ارشاد فرمائیے کہ رسول اور نبی اور امام میں کیا فرق ہے۔

پس حضرتؑ نے جواب میں تحریر فرمایا یا ارشاد فرمایا کہ

الفرق بین الرسول والنبی والامام ان الرسول الذی ینزل علیہ جبرئیل فیراہ ویسمع کلامہ وینزل علیہ الوحی وربما رأی فی منامہ نحو رؤیا ابراہیمؑ والنبی ربما سمع الکلام وربما رأی الشخص ولم یسمع والامام ھو الذی یسمع الکلام ولا یری الشخص

رسول اور نبی اور امام میں یہ فرق ہے کہ رسول وہ شخص ہے جسپر حضرت جبرئیلؑ نازل ہوتے ہیں اور وہ اُنہیں دیکھتا اور اُن کے کلام کو سُنتا ہے اور اُسپر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات خواب میں بھی دیکھتا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب اور نبی بسا اوقات کلام کو سنتا ہے اور بسا اوقات فرشتہ کو دیکھتا ہے اور کلام کو نہیں سُنتا۔ اور امام وہ شخص ہے جو کلام سُنتا ہے اور فرشتہ کو نہیں دیکھتا۔

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو برید نے جناب امام محمد باقر اور جناب امام جعفر صادق علیہما السلام سے قول باریتعالیٰ۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث کی تفسیر کے متعلق نقل کیا ہے وہ (برید) کہتے ہیں کہ مینے حضرتؑ کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ۔

جعلت فداک لیست ھذہ قرائتنا فما الرسول والنبی والمحدث

میں آپ پر فدا ہوں یہ ہماری قرائت نہیں ہے ارشاد فرمائیے کہ رسول اور نبی اور محدث سے کیا مراد ہے

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا۔

الرسول الذی یظھر لہ الملک فیکلمہ والنبی ھو الذی یریٰ فی منامہ

رسول وہ شخص ہے جسکے لئے فرشتہ ظاہر ہوتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور نبی وہ شخص ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے

وربما اجتمعت النبوة والرسالة لواحد والمحدث الذی یسمع الصوت ولا یری الصورة۔

اور ربما اوقات نبوت و رسالت ایک شخص کے لئے مجتمع ہو جاتی ہیں اور محدث وہ شخص ہے جو فرشتہ کی آواز سنتا ہے اور اسکی صورت نہیں دیکھتا۔

راوی کہتا ہے کہ مینے عرض کیا کہ

کیف یعلم ان الذی رای فی النوم حق وانہ من الملک

یہ کیونکر معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہ حق ہے اور جسے خواب میں دیکھا ہے وہ فرشتہ ہی ہے

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

یوفق لذلک حتے یعرفہ

اس کے پہچاننے کی خدا توفیق کرامت فرماتا ہے۔

تنبیہ۔ان احادیث کو لکھ کر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار مذکورہ سے نبی و امام میں فرق کا استنباط کرنا اور اسیطرح ان اخبار اور دیگر احادیث میں جمع کرنا بھی خالی از اشکال نہیں ہے۔لیکن جو کچھ کہ اکثر اخبار سے ظاہر ہوتا ہے وہ اسیقدر ہے کہ امام کسی حکم شرعی کو خواب میں نہیں دیکھے اور نبی اسکو کبھی خواب میں دیکھتے ہیں اور امام و نبی اور رسول میں یہ فرق ہے کہ رسول فرشتہ کو القاء حکم کے وقت دیکھتے ہیں اور نبی جو رسول نہوں اور امام اُس (فرشتہ) کو حالت مذکورہ میں نہیں دیکھتے اگرچہ باقی احوال میں اُسکا معائنہ کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ جس فرشتہ کو یہ دونوں (نبی و امام) نہیں دیکھتے اُس (فرشتہ) سے خصوص حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں اور جملہ احوال میں عموم ہو لیکن اس مطلب میں بھی بعض روایات کی مخالفت لازم آتی ہے اور اخبار سے قطع نظر کرکے انبیاء غیر اولوالعزم اور آئمہ ع میں شاید یہ فرق ہو کہ حضرات ائمہ ع نواب رسول ہیں اور کسی حکم کو بدون نیابت نہیں پہونچاتے اور انبیاء ع اگرچہ اپنے غیر کی شریعت کے تابع ہوتے تھے لیکن وہ بالاصالۃ مبعوث ہوتے تھے۔اگرچہ وہ نیابت باعتبار رتبہ اس اصالت سے اشرف و اعلیٰ ہے۔اور بعض علماء نے فرق

وامام میں یہ فرق کیاہے کہ فرشتہ نبی پر حکم کو بر وجہ تعلیم القا کرتا ہے اور امام پر بتنبیہ کے لئے
القا کرتا ہے - اور حاصل کلام یہ ہے کہ ہمکو اس امر کا اعتقاد کرنا ضروری ہے کہ آئمہ ع انبیا
نہ تھے اور یہ کہ وہ ہمارے حضرت ع کے سوا باقی تمام انبیاء اور اوصیاء سے افضل و اشرف
تھے - اور ہمکو کوئی سبب ایسا معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے یہ حضرات نبوت کے ساتھ
متصف نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ اسمیں حضرات خاتم الانبیاء ع کی جلالت قدر کی
رعایت ملحوظ ہو - اور ہماری عقلیں نبوت و امامت میں کوئی بیّن فرق نہیں کرتیں اور جو کچھ
کہ مدلول اخبار تھا وہ معلوم ہو چکا - اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے عقائد صدوق علیہ الرحمہ کی شرح
میں ارشاد فرمایا ہے کہ وحی کی اصل ہے کلام پوشیدہ - بعد ازاں اسکا ہر ایسی شے پر اطلاق
کیا جاتا ہے جس سے فقط مخاطب کا بطور راز سمجھانا مقصود ہو پس جبکہ وہ (وحی) خدا کی
طرف منسوب ہوتی ہے تو عرف اسلام میں وہی کلام مراد ہوتا ہے جو پیغمبروں کے ساتھ
مخصوص ہو حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے -

واوحینا الی ام موسےٰ ان ارضعیہ الایہ ہمنے مادر موسےٰ کی طرف وحی کی

پس اہل اسلام نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ وحی سے اس مقام پر وہ کلام مراد ہے جسکو
کہ خصوص مادر حضرت موسےٰ نے اپنے خواب میں سُنا تھا - اور حق تعالےٰ نے ارشاد
فرمایا ہے کہ

واوحیٰ ربک الی النحل الایہ } تمہارے خدا نے مگس شہد کی طرف وحی کی

اس مقام پر وحی سے وہ پوشیدہ الہام مراد ہے جسکا علم خصوص نحل (مگس شہد) کو حاصل
ہوا تھا - اور کبھی حقتعالیٰ اپنی بہت سی مخلوق کو خواب میں ایسی چیزیں دکھلا دیتا ہے
جسکی تاویل صحیح اور حقیقت ثابت ہوتی ہے لیکن استقرار شریعت کے بعد اسپر لفظ وحی کا
اطلاق کرنا درست نہیں ہے اور اسوقت میں اگر خداوند عالم کسی شخص کو کسی شے کے
علم پر مطلع فرمائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے اُسپر وحی کی اور ہمارے نزدیک یہ امر ثابت ہے

کہ حقتعالے حضرات معصومین ع کو بہت سے ایسے علوم پر مطلع کرتا ہے جو زمانہ آیندہ سے متعلق ہوتے ہیں لکن اُسپر لفظ وحی کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے - اِس لئے کہ جملہ اہل اسلام نے اتفاق کیا ہے کہ ہمارے نبی ص کے بعد کسی شخص پر وحی نہوگی اور حقتعالی کے لئے اس امر کا اختیار ہے کہ وہ کسی کلام کے اطلاق کو بعض اوقات جائز کرے اور بعض اوقات ناجائز قرار دے - رہے معانی تو وہ اپنی حقیقتوں میں کسی وقت بھی متغیر نہیں ہو سکتے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب المقالات میں ارشاد فرمایا ہے کہ عقل کے نزدیک حضرات آئمہ معصومین ع پر وحی کا نازل ہونا ممنوع نہیں ہے اگرچہ وہ حضرات انبیا نہیں ہیں اس لئے کہ حقتعالی نے مادر موسیٰ ع کی طرف وحی کی تھی کہ تم اُسکو دودھ پلاؤ حالانکہ وہ نہ نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ امام تھیں لکن وہ خدا کی نیک بندوں میں داخل تھیں اور ہم جو حضرات آئمہ معصومین ع پر نزول وحی کا انکار کرتے ہیں اُسکی وجہ یہ ہے کہ اِس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص اس امر کا قائل ہو کہ بعد ہمارے حضرت کے کسی شخص کی طرف وحی ہوتی ہے تو وہ خاطی اور کافر ہے اور اس مطلب کا دینِ اسلام میں علم حاصل ہو چکا ہے جس طرح کہ عقل کے نزدیک جائز تھا کہ ہمارے نبی ص کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہو - اور ہماری شریعت مثل دیگر شریعتوں کے منسوخ ہو لکن اجماع نے اِس امر کو منع کر دیا - اور اس امر کا علم ضروری حاصل ہوا کہ استقرار شریعت کے بعد کسی شخص پر نزول وحی کا قائل ہونا دین اسلام کے مخالف ہے انتہیٰ کلامہ ملخصاً -

اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات آئمہ معصومین ع پر استقرار شریعت کے بعد نزول وحی کا قائل ہونا یا اُن کو انبیاء کہنا صحیح نہیں ہے اگرچہ ان حضرات کا ہمارے حضرت کے سوا دیگر انبیا ع سے افضل اور اشرف ہونا بدون اشکال صحیح ہے - اگرچہ اس مطلب کی حقیقت تک ہماری ناقص عقلوں کی رسائی نہ ہو ۱۲

حسن بعثت کا بیان

تمام عقلاء نے بعثت انبیاء کے مستحسن ہونے پر اتفاق کیا ہے جسپر کئی امروں کے ساتھ استدلال ہوسکتا ہے۔

پہلا امر اس میں شبہ نہیں ہے کہ بعثت انبیاء سے اُن چیزوں کی تائید ہوتی ہے جنکے ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے جیسے بارتعالیٰ عزاسمہ کا موجود اور اُسکا عالم و قادر ہونا اس لئے کہ بعض اوقات قوت واہمہ اور عقل میں معارضہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے عقل کے لئے نقلی دلائل کے ساتھ تائید کے حاصل ہونیکی ضرورت پیش آتی ہے۔

اعتراض جن چیزوں کے ادراک کرنے میں عقل کا مستقل ہونا فرض کیا جاتا ہے اگر وہ (ادراک عقلی) تائید نقل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تو خلاف فرض لازم آئے گا۔ اس لئے کہ عقل کا اپنے ادراک میں مستقل ہونا فرض کرلیا گیا ہے۔ اور اگر وہ (ادراک عقلی) بغیر نقل کے حاصل ہوسکتا ہے تو تائید کا فرض کرنا بیکار ہوگا۔

جواب اگرچہ عقل بغیر نقل کے ادراک کرسکتی ہے مگر وہ (ادراک عقلی) معرض زوال میں ہوتا ہے اس لئے کہ احکام وہم کبھی اُس (ادراک عقلی) پر غالب آجاتے ہیں اور انسان کے نزدیک احکام عقلیہ پر عمل کرنا معتد بہ نہیں رہتا۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ ادراک عقلی کے مختلف درجے ہیں اور اعلیٰ مرتبہ وہی ہے جسمیں پورا اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ پورا اطمینان بغیر نقل کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اس مطلب کی فے الجملہ شرح اس طرح ہوسکتی ہے کہ کوئی انسان کسی اجنبی شہر میں وارد ہو اور اُسکی عقل حکم کرتی ہو کہ اس شہر کے لئے کوئی نہ کوئی رئیس ضرور ہوگا جو اہل شہر کا مرجع و ماوے قرار پاتا ہو لیکن ایسا اوقات قوت واہمہ اُسکے دل میں یہ وسواس پیدا کردیتی ہے کہ یہ امر ممکن ہے کہ اس شہر میں کوئی رئیس نہو بلکہ تمام اہل شہر طبیعتیں صلح پسند ہوں اور وہ خود ہی اپنی طبیعتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر ظلم

وزیادتی نہ کرتے ہوں۔

اب اگر کوئی معتبر اور باوثوق آدمی اس امر کی خبر دے کہ اس شہر میں ایک رئیس موجود ہے جو اپنے احکام کو نافذ کرتا ہے اور اہل شہر اُسکے خوف سے ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے تو ایسی صورت میں قوت واہمہ کو کسی وسوسہ کے پیدا کرنے کا موقع نہ ملیگا۔

دوسرا امر بعض اوقات عقل کو کسی مطلب کا اجمالی طور سے ادراک ہوتا ہے اور اُسکی تفصیل کے حاصل کرنے پر قدرت نہیں ہوتی۔ فرض کیجئے کہ کسی شخص کو عقل کے ذریعہ سے بطور اجمال اسقدر معلوم ہو کہ خداوند عالم بعض اُمور سے راضی اور بعض اُمور سے ناراض ہوتا ہے لیکن اُن اُمور کی تفصیل معلوم نہ ہو جو راضی یا ناراض ہونیکا سبب قرار پاتے ہیں تو اس صورت میں شخص مذکور کو ایسے واقفکار کی ضرور حاجت ہوگی جو ایسے اُمور کی تفصیل پر مطلع کرسکتا ہو۔

تیسرا امر بسا اوقات عقل کو بعض اُمور سے غفلت ہوجاتی ہے اور کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جسکی تنبیہ کے بعد اُسکی غفلت برطرف ہوسکتی ہو۔

چوتھا امر۔ بعض اوقات ایسے اُمور پیش آتے ہیں جو عقل پر مشتبہ ہوجاتے ہین جنکے ادراک کرنمیں عقل مستقل نہیں ہوتی اگرچہ اُن کے محال ہونے کا بھی حکم نہیں کرتی ایسی صورت میں تحصیل ادراک کے لئے ایسے شخص کی ضرورت پیش آئیگی جسکی خداوندعالم تائید فرمائے اور اُسکے پاس اپنی راست گوئی کے لیے شواہد موجود ہوں جنکی وجہ سے اُسکی تصدیق لازم ہو۔

پانچوان امر بہت سی صنعتیں ایسی ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ اُنکے دریافت کرنے کے لئے ایسے حضرات کی ضرورت ہے جنکو خداوندعالم نے تعلیم فرمایا ہو۔

اور کتب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے بھی ہیں کہ بہت سی صنعتوں کو خداوندعالم نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے لوگوں کو تبلایا ہے۔

چھٹا امر زہریلی غذاؤں سے زہر کا دور کرنا یا ایسی غذاؤنکا دیگر غذاؤں اور دواؤں سے ممتاز کرنا ایک ضروری امر ہے جسپر مطلع ہونے کے لئے ایسے حضرات کے بیان کرنیکی حاجت ہے

جو اُنپر منجانب اللہ مطلع ہوکر بتا سکتے ہوں۔
ساتواں امر دنیا کی موجودہ اشیاء میں تصرف کرنے سے اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اُنکا مالک ہمارے اِس تصرف سے ناراض ہو اور اسی طرح تصرف نہ کرنیکی صورت میں یہ خوف ہوتا ہے کہ ہم سے نیک باتیں چھوٹ نہ جائیں۔ پس جبکہ تصرف کرنے اور نہ کرنے دونوں حالتوں میں مالک کی بازپرس کا خوف فرض کیا گیا تو اُسکے دفعیہ کی غرض سے ایسے شخص کا خداوند عالم کی طرف سے مبعوث ہونا ضرور مستحسن ہوگا۔ جو اس خوف کو دور کرے اور خداوند عالم کے راضی اور ناراض ہونیکے مقامات کو بتلاتا رہے۔
آٹھواں امر بعض افعال کے حسن کا مفسدہ کے ساتھ اور بعض افعال کے مفسدہ کا حسن کے ساتھ بدل جانا ممکن ہے اور اُسپر انسانی عقل کے نزدیک مطلع ہونے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے لہذا اس مطلب کے بیان کرنے کی غرض سے ایسے شخص کا خدا کی جانب سے مبعوث ہونا ضرور مستحسن ہوگا جو عقلوں کو واقعی حالات پر آگاہ کرتا رہے۔
نواں امر نفوس بشریہ کا علمی اور عملی کمالات کے ساتھ مکمل ہونا مطلوب ہے جو بعثتِ انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ لہذا انبیاء کا مبعوث ہونا مستحسن ہوگا۔
دسواں امر انسان کے لئے تہذیبِ اخلاق کا حاصل ہونا اور اسیطرح تدبیر منزل اور سیاستِ مدن کا حاصل ہونا مرغوب ہے جسپر انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے اطلاع ہوسکتی ہے جسکے لئے انبیاء کا مبعوث ہونا مستحسن ہے۔
گیارھواں امر ہر ایک فعل پر جو ثواب اور عذاب مترتب ہوتا ہے اُسکی تفصیل کا معلوم ہونا ایک مفید امر ہے جو بعثت انبیاء کے بعد حل ہوسکتا ہے لہذا خدا کی جانب سے انبیا کا مبعوث ہونا مستحسن ہوگا۔
بارھواں امر تکلیف کی خوبی پر بہت سے ادلّہ قایم ہوچکے ہیں جنکا تفصیلی تذکرہ کتاب العدل میں ہوچکا ہے اور ظاہر ہے کہ واقعی تکلیف پر بغیر ایسے بزرگواروں کے اطلاع نہیں ہوسکتی جو

اپنی راست گوئی پر معجزے ایسے شواہد کو پیش کرسکتے ہوں - اور تائید ربانی سے انکی تصدیق ہوچکی ہو

ثبوت نبوت کے عقلی دلائل

نبوت کے ثابت ہونے پر بہت سے عقلی دلائل موجود ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد اس امر میں ہرگز شبہ نہیں رہسکتا کہ حکیم مطلق پر نبی کا مبعوث کرنا نہایت ضروری ہے مگر ہم اس مقام پر صرف بعض دلیلوں کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو ہر ایک منصف مزاج کے لئے اثبات مطلب میں کافی اور وافی ہیں اور وہ یہی ہیں۔

پہلی دلیل اسمیں شبہ نہیں ہے کہ جب کوئی انسان نیستی سے ہستی کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے بچپنے کے زمانہ میں اپنی ضروریات کے بہم پہونچانے سے بالکل عاجز ہوتا ہی اور اُسکو ایک ایسے سرپرست اور مربی کی حاجت ہوتی ہے جو اُسکی پوری پوری نگرانی کرتا رہے اور اس کے لئے زندگی کے اسباب بہم پہونچاتا رہے اور اُسکو سردی گرمی اور درندوں گزندا اور دیگر ضرر کی چیزوں سے بچاتا رہے - اب اگر ہر ایک انسان کے لئے ایک سرپرست کا موجود ہونا فرض کیا جائے تو اس سلسلہ کا غیر محدود ہونا لازم آئیگا جس کا باطل ہونا بہت واضح ہے - لہذا اس سلسلہ کا ایسے شخص کی طرف منتہی ہونا ضروری ہوا جس کو اپنے زندہ اور باقی رہنے میں کسی دوسرے سرپرست اور مربی کی حاجت نہ ہو - اور یہ کہ وہ اپنے تمام ضروریات کو خود انجام دیسکتا ہو - پس ابتدائے خلقت میں ایک ایسی شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو خدا کی طرف سے تعلیم یافتہ اور اپنے جملہ ضروریات کے فراہم کرنے اور دوسروں کی تربیت اور سرپرستی کرنے پر قادر ہو - اس تقدیر پر شخص مذکور میں چند وصفوں کا موجود ہونا لازم قرار پاتا ہے -

اوّل اسکا کامل العقل اور مکلف اور لوازم اطفال سے بری ہونا تاکہ اسکو اپنی زندگانی

بسر کرنے اور باقی رہنے میں کسی دوسرے سرپرست اور مربی کی حاجت نہو۔
دوم اسکا خداوند عالم کی طرف سے اپنے اور دیگر اشخاص کی ضروریات پر مطلع اور آگاہ ہونا تاکہ اس کو ضروری چیزوں کے معلوم کرنے میں کسی دوسرے شخص کی طرف حاجت نہو۔
سوم اسکا جملہ ضروریات کے بہم پہونچانے پر قادر ہونا تاکہ وہ اپنی ضروریات کے بہم پہونچانے میں کسی دوسرے شخص کا محتاج نہ ہو اور یہ مطلب ایسا بدیہی ہے کہ اسمیں کسی عاقل کیلئے شبہ نہیں ہوسکتا اور جو شخص کہ اوصاف مذکورہ بالا کے ساتھ موصوف ہو اسیکو نبی کہتے ہیں۔پس ابتداء خلقت میں نبی کا موجود ہونا لازم ہوا اسی لئے حکیم مطلق نے ابتدائے خلقت میں حضرت آدمؑ کو نبی قرار دیا اور اُنکو اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف کیا جنکی وجہ سے نظم عالم درست ہوا۔

دوسری دلیل عالم کی جملہ چیزوں کا حادث ہونا اور انکا اپنے حدوث اور پیدا ہونے میں صانع عالم کیطرف محتاج ہونا۔اور صانع عالم کا حکیم مطلق ہونا اور حکیم مطلق سے کسی عبث اور بے فائدہ کام کے صادر ہونیکا محال ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہوچکا ہے۔اور اس مطلب کی کتاب التوحید والعدل میں بھی نہایت کافی طور سے شرح اور تفصیل ہوچکی ہے۔پس اس عالم کی پیدا کرنے میں کسی حکمت کا موجود ہونا بہرحال ضروری ہوا ورنہ لازم آئیگا کہ حکیم مطلق نے اس عالم کو بے فائدہ اور عبث پیدا کیا ہو۔اور جو شخص کہ اس عالم کی خلقت پر ذرا سا غور کریگا اُسکو بدیہی طور سے معلوم ہوجائیگا کہ اسکی خلقت کسی طرح عبث اور بیکار نہیں ہوسکتی ورنہ لازم آئیگا کہ عالم کا پیدا کرنا ایسا لغو اور بے فائدہ کام ہو جسکی نظیر کسی ادنے سے ادنے کاریگر میں بھی موجود نہو مثلاً اگر کوئی کمہار ہزاروں برس کی مدت تک طرح طرح کے کونڈے اور برتن بنائے اور بنا لینے کے بعد انکو بلا وجہ توڑتا جائے اور پھر نئے سرے سے برتنوں کو بناتا جائے اور عبث عبث اُنکو توڑتا جائے تو لوگوں کو اس کام کے عبث اور بے فائدہ ہونے میں کسطرح کا شبہ

نوع انسان کو پیدا کرے اور اسکو اشرف المخلوقات کا گران بہا خطاب عطا فرمائے اور اس کو
طرح طرح کی تکلیفوں اور بلاؤں اور انواع واقسام کی بیماریوں اور زحمتوں میں مبتلا کرے بعد ازاں
اُسکو ہلاک کرے اور پھر از سر نو اسکو پیدا کرے اور عبث عبث ہلاک کرتا جائے اِس صورت میں
معمولی عقل کا انسان بھی اِس نتیجہ پر ضرور پہونچتا ہے کہ حکیم مطلق نے اس عالم کو عبث اور
بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ اسکے پیدا کرنے میں کوئی اعلیٰ درجہ کی حکمت اور مصلحت ملحوظ ہے
اب اگر فرض کیا جائے کہ عالم کے پیدا کرنے میں جو اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے اِس سے
ضرر پہونچانا اور ایذا رسانی مراد ہے تو حکیم مطلق کا ظالم اور ستمگار ہونا لازم آئیگا حالانکہ
اسکی مقدس ذات کا ہر ایک قسم کی بُرائی سے منزہ اور پاک ہونا قطعی اور یقینی ہے جس کا
کتاب العدل میں مفصل تذکرہ موجود ہے اس تقدیر پر ضرور ہوا کہ اس اعلیٰ درجہ کی حکمت سے
نفع پہونچانا اور احسان کرنا مراد ہو اب چونکہ ایسے شخص پر انعام اور احسان کرنا قبیح ہے جو
اسکا مستحق نہو اس لئے ضرور ہوا کہ احسان کرنا بھی اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو۔ جو اسکا مستحق
ہے کیونکہ مستحق اور غیر مستحق کا احسان کرنے میں برابر کر دینا قبیح ہے۔ جس کا خدا کی مقدس ذات سے
صادر ہونا محال ہے۔ لیکن کسی شخص کا احسان وانعام کے لئے مستحق ہونا اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے
جبکہ اس سے خداوند عالم اپنے کسی حکم کے بجالانے یا ترک کرنے کو متعلق کرے پس تا وقتیکہ
خداوند عالم کا کوئی حکم اس کے بندوں سے متعلق نہوگا اسوقت تک ان (بندوں) کا مستحق
یا غیر مستحق ہونا معلوم نہوگا اس صورت میں خداوند عالم کے حکموں کا بندوں سے متعلق ہونا
ضروری ہوا اور ظاہر ہے کہ خداوند عالم کے حکموں پر اسوقت تک اطلاع نہیں ہو سکتی جبتک
کہ کوئی شخص ان (حکموں) کو بندوں تک پہونچانے والا فرض نہ کیا جائے پس ایسے
شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو خدا کے حکموں کو بندوں تک پہونچائے اور ایسے ہی
شخص کو نبی اور رسول کہتے ہیں لہذا حکیم مطلق پر انبیاء کا مبعوث کرنا لازم ہوا فرض کرو
کہ اگر ولایت کی پارلیمنٹ میں کوئی قانون پاس ہو جائے تو ہندوستان کے باشندوں پر

وہ قانون م اسوقت تک نافذ ہوگا جب تک کہ حکام ہندوستان کے ذریعہ سے اُن تک پہونچ نہ جائے۔ پس بلاتشبیہ کارخانۂ قدرت کو پارلیمنٹ کی جگہ اور بندوں کو ہندوستان کے باشندوں کی جگہ اور انبیاء کو حکام کی جگہ سمجھو جن کے ذریعہ سے پارلیمنٹ کے احکام ہندوستان کے باشندوں تک پہونچتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس مطلب کی شرح اس طرح ہوسکتی ہے کہ حکیم مطلق نے انسان کو عقل وشعور کا ایسا جوہر عطا فرمایا ہے جسکی وجہ سے اسکو دیگر حیوانات سے امتیاز حاصل ہے اور یہ کہ وہ ہر طرح کے کمالات کو حاصل کرسکتا ہے۔ اب اگر خدا کی طرف سے باوجود عقل کے بھی اسپر کسی قسم کی پابندی لازم نہ کی جائے تو لازم آئیگا کہ خدا نے اسپر بہایم کی طرح ہر ایک بُرے کام کو مباح کردیا ہو اور یہ کہ خدا اس سے شرک اور بُت پرستی اور چوری اور زناکاری اور گالی گلوچ وغیرہ بُرے کاموں کے اختیار کرنے اور توحید اور خداپرستی اور امانت داری اور دیگر اچھے کاموں کے ترک کرنے پر راضی ہو لکن ہر ایک معمولی عقل کا بھی آدمی اس امر کو تجویز نہیں کرسکتا کہ حکیم مطلق باوجود اپنے کمال حکمت وقدرت کے ایسے اُمور پر راضی ہو۔ اور جب کہ حکیم مطلق کا بُری باتوں کے اختیار کرنے اور اچھی باتوں کے چھوڑنے پر راضی ہونا درست نہیں ہے تو انسان کی تعلیم کے لئے خدا کی طرف سے ایسے شخص کا موجود ہونا لازم ہوا جو اسکو اچھے کاموں کے اختیار کرنے اور بُرے کاموں کے ترک کرنیکی طرف ہدایت کرے اور جو شخص کہ خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کیلئے مقرر ہوا اسی کو نبی اور رسول کہتے ہیں پس نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔

اعتراض اس مقام پر کوئی شخص کہ سکتا ہے کہ انسان کو اچھے اور بُرے کاموں کی طرف اسکی عقل ہدایت کرسکتی ہے پس جس کام کو کہ عقل اچھا کہتی ہے اُسکو اختیار کرے اور جس کام کو عقل بُرا کہتی ہے اُسکو ترک کرے اس صورت میں نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض کئی وجہوں سے قابل التفات نہیں ہے۔

اوّل یہ کہ عقل انسانی کی معلومات بہت ہی محدود ہیں اور اسکو بہت سے کاموں کی خوبی

اور بھلائی یا بدی اور برائی پر اطلاع نہیں ہو سکتی - جیسے ماہِ رمضان کے روزہ کا واجب ہونا
اور عید کے روزہ کا حرام ہونا یا فلاں عورت سے نکاح کا جائز ہونا وغیرہ وغیرہ - پس
ایسے امروں میں انسان کو اسکی عقل ہرگز ہدایت نہیں کر سکتی - پس ایسے امروں میں انسان
کا نبی کیطرف محتاج ہونا اور خود انسانی عقل کا انکی ہدایت کرنے میں کافی نہ ہونا بہت ظاہر ہے
دوم یہ کہ عقل کے ذریعہ سے جن امور پر اطلاع ہو سکتی ہے انپر بھی انسان کو عمل کرنا دشوار ہوتا ہے
اس لئے کہ انسان میں جس طرح کہ عقل کا ایک جوہر موجود ہے اسی طرح نفسانی خواہشوں کا
لشکر بھی موجود ہے جو اسکو عقل کے معلومات پر عمل کرنے سے روکتا ہے اور ہر ایک
برے کاموں کی طرف مائل کرتا ہے - پس انسان کو عقل کی معلومات پر عمل کرنے میں بھی
نبی کی طرف حاجت ہوگی - اور اس مطلب کی تحصیل میں بھی محض عقل کافی نہوگی - اور اگر اس
باب میں عقل انسانی کافی ہوتی تو کوئی انسان کسی برے کام کو اختیار ہی نکرتا حالانکہ
انسان کا بہت سی قبیح باتوں اور بیہودہ حرکتوں کو اختیار کرنا معلوم بلکہ محسوس ہے پس ایسی
صورت میں ہدایت کے لئے عقل انسانی کے کافی ہونے کا خیال بالکل مہمل اور بے بنیاد ہوگا -
سوم یہ کہ اگر ہدایت کے لئے محض عقل کا موجود ہونا کافی بھی فرض کر لیا جائے تب بھی
عقل کی تائید اور تاکید کے لئے نبی کا مقرر ہونا بہرحال خوب ہے - اس لئے کہ نفسانی
خواہشوں کے مقابلہ میں عقل انسانی کے مغلوب ہو جانیکا قوی اندیشہ ہے - لہذا اسکی
روک ٹوک کی غرض سے نبی کا مقرر کرنا اصلح اور خوبی کے ساتھ موصوف ہوگا - اور حکیم
مطلق کے لئے نبی کے مقرر کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے - اور جس شے کا مقرر ہونا
خوب ہو اور اس کے بہم پہونچانے سے کوئی امر مانع نہو تو اس کا خداوند عالم پر بمقتضائے
حکمت بہم پہونچانا لازم ہے پس نبی کا مقرر ہونا اس صورت میں بھی ضروری ہوگا -
تیسری دلیل یہ کہ عالم کی تمام چیزوں کا حادث ہونا اور نیستی کے بعد پیدا ہونا قطعی اور
یقینی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے جو حق تعالی کے عالم اور قادر اور حکیم مطلق ہونے پر دلالت

کرتاہے اور یہ کہ تمام مخلوقات اس کی رعیت ہے اور وہ شہنشاہ ہی اور تمام مخلوقات کو بلاتشبیہ اسکی مقدس ذات سے وہی نسبت ہے جو کسی بادشاہ عظیم الشان کو اپنی رعایا کی حاصل ہوسکتی ہے پس جسطرح کہ بادشاہ کے حکموں کا اسکی رعایا تک پہونچنا کسی ایسے واسطہ اور سفیر کے مقرر ہونے پر موقوف ہوتا ہے جو اُسکے حکموں پر مطلع ہو اسی طرح خداوند عالم کی حکموں کا اسکے بندوں تک پہونچنا بھی کسی ایسے واسطہ اور سفیر کی موجود ہونے پر موقوف ہوگا جو اُسکے حکموں پر مطلع ہو اور جو شخص کہ خدا اور اُسکے بندوں میں سفیر ہوتا ہے اسی کو نبی کہتے ہیں پس نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ ورنہ خدا کی سلطنت اور حکومت کا انکار لازم آئیگا جسکا بطلان بہت واضح ہے۔

چوتھی دلیل یہ کہ عالم میں ہر ایک انسان اپنے موجود اور باقی رہنے اور معقولیت[۱] کی ساتھ بسر کرنے میں دوسرے انسان کا محتاج ہے اسلئے کہ کوئی انسان اپنی زندگی کے جملہ ضروریات کو تنہا بہم نہیں پہونچا سکتا۔ پس اس مطلب کے حاصل کرنیکی غرض سے انسانوں کا باہم اکٹھا ہونا اور ہر ایک انسان کا زندہ رہنا دشوار ہوجائیگا۔ مثلاً اگر ایک ہی شخص اپنے لئے کھانا بھی تیار کرے اور وہی مکان بھی بنائے اور وہی لباس بھی مہیا کرے اور علیٰ ہذا القیاس اپنی کل ضروری چیزوں کو خود ہی بہم پہونچائے تو اسکا زندہ رہنا محال ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ وہ ان ضرورتوں کے بہم پہونچانے ہی کی زمانہ میں ختم ہوجائے اور ضرورتیں باقی رہ جائیں جسکی وجہ بہت ظاہر ہے ایسی صورت میں ہر ایک انسان کو دوسرے کی

---

[۱] اس عبارت میں معقولیت کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ انسان کا بہائم کی طرح بسر کرنا دوسرے طریقوں سے بھی ممکن ہی مگر اُسوقت حکیم مطلق پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ایسی زندگی کے لئے عقل عطا کرنے کی حاجت نہ تھی پس عقل کا عطا کرنا اس امر کو ضرور بتلاتا ہے کہ خداوند عالم کو انسان کا بہائم کی طرح زندگی بسر کرنا ہرگز مطلوب نہیں ہے ۱۲۔

مدد کرنا اور ایک شخص کا دوسرے سے معاملہ کرنا لازم ہوگا اور چونکہ ہر ایک انسان کی طبیعت اپنے نفع حاصل کرنے اور دوسرے کے ضرر پہونچانے کی طرف مائل ہے اس لئے باہمی معاملہ اور میل جول کرنے میں ظلم اور زیادتی کے پیش آنیکا قوی اندیشہ ہے پس ظلم کی روک تھام کے لئے کسی ایسے قانون کا موجود ہونا لازم ہوگا۔ جو ہر ایک کو ظلم کرنے سے باز رکھے اور اسکی پابندی کے ضروری ہونے پر ہر ایک شخص مجبور ہو جائے ایسی صورت میں قانون مذکور کا خدا کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوگا اس لئے کہ بندوں کا بنایا ہوا قانون اُنکو ظلم اور زیادتی سے باز نہیں رکھ سکتا جسکی وجہ بہت واضح ہے۔ اس تقدیر پر ایسے شخص کے موجود ہونیکی ضرورت ہوگی جو اس خدائی قانون کو بندوں تک پہونچائے اور اسکے ذریعہ سے بندونکو ظلم و زیادتی سے باز رکھے۔ اب اگر قانون کے لانے والے میں کوئی ایسی خاص علامت نہ فرض کیجائے جو اُسکے راست گو ہونے پر دلالت کرے تو ہر ایک شخص کیلئے ایک ایک قانون پیش کرنا اور اُسکے خدائی قانون ہونیکا مدعی ہونا ممکن اور تمام لوگوں کا کسی ایک قانون پر مجتمع ہونا محال ہوگا۔ اور ظلم و زیادتی کی روک تھام جو اسکی اصلی غرض تھی حاصل نہوگی۔ فرض کرو کہ اگر کسی بادشاہ کی رعایا میں سے ہر ایک شخص مدعی ہو کہ بادشاہی قانون میرے پاس موجود ہے اور انمیں سے کسی ایک کے پاس بھی بادشاہ کی عطا کی ہوئی کوئی علامت درست موجود نہو تو انمیں کوئی قانون بھی عملدرآمد کے قابل نہوگا بلکہ اگر کوئی شخص بے سمجھے بوجھے انمیں سے کسی ایک قانون کو شاہی قانون قرار دیگا تو بادشاہ کی طرف سے عتاب کا مستحق ہوگا پس خدائی قانون کے لانے والے شخص کے پاس کسی ایسی علامت کا موجود ہونا ضروری ہے جو اسکی راست گو ہونے پر دلالت کرے اور یہ کہ جو اسکو باقی اشخاص سے ممتاز کر دے پس ایسے شخص کو نبی اور اُسکی علامت کو معجزہ کہتے ہیں پس نظم عالم کے باقی اور محفوظ رہنے کے لئے خدا کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

اور اس دلیل پر کئی اعتراض کئے گئے ہیں۔

پہلا اعتراض نظم عالم کے باقی رہنے کے لئے زمانہ کے بادشاہوں کا رعب اور دہشت اور قانون کی پابندی اور بدمعاشوں کی روک ٹوک کی تدبیریں اور چوکیداروں کی چوکی پہری اور پولیس کی روند (گشت) کافی ہے اور کسی نبی کی موجود ہونیکی ضرورت نہیں ہے۔

جواب دنیا کے بادشاہوں کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی قسم یہ کہ بادشاہ ایسی شوکت اور قوت رکھتا ہو جس کے بعد اُسکو رعیت کی طرف سے کسی قسم کا خوف وخطر باقی نہ رہے اور باوجود اس کے آخرت کا بھی اعتقاد نہ رکھتا ہو اس صورت میں نظم عالم کے باقی رہنے اور ظلم وزیادتی کے برطرف ہونے کا خیال جیسا کہ بیکار اور فاسد قرار پاتا ہے اُسکے بیان کرنیکی حاجت نہیں اسلئے کہ اس صورت میں اگرچہ رعیت کی طرف سے امن وامان قائم رہنا متوہم ہوسکتا ہے مگر بادشاہ کی طرف سے جسقدر بھی ظلم وزیادتی نہ ہو کم ہے اس لئے بادشاہوں میں نفسانی خواہشوں کا موجود ہونا فرض کیا گیا ہے جو اسکو رعیت کے ظلم کرنے پر آمادہ کرتی رہینگی اور کسی قسم کا دنیوی یا اُخروی خوف کا موجود نہ ہونا فرض کیا گیا ہے جو اس کو ظلم وزیادتی سے روکتا ہے پس جبکہ ظلم وزیادتی کے اسباب موجود ہوں اور نیز کوئی امر اس سے مانع نہو تو اس کا واقع ہونا ضروری ہے پس اس صورت میں نظم عالم کا باقی نہ رہنا اور تمام رعیت پر ظلم وزیادتی کا واقع ہونا ضروری ہوگا جسکی روک تھام کے لئے کسی نبی کا موجود ہونا لازم ہے پس محض بادشاہ کا موجود ہونا اس مطلب کے لئے کسی طرح کافی نہ ہوگا۔

دوسری قسم یہ کہ بادشاہ کو اگرچہ اپنی رعیت کی طرف سے کسی قسم کا خوف وخطر نہ ہو لیکن آخرت کا اعتقاد رکھتا ہو اس صورت میں بادشاہ کو اپنی رعیت پر تسلط نہو گا اس لئے کہ رعیت پر ظلم وزیادتی کے ساتھ تسلط حاصل کرنے سے اسکو آخرت کا اعتقاد مانع ہوگا اور اپنی رعیت کو ظلم وزیادتی سے روک نہ سکیگا اب اگر بدون ظلم وزیادتی کے اس کا اپنی رعیت کو روک لینا فرض کیا جائے تو اسکا نبی ہونا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ ہر ایک امر کو عدالت کے ساتھ انجام دینا اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ اسکو ہر ایک امر کی واقعی حدود پر اطلاع حاصل ہو اور جس شخص کے لئے اس قسم کی

اطلاع فرض کیجائے تو وہ ضرور نبی ہوگا۔ پس نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ انتظامِ عالم کی درستی کے لئے نبی کا موجود ہونا ضروری ہے۔

تیسری قسم یہ کہ بادشاہ کو اپنی رعیت سے صرف خوف وخطر ہو۔ اور آخرت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس صورت میں بھی بادشاہ کو رعیت پر تسلط نہ ہوگا اور خود بادشاہ اور رعیت دونوں سے ایسے افعال سرزد ہونگے جو ہر ایک عاقل کے نزدیک اعتدال سے خارج ہونگے۔ جسکی وجہ خود ہی ظاہر ہے پس ایسے ناشایستہ افعال سے روکنے کے لئے ایک نبی کے موجود ہونیکی ضرورت ہوگی جو انکو حدود اعتدال پر قایم رہنے کی ہدایت کرے اور حکیم مطلق کا ان سب کو گمراہی کی حالت پر باقی رہنے دینا درست نہوگا۔

چوتھی قسم یہ کہ بادشاہ کو اپنی رعیت کا خوف ہو اور آخرت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس صورت میں بادشاہ کو رعیت پر تسلط نہوگا اور اسکی رعیت ایسے افعال ناشائستہ کی مرتکب ہوگی جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرسکتا بلکہ اُنکی اور بہائم کی یکسان حالت ہوگی اور اس صورت میں رعیت کے لئے ظلم وزیادتی اور بہائم کی حرکتوں کا بہم پہونچانا اظہر من الشمس ہوگا۔ علی الخصوص جبکہ ان کے لئے بھی آخرت کا اعتقاد حاصل نہونا فرض کرلیا جائے کہ ایسی حالت میں جو ناشائستہ افعال انسے سرزد ہوں وہ کم ہونگے۔ بہرحال نظم عالم کے لئے ایک نبی کا موجود ہونا ایسا ضروری امر ہے جس کو ہر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی ادنےٰ غور کے بعد بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض نظم عالم کی درستی کے لئے اسیقدر کافی ہے کہ لوگوں کو باہمی حقوق کے حاصل ہونے کا پورا پورا علم ہو۔ اب چونکہ لوگوں پر جہالت اور نادانی غالب ہے اسوجہ سے وہ باہمی حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ اگر ہر ایک شخص کے لئے باہمی حقوق کا علم حاصل ہونا فرض کرلیا جائے تو زمانہ میں فساد بالکل نہ رہے اور عالم کا انتظام پورے طور سے قایم ہوجائے پس ایسی صورت میں نظم عالم کے لئے کسی نبی کے موجود ہونیکی ضرورت نہ ہوگی۔

جواب یہ امر خود محال معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے باہمی حقوق کا پورا پورا علم حاصل ہوجائے

اس لئے کہ انسانی عقل ان اُمور کے دریافت کرنے سے خود عاجز ہے اور نہ اسکو علمی حقائق پر
خود بخود ہرگز اطلاع نہیں ہوسکتی کیونکہ انسانی عقل کے معلومات پر بالکل محدود ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان
کرچکے ہیں مگر مثال کے لئے ہم فقط ایک سوال کرتے ہیں کہ ایک عزیز کا دوسرے عزیز کے مال میں
اسکے مرنے کے بعد کوئی حق ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہوتا ہے تو اُس کی مقدار کیا ہی
اور اس مقدار کا کون سے عزیز کو استحقاق ہوتا ہے اور کونسے عزیز کو اسکا استحقاق نہیں ہوتا اور
یہ کہ وہ استحقاق فقط منقولات میں ثابت ہوتا ہے یا کیا۔ اور کن کن تفاصیل سے علی ہذا القیاس
یہ ایسے سوالات ہیں جنکا معقول اور صحیح جواب انسانی عقل کے امکان سے باہر ہے۔ **پس** جبکہ
انسانی عقل کی فقط ایک مسئلہ کے اندر یہ حالت ہو تو اس سے جملہ باہمی حقوق کی دریافت کرلینے
کی کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ اور اگر بفرض محال ہم تسلیم بھی کرلیں کہ انسانی عقل باہمی حقوق کی تفاصیل سے
خود بخود مطلع ہوسکتی ہے اور یہ کہ اسکو ان کے دریافت کرنے میں کسی دوسرے شخص کی طرف
حاجت نہیں ہوتی تب بھی ہم کہینگے کہ فقط حقوق کا دریافت کرلینا نظم عالم کے لئے مفید
نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ انپر عملدرآمد کا کوئی طریقہ فرض نہ کیا جائے لیکن عقل کے لئے اپنی معلومات
پر عمل کرنے کا کوئی معقول طریقہ ہرگز موجود نہیں اس لئے کہ انسان میں جہاں عقل کا لطیف جوہر موجود ہے
اسی کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشوں کا انبوہ بھی موجود ہے جو انسان کی عقل کو اپنی قوت
اور توانائی سے ہمیشہ مغلوب رکھتا ہے پس اگر عقل نے کسی حق کو دریافت بھی کرلیا مگر نفسانی خواہشوں
نے اُسپر عمل نہ ہونے دیا تو محض دریافت کرنیکا کوئی معقول نتیجہ پیدا نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ نفسانی
خواہشوں کی روک تھام کی کوئی پوری پوری تدبیر نہ کردی جائے۔ ایسی صورت میں ہمکو
مجبوراً کسی ایسے شخص کے ضرور موجود ہونیکا اقرار کرنا پڑیگا۔ جو عقلی معلومات پر عمل کرنیکا
طریقہ اور نفسانی خواہشوں کے روکنے کی کوئی معقول تدبیر بتائے۔ اور ایسے ہی شخص کو نبی
کہتے ہیں۔ پس ہماری اس تقریر سے بھی نبی کے موجود ہونے کی دو وجہیں مستفاد ہوئیں
اوّل یہ کہ اس کے ذریعہ سے باہمی حقوق کی تفصیل اور ہر ایک حق کی اعتدال اور کمی اور زیادتی

کی مقدار معلوم ہو۔

دوم یہ کہ اُسکے ذریعہ سے نفسانی خواہشوں کی شوکت میں اعتدال پیدا ہو اور عقل کی معلومات پر عمل کرنے کے صحیح طریقے دریافت ہوں پس خدا کی طرف سے نبی کا موجود ہونا ضروری ہوا

تیسرا اعتراض ۔ اگر دنیا میں نبی کے موجود ہونے سے نفسانی خواہشوں کی روک تھام ہو سکتی تو پھر دنیا میں کوئی مفسدہ نہوتا اس لئے کہ آپکے نزدیک ہر زمانہ میں نبی موجود رہا ہے حالانکہ یہ امر تاریخی واقعات اور مشاہدہ کے خلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جسقدر فائدہ ہوتا ہے وہ محض عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور نبی کے موجود ہونیکا اس بارہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔

جواب ۔ ہمارے نزدیک خداوند عالم کی طرف سے نبی کا موجود ہونا لازم ہے تاکہ خدائی کارخانہ پر اعتراض کا موقع نرہے اور اسکی طرف سے حجّت تمام ہو جائے۔ اور ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ نبی کے موجود ہونے سے آدمی اپنے اختیاری کاموں میں مجبور ہو جائے۔ حالانکہ نبی کے ذریعہ سے انسان میں جو صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اسکو جرائم پر اقدام کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ کسی طرح قابل انکار نہیں ہے اِس لئے کہ انسان کو اپنے جرموں پر نبی کی بتائی سزاؤں کا خوف ہوتا ہے اور آخرت کے بتائے ہوئے عذاب سے ڈرتا ہے اِس لئے کہ اسکے اُمور کی بہت کچھ اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اور ان بدیہی باتوں کا انکار کرنا بالکل ہٹ دھرمی ہے۔

تنبیہ ۔ دلیل مذکور کو حکماء نے اثبات نبوت کے لئے وارد کیا ہے جسکی اس مقام پر شرح کی گئی۔ ازبسکہ اسی دلیل کو رئیس الحکماء شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب الاشارات میں نہایت اختصار کے ساتھ وارد کیا ہے۔ لہذا اس مقام پر تائید مطلب کے لئے اُن کی اصل عبارت کا مع ترجمہ اردو کرنا مناسب ہے وہ لکھتے ہیں۔

لما لم یکن الانسان بحیث } چونکہ انسان اپنے ذاتی اُمور کے انجام دینے میں

یستقل وحدہ بامر نفسہ الا بمشارکۃ اخر من بنی جنسہ و بمعاوضۃ ومعارضۃ تجریان بینہما یفرغ کل واحد منہما لصاحبہ عن مہم لو تولاہ بنفسہ لازدحم علی الواحد کثیر وکان مما یتعسر ان امکن وجب ان یکون بین الناس معاملۃ و عدل یحفظہ شرع یفرضہ شارع متمیز باستحقاق الطاعۃ لاختصاصہ بآیات تدل علی انہا من عند ربہ ووجب ان یکون للمحسن والمسیء جزاء من عند القدیر الخبیر فوجب معرفۃ المجازی والشارع

اُسوقت تک مستقل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی دوسرے ہمجنس کی شرکت اور کوئی ایسا معاوضہ اور معارضہ نہ فرض کیا جائے جو اُن دونوں میں جاری ہو۔ اور ہر ایک دوسرے کو اُس ضروری امر سے فارغ نکرے کہ اگر وہ بنفسہ اُسکو تنہا بجالانا چاہتا تو ایک شخص پر بہت سے اُمور کا اژدحام ہوجاتا اور اگر اُسکا انجام دینا ممکن بھی ہوتا تو خالی از دشواری نہ تھا۔ لہذا لوگوں میں ایسے معاملہ اور عدل کا موجود ہونا لازم ہوا جسکو ایسی شریعت محفوظ رکھے جسکو کسی ایسے صاحب شریعت نے مقرر کیا ہو جو مستحق طاعت و فرمانبرداری ہونے میں اُن معجزات کی وجہ سے ممتاز ہو جو شریعت مذکورہ کی منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں اور لازم ہوا کہ نیکو کار اور بدکار کے لئے خداوند عالم کی طرف سے کوئی جزا معین ہو پس صاحب شریعت اور جزا دینے والے کی معرفت واجب ہوئی۔ (انتہیٰ بحاصلہ)

پانچویں دلیل ارباب اخلاق بلکہ تمام عقلا نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اُصول فضائل تین چیزیں ہیں جنسے تمام فضیلتیں نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں عفت۔ شجاعت۔ حکمت پس جبکہ قوت بہیمیہ کا جسکے ذریعہ سے انسان اپنے نفع اور فائدہ کی چیزوں کو حاصل کرتا ہے بطور عادت اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے عفت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اُس (قوت بہیمیہ) کا ایسے عنوان کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اُس سے خمود (افسردگی) اور شرہ (حرص) کی صفت پیدا ہوتی ہے

جو رذائل میں داخل ہے اور جبکہ قوت غضبیہ کا جس کے ذریعہ سے انسان اپنے ضرر سے احتراز کرتا ہے بطور عادت اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے شجاعت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اس (قوت غضبیہ) کا ایسے عنوان سے استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اس سے جبن اور تہور کی صفت پیدا ہوتی ہے جو صفت ذیلہ ہے اسی طرح جبکہ قوت ادراک احساس کا جسکے ذریعہ سے انسان اپنے نفع یا ضرر کی چیزوں کو دریافت کرتا ہے اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے حکمت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور جبکہ اُسکا ایسے عنوان پر استعمال کیا جاتا ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو تو اُس سے سفاہت (بلاہت) اور جزیرہ (قوت فکریہ کو بیہودہ اور عبث صرف کرنا) کی صفت حاصل ہوتی ہے جو صفت رذیلہ ہے۔ اور جبکہ انسان کو ہر ایک قوت کی حد اعتدال میں صرف کرنے کی عادت ہو جاتی ہے تو اسی حالت کو عدالت کہنے لگتے ہیں پس فقط مذکورۂ بالا تینوں صفتیں عدالت میں داخل ہیں اور باقی تمام صفتیں اس (عدالت) سے خارج ہیں۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی قوت کا حد اعتدال کے اندر صرف کرنا انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور حد اعتدال سے خارج ہونے میں جملہ حیوانات بھی اسکے شریک ہیں پس انسان کے انسان بننے میں حد اعتدال کا بہم پہونچانا ضروری ہوگا ورنہ انسان کو باقی حیوانوں سے کسی قسم کا امتیاز حاصل نہوگا۔ اس تقریر پر مذکورۂ بالا تینوں صفتوں کے حاصل کرنے میں حد اعتدال کی مقدار کا پہچانا ضروری ہوا اس لئے کہ جب تک انسان کو حد اعتدال کی مقدار معلوم نہوگی اسوقت تک فضیلت کا رذیلت سے ممتاز اور اختیار کرنا محال ہوگا۔ لیکن انسانی عقل کا حد اعتدال کی مقدار پہچاننے سے عاجز ہونا ایسا بدیہی امر ہے جسمیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں ایسے شخص کا موجود ہونا ضروری ہوا جو حد اعتدال کی مقدار کو بیان کرے تاکہ فضائل کا رذائل سے ممتاز کرنا ممکن ہو اور جو شخص کہ ہر ایک فضیلت کی مقدار اور حد اعتدال کی معرفت رکھتا ہے اُسی کو نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوا جو انسان کو فضائل و کمالات کی تعلیم کرے اور یہ کہ اسکو حیوانیت کے

مرتبہ سے خارج ہو کر انسانیت کے مرتبہ پر پہونچ جانے کے طریقے بتائے۔

چھٹی دلیل یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ ہمارا نیستی سے ہستی میں آنا۔ اور ہمارے لئے عقل و شعور کی قوت اور حواس اور طرح طرح کی لذتوں کا حاصل ہونا وغیرہ ایسی گراں بہا اور نفیس نعمتیں ہیں جنکو ہم نے پیدا نہیں کیا بلکہ اُنکے پیدا کرنے والے اور ہم کو عطا کرنے والے حکیم مطلق کی مقدس ذات سے کیونکہ جو چیز نیستی کے بعد ہستی میں آتی ہے اُسکے لئے کسی ایسے پیدا کرنے والے کا موجود ہونا عقل کے نزدیک لازمی ہے۔ جو حکیم مطلق اور واجب بالذات ہو۔ ان سب باتوں کے بعد ہمکو غور کرنا چاہئے کہ جس حکیم مطلق نے ہمکو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں شبہ نہیں کہ احسان کا شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ ہمکو اپنے محسن کیطرف سے قوی اندیشہ ہوگا کہ وہ کفران نعمت کے عوض ہم سے ناراض ہو اور ہمارے لئے کسی قسم کی سزا تجویز کرے۔ اور جبکہ شکریہ ادا کرنا ضروری ہوا تو یہ بھی ضروری ہوا کہ ہم کو شکرگزاری کا وہ طریقہ معلوم ہو جو اسکی شان کے موافق ہو اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اگرچہ شکرگزاری کو لازم اور نہایت ضروری قرار دیتی ہیں لیکن باوجود اس کے وہ شکرگزاری کے طریقوں کو ہرگز نہیں پہچان سکتیں بلکہ وہ اس مطلب سے بالکل ناواقف ہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ انسانی عقلیں شکرگزاری کے لئے بعض طریقوں کو بھی خود ہی مقرر کر سکتی ہیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن طریقوں سے شکرگذاری تجویز کیجائیگی اُن طریقوں میں بھی ہم کو اپنی عقل اور حواس اور اعضاء و جوارح کی صرف کرنیکی ضرورت ہوگی اور چونکہ یہ چیزیں حکیم مطلق کی ملک ہیں لہذا ان میں تصرف کرنا بھی بدون اس کی اجازت اور خوشی کے صحیح نہ ہوگا۔ اب ہمکو خواہ مخواہ ایسے شخص کے موجود ہونیکی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ہم کو شکرگزاری کے طریقے بتائے اور اُن طریقوں کے عمل کرنے میں حکیم مطلق کی اجازت اور خوشی حاصل ہونیکی خبر دے اور جو شخص کہ ہم کو شکرگزاری کے طریقے اور عمل کرنے میں اسکی اجازت کے حاصل ہونیکو بتا سکتا ہے وہی نبی ہے پس حکیم مطلق کیطرف سے ایک نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔

ساتویں دلیل انسان میں سہو اور غفلت کا مادہ اور نفسانی خواہشوں کی قوتیں موجود ہیں جنکی وجہ سے ضروری امروں کے متروک ہونے اور قبیح باتوں کے صادر ہونیکا ہر دم قوی اندیشہ ہے۔ اب اگر انسان کی سہو و غفلت اور نفسانی خواہشوں کی روک تھام کے لئے حکیم مطلق کی طرف سے کوئی طریقہ مقرر نہو تو اس (حکیم مطلق) کا ضروری امروں کے متروک ہونے اور قبیح باتوں کے صادر ہونے پر راضی ہونا لازم آئیگا۔ جس کا باطل ہونا ضروری ہے۔ اس تقدیر پر حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا لازم ہوگا جو انسان کو خواب غفلت سے چونکاتا اور نفسانی خواہشوں سے روکتا رہے۔

آٹھویں دلیل اگرچہ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی عقل کو ایمان لانے اور نیک کاموں کے بجالانے کی بھلائی اور کفر کے اختیار کرنے اور بد کاموں کے سرزد کرنے کی برائی خود معلوم ہو سکتی ہے لیکن اس امر کو کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسکو اخیر کے دائمی ثواب یا عذاب پر بھی خبر دبخود اطلاع ہو سکتی ہے پس اگر حکیم مطلق کی طرف سے بعض کاموں پر اخیر کے کی دائمی ثواب اور بعض کاموں پر اخیر کے ابدی عذاب کے معلوم ہونے کا کوئی طریقہ مقرر نہ ہو تو انسان کیلئے بُری باتوں کے بجالانے اور اچھی باتوں کے ترک کرنے سے کوئی امر بھی مانع نہوگا اور یہ کہ وہ ہمیشہ دنیا کی فانی لذتوں کے حاصل کرنے میں مصروف رہیگا اس لئے کہ انکا نفع موجود ہے اور ضرر کا کوئی پہلو انکی نظر میں نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حکیم مطلق پر دائمی ثواب اور ابدی عذاب کے بیان کرنے کی غرض سے کسی شخص کا مقرر کرنا لازم ہے اور ایسے ہی شخص کو ہم نبی کہتے ہیں پس خدا کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

نویں دلیل کبھی انسان کو کسی بُری بات کے اچھے ہونے کا اور کسی اچھی بات کے بری ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ برے کام کو اچھا سمجھکر اختیار کر لیتا ہے اور اچھے کام کو بُرا سمجھکر ترک کر دیتا ہے۔ پس اگر حکیم مطلق کی طرف سے کسی ایسے شخص کا مقرر ہونا فرض نہ کیا جائے جو انسان کو واقعی باتوں پر آگاہ کرے تو لازم آئیگا کہ حکیم مطلق

انسان کے گمراہ ہونے اور بُرے کام کے صادر ہوتے پر راضی رہے۔ اس صورت میں کسی ایسے شخص کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوا جو انسان کو اُسکی غلطیوں پر متنبہ اور صحیح باتوں کی طرف ہدایت کرے اور ایسے شخص کو ہم نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

دسویں دلیل عالم کی بعض چیزوں کا انسان وغیرہ کے لئے مفید ہونا اور بعض چیزوں کا مضر ہونا ہر شخص کو معلوم ہے ایسی صورت میں مفید چیزوں کا مضر چیزوں سے ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ مفید چیزوں کا استعمال کیا جائے اور مضر چیزوں سے احتراز کیا جائے۔ اب اگر مفید و مضر چیزوں کے پہچاننے میں تجربہ پر بنا کیجائے تو کئی قباحتیں لازم آئینگی۔

اوّل یہ کہ تجربہ سے اس مطلب کا زمانہ دراز کے بعد پہچاننا ممکن ہوگا جس کی وجہ سے ضرورت کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہوگا۔ دوم یہ کہ کبھی تجربہ میں انسان یا کسی دوسرے حیوان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ سوم یہ کہ کبھی تجربہ میں ضرر کے بڑھ جانیکا اندیشہ ہوگا چہارم یہ کہ کبھی تجربہ میں ضرر اور نقصان کے پیش آجانیکا اندیشہ ہوگا اس صورت میں حکیم مطلق کی طرف سے کسی ایسے شخص کا مقرر ہونا ضروری ہوگا جو انسان کو نفع اور ضرر کی چیزیں تعلیم کرے اور ایسے ہی شخص کو نبی کہتے ہیں لہذا حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔ اسی طرح انسان کو بہت سی صنعتوں اور آلتوں کی حاجت ہوتی ہے جن کے بغیر اسکا زندہ رہنا یا آرام سے بسر کرنا دشوار ہوتا ہے جیسے کسی مکان کا بنانا۔ کتابت کرنا۔ کپڑے کا سینا زرہ بننا۔ زراعت کرنا وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ انسان ان صنعتوں کو خود بخود نہیں سمجھ سکتا۔ لہذا حکیم مطلق کی طرف سے ان کی تعلیم کا بندوبست ہونا ضروری ہوگا جو بغیر نبی کے ممکن نہیں ہے تو ہم صنعتوں کی تعلیم کے لئے نبی کے مقرر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ روزمرہ ہزاروں طرح کے صنائع اور بدائع ایجاد ہوتی ہیں جیسے ریل گاڑی۔ تار برقی۔ دخانی جہاز۔ یا ہوائی جہاز اور طرح طرح کے آلات۔ اب اگر ہر ایک کاریگر کے نبی ہونے کو تسلیم کریں

تو یورپ کے ہزاروں صناعوں کا نبی ہونا لازم آئے گا اور یہ امر خلاف واقع ہے۔

جواب ہمارے کلام میں صنعتوں سے وہ صنعتیں اور آلے مراد ہیں جنکے بغیر آدمی کا زندہ رہنا یا آرام کے ساتھ بسر کرنا دشوار ہو اور ظاہر ہے کہ ابتدائے خلقت میں کوئی شخص ضروری صنعتوں اور آلوں کو خود بخود نہیں سمجھ سکتا یا بہم پہونچا سکتا تھا۔ بلکہ ان کے حاصل کرنے میں آسمانی تعلیم کی حاجت تھی البتہ جبکہ ان ضروری صنعتوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا جو انکی زندگی یا راحت کے ساتھ بسر کرنیکے لئے کافی نہ تھیں تو رفتہ رفتہ دیگر صنائع و بدائع ایجاد ہوتے رہے مگر ظاہر ہے کہ ان صنعتوں پر انسان کا زندہ رہنا یا آرام کے ساتھ بسر کرنا موقوف نہیں ہے بلکہ ان کے ذریعہ سے دیگر منفعتوں کا اکتساب ہو سکتا ہے۔ اس مطلب کی فی الجملہ شرح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر آج کل کے جملہ کاریگر اور تمام موجودہ صنعتیں بالکل معدوم ہو جائیں اور نئی خلقت از سر نو پیدا ہو۔ تو انکو اپنے زندہ رہنے یا آرام کے ساتھ بسر کرنے میں ضرور ایسے شخص کی حاجت ہوگی جو ان کے لئے ضروری صنعتوں کی تعلیم دے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت نئی خلقت کے کسی آدمی کے ذریعہ سے بھی برطرف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ان سب کا نادان اور انجان ہونا فرض کیا گیا ہے ایسی صورت میں ایسے شخص کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا ضروری ہوگا۔ جو اس کی طرف سے تعلیم یافتہ ہو۔ اور اسکو ضروری صنعتوں اور آلوں کی معرفت حاصل ہو۔ پس جو شخص اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو اسیکو ہم نبی کہتے ہیں پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

ثبوت نبوت کی مختصر تقریر

ایک نہایت مختصر تقریر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی کے مقرر ہونے میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہو چکا۔ اور ان میں کسی قسم کا ضرر نہیں ہے۔ اور جس امر کے بجا لانے میں بہت سے فائدے ہوں اور کسی قسم کا ضرر نہ ہو اسکا بجا لانا حکیم مطلق پر لازم ہے پس اسکی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

[illegible] لطف ہے اور لطف کا حکیم مطلق پر بمقتضائے حکمت

واجب ہونا ثابت ہے جسکی کتاب العدل میں تفصیل سے شرح ہو چکی پس حکیم مطلق پر نبی کا مقرر کرنا واجب ہوگا - اور اس مطلب کی سے فی الجملہ شرح یہ ہے کہ اگرچہ کاموں کی بھلائی یا برائی کا عقلی ہونا اور کسی فعل کی ذات کا خوبی یا بدی سے خالی نہ ہونا معلوم ہو چکا ہے لیکن ہر ایک کام کی اصلی خوبی یا برائی کو انسانی عقل کا دریافت کر لینا ضروری نہیں - اس صورت میں عقل انسانی کے معلومات کی دو قسمیں ہوتی ہیں -

پہلی قسم وہ ہے جسمیں عقل کو کاموں کی ذاتی بھلائی یا برائی معلوم ہو جاتی ہے - جیسے احسان کا خوب اور ظلم کا بد ہونا -

دوسری قسم وہ ہے جسمیں عقل کو کاموں کی ذاتی بھلائی یا برائی معلوم نہیں ہوتی - جیسے صبح کی نماز کا دو رکعت ہونا اور مغرب کی نماز کا تین رکعت ہونا یا ماہ رمضان کے روزہ کا واجب اور عید کے روزہ کا حرام ہونا وغیرہ - پس پہلی قسم میں نبی کے مقرر ہونیکی اس لئے ضرورت ہے کہ وہ انسان کو عقلی معلومات پر عمل کرنیکی ہدایت کرے - اور انپر عمل نکرنے سے باز رکھے کیونکہ انسان کو اس کے معلومات پر عمل کرنے سے نفسانی خواہشیں روکتی ہیں بلکہ مقتضائے عقل پر وہ غالب آجاتی ہیں - اسی لئے عالم میں ظلم و زیادتی بہت زائد اور نیکی و احسان بہت کم ہوتا ہے - پس جبکہ نبی کی ہدایت کرنے سے عقل کے معلومات کی تاکید اور تائید ہو گی تو انسان کو اپنی معلومات پر عمل کرنے میں آسانی اور نفسانی خواہشوں کے چھوڑنیمیں سہولت ہوگی اور اسی کو لطف مقرب کہتے ہیں جو انسان کو طاعت سے قریب اور گناہ سے بعید کرتا ہے اور یہ کہ اسکی وجہ سے اچھے کاموں کے بجالانے اور برے کاموں کے ترک کرنیمیں آسانی ہوتی ہے - اور دوسری قسم میں نبی کے مقرر ہونیکی ضرورت بہت ظاہر ہے اسلئے کہ اچھی باتوں پر عمل کرنا اور بری باتوں کا چھوڑنا اسوقت ممکن ہے جبکہ انسان انکو جانتا ہو اور انکا معلوم ہونا نبی کے بیان کرنے پر موقوف ہے اور اسی کو لطف ممکن کہتے ہیں جسکی وجہ سے انسان کے لئے طاعت کا بجالانا اور گناہ کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے اور یہ کہ بدون اس کے

اچھے کاموں کا اختیار کرنا اور بُرے کاموں کا چھوڑنا محال ہوتا ہے اور چونکہ لطف کا حکیم مطلق پر واجب ہونا ثابت ہوچکا ہے اِس لئے اسپر نبی کا مقرر کرنا بہرحال ضروری ہوگا۔

بارھویں دلیل صانع عالم کا اچھے کاموں سے راضی ہونا اور بُری باتوں سے ناراض ہونا اور جسم وجسمانیت سے منزّہ ہونا اور یہ کہ وہ محسوس ہونے اور معاشرت کرنے اور ہمکلام ہونے سے بری ہے یہ ایسی قطعی اور یقینی دلیلوں سے ثابت ہے جس میں کسی عاقل کے لئے چون وچرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی عقل کے معلومات بالکل محدود ہیں اور اسکو ہر ایک کام کی واقعی خوبی اور بھلائی یا واقعی بدی اور برائی پر خودبخود اطلاع نہیں ہوسکتی اور تاوقتیکہ ہر ایک کام کی واقعی خوبی یا بدی معلوم نہ ہو اُسوقت تک حکیم مطلق کے راضی ہونے یا ناراض ہونیکا علم نہیں حاصل ہوسکتا اب اگر حکیم مطلق کا ہر شخص سے ہمکلام ہونا اور اپنے راضی ہونے یا ناراض ہونے کی باتوں کو اس سے بیان کرنا فرض کیا جائے تو اس کا جسم ہونا لازم آئے گا جس سے اسکی مقدس ذات کا بری اور منزہ ہونا معلوم ہوچکا ہے اس صورت میں ضروری ہوا کہ حکیم مطلق کی طرف سے کوئی ایسا شخص مقرر ہو جو بندوں کو اسکی مراد پر مطلع کرے - اور یہ انکی کاموں کی واقعی بھلائی یا برائی کو بیان کرے جنکے بجالانے یا ترک کرنے سے اسکا راضی یا ناراض ہونا متعلق ہو اور ایسے ہی شخص کو ہم نبی کہتے ہیں - پس حکیم مطلق کی طرف سے نبی کا مقرر ہونا ضروری ہوگا۔

توہم حکیم مطلق کو ہر ایک شخص کو اپنی ہر ایک مراد پر الہام کے ذریعہ سے مطلع کردینا بھی ممکن ہے پس نبی کا مقرر ہونا ضروری نہوگا۔

جواب اس صورت میں ہر ایک شخص کا قابل الہام ہونا لازم آئیگا حالانکہ ہر شخص کا صاحب الہام اور اس امر کے قابل نہ ہونا معلوم ہے - اِس کے علاوہ یہ ہے کہ ہمارا کلام اس عالم موجودہ حالت سے متعلق ہے جس میں اسکو نبی مقرر کرنیکی ضرورت ہے اور ہماری غرض اس امر سے متعلق نہیں ہے کہ ہر ایک شخص کا صاحب الہام ہونا ممکن ہے یا نہیں - اِس لئے کہ اس امر کا

ممکن ہونا محل بحث نہیں ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی نبی کا موجود ہونا ثابت ہوجائیگا جو ہماری اصلی غرض ہے باقی رہا یہ امر کہ ایک زمانہ میں متعدد نبی ہوسکتے ہیں یا نہیں یہ دوسری بحث ہے جس میں ہم اس مقام پر کلام نہیں کرتے۔

ثبوت نبوت کے نقلی دلائل

اگرچہ ہماری گزشتہ تقریروں سے انبیاءع کے منجانب اللہ مقرر اور مبعوث ہونیکا ضروری ہونا بخوبی ثابت ہوگیا ہے جنپر نظر کرنے کے بعد کسی اور دلیل کے وارد کرنے کی حاجت باقی نہیں رہتی مگر ہم اس اہم کام اور ضروری مقصد کی تائید کے لئے حضرات معصومین کے بعض احادیث کا وارد کردینا بھی مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ اُنپر نظر کرنے سے حضرات مؤمنین کے دیدہ دل روشن اور انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کے بارہ میں اُن کے اعتقادات مضبوط اور مستحکم ہوجائیں اور وہ کئی ہیں۔

پہلی حدیث ثقۃ الاسلام نے بروایت ہشام بن حکم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ (ہشام) کہتے ہیں کہ حضرت نے ایک زندیق کے جواب میں جس نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ نے انبیاء و رسل کو کس دلیل سے ثابت کیا ارشاد فرمایا کہ۔

انا لما اثبتنا ان لنا خالقا صانعا متعالیا عنا وعن جمیع ما خلق وکان ذلک الصانع حکیما متعالیا لم یجز ان یشاھدہ خلقه ولا یلامسوہ فیباشرھم ویباشروہ ویحاجھم ویحاجوہ ثبت ان له سفراء فی خلقه

جب ہم نے ایک ایسے صانع عالم کو قطعی دلیلوں سے ثابت کرلیا جو جسم وجسمانیات سے برتر ہے۔ اور اسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے (لہذا انسان کو عقل و ادراک کا عطا کرنا بھی کسی حکمت پر ضرور مشتمل ہوگا) اور مخلوق کا اُسکو مشاہدہ کرنا یا چھونا اور باہم کلام کرنا جائز نہ تھا تو ثابت ہوگیا کہ اُسکی مخلوقات میں ایسے سفیروں کا موجود ہونا ضروری ہے جو اُس کے احکام کو مخلوقات تک پہونچائیں

يعبرون عنه الى خلقه
وعباده ويدلونهم على مصالحهم
ومنافعهم وما به بقائهم
وفي تركه فنائهم
فثبت الآمرون والناهون
عن الحكيم العليم في خلقه والمعبرون
عنه جل وعز وهم الانبياء و
صفوته من خلقه حكماء مؤدبين
بالحكمة مبعوثين بها غير مشاركين
للناس على مشاركتهم لهم في
الخلق والتركيب في شئ من
احوالهم مؤيدين من عند الحكيم
العليم بالحكمة ثم ثبت ذلك في كل دهر
وزمان مما اتت به الرسل والانبياء من الدلائل
والبراهين لكيلا تخلوا ارض الله
من حجة يكون معه علم يدل على
صدق مقالته وجواز عدالته

اور اُسکے بندوں کو اُنکو نفع اور ضرر کی چیزیں بتائیں
اور یہ کہ اُنکو ایسے اُمور پر مطلع کریں جنکی وجہ سے
وہ باقی رہ سکتے ہوں اور اُنکے نہ ہونے سے وہ فنا
ہو جائیں۔ پس اِس تقدیر پر ایسے لوگوں کا موجود ہونا
ضروری ہوگا جو حکیم مطلق کی طرف سے اُسکے احکام (اوامر
و نواہی) کو بندوں تک پہونچائیں اور یہی لوگ انبیاء
کہلاتے ہیں جو احکام آلٰہیہ کو بندوں سے بیان کرتے ہیں حقتعالیٰ
نے اُنکو اپنی مخلوقات میں سے برگزیدہ کیا ہے اور اُسکی
حکمت کے وہ ادب آموختہ ہیں جسکے سکھانے پر وہ مامور ہوئے ہیں
اگرچہ وہ خلقت اور اعضا کی ترکیب میں لوگوں کے شریک
ہیں لیکن باوجود اسکے ایسے حالات کے ساتھ مخصوص ہیں
جو عام لوگوں میں موجود نہیں ہو سکتے۔
اسیوجہ سے ہر ایک زمانہ میں ایک حجت خدا کا موجود
ہونا ضروری قرار پایا جو رسول کی ادلہ اور براہین کو بیان
کرے تاکہ حجت خدا سے زمین خالی نہ رہے اور اُس کے
پاس وہ معارف حقہ موجود ہوتے ہیں جو اُسکے صادق اللہجہ
اور اُسکی عدالت کے واجب ہونے پر دلالت کرتے ہیں

دوسری حدیث ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ
ایک شخص نے حضرت ع سے سوال کیا کہ حقتعالیٰ نے انبیاء و رسل کو لوگوں کی طرف
کیوں مبعوث فرمایا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔
لئلا یکون للناس علی اللہ] حقتعالیٰ نے ان بزرگواروں کو اسلئے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کے لئے خدا پر

حجة من بعد الرسل ولئلا يقولوا
ما جائنا من بشير ولا نذير
ولتكون حجة الله عليهم
الا تسمع الله عزّ وجلّ يقول
حكاية عن خزنة جهنّم و
احتجاجهم على اهل النّار
بالانبياء والرسل الم يأتكم نذير قالوا
بلى قد جاءنا نذير فكذّبنا وقلنا ما نزّل
الله من شيء ان انتم
الّا في ضلال كبير (پارہ ۲۹ سورہ ملک)

کسی قسم کی حجت باقی نہ رہے اور یہ کہ انکو اس عذر کا
موقع نہ ہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا یا ڈرانے والا رسول
نہیں آیا تھا اور یہ کہ حجت خدا اُنپر تمام ہوجائے آیا تم نے اللہ تعالےٰ
کے اُس قول کو نہیں سُنا جس میں اُسنے خازنان جہنم کی اُس
گفتگو کو نقل فرمایا ہے جو دوزخیوں کے ساتھ کرنے والے ہیں کہ
"آیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا رسول
نہیں آیا تھا وہ کہینگے کہ ہاں ہمارے پاس
ڈرانے والا رسول آیا تھا لکن ہم نے اُسکی تکذیب کی
اور کہدیا کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم بھی بڑی
گمراہی میں پڑے ہو"

تیسری حدیث۔ علل فضل بن شاذاں میں حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے۔

فان قال فلما وجب عليهم معرفة
الرسل والاقرار بهم
والاذعان لهم بالطاعة قيل لانه
لما لم يكن في خلقهم وقواهم ما
يكملون لمصالحهم وكان الصّانع
متعاليا عن ان يرى مكان
ضعفهم وعجزهم عن ادراكه
ظاهرا لم يكن بدّ من رسول
بينه وبينهم معصوم
يؤدي اليهم امره ونهيه

پس اگر کوئی شخص سوال کرے کہ بندوں پر خدا کے
رسولوں کا پہچاننا اور اُنکی حقیقت کا اقرار کرنا اور
اُنکی اطاعت و فرمانبرداری کو لازمی سمجھنا
کیوں واجب ہوا تو جواب میں کہا جائیگا کہ بندوں کی خلقت
اور اُنکی فطری قوتوں کے ذریعہ سے وہ اُمور حاصل نہیں
ہوسکتے تھے جو اُنکی تمام مصلحتوں کے لئے کافی ہوں
اور یہ ممکن نہ تھا کہ صانع عالم بلکہ اُنکے ضعف و قصور کو دیکھے اور
اُسکے برطرف کرنیکی کوئی صورت پیدا نکرے اسلئے خدا کی
طرف سے ایک رسول معصوم کا مقرر ہونا لازم ہوا جو خدا و عالم اور اُسکی مخلوق
کے درمیان سفیر و واسطہ ہو اُنکو خدا کے احکام (اوامر و نواہی) پہونچائے

بآدابه ويوقفهم على ما يكون به
احراز منافعهم ودفع مضارهم
اذ لم يكن في خلقهم ما يعرفون به
ما يحتاجون اليه من منافعهم
ومضارهم فلو لم يجب عليهم معرفته وطاعته لم يكن
لهم في مجئ الرسول منفعة ولا سدّ حاجة ولكان
يكون اتيانه عبثا بغير منفعة
ولا صلاح وليس هذا من
صفة الحكيم الذي
اتقن كل شئ

اور اُنکو ایسی باتیں تعلیم کرے جنکے ذریعہ سے وہ اپنی منفعتوں کو حاصل اور اپنی
مضرتوں کو دفع کر سکیں کیونکہ خود اُنکی خلقت میں کوئی ایسی
بات موجود نہ تھی جسکی وجہ سے وہ اپنی جملہ مایحتاج کو بہم پہونچائیں
پس اگر لوگوں پر اُنکا پہچانتا اور اطاعت کرنا واجب نہ ہو
تو اُن کے لئے رسول کے آنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اُنکی
حاجت روائی نہ ہوسکیگی اور ایسی صورت میں حقتعالی
کی طرف سے رسول کا مقرر ہونا عبث ہوگا جس میں
(بندوں کے لئے) کسی قسم کی منفعت و اصلاح
نہوگی اور ظاہر ہے کہ کسی عبث کام کا صادر کرنا
حکیم مطلق کی شان نہیں ہے۔

چوتھی حدیث اسحق بن غالب نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے کہ
حضرت اپنے ایک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

الحمد لله المحتجب بالنور
دون خلقه في الافق الطامح
والعزّ الشامخ والملك
الباذخ فوق كل شئ علا
ومن كل شئ دنا فتجلى
لخلقه من غير ان يكون
يرى وهو يرى
وهو بالمنظر الاعلى فاحب
الاختصاص بالتوحيد

جملہ حمد و سپاس اوس حکیم مطلق کے لئے
سزاوار ہے جو اپنی مخلوقات سے افق
بلند میں حجاب نور کے ساتھ پوشیدہ ہے اور حواس و اوہام
اور عقول انام سے اُسکی مقدس ذات کا ادراک کرنا محال ہے
وہ ہر ایک شئے سے اپنی قدرت و بزرگی میں برتر ہے اور ہر ایک
چیز سے اپنے لطف و رحمت میں نزدیک ہے پس وہ اپنی
مخلوقات کے لئے اپنے علم و قدرت کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے
بغیر اسکے کہ وہ کسی کو دکھائی دے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کو
دیکھتا ہے اور وہ ایسا بلند مرتبہ ہے کہ اُسکو عقلوں کی

اذا احتجب بنوره وسما فی
علوه واستتر عن خلقه
لیکون له الحجة البالغة
وابتعث فیهم النبیین
مبشرین ومنذرین
لیهلک من هلک عن
بینة ولیعقل العباد
ما جهلوه ویعرفوه
بربوبیته بعد ما
انکروه ویوحدوه
بالالهیة بعد ما اضدوه

آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں پس اُسکی حکمت بالغہ اس امر کی
مقتضی ہوئی کہ وہ توحید کے ساتھ مخصوص رہے
اور چونکہ وہ مخلوقات کے ادراک سے برتر تھا اور بدون
کسی سفیر کے اِس مطلب کا ظاہر کرنا ممکن نہ تھا اِس لیے
اُسنے رسولوں کو مبعوث کیا جو اُنکو ثواب کی بشارت دیں
اور اُسکے عذاب سے ڈرائیں تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ اتمام
حجت کے بعد ہلاک ہو اور یہ کہ رسولوں کے ذریعہ سے
اُسکے بندے اُن اُمور پر مطلع ہو جائیں جنکو وہ نہیں
جانتے اور اُسکے پروردگار ہونیکی معرفت حاصل
کریں جسکا وہ انکار کرتے تھے اور بعد اسکے کہ وہ اُسکی
ضد اور شریک کو ثابت کرتے تھے اُسکے معبود واحد ہونیکا اقرار کریں

پانچوین حدیث منصور ابن حازم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہی وہ کہتے ہیں کہ۔

قلت لابی عبد الله ان الله اجل
واکرم من ان یعرف بخلقه بل الخلق
یعرفون بالله قال صدقت قلت
ان من عرف ان له ربا فقد ینبغی له
ان یعرف ان لذلک الرب رضا
وسخطا وانه لا یعرف رضاه
وسخطه الا بوحی او رسول فمن لم یاته
بالوحی فقد ینبغی له ان یطلب

میں نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ خداوند عالم اپنی مخلوق
سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ مخلوق اُس سے پہچانی جاتی ہی
حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو میں نے عرض کیا
کہ جو شخص خدا کی معرفت حاصل کرلے اُس کو سزاوار
ہے کہ وہ اس امر کو بھی پہچان لے کہ وہ بعض چیزوں سے
خوش ہوتا اور بعض سے ناراض ہوتا ہی اور یہ کہ اُسکی خوشی
اور ناخوشی بغیر وحی اور رسول کے معلوم نہیں ہو سکتی پس
جس شخص کے پاس وحی نہ آتی ہو اُسکو رسولوں کا طلب کرنا

الرسل فاذا لقيهم عرف انهم
الحجة من الله وان لهم الطاعة
المفترضة الى ان قال في آخر
الحديث رحمك الله۔

سزاوار ہے پس جبکہ اُن سے ملاقات ہو جائے تو اُنکو
معلوم ہو جائیگا کہ وہ حجت خدا ہیں اور اُنکی فرمانبرداری
واطاعت لازم ہے تا اینکہ حضرت نے آخر حدیث میں
ارشاد فرمایا (رحمک اللہ) (خدا تم پر رحم کرے)

اور حاصل حدیث یہ ہے کہ حقتعالیٰ کا حکیم مطلق ہونا اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بُری کاموں سے ناراض اور اچھے کاموں سے خوش ہوتا ہے اور بُرے کاموں کا چھوڑنا اور اچھے کاموں کا اختیار کرنا اُسوقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اچھے بُرے کاموں کا اُسکو علم نہو اور یہ علم اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کہ کوئی نبی موجود نہو پس خدا پر نبی کا معین کرنا لازم ہوگا ورنہ اگر باوجود اسکے بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے بجالانے کی تکلیف فرض کیجائیگی تو تکلیف مالایطاق لازم آئیگی۔ اور اگر یہ تکلیف فرض نہ کیجائے گی تو حکیم مطلق کا بُرے کاموں کے بجالانے اور اچھے کاموں کے چھوڑ دینے پر راضی ہونا لازم آئے گا جو اُسکی مقدس ذات پر جائز نہیں ہے پس ایسی صورت میں اگر یہ شخص خود نبی نہوگا تو اُسکو نبی کی تلاش واجب ہوگی اور جبکہ کسی شخص کا نبی ہونا معلوم ہو جائیگا تو اُسکی اطاعت لازم اور اُسکی ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

وجوب نبوت پر اعتراضات اور اُنکا دفعیہ

اس مقام پر بعض لوگوں نے جو کچھ شبہے کئے ہیں جنسے تعرض کرنا اور اجمالی طور پر اُنکا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا شبہہ۔ اگر حکیم مطلق کی طرف سے کسی شخص کا نبی ہونا فرض کیا جائیگا تو نبی کے لئے اس امر کا علم ضرور حاصل ہوگا کہ اُسکو حکیم مطلق ہی نے ہدایت کرنیکی غرض سے بھیجا ہے لیکن کوئی طریقہ

ان شبہوں میں سے اکثر آریہ اور برہمنوں نے وارد کیا ہے ۱۲

ایسا نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے اُسکو اس امر کا علم حاصل ہو اس لئے کہ نبی نے جس کو اپنے نزدیک حکیم مطلق فرض کیا ہی ممکن ہے کہ وہ کوئی جنی ہو اسلئے کہ تمام مسلمانوں نے جنوں کی موجود ہونے پر اتفاق کیا ہی اور جبکہ حکیم مطلق کے بھیجنے کا معلوم ہونا ممکن نہوا تو کسی شخص کے نبی ہونیکا معلوم ہونا بھی محال ہوگا۔

جواب۔ یہ دعوے بالکل غلط ہے کہ نبی کو اس امر کے معلوم ہونیکا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اسکو خدا ہی نے مبعوث و مقرر کیا ہے اس لئے کہ خدا ایسی دلیل کے قایم کر دینے پر قدرت رکھتا ہے کہ نبی کو قطعی طور پر اپنے منجانب اللہ مقرر ہونیکا علم حاصل ہو جائے اور یہ کہ اُسکو کسی مخلوق نے مقرر نہیں کیا ہے۔ اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُس (نبی) کے لئے ایسے معجزے عطا فرمائے جنکے ظاہر کرنے سے تمام مخلوقات عاجز ہو اور نبی کے لئے اِس مطلب میں شبہ نہ رہے کہ مجکو خدا نے مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ انسان کو بہت سی چیزوں کا بدیہی طور سے علم حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کا شبہہ نہیں رہتا پس ممکن ہی کہ نبی میں ایسا بدیہی علم پیدا کرے جس کی وجہ سے نبی کو بھی بدیہی طور سے اس مطلب کا علم حاصل ہو جائے کہ اس کا مقرر کرنے والا اور ہدایت کے لئے بھیجنے والا خدا ہی ہے۔

دوسرا شبہہ جس نے نبی کو خبر دی اور وحی کا القا کیا وہ دو حال سے خالی نہیں ہے اوّل اسکا جسمانی ہونا اِس صورت میں یہ امر غلط ہوگا کہ نبی کے سوا اسکو اور کوئی شخص دیکھ نہ سکے۔ دوم اسکا روحانی ہونا۔ اس صورت میں تکلم کے ساتھ وحی کرنا محال ہوگا۔

جواب۔ ہم دونوں شقوں کو اختیار کر سکتے ہیں اور کسی صورت میں محال لازم نہ آئیگا پہلی صورت میں اسلئے محال لازم نہ آئیگا کہ جسمانی چیز کو ہر ایک شخص کا دیکھنا لازم نہیں ہے بلکہ اسکو وہی شخص دیکھ سکتا ہی جسکے لئے دیکھنے کے جملہ شرائط موجود ہوں اور اس سے کوئی چیز مانع نہ فرض کیجائے لیکن محل بحث میں یہ امر ممکن ہے کہ غیر نبی کے لئے دیکھنے کے شرائط موجود نہوں یا دیکھنے سے کوئی امر مانع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جسمانی چیز کا ہر شخص کے لئے دکھلائی دینا لازم نہ ہوگا بلکہ ممتنع ہوگا۔ دوسری صورت میں اسلئے محال لازم نہ آئیگا کہ روحانی چیزوں کا وحی کے ساتھ تکلم کرنا ممتنع نہیں ہے اس لئے کہ روحانی سے ہم تو ایسے جسم کو مراد لیتے ہیں جسکا

تکلم کرنا کسی کے نزدیک بھی محال نہیں ہے۔ روحانی سے ہم جوہر مجرد[له] کو مراد نہیں لیتے جسکا تکلم کرنا ممتنع اور محال ہے اسلئے کہ ہمارے نزدیک فرشتوں کے لئے نورانی جسم ہوتی ہیں جنکی وجہ سے اُنپر اُترنا چڑھنا اور حرکت وسکون کرنا صادر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان سے لوازم جسم کا علیحدہ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کے دل میں خدا ایسے الفاظ اور حروف کو پیدا کردے جن میں رسول نے مطلقاً غور و فکر نہ کی ہو اور اُسکو یقیناً معلوم ہو جائے کہ ان الفاظ و حروف کو خدا کے سوا کسی دوسرے شخص نے حادث نہیں کیا۔ اسکے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کسی روحانی جوہر کو اس امر پر مامور کرے کہ وہ رسول کے دل میں مخصوص الفاظ کا القا کرے اور نبی کو انکا منجانب اللہ حادث ہونا قطعی طور سے معلوم ہو جائے

تیسرا شبہہ۔ کسی شخص کے رسول ہونیکی تصدیق سے پہلے صانع عالم کے وجود اور اوصاف کی معرفت کا حاصل کرنا ضروری ہے جسکے حاصل کرنے کے لئے زمانہ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے پس مکلف کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اِس ضروری امر کے حاصل کرنے کی غرض سے مہلت طلب کرے اور ہر ایک زمانہ میں یہ عذر کردے کہ ابھی تک مجھکو صانع عالم کے وجود اور اوصاف کی پوری معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس صورت میں نبی کا ساکت ہونا اور اسکی نبوت و رسالت کا عبث اور بے فائدہ ہونا لازم آئے گا۔

جواب۔ صانع عالم کے وجود اور معرفت کا حاصل کرنا ہر ایک مکلف پر لازم ہے اور اسی طرح صانع عالم کو مکلف کے لئے اپنے وجود اور اوصاف پر ایسی واضح اور روشن دلیلوں کا قایم کردینا بمقتضائے حکمت واجب ہے جنکے بعد مکلف کو اسکے وجود اور اوصاف کی معرفت کے حاصل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نرہے اس صورت میں صانع عالم کی معرفت کا نبی کی رسالت سے پہلے حاصل ہونا لازم ہوگا اور نبی پر مکلف کا مہلت دینا لازم نہوگا

له جوہر مجرد سے وہ چیز مراد ہے جو مادہ کی طرف محتاج نہو ۱۲

اور اس کا عذر قابل سماعت نہ سمجھا جائیگا۔ مثلاً اگر کسی بادشاہ کے سامنے اسکی رعیت میں سے کوئی شخص مدعی ہو کہ مجکو بادشاہ نے فلاں خدمت پر معین کیا ہے اور بادشاہ اسکی اس قول کی تصدیق بھی کردے تو جس طرح اسکے صادق اور راست گو ہونے میں کسی طرح کا شبہ کرنا درست نہوگا اسی طرح نبی کے صادق اور راست گو ہونے میں کسیطرحکا شبہ کرنا درست نہوگا۔

چوتھا شبہ۔ اگر کسی نبی کا مقرر ہونا جائز ہوگا تو تکلیف کا متعلق کرنا بھی جائز ہوگا لیکن تکلیف کا متعلق کرنا جائز نہیں ہے پس نبی کا مقرر ہونا بھی جائز نہوگا۔

جواب۔ تکلیف کا خوبی و بھلائی کے ساتھ موصوف ہونا اور اسمیں کسیطرح کی بدی اور برائی کا موجود نہ ہونا اور بندوں سے اسکے متعلق ہونیکا ضروری اور لازم ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہے لہذا اسکے جائز نہونیکا شبہ نہایت رکیک ہوگا اور جبکہ تکلیف کا متعلق ہونا ضروری ہوا تو نبوت کے ضروری ہونے میں شبہ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے از بسکہ اس بحث کی کتاب العدل میں نہایت تفصیل و بسط کے ساتھ شرح ہو چکی ہے لہذا اس مقام پر زیادہ طول دینا عبث اور بیفایدہ ہے۔

پانچواں شبہ۔ ہماری عقل کے ذریعہ سے بعض کاموں کی خوبی اور بھلائی معلوم ہو جاتی ہے جیسے احسان کرنا ایسے کاموں کا بجالانا ضروری ہے۔ اور بعض کاموں کی بدی اور برائی معلوم ہو جاتی ہے جیسے ظلم کرنا ایسے کاموں کا ترک کرنا ضروری ہے۔ اور بعض کاموں کی خوبی یا برائی تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہوتی ایسے کاموں کا ضرورت کے وقت بجالانا لازم ہوگا اور ایسے کام کا محض کسی ضرر کے احتمال کی بنا پر ترک کرنے کا حکم کرنا درست نہوگا ایسی صورت میں نبی کا مقرر ہونا عبث اور بیفایدہ ہوگا جس کا حکیم مطلق سے سرزد ہونا محال ہے پس نبی کا مقرر ہونا بھی محال ہوگا

جواب۔ عقل کے ذریعہ سے جن کاموں کی خوبی اور بدی معلوم ہو جاتی ہے ان میں نبی کے مقرر ہونے کے ایسے فائدے موجود ہیں جن کا انکار کرنا کسی طرح درست نہ ہوگا۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ اگر عقل نے کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم کر لیا ہے اگرچہ یہ فرض بہت بعید ہے کہ عقل کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم کرلے کیونکہ

غالباً عقل کو کسی کام کی خوبی یا بدی اگر معلوم بھی ہو جاتی ہے تو محض اجمال کے ساتھ معلوم ہوتی ہے بہر حال اگر عقل کا کسی کام کی خوبی یا بدی کو تفصیل کے ساتھ معلوم بھی کر لینا فرض کیا جاوے تو نبی کے ذریعہ سے اسکی تائید ہوتی ہے اور عقل کو نبی کے بیان کر دینے کے بعد اپنے معلومات پر اعتماد بڑھ جاتا ہے اور تائید کا بہم پہونچنا بھی بہت بڑا فائدہ ہے جس کا حکیم مطلق کی طرف سے متروک ہونا درست نہیں ہو سکتا۔ اور اگر عقل کا بعض اُمور کو محض اجمالی طور سے معلوم کر لینا فرض کیا جائے تو تائید کے علاوہ نبی کے مقرر ہونے میں یہ فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ وہ عقلی معلومات کی تفصیل کو بھی بیان فرماتیں مثلاً احسان کرنا اگرچہ خوبی کے ساتھ موصوف ہے لیکن عقل کے ذریعہ سے یہ امر معلوم نہیں ہوسکتا کہ کس شخص کے ساتھ کس حد کا احسان کرنا چاہیئے پس اسکی تفصیل اُسوقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جبتک کہ نبی کا حکیم مطلق کی طرف سے مقرر ہونا فرض نہ کیا جائے۔ اِن سب باتوں کے علاوہ یہ ہے کہ عقل کے لئے ہر ایک کام کی خوبی یا بدی کا محض معلوم ہو جانا کافی نہیں ہے بلکہ عقل کی معلومات عمل ہونا بھی ضروری ہے اور اکثر نفسانی خواہشوں کی وجہ سے عقل کو اپنے معلومات پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے اس لئے نبی کے مقرر کرنیکی بہر حال ضرورت ہے تاکہ وہ انسان کو نفسانی خواہشوں سے باز رہنے اور عقلی معلومات پر عمل کرنے کی ہدایت کرے۔ اور جن کاموں کی خوبی یا بدی کو عقل بالکل معلوم نہیں کر سکتی ان میں عقل کا نبی کے مقرر ہونیکی طرف محتاج ہونا بہت واضح ہے اور یہ خیال کرنا کرنا کہ جن کاموں کی خوبی یا بدی تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان کاموں کا ضرورت کے وقت بجالانا جائز ہوگا۔ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ اسکے بجالانے میں ہلاکت کا خطرہ نہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص بھوکا یا پیاسا ہو اور اُسکو سنکھیا یا تیزاب کا کوئی ضرر معلوم نہو اور وہ اُسکو بے سمجھے بوجھے کھانے اور پینے میں استعمال کرے تو وہ ضرور ہلاک ہو جائیگا ایسی صورت میں عقل کا بدیہی طور سے یہی حکم ہوگا کہ جن چیزوں کے خواص پر ہمکو اطلاع نہیں ہے اُنکے استعمال کرنے پر اُسوقت تک اقدام اور جرأت نہ کیجائے جبتک کہ انکی پوری حالت پر اطلاع نہ ہو اور ظاہر ہے کہ خواص اشیاء پر عقل کو خود بخود اطلاع نہیں ہو سکتی ایسی صورت میں

کسی ایسے شخص کا موجود فرض کرنا نہایت ضروری قرار پاتا ہے جو ہم کو ضروری اشیاء کی خواص وآثار پر مطلع کرے تاکہ ہم اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کو ان کی محل اور موقع پر استعمال کریں اور جو شخص کہ ہمکو اشیاء کے ضروری خواص و آثار پر مطلع کر سکتا ہے وہی نبی ہے پس عقل کی نزدیک نبی کا موجود ہونا ضروری ہوگا اِس مطلب کی زیادہ شرح اوپر کے بیانات میں ہو چکی۔

چھٹا شبہ نبوت کے ثابت ہونیمیں نبی کی معجزہ کا صادر ہونا ضروری ہے اور معجزہ سے خرق عادت کا صادر ہونا مراد ہے لکن خرق عادت کا صادر ہونا محض بے معنی اور سفسطہ ہے ورنہ لازم آئیگا کہ ہم کو کسی شے کی اصلی حالت پر باقی رہنے کا یقین نہ رہے جیسے پہاڑ کا سونا یا چاندی ہو جانا گھر کے برتنوں کا آدمی ہو جانا۔ مدعی نبوت کا اپنے دعوے کے بعد معدوم ہو جانا۔ اور کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں پر معجزہ کا ظاہر ہو جانا۔ ہمارے بدنوں کا کسی دوسرے کے ساتھ بدل جانا وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کی تجویز کرنے سے نظم عالم کا درہم وبرہم ہو جانا لازم آئیگا لہذا معجزہ کا صادر ہونا محال ہوگا۔

جواب۔ اس شبہ کا جواب دو وجہوں سے ہو سکتا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ شبہ صحیح ہو تو اسکو خاص اسلام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہوگی۔ بلکہ وہ ہر ایک فرقہ پر وارد ہوگا مثلاً یونان کے بڑے بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں کے نزدیک خرق عادت محال ہے لکن باوجود اِس کے ایسے امور کو بہت سے مقامات پر اُنھوں نے تجویز کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ انسان بغیر توالد کے باقی حشرات کی طرح پیدا ہو سکتا ہے اور اسکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ انسانی جسم کا عناصر اربعہ کے بروجہ مخصوص اکٹھا ہو جانے سے تکون ہو جاتا ہے اور ان (عناصر اربعہ) کا شکم مادر کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر بروجہ مخصوص اکٹھا ہو جانا ممکن ہے۔ اِسی طرح اِن اجزار کا ایک محدود زمانہ تک مخصوص کیفیت پر باقی رہنا اور ان میں مزاج مخصوص کا پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور جبکہ مزاج مخصوص کا پیدا ہو جانا صحیح ہوا تو اس کے لئے مبدا فیاض کی طرف سے نفس کا موجود ہونا بھی ضروری ہوگا۔ اِس صورت میں انسان کا شکم مادر کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے پیدا ہو جانا ممکن ہوگا پس اگر معجزہ کا صادر ہونا سفسطہ ہوگا تو ایسی ایسی مشہور

فلاسفروں اور نامی حکیموں کا انسان کے بغیر توالد پیدا ہونے کو تجویز کرنا بھی باطل ہوگا۔ اسیطرح وہ کہتے ہیں کہ حوادث عالم کے پیدا ہونے میں آسمانی تشکلات کو پورا پورا دخل ہے اور آسمانی تشکلات کی انکو کوئی حد نہیں ہے پس ممکن ہے کہ ان تشکلات میں کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جسکی وجہ سے خرق عادت کا واقع ہونا صحیح ہو پس جبکہ آسمانی تشکلات کی وجہ سے خرق عادت کا واقع ہونا صحیح ہو تو معجزہ کی وجہ سے خرق عادت کے واقع ہونے میں کیونکر استبعاد ہوسکتا ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ عنصری مواد تحریک فلکی کے مطیع ہوتے ہیں پس جبکہ ہم اپنی آنکھ کو بند کرلیں تو ممکن ہے کہ کوئی تشکل فلکی ایسا پیدا ہو جسکی وجہ سے دجلہ کا پانی خون ہو جائے اور اس (تشکل فلکی) کے برطرف ہو جانے پر دجلہ کا پانی اپنی اصلی حالت کی طرف رجوع کرے پس جبکہ تحریک فلکی کی وجہ سے ایسے عجائب امور کا حادث ہونا ممکن ہو تو کیا وجہ ہے کہ معجزہ کی وجہ سے کسی عجیب امر کا پیدا ہونا درست نہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کے ہاتھ پر کسی خرق عادت کے صادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس (خرق عادت) کا ہر حال میں صادر ہونا صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ خرق عادت کے صادر ہونیکا سفسطہ میں داخل ہونا اس وقت لازم آسکتا ہے جبکہ ہم اسکے صادر ہونے کو ہر حال میں تجویز کریں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم اسکے صادر ہونیکو فقط نبی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اسکا صادر ہونا اس (نبی) کے صادق اور راست گو ہونے پر دلالت کرے لگ علاوہ یہ کہ اگر ہم خرق عادت کا ہر حال میں واقع ہونا بھی تجویز کریں جب بھی اسکا سفسطہ ہونا اسوقت میں لازم آئیگا جبکہ ہم اسکے واقع نہونیکا یقین نہ رکھتے ہوں پس اگر ہم تجویز کریں کہ ہمارا مکان سونے یا چاندی کا ہوسکتا ہے اور باوجود اسکے یقین کریں کہ وہ ایسا ہوا نہیں ہے تو ایسا امر کسی ادنے عاقل کے نزدیک سفسطہ میں داخل نہوگا اس لئے کہ کسی شے کے ممکن ہونے کو اسکا واقع ہونا لازم نہیں ہے پس ہم اسکے واقع ہونے کو اسی وقت تجویز کرینگے جبکہ کوئی نبی اسکا دعوے کرے اور اس کے نبی ہونیکا ثبوت اس پر موقوف ہو اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم تسلیم کرلیں کہ

ہر ایک وقت میں خرق عادت کا تجویز کرنا سفسطہ ہی جس سے عالم کے انتظام میں خلل پڑتا ہی
تو اس میں بھی شبہ نہیں ہی کہ سچے نبی اور برحق رسول کے ہاتھ پر خرق عادت کا تجویز کرنا بھی غیر و
سفسطہ ہے جس سے عالم کے انتظام میں خلل پڑتا ہے اسکے علاوہ یہ ہے کہ معجزہ اگرچہ عام
لوگوں کی نسبت خارق عادت ہوتا ہے لیکن وہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کے اوصیا کی
نسبت ہرگز خارق عادت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان حضرات کی نسبت قدیمی عادت ہے جو
حضرت آدمؑ سے ہمارے حضرتؐ کے مبارک زمانہ تک باقی اور مستمر ہے۔

ساتواں شبہ یہ کہ معجزہ کا نبی کے صادق ہونے پر اسی وقت دلالت کرنا ثابت ہوسکتا ہی
جبکہ اس معجزہ کا فعل خدا ہونا ثابت ہو جائے لیکن یہ امر ہرگز مسلّم نہیں ہے کہ معجزہ فعل خدا
ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ وہ خود مدعی کا فعل ہو اور اس کا نفس ایسے افعال کے صادر کرنے پر
قدرت رکھتا ہو جن کے صادر کرنے سے دوسرے لوگوں کے نفس عاجز ہوں۔ اور یہ بھی
ممکن ہے کہ اسکا مزاج ایک خاص عنوان کا واقع ہوا ہو جس سے ایسا امر سرزد ہوسکتا ہو جس سے
باقی لوگ عاجز آجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بعض اشیا کی عجیب و غریب خاصیتوں کو جانتا ہو
اور ان کے ذریعہ سے ایسے آثار کے صادر کرنے پر اس کے لئے قدرت حاصل ہو جن کے صادر
کرنے سے تمام لوگ عاجز ہوں۔ جیسا کہ مقناطیس کا لوہے کو جذب کرنا۔ کہربا کو مٹی کو جذب کرنا۔
پتھر کے بعض اقسام کا سرکہ کے قریب جانا جس کو عربی زبان میں حجر باغض للخل (وہ پتھر
جو سرکہ کو دشمن رکھتا ہے) کہتے ہیں۔ بعض پتھروں کا بارش ہونے میں مفید ہونا۔ اور یہ بھی ممکن ہی
کہ وہ ساحر ہو یا کوئی ایسا طلسم[1] جانتا ہو جسکو باقی لوگ نہ جانتے ہوں پس ممکن ہوگا کہ ایسی ہی بعض

[1] طلسم سماوی قوتوں کا ارضی قوتوں کے ساتھ مخلوط کرنا مراد ہی اس لئے کہ سماوی قوتوں کے ذریعہ سے عنصری چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پیدا ہونے میں مخصوص شرطوں کا موجود ہونا لازم ہی جن کے بعد ان (عنصری چیزوں) میں خاص خاص آثار کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہی پس جو شخص کہ ان مخصوص شرطوں پر مطلع ہو اس کے لئے آثار غریبہ کے حادث کرنے پر قدرت حاصل ہوگی پس ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی انوکھی بات کو طلسم کے ذریعہ سے حادث کرسکتا ہو جس پر عام انجان لوگ قادر نہوں۔ ایسی صورت میں اسکا فعل خدا ہونا ثابت نہ ہوگا ۱۲

چیزوں کے ذریعہ سے کوئی شخص خارق عادات امور کو صادر کرے اور عوام کو حقیقت حال پر اطلاع نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص بعض شیاطین کو تسخیر کرلے اور اُن کے ذریعہ سے بعض آثار غریبہ کو صادر کرے اور اسکو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص علم نجوم کے ذریعہ سے بعض آثار کے واقع ہونے پر مطلع ہو اور اُسکو اپنے معجزہ قرار دے پس جبکہ ایسے ایسے امور کے ذریعہ سے بھی خرق عادت کا سرزد ہونا ممکن ہے تو کسی مدعی نبوت کے صادق ہونیکا یقین کیونکر حاصل ہو سکتا ہے -

جواب - ہم تحقیق معجزہ کے مقام پر بیان کرینگے کہ اس (معجزہ) سے وہ غیر معمولی کام مراد ہے جو خارق عادت ہو - اور نبی سے اسکے دعوے کی تصدیق کے لئے صادر ہو جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری نہ ہو سکتا ہو اور اسکے واقعی اسباب پر کسی انسان کو اطلاع نہو سکتی ہو - یا یوں کہو کہ اسکا واقعی سبب فطرت کے موجودہ قوانین سے خارج اور محض حکیم مطلق کا ارادہ اسکے حادث ہونے کی اصلی علت ہو اس صورت میں خرق عادت کا کسی انسان سے صادر ہونا محال ہوگا پس اس شبہ میں جو چیزیں مذکور ہوئی ہیں وہ کسی ہوشیار اور عاقل شخص کے نزدیک معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتیں اور اگر بالفرض عوام الناس کے بعض افراد پر انکا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جاوے تو حکیم مطلق پر اسکے اشتباہ کا بمقتضائے حکمت برطرف کر دینا ضروری ہو گا تاکہ بندوں پر خدا کی حجت تمام ہو ورنہ خدا کے فعل کا عبث ہونا اور اس کا لوگوں کو غلطی میں واقع کرنا لازم آئیگا - جو اس کی مقدس ذات پر جائز نہیں ہے اور کسی قبیح کام کا اس سے صادر ہونا محال ہے جیسا کہ کتاب العدل میں مذکور ہو چکا ہے اور اس بحث کا تفصیلی تذکرہ اور اسکی مبسوط شرح انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گی -

---

ف۱۵ جو امر کہ اسباب غریبہ کے ذریعہ صادر کیا جاتا ہے اُسکو غیر معمولی کہہ سکتے ہیں - لیکن اُسکا خرق عادت کہنا حقیقتاً صحیح نہیں ہے ۱۲

نبی کا صاحب معجزہ ہونا

معجزہ کی تعریف} معجزہ سے وہ خرق عادت مراد ہے جو نبوت یا امامت کے دعوی کی تصدیق کے لئے صادر ہو - اور خرق عادت سے کسی شے کا غیر معمولی اسباب اور غیر عادی وجوہ کے ذریعہ سے صادر ہونا مراد ہے پس جس چیز کے صادر ہونے میں عادی اور معمولی اسباب کو دخل ہوگا وہ خرق عادت سے خارج ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بشر اوسکے صادر کرنے سے عاجز ہو اور تعلیم و تعلم اوسمیں جاری نہو سکتا ہو اس لئے کہ بشر کو محض ایسے ہی اسباب پر اطلاع ہوسکتی ہے جن سے کسی امر کے صادر ہونے کی عادت جاری ہے - ایسے ہی امور میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی قایم ہو سکتا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ایک نبی بہت سے انبیاء کو تیار کر لیا کرتا - پس اگر فعل مذکور نبی یا امام سے قبل دعوائے نبوت یا امامت صادر ہو تو اوسکو ارہاص کہتے ہیں اور اگر دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقرون ہو تو اصطلاح میں اوسکو معجزہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جو خرق عادت کہ غیر نبی یا امام سے صادر ہوتی ہے اوسکی دو قسمیں ہیں پس اگر وہ کسی صالح و پرہیزگار سے صادر ہو جنکو اصطلاح میں اولیاء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تو کرامت[1] کہلاتی ہے - اور جو خرق عادت کہ کسی بدکار سے صادر ہو تو اوسے استدراج کہتے ہیں اور فرق مذکور محض اصطلاحی ہے ورنہ ارہاص معجزہ کرامت اور استدراج سب فعل خدا ہوتی ہیں جنکا غیر خدا سے صادر ہونا محال ہوتا ہے - پس معجزہ میں کئی شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے

شرائط معجزہ} علماء اعلام نے معجزہ میں کئی شرطوں کا ذکر فرمایا ہے جو بالاجمال درج ذیل ہیں

اول اوسکا فعل خدا ہونا - اور فعل میں وہ ترک بھی داخل ہوگا جو باعتبار عادت بشر سے صادر ہو سکتا ہے لیکن بحکم خدا اوسکے صادر کرنے سے وہ عاجز آجائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[1] اگر نبی یا امام سے کوئی خرق عادت صادر ہو بغیر اسکے کہ دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقرون ہو تو وہ بھی کرامت میں داخل ہوگی ۱۲

حرم محترم جناب سارہ کے قصہ میں مرقوم ہے کہ فرعون مصر نے اُنکی طرف اپنی ہاتھ کے بڑھانیکا قصد کیا لیکن بحکم خدا اُسکا ہاتھ رُکا
دوم - اُسکا خارقِ عادت ہونا یعنی اُسکا اسباب عادیہ کے خلاف ہونا جیسے آگ سے خنکی کے اثر کا اور پانی سے گرمی کے اثر کا محسوس ہونا - اِس قید سے سحر و شعبدہ بھی خارج ہو گیا - اسلئے کہ اُن دونوں کا اسباب عادیہ پر مبتنی ہونا معلوم ہے اگرچہ عام لوگوں کو اُسپر اطلاع نہیں ہوتی - پس بشر کو اُسکا بجالانا عادت میں داخل ہوگا اِس لئے کہ بشر کا علم اسباب عادیہ میں منحصر ہے اسیطرح آفتاب کا وقت معین پر طلوع و غروب کرنا بھی معجزہ نہو گا - البتہ طلوع کے وقت اُسکا غروب کرنا یا غروب کے وقت اُسکا طلوع کرنا معجزہ ہوگا -

سوم - اُسکے معارضہ کا صحیح نہ ہونا - پس اگر اُسکا معارضہ کرنا صحیح ہوگا تو وہ معجزہ نہ ہوگا - البتہ کرامت میں معارضہ صحیح ہوسکتا ہے اِس لئے کہ اِس صورت میں حق و باطل میں اشتباہ نہیں ہوسکتا

چہارم - اُسکا مقرون بہ تحدی ہونا یعنی دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ ہی ساتھ صادر ہونا اگر ایسا نہ ہوگا تو وہ معجزہ سے خارج ہوگا - البتہ اسقدر تھوڑا فاصلہ جو اقتران میں مخل نہ سمجھا جائے مضر نہ ہوگا - اِس قید سے ارہاص بھی خارج ہوجاتا ہے اِس لئے کہ وہ بھی اگرچہ خرق عادت ہوتا ہے لیکن دعوائے نبوت کے ساتھ مقرون نہیں ہوتا بلکہ حقتعالیٰ اُسکو نبی کے مبعوث ہونے سے پہلے صادر کرتا ہے تاکہ نبی کے برحق ہونیکی دلیل ہو جیسے حضرت رسولِ خداؐ کی ولادت باسعادت کے وقت دریائے ساوہ کا خشک ہوجانا - آتش فارس کا جو ہزار سال سے افروختہ تھی اور کبھی افسردہ نہ ہوئی تھی بالکلیہ گل ہوجانا - اور ارہاص ہی میں وہ خرق عادت بھی داخل ہے جو نبی کے لئے بطور دوام حاصل ہوتا ہے جیسے حضرت کے سر مبارک پر ابر کا سایہ کرنا - اور سنگریزوں کا آپ پر سلام کرنا -

پنجم - اُسکا موافق دعوے ہونا ورنہ دلیل نبوت و امامت نہ ہوگا - اگرچہ خرق عادت ہو اور اُسکا معارضہ بھی ممکن نہ ہو اور مقرون بدعوے بھی ہو - بلکہ صورت مذکورہ میں مدعی کا دروغگو ہونا ضروری ہوگا جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے قصہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے اُس سے بیان کیا کہ ایک شخص کی ایک آنکھ نابینا تھی اور حضرت رسول خداؐ نے اُسکے لئے دعا فرمائی اور اُسکی آنکھ

اچھی ہوگئی یہ سنکر مسیلمہ کذاب نے بھی ایک ایسے ہی شخص کو طلب کیا جو ایک آنکھ سے نابینا تھا
اور اُسکے لئے دعا کی اور اُسکی صحیح آنکھ بھی جاتی رہی - اسی طرح مسیلمہ کذاب کو خبر پہونچی کہ
حضرت رسول خدا ﷺ نے پانی کے زائد ہونیکی غرض سے اپنا آب دہن کنوئیں میں ڈالا اور
اُسکا پانی زائد ہوگیا - یہ سنکر اُسنے بھی ایک کنوئیں میں جسکا پانی کم تھا آب دہن ڈالا اور اُسکا
پانی اور بھی خشک ہوگیا - اسیطرح[۱] نمرود کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب حقتعالیٰ نے حضرت
ابراہیم ؑ پر آگ کو سرد کیا تو نمرود کہنے لگا کہ یہ آگ میری ہیبت سے سرد ہوگئی ہے پس آگ کا
ایک شعلہ نمرود کے قریب آیا اور اُسکی داڑھی کو جلا دیا -

ششم - ظاہر کردہ فعل اُسکی تکذیب نہ کرے - پس اگر کوئی شخص سوسمار کو گویا کرے اور وہ گویا
ہونے کے بعد خبر دے کہ یہ مدعی کاذب ہے تو معجزہ نہوگا بلکہ اس صورت میں اُسکے دروغگو
ہونے کا اعتقاد زیادہ ہوجائیگا - اور اگر مدعی نبوت کسی مردہ انسان کو زندہ کرے اور وہ
اُسکے دروغگو ہونیکی خبر دے تو آیا یہ معجزہ[۲] ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء نے اسکو معجزہ میں داخل
کیا ہے اسلئے کہ زندہ کرنا خرق عادت ہے جو ظاہر ہوچکا اور تکذیب کرنا اُسکا اختیاری فعل ہے
جسکا اعتبار نہیں ہوسکتا لکن بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اُسکا تکذیب کرنا اُسکے معجزہ ہونیمیں
ضرور قدح کریگا اس لئے کہ اُسکے فعل سے ہی اُسکی تکذیب ہوگئی - اگر وہ صادق ہوتا تو ایسے
شخص کو کیوں زندہ کرتا - اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر اُسکی حیات مستمر رہے تو اُسکی
تکذیب قدح نکریگی اس لئے کہ استمرار حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حیات محض اُسکی
تکذیب کرنیکی غرض سے نہ تھی - اور اگر وہ فوراً مرجائے تو اُسکی تکذیب قدح کرے گی
اس لئے کہ فوراً مرجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حیات محض تکذیب کرنے ہی کی غرض سے تھی

---

[۱] بعض لوگوں نے اس قصہ کو آذر کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور ممکن ہے کہ دونوں کے ساتھ ایک ہی قصہ پیش آیا ہو ۱۲

[۲] مقام تصدیق میں ایسے معجزہ پر بنا کرنا مناسب نہیں ہے جسکی وجہ واضح ہے ۱۲

بہر حال اسمیں شبہ نہیں ہو کہ مذکورہ بالا شرائط وقیود کے ساتھ جو فعل صادر ہوگا اُسکا فاعل
قادر مطلق کی مقدس ذات میں منحصر ہوگا اور اُسکا دعوے کے ساتھ واقع ہونا مدعی کی صادق
و راست گو ہونے پر دلالت کریگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص مدعی ہو کہ حقتعالی نے مجھکو دین و دنیا کی
ریاست عطا کی ہے۔ اور مجھکو لوگوں کی ہدایت کی غرض سے مبعوث کیا ہے اور میرے
دعوے کی دلیل یہ ہے کہ میں ماہتاب کو پارہ اور مردہ کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اور ان اُمور کے
دعوے کے ساتھ واقع ہونا بھی فرض کیا جائے تو اُس فعل کے معجزہ ہونے اور مدعی کے
راست گو ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہ ہوگا۔ اِس صورت میں یہ فرض کرنا بالکل غلط
ہوگا کہ معجزہ مدعی کا فعل ہو۔ اور مدعی کا نفس اُسکے صادر کرنے پر قدرت رکھتا ہو اِس لیے
کہ مدعی کا جو فعل ہوگا وہ ضرور عادی ہوگا جسپر مدعی ضرور مطلع ہوگا۔ حالانکہ ہم ابھی بیان
کر چکے ہیں کہ معجزہ کے سبب کا عادی نہ ہونا۔ اور مدعی کا اُسپر مطلع نہ ہونا ضروری ہے۔
اسیطرح یہ فرض کرنا بھی غلط ہوگا کہ معجزہ کا سبب کوئی خاص مزاج ہو اس لئے کہ اُسپر صاحب مزاج
ضرور مطلع ہوگا حالانکہ معجزہ کے سبب کا بشر کو معلوم نہ ہونا لازمی ہے۔ اِسیطرح یہ فرض کرنا بھی
صحیح نہ ہوگا کہ معجزہ کسی ساحر یا شعبدہ باز سے صادر ہو اس لئے کہ اُسکے فعل کا سبب معلوم ہوتا
اور اُسمیں تعلیم و تعلّم جاری ہو سکتا ہے حالانکہ ہمنے بیان کیا ہے کہ معجزہ میں تعلیم و تعلّم جاری
نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح یہ فرض بھی باطل ہوگا کہ معجزہ کا کسی طلسم یا دوا کی تاثیر سے ظاہر ہونا
ممکن ہے اسلئے کہ وہ بھی سبب عادی ہے۔ اور مدعی کو اُسپر اطلاع ہوتی ہے۔ اور تعلیم و تعلّم
اُسمیں جاری ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسے فعل کا معجزہ کہنا جو کسی طلسم یا دوا کے تاثیر سے ظاہر ہو
ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور ہم نے معجزہ کے بارہ میں جو ضابطہ بیان کیا ہے اُسپر نظر کرنیکے بعد
اس قسم کے جملہ اعتراضات کا بہت آسانی کے ساتھ دفعیہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر بعض ناواقفوں پر
معجزہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ مشتبہ ہو جائے اور یہ کہ وہ معجزہ کو غیر معجزہ سے تمیز نہ کر سکتے ہوں
اور بغیر معجزہ اُنپر حجّت تمام نہ ہو سکتی ہو تو ایسی صورت میں خداوند عالم پر لازم ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی طرح

لوگوں پر دروغگو کے مکر و فریب کو ظاہر کرے تاکہ حق کو باطل سے تمیز حاصل ہو جائے۔ اور خدا کی حجت اُنپر تمام ہو۔ اِس کلام کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ شعبدہ باز یا حیلہ ساز کے ہاتھ پر معجزہ کا صادر ہونا محال ہے اِس لئے کہ اگر کسی شعبدہ باز کا مدعی نبوت ہونا اور لوگوں کا اُسکی وجہ سے گمراہ ہونا فرض کیا جائیگا تو حقتعالیٰ کو اُسکے دروغگو ہونے کا علم ضرور ہوگا اسلئے کہ اُسکا جاہل ہونا محال ہے ایسی صورت میں حقتعالیٰ اُسکے فتنہ و فساد کو ضرور دفع کریگا اسلئے کہ حقتعالیٰ کا کسی فتنہ و فساد پر راضی ہونا محال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتنہ و فساد کا دفع کرنا اُسوقت تک معقول نہیں ہوسکتا جبتک کہ فتنہ و فساد کا سبب برطرف نہ ہو۔ ایسی صورت میں معمولی عقل کا آدمی بھی اِس نتیجہ کے نکالنے پر مجبور ہوگا کہ حقتعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص سے معجزہ کے صادر ہونے کو محال کردے پس شعبدہ باز سے معجزہ کا صادر ہونا محال ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اگر شعبدہ باز کے ہاتھ سے معجزہ کا صادر ہونا۔ اور خدا کو اُسکی دروغگوئی کو ظاہر نہ کرنا۔ اور لوگوں کو اُسکے فتنہ و فساد سے محفوظ نہ رکھنا فرض کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن لوگوں نے اُس (شعبدہ باز) کے نبی صادق ہونے کا اقرار اور اُسکے مذہب پر عمل کیاہے آیا حق تعالیٰ اُن (لوگوں) کو قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کریگا یا نہیں۔ اگر خدا کا اُنپر عذاب کرنا فرض کیا جائیگا تو خدا کا ظالم ہونا لازم آئیگا اِس لئے کہ اُسکو بخوبی معلوم تھا کہ فلاں مفسدہ پرداز نے اُن لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اور یہ کہ اُسنے باوجود قدرت کے اُسکے فتنہ و شر کو دفع نہیں کیا۔ اور لوگوں کو اُس (شعبدہ باز) کا دروغگو ہونا معلوم نہ تھا جسکی وجہ سے وہ معذور ہونگے۔ پس ایسی صورت میں خدا کا اُن لوگوں کو سزا دینا اور اُنپر عذاب کرنا ضرور ظلم ہوگا جسکے صادر ہونے کا خدا سے قبیح اور محال ہونا معلوم ہے اور کتاب **العدل** میں اسکی شرح ہوچکی ہے۔ اور اگر خدا کا اُنپر عذاب نہ کرنا فرض کیا جائیگا تو شریعتوں کا باطل ہونا یا کم از کم نبی صادق اور شعبدہ باز کا مساوی اور ہمرتبہ ہونا لازم آئیگا جسکا باطل ہونا بدیہی ہے۔ اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر حقتعالیٰ کسی شعبدہ باز کو ایسے فعل کے صادر کرنے سے باز نہ رکھے جسکا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا فرض کیا جاتا ہے تو اُمور ذیل

میں سے ایک نہ ایک امر ضرور لازم آئیگا۔ خدا کا جاہل ہونا۔ یا اُسکا عاجز ہونا۔ یا اُسکا دین باطل پر راضی ہونا۔ یا اُسکا ظالم ہونا۔ یا حق و باطل کا مساوی ہونا۔ اور ان سب اُمور کا باطل ہونا بہت ظاہر ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ معجزہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ ہرگز مشتبہ نہیں ہوسکتا اور یہ کہ صورت اشتباہ میں حق تعالیٰ پر مدعی باطل کی دروغگوئی کا ظاہر کردینا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں باوجود تحدّی کرنے اور معارضہ طلب کرنے کے بھی کوئی شخص معارضہ کرنے پر قادر نہیں ہوا ہے اسی لئے معجزہ کے مقابلہ میں شعبدہ اور سحر باطل ہوجاتا ہے۔ یا اُسکے لئے کوئی معارض پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسےؑ نے جبکہ بحکم خدا اپنے عصا کو زمین پر چھوڑا اور وہ اژدہا ہوگیا۔ اور اسیطرح آپ نے اپنے ہاتھ کو ظاہر کیا اور وہ ید بیضا بن گیا اور اُسکے معارضہ کی غرض سے فرعون اور اُسکی قوم نے جادوگرونکو جمع کیا تو معجزہ کے مقابلہ میں اُنکے جادو سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰؑ کی عصا نے اُنکی رسّیوں کو نگل لیا اور بالآخر جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے نبی برحق ہونے کی تصدیق کی اور ایمان سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ حقتعالیٰ نے اس قصّہ کو قرآن شریف میں اسطرح بیان فرمایا ہے۔

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈالدیا وہ یکایک ظاہر ظاہر اژدہا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ جو نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے بہت روشن ہوگیا۔ قوم فرعون کے شرفا نے کہا کہ ضرور یہ پڑھا ہوا جادوگر ہے۔ یہ تمکو تمہارے ملک سے نکالدینا چاہتا ہے۔ اب تم کیا مشورہ دیتے ہو اُنہوں نے کہا کہ ان کو اور انکے بھائی کو (تو آپ) مہلت دیں اور شہروں میں گرداور بھیجدیں کہ وہ ہر ایک پڑھے ہوئے جادوگر کو حضور میں لے آئیں۔ اور وہ جادوگر فرعون کی پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے (تو)

الغٰلبين ۝ قال نعم وانكم لمن
المقربين ۝ قالوا يٰموسىٰ اما ان
تلقى واما ان نكون نحن
الملقين ۝ قال
القوا ۚ فلما القوا سحروا
اعين الناس واسترهبوهم و
جاءو بسحر عظيم ۝ واوحينا
الى موسىٰ ان الق عصاك ۚ
فاذا هي تلقف
ما يافكون ۚ
فوقع الحق وبطل ما كانوا
يعملون ۚ فغلبوا هنالك
وانقلبوا صٰغرين ۚ والقي
السحرة سٰجدين ۝ قالوا اٰمنا
برب العٰلمين ۝ رب موسىٰ وهٰرون ۝

پارہ ۹
سورہ اعراف

ہمکو کچھ صلہ بھی ملے گا۔ اُسنے کہا ہاں (ملیگا)
اور تم مقربین دربارسے بھی ضرور ہو جاؤگے
(جادوگر بولے کہ اے موسیٰ لو اب تم ڈالتے ہو
یا ہم ہی ڈالنے والے بنیں (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ
تم ہی ڈالو۔ پس جب اُنہوں نے ڈالا تو لوگوں
کی نظربندی کردی اور اُن کو ڈرایا اور
بہت بڑا[١] جادو لا موجود کیا۔ اور ہم نے
موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم بھی اپنا عصا ڈالدو
پس دیکھتے کیا ہیں کہ جو جو کچھ ڈھکوسلا اُنہوں نے
بنا رکھا تھا وہ عصا ہے کہ سب کو نگلے[٢] چلا جاتا ہے
پس اس طرح (حق تو) حق ثابت ہوگیا اور جو عمل وہ
کر رہے تھے (وہ سب) باطل ہوگیا پس جادوگر وہیں کے
وہیں مغلوب اور ذلیل ہوکر رہ گئے۔ اور سب کے سب
سجدہ میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہم عالموں کے
پروردگار پر جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان[٣] لائے

[١] منقول ہے کہ انہوں نے بڑی موٹی گندہ اور موٹی رسیوں کو اور لمبی لمبی لکڑیوں کو زمین پر ڈالا جو زمین پر بہت بڑے اژدہوں کی طرح حرکت کرتی معلوم ہوتی تھیں جنسے سارا جنگل بھر گیا اور بعض اژدہے بعض کے اوپر سوار نظر آتے تھے ۱۲

[٢] منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی عصا نے اژدہا بنکر جادوگروں کی تمام لکڑیوں اور رسیوں کو نگل لیا تو حاضرین کی طرف رُخ کیا وہ لوگ اپنی جان کے خوف سے بے تحاشا بھاگے اور بہت سے لوگ مونھ کے بھل زمین پر گر پڑے اور کچھ لوگ ہلاک ہوگئے ۱۲

[٣] منقول ہے کہ وہ جادوگر کہتے تھے کہ اگر موسیٰ کا یہ فعل جادو ہوتا تو ہماری رسیاں اور لکڑیاں مفقود نہ ہوتیں ۱۲

اسی لئے جناب قطب الدین راوندی نے معجزہ اور شعبدہ کے فرق میں بیان کیا ہے کہ حیلہ گر اپنی اُستادی سے ایسے امر کو ظاہر کرتا ہے جو خلاف واقع ہوتا ہے اور اُسکے اصلی سبب کو پوشیدہ کر دیتا ہے چنانچہ سامری نے گوسالہ میں ایسے سوراخ قرار دیے تھے جنکی راہ سے ہوا کی آمد و رفت ہوتی تھی اور آواز نکلتی تھی[1] اسیطرح شعبدہ باز نظر بندی کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی حیوان یا انسان کو ذبح کرتا ہے اور درحقیقت ذبح نہیں کرتا لیکن اُسکا ہاتھ ایسی سبکی اور تیزی کے ساتھ حرکت کرتا ہے کہ لوگوں پر حقیقت حال پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اُس شعبدہ باز نے انسان یا حیوان کو ذبح کرنے کے بعد زندہ کیا ہے اور انبیاء کے معجزات اس قسم کے نہیں ہوتے بلکہ اُن کے لئے واقعیت ہوتی ہے۔ اور عقلاء کو بدیہی طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسمیں مکر و حیلہ نہیں ہے۔ اور کافر لوگ اگرچہ اُنکا انکار کرتے ہیں مگر اُنکا یہ انکار محض عداوت اور مکاری سے پیدا ہوتا ہے ورنہ اُنکو بھی معجزہ کے واقعی ہونیکا یقین ہوتا ہے چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا پارہ ۱۹ — سورۂ النمل	اور اُنہوں نے از روئے ظلم و تکبر اُن معجزات کا انکار کیا۔ حالانکہ اُن کے دل انکا یقین رکھتے تھے۔

اِس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام اُسوقت درست ہوتا ہے جبکہ جادو کے لئے کوئی واقعیت فرض نہ کیجائے اور اُس سے محض تخییل مراد لیجائے۔ لیکن اگر جادو کے لئے واقعیت فرض کیجائے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو یہ کلام درست نہیں ہو سکتا۔

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے قدم جبرئیل کے نیچے کی خاک کو گوسالہ میں داخل کر دیا تھا۔ اور اُسیکی تاثیر سے آواز پیدا ہوتی تھی اس صورت میں یہ کہنا بظاہر درست نہیں ہوتا کہ ہوا کی آمد و رفت سے جو سوراخوں کی راہ سے آتی جاتی تھی آواز پیدا ہوتی لیکن کہہ سکتے ہیں کہ گوسالہ سے بہت سی آوازیں نکلتی ہوں بعض کا سبب خاک ہو اور بعض کا سبب آمد و رفت ہوا ہو۔ اس تقدیر پر دونوں امروں میں کسی قسم کی منافات نہ ہوگی۔ اور چونکہ علامہ قطب الدین راوندی کو صرف حیلہ کا بیان کرنا مقصود تھا اسلئے اُنہوں نے دوسرے سبب کا تذکرہ نہیں کیا ۱۲

اِسکا جواب یہ ہے کہ جادو کا محض خیال بندی ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی ۝ پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ	موسٰے کو اُن لوگوں کے جادو سے خیال ہوتا تھا کہ اُنکی رسّیاں اور لکڑیاں حرکت کرتی ہیں۔

اور جناب رسولِ خداؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لو کان للسحر حقیقۃ لدفعوا عن انفسھم الموت والھرم	اگر جادو کے لئے حقیقت ہوتی تو وہ اپنے نفسوں سے موت اور پیری کو دفع کرتے۔

پس جبکہ جادو کا محض تمثیل ہونا ثابت ہوا تو ہمارا کلام بہرحال درست ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ جادو کے لئے دراصل حقیقت ہے تو خداوند عالم پر لازم ہوگا کہ معجزہ کی مقابلہ میں جادو کو باطل فرمائے اور معارضہ کے مقام پر اُس (جادو) کا کوئی اثر ظاہر نہ ہونے دے ورنہ لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ کی حجت تمام نہ ہو اور نبی برحق اور مدعی باطل میں کسی قسم کا فرق نہ رہے اسیطرح اگر کوئی شخص دروغگو اپنے نبی ہونے کا دعوےٰ کرے اور لوگوں کو گمراہ کرنیکی غرض سے ایسے اُمور کو ظاہر کرے جنسے حقیقت امر اُنپر مشتبہ ہو جائے تو حکیم مطلق پر لازم ہوگا کہ اُنکی دروغگوئی کو ظاہر کردے تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔

اعتراض۔ ممکن ہے کہ کسی دوا کی تاثیر ایسی عجیب و غریب ہو جسکی وجہ سے لوگ اُسکو معجزہ کہنے لگیں پس اس امر پر کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ انبیاء کے معجزات کسی دوا کی تاثیر سے ظاہر نہیں ہوئے ایسی صورت میں ممکن ہوگا کہ کسی خاص دوا کی تاثیر سے مردہ زندہ ہوسکتا ہو یا کورمادرزاد بینا ہوسکتا ہو یا کوئی حیوان بے زبان اُسکے کھانے سے اعلیٰ درجہ کا فصیح ہو جاتا ہو۔ پس جبتک کہ یہ احتمال باطل نہ کیا جائیگا اُسوقت تک معجزہ کا دلیل نبوت ہونا ثابت نہ ہوگا۔

جواب۔ یہ امر تو قابل تسلیم ہے کہ دوا میں عجیب و غریب تاثیر ہوسکتی ہے لیکن اُسکی وجہ سے انبیاء کا معجزہ باطل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اگر اُس دوا کے بہم پہونچانے کا باعتبار عادت

کوئی طریقہ ایسا موجود ہو جسکی وجہ سے لوگ اُسکو بہم پہونچا سکتے ہیں تو اُسکا معارضہ صحیح ہوگا - اور کسی
دروغگو کے دعوے کا اُسکے ذریعہ سے باطل کرنا ممکن ہوگا - اور ایسی صورت میں اُسکا فعل ہرگز
معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہوگا - اور اگر اُس دوا کے بہم پہونچانیکا باعتبار عادت کوئی طریقہ موجود
نہ ہوگا تو اُسپر کسی خاص شخص کا مطلع ہونا اُسکے نبی برحق ہونیکی دلیل ہوگی - اور اُسکا فعل ضرور
معجزہ ہوگا - ایسی صورت میں مدعی کا دروغگو کہنا درست نہوگا - اور اگر مدعی کا دروغگو ہونا فرض
کیا جائے اور وہ کسی دوا کی تاثیر سے ایسے امر کو واقع کرے جو معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہو جائے
تو حقتعالیٰ پر حقیقت امر کا ظاہر کر دینا لازم ہوگا - پس خداوند عالم پر مدعی کے دروغگو ہونے کی
صورت میں لوگوں کا اُسکے معارضہ پر قادر کر دینا اور اُس (مدعی) کے راست گو ہونے کی
صورت میں لوگوں کا اُسکے معارضہ سے عاجز کر دینا لازم ہوگا جسکی وجہ مذکور ہو چکی ہے - اسیطرح جادو
اور شعبدہ کی وجہ تفتیش اور تجسس کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے - اور اہل خبرت اُسپر مطلع ہو جاتے ہیں
اور اسمیں تعلیم و تعلم جاری ہو سکتا ہے - مثلاً شعبدہ باز تخم مرغ کو دو تین روز تک سرکہ میں تر
کرتے ہیں جس سے اُسکا بالائی پوست نرم ہو جاتا ہے - اور اُسکا بقدر ضرورت دراز کرنا آسان
ہو جاتا ہے - پس اُسکو کسی ایسے شیشہ میں داخل کر دیتے ہیں جسکا سر بہت چھوٹا ہوتا ہے مثل
بوتل وغیرہ کے بعد ازاں اُسپر ٹھنڈا پانی چھڑکتے ہیں اور وہ تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصلی
حالت کی طرف عود کرتا ہے - اور نہایت سخت ہو جاتا ہے جسکا توڑنا دشوار ہو جاتا ہے
پس ناواقف لوگوں پر حقیقت امر مشتبہ ہو جاتی ہے - اور شعبدہ و معجزہ کو یکساں خیال کرنے
لگتے ہیں حالانکہ معجزہ کی شان اس سے کہیں بالاتر ہے - اُسکے اسباب پر خداوند عالم کے
علاوہ کوئی مطلع نہیں ہو سکتا - چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے معارضہ میں جو جادوگر بلائے گئے
تھے اُنہوں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں میں پارہ بھر دیا تھا جس کی وجہ سے گرمی آفتاب
کے وقت وہ حرکت کرنے لگتی تھیں اور لوگونپر حقیقت امر مشتبہ ہو جاتی تھی بخلاف
معجزہ کے کہ اُسمیں کسی قسم کا حیلہ نہیں ہوتا اسی لئے ہر ایک زمانہ کی اُمتوں نے اُنکی

معجزوں میں قدح کرنے کے لئے ہزارہا تدبیریں کیں مگر ایک تدبیر بھی مفید نہ ہوئی اُسکا
سبب یہی تھا کہ وہاں پر کوئی حیلہ نہ تھا بلکہ وہ محض حکیم مطلق کی قدرت سے ظاہر
ہوتا تھا بلکہ احادیث معصومینؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے ہر ایک زمانہ کے نبی کو
اس قسم کا معجزہ عطا فرمایا تھا جو اُس زمانہ میں مشہور ہوتا تھا اور اُس کے جاننے والے اس زمانہ میں
بکثرت موجود ہوتے تھے تاکہ حق تعالیٰ کی حجت تمام ہو اور کسی شخص کو نبی کے برحق ہونے میں
شبہ نہ رہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا زائد رواج تھا اور اُس کے
جاننے والے بکثرت موجود تھے اسی لئے حق تعالیٰ نے اُن کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا تھا
جسکے معارضہ سے اُس زمانہ کے تمام جادوگر جو اس فن میں کمال رکھتے تھے عاجز آگئے۔ اور
سب نے اقرار کیا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ اسیطرح حضرت عیسےٰؑ کے زمانہ میں امراض مزمنہ
کی کثرت تھی اور بڑے بڑے حاذق طبیب اُس زمانہ میں موجود تھے جو فن طب میں یکتائے زمانہ
سمجھے جاتے تھے جیسے جالینوس وغیرہ اسی لئے خداوند عالم نے ایسے ہی امور کو اُنکا معجزہ
قرار دیا جو اُن کی صنعت اور فن سے مشابہت رکھتا تھا جیسے کور مادرزاد کا بینا کرنا۔ ابرص
کا شفا دینا اور مردہ کا زندہ کرنا۔ اسیطرح ہمارے حضرت پیغمبر محمد مصطفےٰؐ کے زمانہ میں
فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ اور عرب کے کمالات کا اُسی میں حصر سمجھا جاتا تھا
اور اُسکے جاننے والے بکثرت موجود تھے اسی لئے حق تعالےٰ نے حضرتؐ کا معجزہ قرآن مجید
کو قرار دیا جسکے ایک چھوٹے سورہ کے معارضہ سے بھی تمام عرب عاجز آگئے۔ اور
اُسکے من جانب اللہ ہونے میں شبہ نہ رہا۔ اِسی مطلب کو اصول کافی
اور بحارالانوار میں حضرت امام رضاؑ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

قال ابن السکیت لابی الحسنؑ
لماذا بعث اللہ موسےٰ بن عمران بالعصا
ویدہ البیضاء وآلۃ السحر وبعث عیسےٰ بآلۃ الطب

ابن سکیت نے حضرت امام رضاؑ سے دریافت کیا کہ حق تعالےٰ
نے حضرت موسیٰ بن عمران کو عصا اور ید بیضا اور آلہ سحر کے
ساتھ اور حضرت عیسیٰؑ کو آلہ طب کے ساتھ

و بعث محمداً بالكلام والخطب
فقال ابو الحسن ان الله لما بعث
موسیٰ كان الغالب علیٰ اهل عصره
السحر فاتاهم من عند الله
بما لم يكن فی وسعهم
مثله و ما ابطل سحرهم
و اثبت به الحجة عليهم
وان الله بعث عيسىٰ فی وقت
قد ظهرت فيه الزمانات
احتاج الناس الى الطب
فاتاهم من عند الله بما
لم يكن عندهم مثله و بما
احيا لهم الموتىٰ و ابرء
الاكمه والابرص باذن الله
و اثبت به الحجة عليهم
وان الله بعث محمداً فی وقت
كان الغالب علیٰ اهل عصره الخطب
والكلام واظنه
قال الشعر فاتاهم من عند الله
تعالیٰ من مواعظه واحكامه
ما ابطل به قولهم و اثبت به الحجة عليهم

اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو کلام و خطب کے ساتھ کیوں مخصوص فرمایا
حضرت ع نے جواب دیا کہ خداوند عالم نے جب کہ
حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا ہے تو اُنکے اہل زمانہ پر
سحر غالب تھا۔ پس حضرت موسیٰ نے اُن کے سامنے
ایسے اُمور کو پیش کیا جنکے مثل کا صادر کرنا اُن کی
طاقت سے باہر تھا۔ اور اُن (اُمور) کی وجہ سے اُنکے
سحر کو باطل اور حجت خدا کو اُن پر ثابت کیا۔
اور حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ایسے وقت میں مبعوث
کیا تھا جسمیں امراض مزمنہ بکثرت شائع تھے۔ اور
لوگوں کو طب کی طرف احتیاج تھی پھر حضرت عیسیٰ نے
من جانب اللہ اُنکے سامنے ایسے اُمور کو پیش کیا جنکے
مثل کا صادر کرنا اُنکے امکان سے خارج تھا اور
اسی طرح حضرت نے باذن خدا اُن کے لئے مردوں کو
زندہ کیا کور مادرزاد اور مبروص کو اچھا کر دیا۔ اور
اُسکے ساتھ حجت خدا کو اُنپر ثابت کیا۔ اور حق تعالیٰ
نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو ایسے وقت میں مبعوث
فرمایا کہ اُن کے اہل زمانہ پر خطبہ اور کلام غالب
تھا۔ (راوی کا بیان ہے) مجھکو گمان ہے کہ حضرت
نے شعر بھی فرمایا۔ پس حضرت صلعم نے منجانب اللہ اُنکے
سامنے ایسے مواعظ اور احکام کو ظاہر فرمایا جنکی وجہ سے
حضرت نے اُن کے قول کو باطل کر دیا اور حجت خدا کو اُنپر ثابت کر دیا

قال فقال ابن السکیت تاالله ما رأیت مثلك (الحدیث) } راوی کہتا ہے کہ یہ کلام سنکر ابن سکیت نے کہا قسم بخدا کہ میں نے آپکی مثل کسی شخص کو نہیں دیکھا

اور اس مطلب کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئیگی۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ شعبدہ ایسے لوگونسے ظاہر ہوتا ہے جو ارذال قوم ہوتے ہیں اور اُنکا فرومایہ ہونا ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ ایسے ہی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے جسکا کمال عقل و دانائی اور پرہیزگاری کے ساتھ موصوف ہونا ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے اور اُنکی عظمت و جلالت کا ہر شخص کو اعتراف ہوتا ہے اور اُنکی نسبت کسی حیلہ سازی اور مکاری کا احتمال خلاف عقل ہوتا ہے۔ اور اُنکے راست گو اور منجانب اللہ مبعوث ہونیکا ہر ایک عاقل و با فہم کو یقین ہو جاتا ہے۔ اور اسکا انکار وہی شخص کرتا ہے جو دیدہ و دانستہ حق کو پوشیدہ کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء کی تصدیق کے لئے جو اُمور اُنسے ظاہر ہوتے ہیں وہ اسباب عادیہ پر مبنی نہیں ہوتے اور اُنپر کوئی بشر قادر نہیں ہوتا۔ اور اُن کے سبب پر کسی بشر کو اطلاع نہیں ہو سکتی بلکہ خود نبی کو بھی اُسکا علم نہیں ہوتا۔ اسی لئے اُسمیں تعلیم و تعلّم کا جاری ہونا بے معنی ہے بخلاف شعبدہ بازی کے کہ اُسمیں یہ اُمور بالکل نہیں ہوتے۔ پس وہ عادی اُمور پر مبنی ہوتا ہے۔ اُسپر بشر قادر ہوتا ہے اور اُس کے سبب پر مطلع ہوتا ہے اُسمیں تعلیم و تعلّم جاری ہوتا ہے۔

تصدیق نبوت کے لئے معجزہ کا ضروری ہونا } مدّعی نبوت کے دعوے کی تصدیق کے لئے معجزہ کا صادر ہونا لازمی امر ہے اس لئے کہ عقل کے نزدیک کسی دعوے کا بدون دلیل قبول کر لینا درست نہیں ہے خصوصًا نبوت ایسے منصب جلیل کے دعوے کا بدون کسی معقول دلیل اور بیّن شاہد کے تسلیم کر لینا جس سے دین و دنیا کے جملہ اُمور وابستہ ہیں اور جو انسان کی سعادت اور شقاوت کا معیار ہے معمولی عقل والے شخص کے نزدیک بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ کے علاوہ کوئی دوسری دلیل ایسی نہیں ہو سکتی جس سے مدعی نبوت کا اپنے دعوے میں راست گو ہونا یقینًا معلوم ہو جائے اس لئے کہ معجزہ سے وہ فعل مراد ہے جسکے صادر کرنے سے بشر عاجز ہو۔ اور مجرائے عادت کے خلاف ہو

اور نبوت یا امامت کے دعوے کی تصدیق کے لئے بطور سند ظاہر ہو پس اگر مدعی سے کوئی ایسا امر صادر ہو جسکو بشر کر سکتا ہو تو اُسکا دعوے کی تصدیق کے لئے کافی نہ ہونا نہایت ظاہر ہے جیسے کوئی عجیب صنعت یا شعبدہ باز کا حیلہ۔ اسیطرح اگر مدعی اپنی تصدیق کے لئے خدا کے ایسے فعل کو سند قرار دے جو خلاف عادت نہو تب بھی اُسکا ثبوت کے لئے کافی نہ ہونا واضح ہوگا جیسے آفتاب کا وقت معین پر طلوع و غروب کرنا بخلاف اسکے اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو اور کہے کہ میرے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ میں مردہ کو زندہ کر سکتا ہوں اور اُسیوقت مردہ کو زندہ کر دے تو اُسکے نبی ماننے میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہوگا۔ اور ہم اُسکو یقیناً نبی برحق سمجھ لینگے۔ کیونکہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر اور اُسکا علم ہر شے پر محیط ہے پس اگر باوجود اسکے شخص مذکور کا دروغگو ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ حکیم مطلق نے دروغگو کی تصدیق کی ہو جسکا قبیح ہونا اور خدا سے اُسکے صادر ہونیکا محال ہونا معلوم ہو چکا ہے اور کتاب العدل میں اُسکی مفصل بحث گذر چکی ہے مثلاً اگر کوئی شخص دعوے کرے کہ میں شہنشاہ کی طرف سے تمپر حاکم ہوں۔ اور تمپر میری اطاعت لازم ہے تو محض اُسکے کہنے کی بنا پر اُسکا یہ قول مقبول نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے شہنشاہ کی طرف سے کوئی قطعی حجت نہ رکھتا ہو جیسے خود بادشاہ کے ہاتھ کی تحریر۔ یا اُسکی مخصوص نشانی۔ لیکن جبکہ وہ خود شہنشاہ کے ہاتھ کی تحریر یا اُسکی مخصوص نشانی پیش کر دے یا یوں کہیئے کہ وہ خود اُسکی تصدیق کر دے تو پھر ہمکو اُسکے قبول کرنے میں کسی قسم کا عذر نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح اگر مدعی نبوت اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے کوئی ایسا امر ظاہر نکریگا جو حقتعالی کے ساتھ مخصوص ہو تو اُسکا دعوے کسیطرح ثابت نہوگا بلکہ ایسی صورت میں اگر ہم اُسکی تصدیق کرینگے تو ہمکو حق تعالی کی طرف سے عتاب کا اندیشہ بلکہ یقین ہوگا۔ اور جبکہ وہ اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے معجزہ کو ظاہر کریگا جو حقتعالی کے ساتھ مخصوص ہے تو اُسکا دعوے یقیناً ثابت ہو جائیگا۔ بلکہ ایسی صورت میں اگر ہم

اُسکی تصدیق نہ کرینگے تو ہمکو حقتعالیٰ کی طرف سے عتاب کا اندیشہ بلکہ یقین ہوگا اسی لئے محققین علماء نے مدعی نبوت کی تصدیق کے لئے معجزے کے صادر ہونیکو لازمی قرار دیا ہے - اور یہ کہ بدون معجزہ اُسکے دعوے کی تصدیق درست نہیں ہے - ہم اس مقام پر بعض علماء کی تصریحات کو اپنے دعوے کی سند کے لئے پیش کرتے ہیں -

اوّل - جناب خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ شرح اشارات میں تحریر فرماتے ہیں کہ -

ان الناس لو تنازعوا في وضع الشرع لوقع الهرج المحذور منه فاذن يجب ان يمتاز الشارع منهم باستحقاق الطاعة ليطيعه الباقون في قبول الشريعة واستحقاق الطاعة انما يتقرر بآيات تدل على كون تلك الشريعة من عند ربه وتلك الآيات هي معجزاته وهي اما قولية واما فعلية والخواص للقولية اطوع والعوام للفعلية اطوع ولا يتم الفعلية مجردة عن القولية لان النبوة والاعجاز لا يحصلان من غير دعوة الى الخير فاذن لا بد من شارع هو نبي ذو معجزة - (انتہیٰ)

اگر لوگ شریعت کے بنانے میں نزاع کریں تو ہرج واقع ہوگا - پس ایسی صورت میں ضروری ہوا کہ شارع باقی لوگوں سے استحقاق طاعت میں ممتاز ہوں تاکہ باقی لوگ شریعت کے قبول کرنے میں اُسکی اطاعت کریں - اور طاعت کا استحقاق فقط اُن آیات کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے جو اُسکی شریعت کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کریں اور وہ آیات اُن کے معجزے ہیں - اور وہ (معجزے) یا قولی ہوتے ہیں یا فعلی اور خاص لوگ معجزات قولیہ کی زیادہ اطاعت کرتے ہیں - اور عام لوگ معجزات فعلیہ کی زیادہ اطاعت کرتے ہیں - اور معجزات قولیہ سے معجزات فعلیہ خالی ہوکر تمام نہیں ہو سکتے اسلئے کہ نبوت و اعجاز اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جبتک کہ اُمورِ خیر کی طرف دعوت نہ ہو پس اس صورت میں ایک شارع کا موجود ہونا ضروری ہوا جس سے نبی کا صاحب معجزہ ہونا مراد ہے -

اِس عبارت سے بصراحت معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لئے طاعت کا استحقاق اُسوقت تک حاصل نہوگا جبتک کہ وہ صاحب معجزہ نہو جو اُسکی شریعت کے من جانب اللہ ہونے پر دلالت کرے دوم جناب ملا عبدالرزاق لاہجی تحریر فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ - نبوت کی شناخت کا طریقہ معجزہ کے ظاہر ہونے میں منحصر ہے - اور معجزہ وہ امر ہے جو خارق عادت اور مطابق دعوے ہو - اور خرق عادت کے معنی کا اسطرح بیان کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اُن اُمور سے ممتاز ہو جائے جو خرق عادت کے مثل ہوتے ہیں اور دراصل خرق عادت نہیں ہوتے جیسے جادو - شعبدہ - طلسمات وغیرہ - پس ہم کہتے ہیں کہ جو امر حادث ہوتا ہے خواہ وہ وجود ہو یا عدم اُسکے لئے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اس لئے کہ حقتعالی نے اسی امر میں مصلحت دیکھی ہے کہ وہ چیزوں کو اسباب کے ذریعہ سے پیدا کرے - اور اس پیدا کرنے کو کارِ خدا کہتے ہیں اور حق تعالی نے جن اسباب کو کہ اس عالم میں چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے وہ تین قسموں سے خالی نہیں ہوتے اول تنہا اسباب ارضیہ - دوسرے تنہا اسباب سماویہ تیسرے وہ اسباب جو اسباب ارضیہ اور اسباب سماویہ سے مرکب ہوتے ہیں - اسباب ارضیہ عناصر کے اجسام بسیطہ و مرکبہ کی طبیعتوں اور کیفیتوں میں منحصر ہیں اور اسباب سماویہ جنکی تاثیر اس عالم میں عادت قرار پائی ہے وہ ستاروں اور آسمانوں کی حرکات اور اوضاع میں منحصر ہیں اور اسباب مرکبہ وہ اسباب ہیں جو ان دونوں قسموں کے اسباب سے مرکب ہوتے ہیں - مثلاً کہا جائے کہ فلاں دوا کا فلاں ساعت میں استعمال کیا جائے تو فلاں اثر کرے والا نکرے - پس جو چیز کہ اس عالم میں مذکورہ بالا اسباب سے حادث ہوتی ہے وہ مجرائے عادت کی بنا پر واقع ہوتی ہے - اور اگر اسباب مذکورہ کے بغیر کوئی چیز واقع ہوتی ہے تو وہ مجرائے عادت سے باہر ہوتی ہے اور اُسکے ساتھ عادت متغیر ہو جاتی ہے - اور اسکو خرق عادت کہتے ہیں - مثلاً ماہتاب کا

شگفتہ ہونا مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کے ساتھ وقوع میں نہیں آسکتا
پس اُسکو خرق عادت کہینگے۔ اسیطرح درخت کا آنا بھی کسی سبب عادی کے ذریعہ سے
نہیں ہوسکتا اس لئے کہ حرکت کے اسباب عادیہ ارادہ اور طبیعت میں منحصر ہیں اور
ماہتاب اور درخت میں ارادہ نہیں ہے۔ اور حرکت طبعیہ یا فوقانی سمت کی طرف ہوتی ہی
یا تحتانی سمت کی طرف۔ اور حرکت قسریہ جذب سے حاصل ہوتی ہے یا دفع سے۔
اور درخت کا آنا حرکت تو ضرور ہے لکن اقسام مذکورہ میں سے کوئی قسم بھی نہیں ہے پس وہ
خرق عادت میں داخل ہوگی۔ اور کبھی کوئی امر کسی سبب عادی سے پیدا ہوتا ہے لکن
وہ سبب مخفی ہوتا ہے اور دیکھنے والا گمان کرتا ہے کہ وہ بلا سبب پیدا ہوا ہے پس
وہ خرق عادت کے ساتھ مشتبہ نہ ہوگا۔ اور شعبدہ وطلسمات اسی قبیل سے ہیں اور
کبھی کسی چیز کے پیدا ہونے کا محض خیال ہوتا ہے اور خیال کے سوا اُسکے لئے وجود
نہیں ہوتا اور سحر وجادو اسی قبیل سے ہوتے ہیں پس کسی امر کا بغیر کسی سبب عادی کے ہونا
خرق عادت ہے۔ اور اگر وہ نبوت یا امامت کے دعوے یا کسی ایسے امر کے ساتھ مقرون
ہو جو بغیر خدا کے اُس امر کے ساتھ مختص نہیں ہوسکتا۔ اور مطابق دعوے بھی ہو تو اُسکو
معجزہ کہتے ہیں اور کبھی وہ دعوے کے ساتھ مقرون ہوتا ہے لکن دعوے کے خلاف
ظاہر ہوتا ہے۔ اسکو معجزہ مکذّبہ (جھٹلانے والا معجزہ) کہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کے
نسبت منقول ہے کہ اُسنے یہ دیکھکر کہ حضرت موسیٰ کے لئے دریا کا راستہ کشادہ ہوگیا ہے
قصد کیا کہ وہ اسی راستہ سے گذر جائے پس موج نے اُسکو آلیا۔ اور وہ سب ساتھیوں سمیت
ڈوب گیا۔ اسیطرح حضرت ابراہیمؑ کا چچا یہ دیکھکر کہ آگ اُنکے لئے سلامتی قرار پائی کہنے لگا
کہ میں بھی آگ کو اپنے اوپر سرد اور سلامتی کرسکتا ہوں پس ایک شعلہ آیا اور اُسکی داڑھی کو جلا دیا الخ
اور فاضل مذکور نے دوسرے مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ۔ صاحب معجزہ کے
راست گو ہونے پر وہ (معجزہ) اسلئے دلالت کرتا ہے کہ اُسکا صادر کرنا محض خدا کے

ارادہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اُسکے صادر ہونے میں اسباب عادیہ کو دخل نہیں ہے
پس جبکہ وہ دعوائے نبوت سکے ساتھ ہی ساتھ واقع ہوتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ امر
محض منجانب اللہ صادر ہوا ہے مثلاً کسی بادشاہ کا کوئی مقرب ایک جماعت کے سامنے
دعوےٰ کرے کہ مجھکو بادشاہ نے تمہارے پاس پیغام لیکر بھیجا ہے اور وہ (جماعت)
اُس کے دعوے پر کوئی دلیل طلب کرے۔ اور وہ بیان کرے کہ میری دلیل یہ ہے کہ بادشاہ
اپنی عادت کے خلاف تین مرتبہ نشست و برخاست کرے اور بادشاہ اس کلام کے
سنتے ہی تین دفعہ نشست و برخاست کرے تو جماعت مذکورہ کو اس امر کا ضرور یقین ہو جائیگا
کہ بادشاہ نے اُسکے دعوے کی تصدیق کی ہے پس بعینہ یہی حال معجزہ میں بھی ہوتا ہے
کہ اُسکو حق تعالےٰ دعوائے نبی ہی کے ساتھ صادر کرتا ہے اب رہا یہ امر کہ تصدیق
نبوت کے لئے معجزہ کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص نبوت
کا دعوےٰ کرتا ہے وہ ایک ہی خصوصیت کا دعوےٰ کرتا ہے اور کسبی خصوصیت
کا دعوےٰ نہیں کرتا۔ اور عقل کو اُس خصوصیت پر کسی قسم کی اطلاع نہیں ہے تاکہ اُسپر برہان
لمّی کے عنوان پر استدلال کرنا درست ہو۔ پس اُسپر استدلال کرنا ایسے ہی طریقوں میں منحصر ہوگا۔
جسمیں اثر سے موثر پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور جو اثر کہ وجود موثر پر دلالت کرتا ہے اُسکا موثر
کے ساتھ مخصوص ہونا لازم ہے۔ اور چونکہ نبی ایک بشر ہوتا ہے اُسکے جملہ آثار بھی بشر کے دیگر
افراد کے مثل ہوتے ہیں۔ اور نبی میں اگرچہ فضائل و کمالات کا مجموعہ موجود ہوتا ہے لیکن اُسکو بھی
خاص نبوت پر کسی قسم کی دلالت نہیں ہے۔ پس جو اثر کہ بالخصوص اُس (نبوت) پر دلالت کر سکتا ہے
وہی ہے جو نبوت کی حیثیت سے اُسکے ساتھ اختصاص رکھتا ہے۔ اور ایسا اثر سوائے اُس معجزہ
سکے جو دعوے کے ساتھ مقرون ہو کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ پس نبوت کے ثابت
کرنے کا طریقہ فقط معجزہ ہی میں منحصر ہوگا۔
سوم۔ جناب ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص اپنے لئے کسی مرتبۂ بلند کا دعوے کرے تو اُسکا بدون کسی دلیل و شاہد کے قبول
کرلینا درست نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص دعوے کرے کہ میں بادشاہ کی طرف سے تم
لوگوں پر حاکم ہوں - تم پر میری اطاعت لازم ہے - تو محض اُسکے کہنے سے اُسکے اس دعوے کا
قبول کرلینا اُسوقت تک درست نہیں ہوسکتا جبتک کہ وہ اپنے دعوے کی تصدیق کرنے
بادشاہ کی طرف سے کسی قسم کی حجت پیش نہ کرے جیسے بادشاہ کا کوئی نوشتہ یا اُسکی کوئی
مخصوص نشانی - اور انبیاء کے معجزے بھی اسی قبیل سے ہوتے ہیں اسلئے کہ معجزہ سے وہ فعل مراد ہی
جس کے صادر کرنے سے بشر عاجز ہو - اور مجرائے عادت کے خلاف ہو - اور دعوائے نبوت کے
ساتھ ظاہر ہو - پس اگر کسی مدعی سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جسکو بشر کرسکتا ہے تو اسکو معجزہ
کہنا صحیح نہ ہوگا جیسے عجیب و غریب صنعتیں یا شعبدہ بازوں کے حیلے - اسیطرح اگر مدعی اپنے دعوے
کی تصدیق کے لئے خدا کے ایسے فعل کو سند قرار دے جو خلاف عادت نہ ہو تب بھی اُس کو
معجزہ کہنا صحیح نہ ہوگا جیسے آفتاب کا وقت معین پر طلوع و غروب کرنا - اور اگر کوئی فعل
خلاف عادت ہو لکن دعوائے نبوت کے ساتھ مقرون نہو تو اُسکو کرامت کہتے ہیں جیسے
حضرت مریم کے لئے مائدہ (دسترخوان) کا اُترنا - اور اگر کوئی شخص نبوت کا دعوے کرے
اور کہے کہ خداوند عالم نے مجھکو دین و دنیا کی ریاست عطا کی ہے - اور لوگوں کی ہدایت
کے لئے مقرر کیا ہے - اور میرے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ میں ماہتاب کے دو ٹکڑے
کرسکتا ہوں - یا اُس مردہ کو زندہ کرسکتا ہوں - اور اُسیوقت یہ امر واقع بھی ہوجائے
تو ہمکو یقین ہوجائیگا کہ یہ شخص راست گو ہے اِس لئے کہ خداوند عالم ہر ایک چیز پر قدرت
رکھتا ہے - اور اسکا علم ہر شے پر محیط ہے - پس اگر یہ شخص دروغ گو ہوتا تو اسکا دعوے قبیح
ہوتا - اور ہماری اطاعت بھی قبیح ہوتی اور باوجود اسکے حق تعالےٰ اُسکی تصدیق کردیتا
تو لازم آتا کہ اُس نے لوگوں کو امر قبیح پر آمادہ کیا ہوتا حالانکہ خدا سے قبیح کام کا صادر ہونا
محال ہے اسی طرح معجزہ کا مطابق دعوے ہونا بھی ضروری ہے ورنہ شخص مدعی کا دروغگو ہونا

لازم آئے گا جیساکہ مسیلمۂ کذاب کے بارہ میں منقول ہے کہ اُسنے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا لوگوں نے اُس سے بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ایک نابینا کے لئے دعا فرمائی تھی اُسکی آنکھ روشن ہوگئی۔ اُسنے بھی ایک شخص کو طلب کیا جو ایک آنکھ سے نابینا تھا اور اُسکیلئے دعا کی پس وہ صحیح آنکھ سے بھی نابینا ہوگیا۔ اسیطرح اُس سے بعض لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت صلعم نے ایک خشک کنوئیں میں اپنا آب دہن گرادیا تھا وہ پانی سے بھر گیا۔ اُسنے بھی ایک کم پانی کے کنوئیں میں اپنا آب دہن گرادیا اور وہ بالکل خشک ہوگیا۔ اس قسم کی خرق عادت کو معجزۂ مکذّبہ کہتے ہیں۔

چہارم۔ جناب مولانا سید دلدار علی صاحب غفران مآب عماد الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ان النبوة لاتتصور بدون المعجزة ۔ } نبوت کا بدوں معجزہ کے تصور نہیں ہوسکتا۔

جناب ممدوح نے انبیار کی نبوت کے ثابت ہونے کو معجزہ میں منحصر کیا ہے ۔ اور اُنکی مختلف عبارتوں کا نقل کرنا خالی از تطویل نہیں ہے جسکا جی چاہے عماد الاسلام کی جلد نبوت کیطرف رجوع کرے

پنجم۔ جناب مولانا سید حسین صاحب علیین مکان حدیقۂ سلطانیہ میں تحریر فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے پیغمبروں کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُنسے ایسے معجزے اور خرق عادت اُمور ظاہر ہوں جو دعوے کے مطابق ہوں۔ اور اُنسے وہ اُمور مراد ہیں جنکا واقع ہونا طاقت بشریہ کے اعتبار سے تو محال عادی ہو مگر قوت ربانیہ کے اعتبار سے ممکن بلکہ نہایت سہل و آسان ہو۔ اور انبیار کے ہاتھوں پر اُن کے ظاہر کرنے سے خدا کی غرض اُن کی تصدیق ہوتی ہے تاکہ ہر ایک شخص پر ظاہر ہو جائے کہ وہ خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر ہوئے ہیں اگرچہ اِس مطلب کے شواہد بکثرت موجود ہیں لیکن اُن سب کے نقل کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ اور جو کچھ بیان کیا گیا وہ ہمارے مقصود کے لئے بہت اچھی طرح کافی ہے۔

ثبوت نبوت کے لئے معجزہ کے ضروری ہونے پر اعتراض اور اسکا جواب } اس مقام پر بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ نبوت کے ثابت ہونیکی غرض سے معجزہ کا ظاہر ہونا

ضروری نہیں ہے - اور اُنکا یہ قول اگرچہ نہایت ضعیف ہی لیکن اُسکی تقریر اور اُسکے جواب کا اجمالی طور سے وارد کرنا مناسب ہے -

تقریر اعتراض - امام راغب[1] اصفہانی لکھتے ہیں کہ انبیاؑ کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہیں پہلی قسم یہ کہ وہ پاک نسب ہوتے ہیں - اُن کے چہرہ پر وہ نور ہوتا ہے جو دلوں کو فریفتہ کرلیتا ہو اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کرلیتے ہیں اُنکی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہوجاتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ -

وھذہ الاحوال اذا حصلت لا یحتاج ذو البصیرۃ الی معجزۃ ولا یطلبھا -	اور یہ حالات جب پائے جاتے ہیں تو سمجھدار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہیں ہوتا -

جواب - یہ تقریر کئی وجہوں سے مخدوش ہے -

پہلی وجہ - انبیاؑ کے لئے جب دو قسموں کے معجزے ہوئے تو ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے ایک قسم کا معجزہ کافی ہوجائے - تو اُسکو دوسرے قسم کے معجزہ کی ضرورت نہ ہوگی - لہٰذا ایسے صاف اور واضح امر کا بیان کرنا خالی از فائدہ ہے -

دوسری وجہ - اگر احوال مذکورہ کا معجزہ ہونا فرض کیا گیا ہے تو پھر نبوت کے ثابت ہونے میں معجزہ کی ضرورت ہوئی - اور یہ کہ وہ بدون معجزہ کے ثابت نہیں ہوئی - حالانکہ اس کلام سے اس مطلب کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اُسکے ثابت ہونے میں معجزہ کی حاجت نہو اور اُسمیں غیر معجزہ کافی ہوجائے - اور اگر احوال مذکورہ کا معجزہ ہونا فرض نہیں کیا گیا تو ہم تسلیم نہیں کرسکتے کہ نبوت کے ثابت ہونے میں کسی معجزہ کی حاجت نہ ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں بشر کو احوال مذکورہ کا حاصل کرلینا ممکن ہوگا - اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ جس امر کا بشر کے لئے حاصل کرلینا ممکن ہوگا اُس سے نبوت نہیں ثابت ہوسکتی - ورنہ بہت سے حکیموں اور فلاسفروں کا نبی ہونا لازم آئیگا -

---

[1] یہ عبارت الکلام کے صفحہ ۱۰۴ میں مذکور ہے - اور عجب نہیں ہے کہ نقل میں کسی قسم کا مسامحہ ہوا ہو ہمارے پاس اس وقت اصل کتاب موجود نہیں ہے ۱۲

تیسری وجہ۔ بہت سے مقدس حکیم اور پرہیزگار فلاسفر ایسے گذرے ہیں جنمیں احوال مذکورہ موجود تھے مگر کسی صاحب بصیرت نے اُن کو نبی نہیں سمجھا۔ پس اگر نبی ہونے میں احوال مذکورہ کافی ہوتے تو صاحبان بصیرت کا اُن کو نبی نہ سمجھنا بے وجہ ہوتا۔

چوتھی وجہ۔ ممکن ہے کہ کوئی بدمعاش آدمی جسکا نسب پاک اور چہرہ نورانی ہو مقدس بنجائے اور لوگوں کو اپنا باخدا اور پرہیزگار ہونا باور کرا دے پس اگر احوال مذکورہ کا ثبوت کی ثابت ہونے میں کافی ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ شخص مذکور نبی ہوجائے۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کسی شخص میں احوال مذکورہ بطور معجزہ مجتمع ہوجائیں تو اُسکا نبی ہونا کسی دوسرے معجزہ کا محتاج نہ ہوگا۔ ورنہ اُسکے نبی ہونے میں کسی معجزہ کی بہرحال ضرورت ہوگی۔

معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر اعتراضات اور انکا دفعیہ

بعض حضرات نے معجزہ کے دلیل نبوت ہونے میں کلام کیا ہے۔ لہذا اس مقام پر انکی تقریروں کا وار دکرنا اور بروجہ اجمال اُن تقریروں سے تعرض کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلی تقریر۔ ابن رشد نے جن مسائل میں جمہور اشاعرہ سے مخالفت کی اُنمیں سے ایک معجزہ کا دلیل نبوت ہونا تھا۔ تمام اشاعرہ تسلیم کرتے آئے تھے کہ نبوت کی صحت کی دلیل معجزہ ہے ابن رشد کو اصل معجزہ سے انکار نہیں لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اس سے نبوت پر استدلال ہوسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ استدلال دو مقدمے سے مرکب ہے صغریٰ یہ کہ فلاں شخص سے معجزہ صادر ہوا۔ کبریٰ یہ کہ جس شخص سے معجزہ صادر ہو وہ نبی ہے۔ یہ دونوں مقدمہ بحث طلب ہیں۔ پہلا اسلئے کہ یہ کیونکر ثابت ہو کہ جو امر خارق عادت وجود میں آیا ہے وہ کسی صنعت اور کسی خاصہ طبعی کا نتیجہ نہیں ہے۔ دوسرے مقدمہ کا ثابت ہونا اول اس بات پر موقوف ہے کہ نبوت و رسالت کا وجود ثابت کیا جائے کیونکہ جو شخص سرے سے نبوت کا قائل نہو وہ اس مقدمہ کو کیونکر تسلیم کریگا۔ نبوت کا وجود بھی تسلیم کیا جائے تو یہ کلیہ کیونکر ثابت ہو کہ معجزہ نبی ہی سے صادر ہوتا ہے۔ شاید یہ کہا جائے کہ تجربہ اور علوم سے ثابت ہوا ہے

شاہد ہے یعنی ابتداء سے آجتک معجزہ جب صادر ہوا ہے تو انبیاء سے صادر ہوا ہے۔ لیکن
اس صورت میں یہ دلیل صرف پچھلے انبیاء کے لئے مفید ہوگی۔ سب سے پہلے جو نبی مبعوث
ہوا ہوگا اُسکی نبوت کیونکر ثابت ہوگی کیونکہ اس سے پہلے کوئی نبی ہی نہیں آیا۔ نہ کوئی معجزہ
صادر ہوا تو لوگوں کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ انبیاء وہ ہیں جنسے معجزات صادر ہوا کرتے ہیں اس سے بڑھکر
یہ کہ اشاعرہ تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کے سوا اوروں سے ہر قسم کی خرق عادت صادر ہوسکتی ہی
اگر یہ مان لیا جائے تو پھر نبوت کی کیا تخصیص رہتی ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ معجزہ میں اور
دیگر خرق عادات میں یہ فرق ہے کہ معجزہ صرف اُس سے صادر ہوتا ہے جو نبوت کا مدعی ہوتا ہے
اور واقعی نبی ہوتا ہے۔ اگر اور کوئی شخص جو درحقیقت نبی نہیں ہے نبوت کا مدعی ہو تو معجزہ
اُس سے سرزد نہ ہوگا۔ لیکن یہ عجب تفریق ہے۔ جب یہ تسلیم کرلیا گیا کہ ہر قسم کی خرق عادات
انبیاء کے سوا اوروں سے بھی سرزد ہوسکتے ہیں تو یہ تفریق کون تسلیم کریگا کہ خرق عادت ہر شخص
سے سرزد ہوسکتی ہے۔ صرف اُس شخص سے نہ ہوگی جو نبوت کا غلط دعوے کرتا ہو۔
یہ ابن رشد کی تقریر کا ماحصل ہے۔

جواب۔ بعض اوقات بدیہی طور سے ثبوت ہو جاتا ہے کہ وہ (معجزہ) کسی صنعت یا طبعی
خاصہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور اگر کسی عجیب وغریب امر کا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا فرض کیا جائیگا
تو حقتعالی پر (اس اشتباہ) کا برطرف کرنا لازم ہوگا تاکہ نبوت کی غرض حاصل ہو۔ اسکی علاوہ
ہم ثابت کرچکے ہیں کہ نبی کا خدا پر مبعوث کرنا لازم ہے۔ پس اگر اُسکے پہچاننے کا کوئی طریقہ
معین نہ ہوگا تو نبی کا مبعوث کرنا عبث ہوگا جو خدا سے صادر نہیں ہوسکتا۔ پس نبی کے
مبعوث کرنے کا خدا پر واجب ہونا اور خدا کا حکیم مطلق ہونا اس امر کو ضرور مقتضی ہوگا کہ وہ لوگوں کو
کسی ایسے طریقہ کو معین کرے جسکی وجہ سے اُنکا اشتباہ برطرف ہو۔ اور خدا کی حجت اُن پر تمام
ہو جائے۔ اس تقریر سے پہلا مقدمہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مقدمہ اسطرح ثابت ہوگیا کہ
جب خدا پر نبی کا مقرر کرنا لازم ہوا۔ اور نبوت کا ثبوت بدون کسی معجزہ کے نہیں ہوسکتا

تو اس صورت میں رسالت کا اقرار کرنا ضروری ہوگا - اور اُسکا انکار کرنا خلاف عقل ہوگا -
اور جبکہ نبوّت کا اقرار ضروری ہوا تو یہ امر بدیہی ہو جاتا ہے کہ معجزہ فقط نبی سے صادر ہوسکتا ہے
اِس لئے کہ اگر غیر نبی سے بھی اُسکا صادر ہونا تسلیم کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو
ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کرے اِس لئے کہ معجزہ کا فاعل غیر خدا نہیں ہوسکتا جسکی شرح ہو چکی ہے
البتہ اِس اعتراض کے جواب میں تجربہ اور عادت کو دخل دینا جو مجبرہ کا مذہب ہی درست نہیں ہے
اِس لئے کہ وہ سب سے پہلے نبی میں جاری نہیں ہوسکتا - اِسکے علاوہ خدا کی عادت کا
علم بھی مشکل ہے اور اگر اُسکا علم بھی ہو جائے تو خدا پر اُسکا باقی رکھنا اس مذہب کے اُصول کی
بنا پر لازم نہ ہوگا کیونکہ اس مذہب میں خدا پر کوئی فعل لازم نہیں ہے - اور اُس سے اچھا بُرا
ہر ایک کام صادر ہوسکتا ہے - اِسی طرح یہ امر بھی تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ غیر انبیاء سے
خوارق عادات صادر ہوسکتے ہیں اسلئے کہ اُن (غیر انبیاء) کے تمام افعال ایسے اسباب سے
سرزد ہوتے ہیں جو عادی ہوتے ہیں اور اُنمیں کسب و اکتساب جاری ہوسکتا ہے - اور
خود شخص کو اُن (اسباب) پر اطلاع ہوتی ہے - اور معجزات انبیاء میں یہ باتیں نہیں ہوتیں
البتہ غیر انبیاء سے جو عجیب و غریب باتیں صادر ہوتی ہیں اُنپر غیر معمولی ہونیکی وجہ سے خرق عادت
کا مجازاً اطلاق کرتے ہیں - اسکے علاوہ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں
کہ معجزہ کا ایسے شخص سے صادر ہونا ممتنع ہے جو دراصل نبی نہو - اور نبوت کا جھوٹا دعوےٰ
کرتا ہو - اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو حکیم مطلق کا بندونکو گمراہ کرنا اور حق کا باطل
کے ساتھ مشتبہ کر دینا لازم آئیگا جس کا اُس سے صادر ہونا محال ہے - البتہ یہ جواب
فرقہ مجبرہ کے مذہب پر صحیح نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اُن کے اُصول کی بنا پر خدا ہر ایک اچھے بُرے
کام کو کرسکتا ہے - اور اُس سے کسی قبیح فعل کا سرزد ہونا محال نہیں ہے ابن رشد
کی اِس تقریر کا فرقہ مجبرہ کے اُصول کی بنا پر جواب دینا بظاہر مشکل نظر آتا ہے ورنہ اہل حق
کے اُصول کی بنا پر اِس تقریر کی کوئی وقعت نہیں ہے جیسا کہ ہماری مختصر تقریر سے معلوم ہوا

اور آیندہ بھی اس مطلب کی شرح مذکور ہوگی۔

تنبیہ - اگر ہم تسلیم کریں کہ معجزہ سے نبوت ثابت نہیں ہوسکتی تو معترض صاحب پر لازم ہے کہ وہ کوئی دوسرا طریقہ اُسکے ثابت ہونیکا بیان کریں اس لئے کہ اصل نبوت کے ضروری ہونے کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہے کہ معجزہ کے سوا کوئی دوسرا امر اسکو ثابت نہیں کرسکتا۔ پس معترض صاحب کے لئے یا تو اصل نبوت کے ضروری ہونے سے دست بردار ہونا لازم ہوگا یا اس امر کا اقرار کرنا ضروری ہوگا کہ معجزہ اُسکے ثابت ہونیکا معقول طریقہ ہے

دوسری تقریر - اگر معجزہ علت و معلول کے سلسلے کے خلاف وقوع میں آتا ہے تو وہ بداہۃً باطل ہوگا کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہۃً حاصل ہوتا ہے۔ اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہو تو بداہت کے خلاف ہوا اور اگر وہ (معجزہ) علت و معلول کے سلسلہ کے موافق وقوع میں آتا ہے تو وہ معجزہ نہیں ہے اس لئے کہ معجزہ سے آپ وہ امر مراد لیتے ہیں جو خرق عادت ہو۔ اور جو امر کہ سلسلۂ علت و معلول کے موافق ہوگا وہ خرق عادت نہ ہوگا۔

جواب - معجزہ سلسلہ علت و معلول کے موافق ہوتا ہے لیکن علت و معلول کا سلسلہ اسباب عادیہ میں منحصر نہیں ہے۔ پس معجزہ کی علت محض ارادہ خدا ہوتا ہے جو اسباب عادیہ سے خارج ہے اور اس مطلب کی شرح گذر چکی ہے اور انشاء اللہ آیندہ بھی آئیگی۔

تیسری تقریر - جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم میں تھا پھر رحم سے بچہ ہوکر نکلا اور بچہ سے جوان ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں بلکہ دفعۃً پیدا ہوکر جوان ہوگیا تو ہم قطعاً یقین کرینگے کہ یہ شخص غلط کہ رہا ہے اور اسکا قول باطل و افترا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادت کا دعوے ایک لغویات ہے۔ اور جبکہ یہ کلیہ ثابت ہوچکا تو ہم چند مثالوں کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر میں جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بن جائے۔ اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہوجائے۔ ممکن ہے کہ گھر میں جتنے کیڑے ہیں عالم و فاضل

بنجاویں - ممکن ہے کہ جب میں گھر کو جاؤں تو میرا گدہا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑہ رہا ہو اور گھر میں جو کپڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بنکر ہندسہ و منطق و الٰہیات میں مباحثہ کر رہے ہوں تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہیگا۔

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ممکن ہے کہ دریا اور چشموں کا پانی آبِ زر بنجائے یا پہاڑ زرِ خالص ہو جائے - تو ہر شخص اُسکو مجنون کہیگا۔

(۳) اگر کوئی شخص کفِ دست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہاں عالیشان ایوان اور محل بنجائیں - اور نہریں جاری ہو جائیں تو ایسے شخص کو ہر ایک شخص مجنون کہے گا - اِس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جسقدر حوادث ہیں وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع میں آتے ہیں - اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو بدیہیات میں قدح کرنا ہے - بہرحال خرقِ عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرقِ عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کر دی ہے چنانچہ شرح مواقف میں ہے۔

والمعجزۃ عندنا مایقصد بہ تصدیق مدعی الرسالۃ وان لم یکن خارقاً للعادۃ۔ } اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اُس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو گو وہ خرقِ عادت نہو۔

اَب فرض کرو کہ خرقِ عادت ممکن ہے - اور معجزہ خرقِ عادت کا نام ہے یعنی یہ چیز بغیر اسباب و علت کے وجود میں آئی - یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول کا وجود نہ پایا جائے - مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہیں جلایا تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ جلانے کی علت یعنی آگ موجود تھی اور وہ جلا نہ سکی - یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہو گیا تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اسکے چشمہ جاری ہو گیا - اِس صورت میں یہ بحث پیدا ہو گی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقع میں اس واقعہ کا کوئی سبب نہ تھا

[illegible]

قائل ہیں کہ جن و شیاطین ہر قسم کے خرق عادت پر قادر ہیں - اسکے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جن و شیاطین انسان کے بدن میں حلول کر سکتے ہیں اور اُسوقت آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہو سکتے ہیں جو خود اجنّہ اور شیاطین سے صادر ہو سکتی ہیں اب فرض کرو کہ ایک مدعی نبوت کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ در پردہ کسی جن کا فعل نہیں ہے -

جواب - ہر ایک انسان کا اول رحم میں ہونا پھر اُسکا بچہ ہونا وغیرہ ایسے حالات ہیں جنکا علم ہمکو عادت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے - اور ظاہر ہے کہ معجزہ کی بنا عادت پر نہیں ہے پس اگر کسی شخص کا کسی نبی کے معجزہ سے پیدا ہونا فرض کیا جائیگا تو اُسکے رحم میں ہونیکا علم بے معنی ہوگا - خلاصہ یہ کہ ہم معجزہ سے خرق عادت کو مراد لیتے ہیں جسکا ہر ایک وقت دعوے نہیں کرتے بلکہ اُسکا دعوے ضرورت کے وقت کیا جاتا ہے - اس تقدیر پر خرق عادت کا دعوے ہرگز لغو نہ ہوگا - بلکہ معجزہ کے مقام پر بھی علم عادی کے حاصل ہونیکا دعویٰ کرنا محض لغو اور باطل ہوگا - اور مثالوں کا جواب بھی نمبر وار لکھا جاتا ہے -

(۱) اگر معجزہ اور حقتعالیٰ کی قدرت نمائی کے مقام پر جہاں کہ خرق عادت کا سرزد ہونا ضروری ہے کسی پتھر کے حکیم بنجانے اور منطق و فلسفہ کے ماہر ہو جانے اور دیگر اُمور مذکورہ کے واقع ہونے کے امکان و وقوع کا دعوے کیا جائے تو ایسے شخص کے عاقل ہونے بلکہ اُسکی تکذیب کرنے والوں کے مجنون ہونے میں شبہ نہوگا - البتہ اگر بعنوان عادت کوئی شخص اس قسم کا دعوے کریگا تو اُسکا مجنون کہنا بے شک درست ہوگا البتہ اگر کوئی آدمی اپنے گدھے کے بطلیموس ہو جانے کے امکان کا مدعی ہوگا تو اُسکے مجنون کہنے میں کسی قسم کی قباحت نہوگی اسلئے کہ گدھے کا بطلیموس ہونا ممکن نہیں ہے - ہاں اُسکا ایسے آدمی کی صورت ہو جانا ممکن ہے جو بطلیموس کی مثل ہو

(۲) دریا یا چشموں کے پانی کا آبِ زر بنجانا اور پہاڑ کا زر خالص ہو جانا بیشک ممکن ہے

اور جو شخص اسکے امکان میں کلام کرے وہ خود ہی مجنون ہے البتہ ایسے انقلاب کا عادةً حاصل ہو جانا ممکن نہیں ہے۔

(۴۲) یہ امور بھی فی نفسہ ممکن ہیں اور اُنکے امکان کا وہی شخص منکر ہو سکتا ہے جو قدرت خدا پر ایمان نہ لایا ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے اُمور کا بطور خرق عادت وقوع میں آنا صحیح ہو سکتا ہے۔ اور بطور عادت صحیح نہیں ہے اور اگر حق تعالےٰ پر نظام مقرر کی پابندی اظہار معجزہ کے مقام پر بھی لازم فرض کیجائے تو نبوت کا ثبوت ہی محال ہو جائیگا جسکا کوئی صاحب عقل قائل نہیں ہو سکتا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حق تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے اور اُسکا ہر ایک فعل حکمت کے مطابق ہوتا ہے لہذا اثبات نبوت کے مقام پر جو شخص معجزہ اور خرق عادت کا انکار کریگا وہ حقتعالیٰ کی قدرت اور حکمت دونوں میں قدح کریگا اور اُسکے امکان کے لئے اس عالم کا محض عدم سے وجود میں آنا کافی ہے۔ اور جس شخص نے کہ معجزہ کی تعریف سے خرق عادت کی قید کو خارج کر دیا ہے اُس نے بہت ہی غلطی کی ہے اس لئے کہ جو چیز مجرائے عادت کے موافق صادر ہوگی اسمیں نبی اور غیر نبی دونوں مساوی ہونگے پس ایک کے نبی کہنے اور دوسرے کے نبی نہ کہنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اسکے علاوہ ہم نے نہایت شرح کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبوت کے ثابت ہونیکا طریقہ خرق عادت اور معجزہ میں منحصر ہے۔ پس امر عادی سے نبوت کی تصدیق کا قصد کرنا عبث ہوگا۔ خرق عادت کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہاں پر معلول کا بدون اپنی علت کے وجود ہوتا ہے بڑی نافہمی کی بات ہے۔ اسمیں کون عاقل شبہ کر سکتا ہے کہ کسی ممکن کا بدون علت کے موجود ہونا محال ہے۔ البتہ سلسلۂ علت و معلول کا اسباب عادیہ میں حصر نہیں ہے بلکہ ہر ایک ممکن محض ارادۂ الٰہیہ سے موجود ہو سکتا ہے چنانچہ تمام عالم اسیطرح موجود ہوا ہے۔ اور آگ اور پانی کا جلانے اور سرد کرنے کے لئے علت ہونا اسباب عادیہ کی بنا پر تسلیم کیا گیا ہے مگر حقتعالیٰ کو اُنکے آثار مذکورہ کے باطل کر دینے کا اختیار ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جلانے اور

آگ میں کوئی عقلی علاقہ ہے ہرگز نہیں - بہر حال جبکہ کوئی شے حادث ہوتی ہے تو اُسکے
لئے علت ضرور ہوتی ہے اگرچہ وہ (علت محض ارادہ خدا ہو اور علت کا نظام مقرر کے
سلسلہ میں منحصر کر دینا محض نادانی ہے پس اگر پتھر پر عصا کے مارنے سے چشمہ جاری ہو جائے
تو یہ کہنا بالکل خطا ہوگا کہ وہ (چشمہ) بدون علت کے موجود ہو گیا - البتہ یہ کہنا صحیح ہوگا
کہ اُسکی علت کوئی عادی چیز نہیں ہے اور جن وشیاطین اگرچہ عجیب وغریب اُمور کے
صادر کرنے پر قادر ہیں لکن وہ خرق عادت سے خارج ہوتے ہیں اس لئے کہ اُنکی لئے
اسباب عادیہ موجود ہوتے ہیں - یہ امر نہایت بدیہی ہے کہ خدا کے سوا کوئی چیز کسی شے
کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی - ہاں جن وشیاطین کے افعال کو بطور مجاز خرق عادت
کہہ سکتے ہیں اسلئے کہ وہ ایسے اسباب سے صادر ہوتے ہیں جن پر ہم مطلع نہیں ہیں اب
اگر مدعی نبوت کے خرق عادت کا کسی جن وغیرہ کے فعل کے ساتھ مشتبہ ہونا فرض کیا جائے
تو حقتعالیٰ پر اُس (جن) کا باز رکھنا لازم ہوگا اِس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو بعثت انبیار
کا عبث ہونا لازم آئیگا - جبکا حقتعالیٰ پر واجب ہونا ثابت ہو چکا ہے - اور اس مطلب کا
اِس کتاب میں کئی جگہ تذکرہ ہو چکا ہے - اور اس مطلب کی دوسری عبارت میں
اسطرح تقریر ہو سکتی ہے کہ انسان کو دیکھکر جو قطعی یقین ہوتا ہے کہ وہ پہلے رحم میں تھا پھر
رحم سے بچہ ہو کر نکلا - پھر جوان ہوا تو یہ قطع عادی ہے جس مقام پر خرق عادت کا احتمال
جاری نہیں ہو سکتا لکن اگر شخص مذکور کے بارہ میں خرق عادت کا احتمال بھی موجود ہو تو اُسکا
پیدا ہو کر جوان ہو جانا بھی محتمل ہوگا مثلاً اگر کہا جائے کہ یہ شخص خلاف عادت فلان نبی
کے معجزہ سے دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا ہے تو ایسے وقت میں اس قول کا کہنے والا ہرگز
مجنون نہ سمجھا جائیگا - چنانچہ حضرت آدمؑ کی خلقت کا اسی عنوان پر واقع ہونا مسلّم ہے
اِس سے ثابت ہوا کہ خرق عادت کا دعوے کسی جگہ پر لغو ہوتا ہے اور کسی جگہ عین حکمت
وصواب ہوتا ہے - پس ہر ایک مقام پر یکساں حکم لگا دینا خلاف عقل ہے اور جو مثالیں

ذکر کی گئی ہیں وہ بھی عوام فریبی سے خالی نہیں ہیں مگر ہم بھی اُنسے بالاجمال تعرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پتھر کا حکیم بنجانا اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہوجانا فی نفسہ امر ممکن ہے۔ البتہ ایسے اُمور کے واقع ہونے کا دعوے اُسوقت تک قابل سماعت نہ ہوگا جب تک کہ اُسکا کسی معجزہ یا کرامت سے واقع ہونا بیان نہ کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص معجزہ کو تجویز کرتا ہے وہ خاص اسی وقت تجویز کرتا ہے جبکہ کوئی نبی صادق اُسکا دعوے کرے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ ایسا انقلاب کہ پتھر کی حکیم ہوجائے سائنس اور مذہب دونوں کے نزدیک ممکن ہے۔ سائنس میں تو مسئلۂ ارتقاء اور نوامیس مادہ اسکو مقتضی ہیں اور ہر ایک نوع نے ادنےٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف تدریجی ترقی کی ہے۔ لہذا سائنس کے اُصول کی بنا پر اُسکا ممکن ہونا محل کلام نہیں ہوسکتا مذہب میں اسکا امکان اور وقوع محل بحث نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کی خلقت اسی عنوان سے واقع ہوئی ہے جسکا تفصیلی تذکرہ مسئلۂ ارتقاء کے مبحث میں موجود ہے۔ اور یہی کیڑوں کے انسان بننے میں جاری ہوتا ہے۔ البتہ گدہے کا خاص بطلیموس ہوجانا ممکن نہیں ہے۔ ورنہ اتحاد متعدد اور تداخل و حلول کے امکان کا قائل ہونا لازم آئیگا جو مجنون کے سوا کسی شخص سے صادر نہیں ہوسکتا۔ البتہ اُسکے مثل وہ بھی ہوسکتا ہے مگر امکان سے وقوع لازم نہیں آتا۔ ہر ایک شے وجود مقتضی کے بعد واقع ہوسکتی ہے ورنہ یہ بات تو خود ہی ظاہر ہے کہ ممکن کے لئے واقع ہونا لازم نہیں ہے۔

یہ چوتھی تقریر۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتی ہیں یہانتک کہ آدمی گدہا اور گدہا آدمی بن سکتا ہے۔ اس صورت میں کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ خرق عادات معجزہ ہے سحر نہیں ہے۔ شرح مواقف میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہیں ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوے نہیں کرسکتا ہے اور اگر وہ

ایسا دعوے کرے تو خدا اُسکی خرق عادات کو روک دیگا۔ لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے۔ اشاعرہ
اِس بات کے قائل ہیں کہ سحر سے آدمی ہوا پر اُوڑ سکتا ہے۔ گدہا آدمی اور آدمی گدہا بن سکتا ہے
زمین سے چشمے اوبل سکتے ہیں جمادات میں حرکت پیدا ہوسکتی ہے۔ کیا یہ عظیم الشان خرق عادات
نہیں ہیں۔ اِسکے علاوہ انبیاء کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہیں ہوتے۔ باقی یہ کہ جادوگر
خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعوے نہیں کرسکتا۔ محض دعوے ہی دعوے ہے جسکی
کوئی دلیل نہیں بیان کیجاسکتی ہے اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات
سرزد ہوسکتے ہیں تو کون تسلیم کریگا کہ دعوائے نبوت کی حالت میں اسکی یہ قدرت جاتی رہیگی
عبداللہ بن المقفع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھلائے اور نبوت کا دعوے
بھی کیا۔ ان اُمور کے علاوہ شعبدہ جات۔ نیرنگجات۔ اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب
وغریب اُمور سرزد ہوتے ہیں اس لئے یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا
ہے اُسمیں ان چیزوں کا شائبہ نہ تھا۔ غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ
مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور ہوا ہو اِس لئے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے۔
جواب۔ اگرچہ جادوگر سے خوارق عادات کے صادر ہونے کا قائل ہونا درست نہیں ہے
اِس لئے کہ جادوگر کے افعال کی اسباب عادیہ پر بنا قائم ہوتی ہے جنہیں تعلیم و تعلّم وغیرہ سب
جاری ہوسکتا ہے۔ اور ایک جادوگر بہت سے جادوگروں کو تیار کرسکتا ہے۔ لیکن
ہم اس مقام پر تسلیم کئے لیتے ہیں کہ جادوگر سے ہر قسم کے خوارق عادات سرزد ہوسکتے ہیں
مگر از بسکہ بعثت انبیاء کا واجب ہونا قطعی دلیلوں سے ثابت ہوچکا ہے اس لئے اگر مدعی
کاذب اور مدعی صادق کے افعال کا باہم مشتبہ ہونا فرض کیا جائیگا تو حقتعالی پر اشتباہ کا
رفع کرنا اور حق کا باطل سے جدا کرنا لازم ہوگا۔ اور اس مطلب کو ہم کئی جگہ اس کتاب میں بھی
بیان کرچکے ہیں لہذا سحر کا معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہونا معقول نہ ہوگا۔ اسی تقریر سے اس
جواب کا کافی ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ البتہ جو لوگ حق تعالیٰ کے حکیم ہونے کو تجویز نہیں کرتے

اُن کے اُصول پر یہ تقریر ضرور نا کافی ہوگی - اور جادوگروں سے جو عظیم الشان خوارق عادات
کا سرزد ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے اُنسے وہ اُمور مراد ہیں جو عالم سفلی سے متعلق ہیں اور عالم علوی
پر اُنکے اعمال کا اثر نہیں ہوتا - لیکن ہمکو اس مطلب پر اصرار نہیں ہے - پس اگر اُنسے ایسے خوارق
عادات کا سرزد ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جو عالم علوی سے تعلق رکھتے ہیں تب بھی اُنکے
افعال کا انبیاء کے معجزات کے ساتھ مشتبہ ہو جانا کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہے - اور دعوائے نبوت
کے وقت اگر جادوگر کی قوت کا برطرف ہونا فرض کیا جائے تو اسمیں کونسے محال امر کا ماننا
لازم آتا ہے اِس لئے کہ معجزہ کا فعل خدا ہونا اور اُسکا اتمام حجت پر قادر ہونا مسلّم ہے
اور ظاہر ہے کہ خدا کی حجت اُسی وقت تمام ہو سکتی ہے جبکہ مدّعی کاذب کو ایسے خرق عادات
کے ظاہر کرنے سے روک دے جو معجزہ کے ساتھ مشتبہ ہو سکتے ہیں - اب اگر اُسکا انکار
کیا جائیگا تو خداوند عالم کی قدرت و حکمت میں کلام ہوگا جو کسی عاقل کا کام نہیں ہے
پس ایسے مدلّل دعوے کو محض دعوے ہی دعوے کہنا صحیح نہیں ہو سکتا - بہر حال ہر ایک
عاقل کو اِس امر کا تسلیم کرنا لازم ہوگا کہ صورت اشتباہ میں حکیم مطلق پر مدّعی کاذب کی دروغگوئی
کا ظاہر کر دینا ضروری ہے - اور یہ دعوے کہ عبد اللہ بن المقفع اور زردشت نے بڑے بڑے
خرق عادات دکھائے محض دعوے ہی دعوے ہے - اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو اُنسے خوارق
عادات کا دعوئے نبوت کے بعد صادر ہونا کسیطرح مسلّم نہیں ہے - اسپر کسی دلیل کا قائم ہونا
ضروری ہے - اسکے علاوہ ان لوگوں کی غلطی آشکارا ہو چکی ہے جسپر کتب تواریخ و سیر کے
ملاحظہ کرنے سے اطلاع ہو سکتی ہے اور خصوصاً ابن المقفع کے معارضۂ قرآن سے عاجز ہونیکا
اعتراف بھی منقول ہوا ہے - پس ایسی ایسی رکیک باتوں سے معجزہ پر حرف نہیں آسکتا -
رہے شعبدہ جات نیرنگجات اور مسمریزم وغیرہ پس یہ اُمور اسباب عادیہ ہیں جنمیں ہر ایک
شخص مشق و ریاضت کے بعد مہارت پیدا کر سکتا ہے لہذا وہ معجزہ کے ساتھ مشتبہ
نہیں ہو سکتے اور خصوصاً مسمریزم کے بارہ میں تفصیلی کلام ہو چکا ہے - اُسکے لئے قانون

قدرت کے مسئلہ کا ملاحظہ کرنا خوب ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ اکثر اوقات معجزہ کا کسی عمل پر مبنی نہ ہونا بداہتہً معلوم ہوجاتا ہے اور اُسکے بجانب اللہ ہونیمیں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔ پس معجزہ کا معجزہ ہونا خالی از اشکال ہے۔

پانچویں تقریر۔ یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہیں ہوسکتا۔ جواب نہ ہوسکنے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت اسکا جواب کسی سے نہ ہوسکا تو عبداللہ بن المقفع اور زردشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑیگا۔ کیونکہ جو خارق عادات باتیں اُنسے ظہور میں آئیں اُس زمانہ میں کوئی شخص انکا جواب نہ لاسکا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اُسکا معارضہ نہ کرسکے تو یہ پیشینگوئی کیونکر کیجاسکتی ہے کہ قیامت تک اُسکا جواب نہ ہوسکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اُنکا جواب نہ ہوسکا لکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قیامت تک اُنکا جواب نہ ہوسکیگا۔

جواب۔ جب یہ امر ثابت ہوچکا کہ معجزہ ایسے اسباب کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے جو فطرت کے موجودہ قوانین کے خلاف ہوتا ہے۔ اور اُسمیں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری نہیں ہوسکتا۔ اور اُسکے صادر کرنے پر کوئی بشر قادر نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ ہر ایک بشر ایسے ہی اُمور کو صادر کرسکتا ہے جو موجودہ قوانین کے سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں تو یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ اُس (معجزہ) کا جواب قیامت تک کوئی شخص نہیں لاسکتا اس لیئے کہ معجزہ کا فعل خدا ہونا معلوم ہوچکا ہے۔ پس بجز خدا کے اُسکا جواب کون لاسکتا ہے۔ اور چونکہ حقتعالیٰ حکیم ہے لہذا اُسکو ایسے ہی شخص کی تصدیق کے لیئے صادر کرتا ہے جو دراصل نبی ہوتا ہے۔ اور دروغگو کی تصدیق کے لیئے اُسکو صادر نہیں کرتا کیونکہ وہ حکمت کی خلاف ہے پس معجزہ کے جواب کو وہی شخص تجویز کرسکتا ہے جو اُسکی حقیقت پر مطلع نہ ہو۔ اور ہر ایک عجیب وغریب امر کو معجزہ میں داخل کرتا ہو یا خداوندعالم کی حکمت میں تبدیلی وتغییر کے واقع ہونے کا قائل ہو پس جبکہ کسی امر کا معجزہ نہ ہونا واضح ہوتا ہے تو حقتعالیٰ پر اُسکا

روک دینا لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُسکی حجّت کا بند ونپر تمام ہوجانا مفروض ہے۔
فرض کرو کہ ہم ریل گاڑی یا ہوائی جہاز یا تار برقی کا جواب نہیں لا سکتے تو کیا ان چیزونکا
معجزہ ہونا ثابت ہوجائیگا ہرگز نہیں۔ اسکا سبب یہی ہے کہ ان اُمور کا ایسے اسباب
سے حاصل ہونا معلوم ہے جو فطرت کے موجودہ قوانین سے خارج نہیں ہیں اور
اُنمیں تعلیم وتعلّم جاری ہوسکتا ہے۔ اور ان مطالب کا اِس کتاب میں کئی جگہ تذکرہ آیا ہے
چھٹی تقریر۔ اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ معلول کا وجود بغیر علت کے
ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص اسکا قائل نہیں وہ خرق عادت کا بھی قائل نہیں ہوسکتا۔ البتہ
جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آتا ہے تو عام اُسکو خرق عادت سے
تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اسکا وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ
وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے گو وہ اسباب غیر معمولی ہوتے ہیں۔
چنانچہ امام رازی نے مطالب عالیہ میں خرق عادت کے امکان کو اسطرح ثابت کیا ہے
کہ ممکن ہے کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو۔ اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع میں
آئے پس امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس شے کو جو خلاف
عادت وقوع میں آئے خرق عادت کہتے ہیں۔ گو اُس کے لئے کوئی غیر معمولی علّت
موجود ہو۔ اِسیطرح شیخ بوعلی سینا نے اشارات کے اخیر میں ایک باب باندھا ہے جسمیں
خرق عادت پر بحث کی ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی
درویش نے مدّت تک کھانا نہیں کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اُس کی
قوت سے زائد تھا۔ یا کوئی پیشینگوئی کی۔ یا اُسکی بد دعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین
میں دھنس گیا۔ یا زلزلہ آگیا۔ یا درندہ مسخر ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو تم اُس سے انکار نہ کرو کیونکہ
ان سب کے اسباب مجتمع ہو سکتے ہیں جنکے ذریعہ سے انکا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ
بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بھی بیان کیا ہے مثلاً امساک طعام کی نسبت

لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک نہیں لگتی کیونکہ بدل ما یتحلل کی ضرورت نہیں پڑتی - اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب حال کو خدا کے تصور میں اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت غذا کے ہضم کی طرف نہ مائل ہو - اس حالت میں مدت تک وہی غذا قائم رہیگی - اور بدل ما یتحلل کی ضرورت نہ پڑیگی یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں بھوک بالکل جاتی رہتی ہے پس بوعلی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ و اسباب بیان کئے تاہم انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے وہ خرق عادت کہی جاتی ہے گو واقع میں وہ اصول مقررہ کے خلاف نہیں ہوتی شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف صاف اسکا فیصلہ کر دیا ہے - چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں

انما المعجزات والکرامات امور اسبابیة غلب علیه الشیوع فتبائنت سائر الاسباب	یعنی معجزات و کرامات امور اسبابی ہیں لیکن انپر کمال شیوع غالب ہوگیا ہے اور اسوجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہیں

پس ان بیانات سے ثابت ہوا کہ کوئی خرق عادت ایسی نہیں ہے جو بدون اسباب کے واقع ہوتی ہو - اس صورت میں خرق عادت کا غیر نبی سے بھی صادر ہونا جائز ہوگا جبکہ وہ غیر نبی اُسکے واقعی اسباب پر مطلع ہو جائے پس خرق عادت اور معجزہ کو نبی کے ساتھ کسی قسم کی خصوصیت نہ ہوگی اور معجزہ و خرق عادت کو نبوت کے لئے دلیل کہنا صحیح نہ ہوگا -

جواب اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک معلول کا بدون کسی علت کے موجود ہونا صحیح ہے اور یہ امر بالکل غلط ہے - ہرگز اشاعرہ اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ کوئی امر بدون علت کے واقع ہو سکتا ہے - البتہ وہ اس امر کے ضرور قائل ہیں کہ ہر ایک فعل کی علت حقیقی خدا ہے - اس صورت میں یہ کہنا بالکل صحیح نہیں ہو سکتا کہ اشاعرہ کے نزدیک کوئی فعل بدون اپنی علت کے صادر ہو سکتا ہے - ہاں اگر اس کلام میں علت سے وہی علت مراد لیجائے جو اصول قدرت کے موافق ہو تو اشاعرہ کی نسبت یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ہر ایک

معلول کے لئے ایسی علت کا ہونا ضروری نہیں سمجھتے. جو اُصول قدرت کی موافق ہو
اور باقی لوگوں کے نزدیک ہر ایک معلول کے لئے کسی ایسی علت کا موجود ہونا
لازم ہے. جو اُصول فطرت کے مطابق ہو لیکن یہ قول درست نہیں ہے اور اس
کلام کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ عدم سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اُسکے لئے علت کا
ہونا ہر ایک عاقل کے نزدیک لازمی امر ہے۔ لیکن اُس علت کی دو قسمیں ہیں۔
پہلی قسم وہ ہے جو اُصول قدرت اور قوانین فطرت کے موافق ہو۔ مگر غیر معمولی
ہو ایسا امر دراصل عادی ہوتا ہے۔ مگر غیر معمولی ہونیکی وجہ سے اُسکو مجازاً خرق عادت
کہتے ہیں۔ اور امام فخر الدین رازی اور شیخ بوعلی سینا کے کلام میں خرق عادت سے
یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ اور یہی وہ خرق عادت ہے. جو غیر نبی سے صادر ہو سکتی ہے
دوسری قسم وہ ہے جو اُصول قدرت اور قوانین فطرت کے مطابق نہ ہو۔ ایسا
امر دراصل غیر عادی ہوتا ہے۔ اور اسی کو حقیقۃً خرق عادت کہتے ہیں۔ اور معجزہ میں
خرق عادت سے یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ اور اس امر کی علت فقط حکیم مطلق
کا ارادہ ہوتا ہے جسکو کسی شئے کے پیدا کرنے میں اُصول فطرت کی حاجت نہیں ہے
اس لئے کہ اُصول فطرت کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔ پس جسطرح کہ اُس نے اُصول فطرت
کو محض اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے اسیطرح وہ کسی جدید امر کو بھی محض اپنے ارادہ سے
پیدا کر دیتا ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خرق عادت اور معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے
وہ خرق عادت کی دونوں قسموں میں فرق نہیں کرتے اور اسی لئے ہمیشہ غلط فہمی
میں گرفتار اور جہل مرکب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور ہم اس مطلب کو دوسرے مقامات
پر بھی لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں پر زائد طول دینا مناسب نہیں ہے۔ اس تقریر
سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مقام پر بہت بڑا دھوکا کھایا ہے
اور اُنہوں نے معجزہ کو خرق عادت کی پہلی قسم میں شمار کیا ہے۔

ساتویں تقریر - جس قسم کے خرق عادات کہ پیغمبر سے صادر ہوتے ہیں اُسی قسم کے اولیاء بلکہ کافر زندیق - جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ انکا نام بدلجاتا ہے - یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو اُسکو سحر و استدراج کہتے ہیں اور انبیاء سے جو سرزد ہو اُسکو اعجاز کہتے ہیں - اِس تقریر سے معلوم ہوا کہ خرق عادت کا معجزہ کہنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وہ (خرق عادت) غیر نبی سے بھی سرزد ہو سکتا ہے اور یہ امر محض اصطلاح ہے کہ بعض خوارق عادات کا نام کچھ رکھا ہے اور بعض کا کچھ پس جبکہ نبی میں کوئی ایسا امر نہوا جو غیر نبی میں موجود نہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بعض لوگونکو نبی کہیں اور بعض کو نہ کہیں

جواب - جس قسم کے خوارق عادات کہ انبیاء و اولیاء سے سرزد ہو سکتے ہیں اُسی قسم کے خوارق عادات کا جادوگروں سے صادر ہونا صحیح نہیں ہے جسکی وجہ چھٹی تقریر کے جواب میں مذکور ہو چکی ہے - اور اُسکا تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ آیندہ کیا جائیگا - اور انبیاء و اولیاء کے خوارق عادات اگرچہ یکساں ہوتے ہیں اور دونوں کی علت ایسی ہوتی ہے جو قوانین فطرت کے موافق نہیں ہوتی جس سے حکیم مطلق کا ارادہ مراد ہے لیکن اُن دونوں میں یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ نبی سے جو خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں وہ دعوائے نبوت کے ساتھ صادر ہوتے ہیں اور اُنکا معارضہ صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ حق تعالیٰ اُن کو تصدیق نبی کے لئے صادر کرتا ہے اور اولیاء سے جو جو خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں وہ بھی اگرچہ اُصول فطرت کے مخالف ہوتے ہیں لیکن اُنکے ساتھ نبوت کا دعوے نہیں ہوتا - اور اُنکا معارضہ ہو سکتا ہے اِس لئے کہ حق تعالیٰ اولیاء کے لئے جن خوارق عادات کو صادر کرتا ہے اُنسے فقط اولیاء کا پیش خدا محترم اور مقرب بارگاہ ہونا معلوم ہوتا ہے - اور ان مطالب کی تفصیل کئی جگہ ہو چکی ہے اور استدراج و سحر میں بڑا فرق ہے اسلئے کہ استدراج میں جو خرق عادت ہوتی ہے وہ خدا کا فعل ہوتا ہے - اور وہ درحقیقت قانون فطرت کے

مخالف ہوتا ہے بخلاف سحر کے کہ وہ درحقیقت قانون فطرت کے موافق ہوتا ہے۔ اور خود ساحر (جادوگر) کا فعل ہوتا ہے اگرچہ عام لوگوں پر وہ حقیقی خرق عادت کے ساتھ مشتبہ ہو جائے البتہ استدراج میں جو خرق عادت ہوتا ہے وہ کفار اور مشرکین کے لئے صادر ہوتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ جب کسی عاصی و گنہگار پر خداوند عالم کی نعمتیں بکثرت وارد ہوتی جاتی ہیں۔ اور وہ اُنکا کفران کرتا ہے اور اُسکی سرکشی اور زائد ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ لوگوں پر تکبر کرنے لگتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اُن (نعمتوں) کا مستحق سمجھنے لگتا ہے اور ہر ایک عصیان و گناہ کے عوض۔ حق تعالیٰ کی نعمتیں اُسپر وارد ہوتی جاتی ہیں اور اسی طرح اُسکی تمرد و سرکشی اور خدا کی نعمتیں حد درجہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی حجت اُسپر تمام ہو جاتی ہے تو اُسپر عذاب کرتا ہے۔ اور اُسکو اہل جہنم میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ مردود بارگاہ ہو جاتا ہے پس جسطرح کہ معجزہ اور کرامت انسان کے ممدوح اور رستگار ہونیکی علامت ہوتی ہے۔ اُسی طرح استدراج اُس کے مذموم اور گنہگار ہونیکی امارت ہوتی ہے۔ اس صورت میں معجزہ کا استدراج پر قیاس کرنا اور استدراج و سحر کو ایک ہی شے سمجھنا حد درجہ کی غلطی ہے اور ہمارے اس مختصر بیان سے ثابت ہوا کہ معجزہ کا دلیل نبوت ہونا نہایت ظاہر ہے۔ اور حکیم مطلق اُسکو باقی چیزوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

معجزہ کے خلاف فطرت ہونیکا خیال اور اُسکا دفعیہ

بعض لوگوں نے معجزہ کے صادر ہونے کو ممتنع قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہے۔ اور قانون فطرت کے خلاف کا واقع ہونا محال ہے۔ پس معجزہ اور خرق عادت کا قائل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

جواب ۱۔ اس استدلال میں دو امر تنقیح طلب ہیں اوّل قانون فطرت کا مفہوم دوم اُسکے محال ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق۔

قانون فطرت کا مفہوم } واضح ہو کہ اہل مادہ قانون فطرت سے علت ومعلول کا وہ سلسلہ مراد لیتے ہیں جو اُنکے ہزارہا تجربوں اور اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہتے ہیں کہ جس سلسلۂ علّت ومعلول کا ہمکو تجربہ ہوا ہے وہی قانون فطرت ہے۔ اور اُسکے خلاف کا صادر ہونا محال ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک قانون فطرت کے یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر قانون فطرت سے یہی معنی مراد لئے جائیں تو اُسکی خلاف کا محال ہونا کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے اس لئے کہ علت ومعلول کے حقیقی سلسلے اور ہر ایک سبب ومسبب کے واقعی لوازم وآثار پر آدمی کا مطلع ہونا ممکن نہیں ہے۔ لہذا قانون فطرت کو اپنے تجربہ میں محدود کر دینا اور اُسکے خلاف کو قانون فطرت کی خلاف کہنا اور پھر اسکے محال ہونیکا دعوے کرنا کسیطرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیا ہمکو عالم کے جملہ اسباب ومسببات پر اطلاع ہو چکی ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ دعوے کیونکر درست ہو سکتا ہے ہم کہتے ہیں کہ عالم میں ہزاروں اُمور ایسے واقع ہوے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جو ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس صورت میں لازم آئیگا کہ وہ محال بھی ہوں اور پھر باوجود اسکے واقع بھی ہوے ہوں۔ اِس صریح تناقض کا التزام کون کر سکتا ہے ہم اس مقام پر توضیح مطلب کے لئے بعض ایسے اُمور کا وارد کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جو ہمارے تجربہ کے خلاف وقوع میں آئے ہیں۔

عورت کے پستان کا ران میں موجود ہونا } ہر ایک شخص کو یہی تجربہ ہے کہ عورت کے پستان اُسکے سینہ پر ہوتے ہیں جس سے وہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے۔ پس اگر قانون فطرت کا اسی تجربہ میں منحصر ہونا فرض کیا جائے تو لازم آئیگا کہ اُسکے خلاف کا واقع ہونا

محال ہو۔ حالانکہ فرانس کے ایک مشہور فاضل سے منقول ہوا ہے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی موجود تھی اور اسی سے وہ دودھ پلاتی تھی۔ اور اس مطلب کو یونان کے مشہور مورخ رہبرڈ نے لکھا ہے۔ اور پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ء میں یہ واقعہ برای العین مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کا قانون فطرت ہمارے تجربہ میں ہرگز محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے تجربیات کے خلاف کو دیگر اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے بھی واقع کرتا ہے۔ جہانتک ہمارے ناقص تجربہ کی رسائی نہیں ہوئی۔ ہمکو اسی قدر کہنا درست ہے کہ فلاں امر ہمارے تجربہ میں آیا ہے۔ لیکن یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ قانون فطرت اسی میں محدود ہے۔ اور یہ کہ اُسکے خلاف کا وقوع میں آنا محال ہے۔

مچھلی سے بدن میں رعشہ کا پیدا ہونا

ہمارے تجربہ میں یہی امر آیا ہے کہ مچھلی کے چھونے سے بدن میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن تجربہ کی قدیم کتابوں میں مذکور ہے کہ مصر میں ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسکے چھونے سے بدن میں رعشہ اور کپکپی پیدا ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اگر آدمی اُسکو اپنے ہاتھ سے پھینک نہ دیوے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہوکر گر جائے یہ واقعہ عرصہ تک خلاف عقل سمجھا گیا تھا لیکن موجودہ تحقیقات نے اُس مچھلی کا وجود ثابت کردیا۔ اب فرمائیے کہ ہمارے تجربہ میں قانون فطرت کیونکر محدود ہوا اور اسکے خلاف کا وقوع میں آنا کیونکر محال ٹھیرایا جائے۔

چھپن برس تک بدن میں بچہ کا پرورش پانا

عام لوگوں کا تجربہ ہے کہ بچہ ماں کے شکم میں پیدا ہوتا ہے اور فقط حمل کی مدت تک اُسمیں پرورش پاتا ہے۔ لیکن فرانس کے فاضل مذکور لکھتے ہیں کہ ہمنے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ جو دوسری

شخص کا توأم تھا چھپن ۵۶ برس تک اُسکے بدن میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا
اب ہمارا تجربہ غلط ہوا یا قانون فطرت بدل گیا -

گھاس کا جانور کو پکڑ لینا } ہمارا تجربہ یہی ہے کہ نباتات میں حس و حرکت نہیں ہوتی لیکن آج کل نہایت شد و مد سے بہت سے نباتات ایسے ثابت ہوئے ہیں جنمیں حیوانیت اور نباتیت دونوں کے آثار مجتمع ہیں - مثلاً ایک گھاس ہے جو درختوں پر لٹکتی رہتی ہے - اور جب کوئی جانور اُسکے سامنے سے گذرتا ہے تو وہ لپک کر نہایت تیزی سے جانور کو لپٹ جاتی ہے - اور اُسکا تمام خون چوس لیتی ہے یہانتک کہ وہ جانور ہلاک ہو جاتا ہے -

آنکھیں بند کرکے باریک حروف پڑھنا } عام تجربہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے میں نور اور روشنی کا ہونا ضروری ہے - اور یہ کہ اندھیرے میں کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی حالانکہ آجکل کے بڑے بڑے فلاسفر اسی زمانہ میں امریکہ کی ایک نوجوان عورت کی حکایت چشم دید لکھتے ہیں کہ اُسکو ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ وہ شبکو اُسمیں مبتلا ہو کر کھڑی ہو جاتی تھی اور عین خواب کی حالت میں باتیں بھی کرتی تھی اور جو کام کہ آدمی بیداری کی حالت میں کرتا ہے وہ خواب کی حالت میں کرتی تھی - پھر جبکہ اس مرض کو شدت ہوئی اور دن کو بھی اُسکا دورہ ہونے لگا تو اُسکی آنکھ کی حالت ایسی بدل جاتی تھی کہ اُس سے زیادہ عجیب حالت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی - اور نہایت باریک حرف تاریکی میں دونوں آنکھیں بند کرکے برابر پڑھتی تھی - اس کیفیت کو بڑے بڑے نیچرل فلاسفروں نے خود دیکھا اور اُسکا کوئی سبب معلوم نہوا - پس اگر محض تجربہ کا نام قانون فطرت ہو تو ان واقعات کا جواب کیا دیا جائے گا -

پھر اہل مادہ نے قانون فطرت کو محض اپنے تجربہ میں محدود نہیں کیا بلکہ وہ اس امر کی بھی

تصریح کرتے ہیں کہ عالم میں مادہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ اس بنا پر اُنہوں نے قانون فطرت کے دائرہ کو اور بھی تنگ سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ کہ وہ اُسکو محض محسوسات ہی میں منحصر کرتے ہیں حالانکہ مادہ کے علاوہ روحانی اور نفسانی عالم کا موجود ہونا بھی بدیہی ہے۔ اور کوئی عاقل ادنیٰ غور کے بعد اُسکے موجود ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس مطلب پر قدیم حکماء اور اہل ملت کا اتفاق ہے۔ بلکہ آجکل کے فلاسفروں نے بھی روح ونفس کا نہایت شدّ و مد سے اقرار کیا ہے۔ اور یہ کہ اُن کے آثار ایسے عجیب وغریب ہیں کہ اُن کے مقابلہ میں مادی آثار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آثار سے موثر پر بحث کرنا قوت جاذبہ کا پتہ لگانا۔ رویاءِ صادقہ وغیرہ دراصل ایسے آثار ہیں جنکے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان کو خواب میں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے آئندہ کے مفصل حالات معلوم ہوجاتی ہیں اس مطلب کو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ اسکے علاوہ انسانوں کی خواہشوں اور رغبتوں کا باہم مختلف اور متضاد ہونا قابل انکار نہیں ہے۔ ایک شخص دین و دنیا کے اُمور میں اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اور نفسانی فضائل وکمالات کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ دوسرا شخص رہبانیت کو پسند کرتا ہے۔ اور دنیاوی لذتوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتا ہے۔ تیسرا شخص محض دنیاوی لذتوں کا دلدادہ ہے اور اُسکو اُمور دین کی طرف سے محض بے پروائی ہوتی ہے۔ ان سب اُمور سے عقل سلیم اس نتیجہ پر ضرور پونہچتی ہے کہ عالم مادی کے علاوہ ایک دوسرا عالم (عالم عقلی) بھی ضرور موجود ہے۔ اس تقدیر پر اس عالم کی علت ومعلول کا سلسلہ بھی قانون فطرت میں داخل ہوگا۔ اور قانون فطرت عالم مادی اور عالم عقلی دونوں کے مجموعہ کا نام ہوگا۔ اور پہلا قول باطل قرار پائیگا۔ مگر ہمارا علم اس عالم کے آثار کی نسبت بھی نہایت ہی محدود ہے۔ اور ہم کو اکثر کے واقعی حالات اور حقیقی سلسلۂ علت

ومعلول کے جملہ لوازم و آثار پر اطلاع پانے کا بھی کوئی طریقہ حاصل نہیں ہو لہذا ہم کو قانون فطرت کے معلوم ہونے - اور اُسکے خلاف کے محال ہونے کا دعویٰ اب بھی صحیح نہ ہوگا - مسمریزم کے جن آثار پر ہمکو اب اطلاع ہوئی ہے وہ ہم پر بالکل مجہول تھے - اور یہ کہ ناواقف لوگ اگر اُسکے عجائب و غرائب کو کسی شخص کی زبانی سنتے تو ضرور اُسکا مضحکہ اڑاتے مگر اب یہ امر کسی طرح قابل انکار نہیں ہے کہ مسمریزم کے جو آثار معلوم ہوتے ہیں وہ بھی در اصل اسی عالم (عقلی) کے آثار ہیں بلکہ بعض لوگوں نے اسی نفسانی قوت کے اثر کا نام معجزہ رکھا ہے - اور اُسکا خرق عادت ہونا تسلیم نہیں کیا - مگر یہ اُنکی غلطی ہے اُنھوں نے اس بارہ میں غور سے کام نہیں لیا ورنہ اُنکو معلوم ہو جاتا کہ اس قوت کو معجزہ سے تعلق نہیں ہے - ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی نفسانی قوت بہت کچھ کرشمے دکھلا سکتی ہے - اور مسمریزم کی بنا بھی اُسی پر قائم ہے - اور حکماء کے نزدیک یہ قوت تمام عالم کے ہیولیٰ پر اپنا اثر کر سکتی ہے - پانی کو خون - ہوا کو پانی بنا سکتی ہے مگر غیر نبی سے اُسکے آثار بغیر مشق و ریاضت کے ظاہر نہیں ہوتے اسی لئے وہ معجزہ نہیں ہو سکتے اور نبی میں اسی قوت کے آثار بدون مشق و ریاضت ظاہر ہو سکتے ہیں لہذا وہ معجزہ میں داخل ہو جاتے ہیں اسی لئے اگر اس قوت کا فطرت نبی میں موجود ہونا فرض کیا جائے جب بھی وہ معجزہ سے خارج نہ ہوگا - اس لئے کہ اُسپر کوئی دوسرا بشر کسی سبب عادی کے ذریعے قادر نہیں ہو سکتا

معجزہ اور مسمریزم کا فرق

اب ہم توضیح مطلب کے لئے نبی اور غیر نبی میں اس قوت کے اعتبار سے جو امتیاز ہوتا ہے اُسکو زائد شرح کے ساتھ وارد کرتے ہیں پس واضح ہو کہ معجزہ اور قوت نفسانی کے اثر میں کئی وجہوں[1] سے فرق ہوتا ہے - جسکو ہم ذیل میں وارد کرتے ہیں - مسمریزم میں

[1] ان وجوہ کو ہمنے انتصار الاسلام سے منتخب کیا ہے - جسکو زائد تفصیل مطلوب ہو اصل کتاب کیطرف رجوع کرے -

کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور معجزہ میں اُنکی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۱) مسمریزم میں مشق وریاضت سے تدریجی ترقی کرکے قوت مکمل کیجاتی ہے۔ پھر آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور معجزہ میں مشق وریاضت کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) مسمریزم میں تخلیۂ تام کا حاصل ہونا۔ حواس کا مجتمع ہونا۔ دل کا مطمئن ہونا آثار مخصوصہ کے ظاہر ہونمیں شرط ہے اور معجزہ میں ان اُمور کے ہونے نہ ہونے پر بنا نہیں ہے وہ اُسوقت بھی ظاہر ہوتا ہے جبکہ مذکورہ بالا اُموریں سے کوئی امر بھی موجود نہو۔

(۳) مسمریزم میں آلات واسباب کا بہم پونہچانا ضروری ہوتا ہے مثلاً سبزہ کا موجود ہونا معمول کا مرطوب المزاج ہونا جیسے بچہ۔ عورت۔ اور معجزہ کے صادر ہونے میں کسی قسم کے آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۴) مسمریزم میں اگر کسی غائب کا علاج کیا جاتا ہے تو کپڑے۔ روئی۔ پانی۔ مقناطیس مصنوعی شیشہ۔ کوئلہ وغیرہ میں سے کسی چیز کا بہم پونہچانا۔ اور اپنے روڈائل (نورانی اثر) کا مریض تک پونہچانا لازم ہوتا ہے ورنہ کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ اور معجزہ میں کسی چیز کی بہم پہونچانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۵) مسمریزم میں معمول کا بیخود ہوجانا لازمی امر ہے خواہ یہ خود ہی معمول بنے یا کسی دوسرے شخص کو معمول بنائے۔ اور معجزہ میں ایسی حالت ہرگز طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ نبی کے ہوش وحواس اپنی اصلی حالت پر باقی رہتے ہیں۔ اور اگر کسی دوسری شخص سے معجزہ کا تعلق ہوتا ہے تو وہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا ہے۔

(۶) مسمریزم میں جسپر اثر ڈالا جاتا ہے اُسکا خالی الذہن ہونا شرط ہے۔ پس ایسے ہی شخص پر اُسکا اثر ہوتا ہی. جو اُسکا اعتقاد رکھتا ہو یا خالی الذہن ہو۔ اور منکر پر اُسکا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور معجزہ میں اسکی شرط نہیں ہے بلکہ معجزہ کا منکروں پر زیادہ اثر ہوتا ہی۔

(۷) مسمریزم میں معمول کا نرم دل ہونا۔ عامل کے مزاج سے اُسکے مزاج کا مختلف ہونا

اُسکا کم عمر ہونا اثر کے ظاہر ہونے میں شرط ہے اور معجزہ میں کوئی شرط نہیں ہے۔
قوی دل۔ متفق المزاج اور معمّر و سن رسیدہ سب پر یکساں ظاہر ہوتا ہے۔

(۸) مسمریزم کا اثر انبیاء اور اوصیاء پر نہیں ہوتا۔ اور معجزہ کا اثر ہر ایک شخص پر ہوتا ہے

(۹) مسمریزم میں معمول کے توسط سے یہ امر بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے معجزہ اور مسمریزم کے عمل کا ماخذ وہی نفسانی قوت ہے یا کوئی اور چیز۔ ہم کہتے ہیں کہ معمول اسکو خود ظاہر کریگا کہ معجزہ کو مسمریزم کے عمل سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کہ مسمریزم کے آثار کا محض ریاضت و مشق پر مدار ہے۔ اور معجزہ محض حقتعالیٰ کا ارادی امر ہے جو بدون اسباب طبعیہ و عادیہ کسی نبی کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتا ہے ایک جس شخص کو معجزہ اور مسمریزم کے عمل میں اشتباہ ہو اور اوّل الذکر آٹھ وجہوں کے ذریعہ سے اُن دونوں میں امتیاز کر سکتا ہو تو سمجھ لے کہ مسمریزم کے عمل کا معجزہ پر حمل کرنا قیاس مع الفارق ہے اور یہ کہ مسمریزم سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ اُن اسباب معینہ کا نتیجہ ہے جسکو قدرت نے مقرر کر دیا ہے۔ اور اُن اسباب کے ذریعہ سے ہر ایک شخص اُسمیں مہارت پیدا کر سکتا ہے اور معجزہ کی موجودہ اسباب پر ہرگز بنا نہیں ہے اور اُسکے ظاہر کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مذکورہ بالا آٹھ وجہوں کی ذریعہ سے اُن دونوں کا فرق کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اُسکو نویں وجہ کے ذریعہ سے اُن دونوں کا باہمی فرق دریافت کر لینا نہایت سہل و آسان ہوگا۔ بہر حال ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ اگر قانون فطرت سے عالم مادی اور عقلی دونوں کے مجموعہ کا نام مراد لیں تب بھی ہمکو اُس (قانون فطرت) کا اپنی محدود معلومات میں منحصر فرض کرنا درست نہ ہوگا اس لئے کہ ہمکو اس مجموعہ کے واقعی حالات اور اُسکے سلسلہ علت و معلول کے حقیقی لوازم و آثار پر اطلاع نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں بھی قانون فطرت کے محال ہونیکا حکم کرنا محض نادانی پر مبنی ہوگا۔ اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو اہل ملت اد

حکماء کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ عالم کا مادی اور عقلی عالم میں بھی انحصار نہیں ہے بلکہ اسکے علاوہ بھی ایسے موجودات ہیں جنکے واقعی حالات پر ہمکو اطلاع نہیں ہے پس ممکن ہے کہ اُن موجودات سے ایسا عجیب و غریب اثر ظاہر ہو جو عالم عقلی کے مخالف ہو اس صورت میں قانون فطرت کا دوسرے معنوں سے متغیر ہونا کسی طرح بھی محال نہ ہوگا اب ضرور ہوا کہ قانون فطرت سے واقعی اور موجودہ اسباب و مسببات عالم کا ربط حقیقی مراد لیا جائے۔ اور کہا جائے کہ قانون فطرت سے عالم کا وہ نظم مراد ہے جو عالم میں واقعی علت و معلول کے سلسلہ سے قائم ہے خواہ وہ سلسلہ مادی ہو یا عقلی یا دیگر موجودات کا اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اس معنی سے قانون فطرت کا بدلنا محال ہے تو ہمکو کیا فائدہ ہوسکتا ہے اس لیے کہ ہم اُس پر مطلع نہیں ہیں۔ کیا معلوم کہ فلاں امر کسی واقعی سبب موجود سے حادث ہوا یا نہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان معنوں سے بھی قانون فطرت کے خلاف کا وقوع میں آنا محال نہیں ہوسکتا اس لیے کہ معمولی عقل بھی اس امر کے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتی کہ کوئی مقنّن اپنا قانون تیار کرے اور تیار کرلی کے بعد اُسکو اپنے قانون کے بدل دینے پر قدرت نہ رہے البتہ یہ امر مسلّم ہوسکتا ہے کہ غیر مقنّن کو اُسکے تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہو۔ پس یہ امر کسی طرح تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ قانون فطرت کے بدلنے پر خود مقنّن کے لیے بھی اختیار نہیں ہے ورنہ لازم آئیگا کہ مقنّن اپنے مصنوعی قانون اور جعلی نظام کے متغیر کرنے سے عاجز ہوجائے جو بالکل غیر معقول بات ہے۔ اب اگر قانون فطرت کے یہ معنی لئے جائیں کہ اس عالم میں جو چیز واقع ہوتی ہے اُسکے لئے کوئی نہ کوئی علّت ضرور ہے۔ اور علّیت و معلولیت کے اس علاقہ کا برہم ہونا اور کسی شے کا بدون کسی واقعی علّت کے موجود ہونا محال ہے تو ہم قانون فطرت کے یہی معنی تسلیم کیے لیتے ہیں۔ اور اس امر کو بھی تسلیم کیے لیتے ہیں کہ اس معنی سے قانون فطرت کا بدل جانا محال ہے۔

لکن خرق عادت جو معجزہ و کرامت میں فرض کیجاتی ہے وہ بھی اسی قانون میں داخل ہے
اور معجزہ و کرامت اِس قانون فطرت کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ ہمیشہ سے
حق تعالیٰ اپنے انبیاء و اولیاء کے لئے اُسکو برابر کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کر سکتا ہے۔

اعتراض۔ جب معجزہ کا ظاہر کرنا بھی قانون فطرت میں داخل ہے۔ اور حق تعالیٰ
اُسکو برابر کرتا رہا ہے تو اُسکو مجرائے عادت میں داخل کرنا چاہیئے۔ پھر اُسکو خرق عادت
کیوں کہا جاتا ہے۔ اور علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف میں اُسکے خرق عادت ہونیکا
اعتبار کیوں کیا ہے۔

جواب۔ معجزہ کو خرق عادت محض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خداوند عالم کے موجودہ
اسباب کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ وہ فقط حق تعالیٰ کے ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے۔
اور اُسمیں علت و معلول کے موجودہ سلسلہ کو دخل نہیں ہوتا ورنہ علماء اسلام کے نزدیک
وہ بھی عادت خدا ہے۔ اور اُسکا سبب محض ارادۂ خدا ہوتا ہے جسپر اُسکے سوا کوئی دوسرا شخص
مطلع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اُسکے ذریعہ سے کسی اثر کو موجود کر سکتا ہے۔ اِس مطلب کی تصویر
کے لئے اصل عالم کا ملاحظہ کرنا کافی ہوگا جو محض ارادۂ ازلیہ سے وجود میں آیا ہے۔ پس
اگر ہر ایک چیز کے حادث کرنے میں موجودہ اسباب کا توسط ضروری ہوتا تو یہ عالم
کیونکر موجود ہوتا ورنہ قبل عالم کسی عالم کا موجود ہونا لازم آئیگا۔ پس جسطرح کہ اصل عالم کے
وجود میں کسی سبب عادی کو دخل نہ تھا اسیطرح معجزہ کے وجود میں بھی کسی سبب عادی
کو دخل نہیں ہوتا اور یہ کہ حق تعالیٰ اُس (معجزہ) کو مصلحت نبوت کے لئے محض اپنے
ازلی ارادہ سے اُسی طرح حادث کر دیتا ہے جسطرح کہ پورے عالم کو محض اپنے ازلی ارادہ سے حادث کر دیا ہے
لہٰذا معجزہ کا صادر ہونا بدون اشکال ممکن ہوگا اور اسکے محال ہونیکا خیال بالکل باطل ہوگا۔

معجزہ پر اہلِ مادّہ کے اعتراضات اور اُنکا دفعیہ — اگرچہ معجزہ پر قدیم الایام سے ملحدوں کے
اعتراضات کی بوچھار ہوتی رہی ہے۔

اور اہل اسلام اُنکے اُصول مسلّمہ کی بنا پر جواب دیتے رہے ہیں چنانچہ ہم بھی حسب
موقع اُنہیں سے بعض نہایت قوی اور زوردار اعتراضات کا تذکرہ اور اُنکا تحقیقی جواب
وارد کرینگے لیکن آجکل کے تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے معجزہ پر جو تمام اعتراض
کئے جاتے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ خرق عادت اور معجزہ قوانین قدرت اور اُصول فطرت کے منافی ہیں
اور یہ کہ اُس سے سلسلہ علیّت ومعلولیت کا برہم ہونا۔ اور سبب کا بدون سبب موجود
ہونا لازم آتا ہے لیکن چونکہ اُصول فطرت کے خلاف کسی فعل کا صادر ہونا یا کسی معلول
کا بے اپنی علّت کے موجود ہونا محال ہے لہذا معجزہ کا صادر ہونا بھی محال ہوگا
ان لوگوں کا خیال ہے کہ عالم میں جو چیز واقع ہوتی ہے وہ محض اُس علاقہ کی وجہ
سے واقع ہوتی ہے جو ایک مادّہ کو دوسرے مادہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔
اور کوئی چیز بلا کسی علاقۂ مادیہ کے واقع نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ مادہ کا قدیم ہونا۔ اور
اُسپر فنا کا جائز نہ ہونا۔ اور نوامیس مادّہ کے خلاف کسی چیز کے واقع ہونیکا محال ہونا
ثابت ہوچکا ہے۔ اور معجزہ کے فرض کرنے میں اُصول مذکورہ کی مخالفت لازم آتی ہے
لہذا وہ باطل ہوگا۔ ان حضرات کا بیان ہے کہ عدمِ محض سے کوئی چیز پیدا
نہیں ہوسکتی۔ عالم میں جو کچھ موجود ہے اُسکا مادّہ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ قدیم
اہل مادہ کا خیال تھا کہ مادّہ اگرچہ قدیم ہے لیکن وہ (مادّہ) جو صورت اختیار کرتا ہے
وہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے اہل سائنس کا یہ خیال ہے کہ مادہ کی
علاوہ کوئی چیز جو غیر مادی ہو موجود نہیں اور یہ کہ حیات قوت مدرکہ۔ کانشنس (معرفت
طبعی) شعور وارادہ وغیرہ سب مادہ ہی کے کرشمے ہیں۔ مادہ ہی کے مجتمع ہونے سی
یہ چیزیں خود بخود پیدا ہوجاتی ہیں۔

جواب

مادہ اور اُسکے احوال سے بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مادّہ اور اُسکے نوامیس طبیعیہ ماہرین کا خیال ہے کہ ہر ایک جسم اور عنصر کی اصل فقط وہ اجزاء لایتجزّیٰ یا چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو آنکھوں سے محسوس نہیں ہو سکتے - اور مادہ سے دراصل یہی ذرے مراد ہیں اور اُنکے باہمی تعلق کو قوت اجزاء لایتجزّیٰ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اُنکو اگرچہ کسی حاسہ کے ذریعہ سے معلوم نہیں کیا لیکن وہ اُن کو استدلال اور قیاس کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ان اجزاء میں چند خاصے موجود ہیں جنکو نوامیس مادّہ کہتے ہیں۔

پہلا خاصہ۔ قوتِ اتصال ہے جو ہر ایک جسم یا عنصر کو جو ذرہ برابر ہے مجتمع اور اکھٹا رکھتی ہے یہ قوت ٹھوس[1] مادّہ میں زائد ہوتی ہے۔

دوسرا خاصہ۔ حرکت ارتعاشی جسکی وجہ سے ہر ایک ذرہ بے چین رہتا ہے اور اُس کے مختلف نتیجوں سے مادہ کی حالتوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

تیسرا خاصہ۔ اتحاد نوعیت جس سے ہر ایک جسم کے عنصر یا ذرہ کی جسامت کا یکساں ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک جسم یا عنصر کا ہر حصہ ایک ہوتا ہے اور یہ گیس کی دو قسمیں پیدا کرنا جو مختلف جسامت کے ذروں سے بنے ہوں ممکن نہیں۔

چوتھا خاصہ۔ ہر ایک جسم کے اجزاء لایتجزّیٰ یا ذرہ کی اندرونی حرکت کے علاوہ ایک بیرونی حرکت بھی ہوتی ہے - پس بیرونی حرکت سے

---

۱۵ اہل سائنس نے مادّہ کی تین حالتیں تسلیم کی ہیں۔

ایک حالت۔ ٹھوس جیسے برف ایسے مادّہ میں قوت اتصال زائد ہوتی ہے۔

دوسری حالت۔ سیال جیسے پانی۔ اسمیں قوت اتصال کم ہوتی ہے۔

تیسری حالت۔ دخانی جیسے آکسیجن اسمیں قوت اتصال نہیں ہوتی ۱۲

کل جسم یا نظام کی حرکت مراد ہے اور اندرونی حرکت جزو کی ایک حصہ کی دوسرے حصہ پر ہوتی ہے۔

نوامیس مادّہ کے نتائج } مذکورۂ بالا خاصتوں کے علاوہ اور بھی خاصے ذکر کئے گئے ہیں جنسے مفصلۂ ذیل نتائج نکلتے ہیں

(۱) ایک شئی کے اجزاء لا یتجزّے یا ذرّے بالکل ایک ہی سے ہوتے ہیں مگر دوسری شئی کے اجزا یا ذرّوں سے مختلف ہوتے ہیں۔

(۲) مختلف اشیاء کے ذرّوں کی جسامت مختلف ہوتی ہے اور اُنمیں کامل تدریجی ترقی نہیں ہوتی۔

(۳) ایک شئی کے ذرّے اپنی اندرونی حرکت میں توافق رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے اُس روشنی میں بھی توافق رکھتے ہیں جو اُنسے نکلتی ہے۔

(۴) کسی ذرّہ میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۵) ہر ایک ذرّہ میں مادّہ کے خواص مذکورۂ بالا موجود ہوتے ہیں۔

(۶) ہر ایک ذرّہ فی نفسہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا یا مفرد ہو گا جیسے آکسیجن کا ذرّہ یا مرکب ہو گا جیسے پانی کا ذرّہ جسمیں ہیڈروجن کے دو جزو اور آکسیجن کا ایک جزو موجود ہے یہی وہ مادّہ ہے جسکو اہل سائنس اور ارباب طبیعت نے تمام نظام کائنات کا باعث قرار دیا ہے

اَب ہم مادّہ کے نتائج مذکورہ اور مادّہ کے قدیم ہونے سے بطور اجمال بحث کرنا چاہتے ہیں

نتائج مذکورہ اور مادّہ کے قدیم ہونے سے بحث } بڑے بڑے طبعی ڈاکٹروں اور مادّی فلاسفروں نے یہ کلیہ تسلیم کیا ہے کہ علم کی صرف استقرار اور تجربہ ہی پر بنیاد قایم ہے۔ اور یہ کہ وہ غیر محسوس پر علمی مسائل میں اعتماد نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم کو اُن کے اسی ضابطہ سے کام لینا مناسب ہے۔ اہلِ تجربہ نے معلوم کیا ہے کہ اجزاء لا یتجزّے یا ذرّوں کو ہزار طرح لائیں۔ اور ہزار اُلٹ پلٹ کریں

اُن کے اجتماع سے حیات - قوت مدرکہ - کانشنس وغیرہ کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا - ایسی صورت میں یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ عالم کے موجودہ انواع اُن کے مجتمع ہونیسے کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ کہ ہر ایک ذرّہ دوسرے ذرّہ کے ساتھ کیونکر مجتمع ہو سکتا ہی بعض اہل سائنس نے خیال کیا ہی کہ وہ ذرّے خود بخود مجتمع ہو جاتے ہیں اور یہ کہ اُنکے مجتمع ہو جانے سے حیات قدرت مدرکہ شعور ارادہ عقل اور کانشنس سب کچھ پیدا ہو جاتا ہے - لیکن اُنکا یہ خیال کچھ بہت زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے اسلئے کہ وہ تجربہ کے خلاف ہی - اور عقل سلیم اُسکو کسیطرح تجویز نہیں کر سکتی یہ ظاہر ہے کہ ذرّوں کے لئے کوئی نقیب یا ہرکارہ ایسا نہیں ہے جو اُنکو وقت ضرورت مجتمع ہونے اور کسی انجمن کے قایم کرنے پر آمادہ کرتا ہے - اور نہ اُنکے پاس کوئی تار برقی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اطلاع پا کر کسی خاص مقام پر بہ ترتیب مخصوص مجتمع ہو جاتے ہیں - ایسی صورت میں خاص قسم کے ذرّوں کا کسی خاص نوع کی پیدائش کے لئے خود بخود مجتمع ہونا اور نہایت حکمت و تناسب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کیونکر ممکن ہوا - کیا یہ ممکن ہی کہ کسی مردہ اور بے جان سے ایسے حکیمانہ افعال اور عاقلانہ حرکات صادر ہوں ہرگز نہیں - ایسی صورت میں ہمکو ایک ایسی اعلیٰ قوت کے موجود ہونیکا ضرور اقرار کرنا پڑیگا جو مذکورہ بالا اُمور کو اپنی حکمت بھرے ارادہ سے انجام دے اور اُنکی کونسل قایم کرکے کسی خاص نوع کے بنانے اور تیار کرنے پر اُنکو آمادہ کرے - اسکے علاوہ اگر یہ اجزا دراصل ساکن فرض کئے جائیں تو اُن میں حرکت کے پیدا کرنے کی غرض سے ایک محرک کے فرض کرنیکی ضرورت پیش آئیگی - اور اگر وہ متحرک فرض کئے جائینگے تو تین حال سے خالی نہ ہونگے -

(۱) اُنکا اپنے طبعی احیاز میں موجود ہونا اس صورت میں اُنکا اپنے حیز سے حرکت کرنا محال ہوگا - اور کسی نوع کا اُنسے وجود میں آنا باطل قرار پائیگا اِس لئے کہ کسی نوع کے

پیدا ہونے میں ذرّوں کا باہم اکھٹا ہونا لازم ہے - اور جبکہ انکا اپنے اپنے طبعی احیاز میں موجود ہونا فرض کیا گیا تو اُسکا لازمی نتیجہ یہی نکلیگا کہ اُنپر حرکت کرنا صحیح نہو-

(۲) اُنکا کسی غیر طبعی اور قسری حیز میں موجود ہونا اِس صورت میں کسی قاسر کا موجود ہونا ضروری ہوگا جو اُن کے طبعی مرکزوں سے کھینچ تانکر کسی دوسرے غیر طبعی مرکز پر اُکھٹا کردے جسکا موجود ہونا مفروض نہیں ہے -

(۳) اُنکا اپنے قصد و ارادہ سے حرکت کرنا - اِس صورت میں اُن کے لئے حیات - قوت مدرکہ - ارادہ - شعور - کانشنس وغیرہ سب چیزونکا فرض کرنا لازم ہوگا تاکہ کسی خاص نوع کو مخصوص انداز پر حد درجہ کی حکمت اور معقول تدبیر سے پیدا کرسکیں - یہ صورت بھی ممتنع ہے اس لئے کہ تجربہ نے اُنکا اوصاف مذکورۂ بالا سے خالی ہونا ثابت کردیا ہی - اِس کے علاوہ اُنمیں ایسے اوصاف کا فرض کرنا بدیہی طور سے باطل ہے - بہرحال اُن اجزا سے کسی نوع کے حاصل ہونے میں ایک ایسی اعلیٰ قوت کے موجود ہونے کی ضرورت ہوگی جو اُن کو اپنے حد درجہ کی حکمت عملی کے ساتھ اکھٹا کرے - اور ظاہر ہی کہ اِس صورت میں اُنکے قدیم ہونیکا خیال محض بے دلیل بلکہ وہم پرستی میں داخل ہوگا اور اُن کے حدوث کا قائل ہونا ضروری قرار پائیگا - یہ اور بات ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اور محدود فکریں عالم کی ابتداء اور انتہا اور بے شمار مخلوقات کے پیدا ہونے کی واقعی حالت پر مطلع نہوں - اسوقت میں نظام شمسی یا کرۂ زمین یا نباتات وحیوانات یا نوع انسان میں بیشمار تبدیلیوں کا واقع ہونا اجزاء لا یتجزیٰ کے قدیم ہونے کو کسی طرح بھی مقتضی نہ ہوگا - بلکہ یہ تبدیلیاں ایک اعلیٰ مقنن کے غیر متغیر قانون کا نتیجہ قرار پائینگی - اور مصلحت کے وقت اُس (مقنن) کو اپنے قانون کے بدل دینے اور اُسمیں تغیّر کے پیدا کردینے کا اختیار ہوگا جبکہ ہم نے اصل فطرت میں مقنن کی غایت حکمت و مصلحت اندیشی کا قہرًا اقرار کیا تو کیا وجہ ہے کہ اُس (قانون) کے پیدا ہونے کے بعد اسکے اختیارات سلب کرلئے جائیں اور اُس کو

اپنے بنائے ہوئے قانون میں ضرورت کے وقت مداخلت کرنیکا اختیار باقی نہ ہے۔ یہ بات بالکل مسلّم ہے کہ اُسکے قانون میں کوئی دوسرا شخص ترمیم کرنے کا بالکل اختیار نہیں رکھتا اور نہ اُسکو قانون فطرت کے بدل دینے کی قوت حاصل ہوسکتی ہے لیکن جو لوگ معجزہ اور خارق عادت کو تجویز کرتے ہیں اُنکی غرض یہ نہیں ہے کہ ربانی قانون میں کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی تبدیلیاں پیدا کرسکتا ہے۔ بلکہ اُن کی غرض اسیقدر ہے کہ خود واضع قانون جسوقت اپنی فطری قانون میں کسی قسم کی تبدیلی کو قرینِ حکمت و مصلحت سمجھتا ہے اُسوقت اُسمیں تبدیل و تغیر کو واقع کردیتا ہے۔ ایسی صورت میں معجزہ اور خرق عادت پر وہی شخص مضحکہ اوڑا سکتا ہے جسنے مدعیان معجزہ و خرق عادت کے اصل غایت پر ذرا بھی غور سے کام نہ لیا ہو۔

مادّہ کے متعلق نئی تحقیق

اب تک حدوث مادہ کے بارہ میں جو کلام کیا گیا۔ وہ اُن حضرات کے مقابلہ میں تھا جو مادّہ کو قدیم سمجھتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اگر اس مادہ میں، دوسرے گروہ کے مذاق پر کلام کیا جائے جو اسکا حادث ہونا ثابت کرچکے ہیں تو ہم کو زائد اہتمام کرنے کی ضرورت پیش نہ آئیگی اور عالم کے لئے ایک اعلیٰ قوّت اور علۃ العلل کا جو قادر و مختار اور غایت حکمت کے ساتھ موصوف ہو موجود ہونا بدون اشکال ثابت ہو جائے گا۔ اور معجزہ کی تجویز کرنیمیں بھی زائد اشکال نہ رہیگا۔ جسکی وجہ ہماری اوپر کی تقریر سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ گذشتہ دس برس کے زمانہ میں ایک جدید عنصر ریڈیم دریافت ہوا ہے جسکے ظاہر ہونے سے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم شروع ہوگیا ہے اور مادّہ کا حادث اور قابل فنا ہونا تجربہ اور مشاہدہ میں آچکا ہے۔ ریڈیم ایک قسم کی دھات ہے اگر اُسکو سکروسکوپ (ایک آلہ کا نام ہے) میں رکھکر دیکھا جائے تو اُس (دھات) سے روشنی کی شعائیں خارج ہو کر بالکل صاف اُڑتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور اُسمیں رات دن کسی کی تخصیص نہیں بلکہ شب و روز یہ عمل نہایت سرعت سے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اسکی تحقیق

تفتیش کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ یہ شعاعیں (جنکا ارباب سائنس الکٹران نام رکھتے ہیں) بجلی کی چنگاریاں ہیں۔ ریڈیم کا مادّہ تھوڑا تھوڑا فنا ہوکر بجلی کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے اور اُسکے بعد پھر نہ معلوم کس صورت میں چلا جاتا ہے جو محسوس نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت اسی مادّہ کی ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ بعض اور دھاتوں میں بھی اُس (کیفیت) کا مشاہدہ ہونا ثابت ہوا ہے۔ اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ مادّہ اور اُسکا ہر عنصر بجلی کی چنگاریوں سے مرکب ہوا ہے یا یوں کہئے کہ اگر یہ چنگاریاں ایک خاص طریقہ سے ترتیب دیجائیں تو ریڈیم بنجاتا ہے۔ اور دوسرے طریقوں سے ترتیب دیجائیں تو سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ تانبا۔ آکسیجن۔ ہیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ عناصر بنجاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مادّہ کی ذرّوں میں انقلاب عظیم ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ بجلی کی صورت میں تبدیل ہوکر کسی لامعلوم حالت میں چلے جاتے ہیں۔ ان تجربوں اور مشاہدوں سے مادّہ کے حادث اور فانی ہونیکا پورا ثبوت ملتا ہے اور یہ خیال کہ مادّہ ایسے چھوٹے چھوٹے اجزاء لایتجزّے یا ذرّوں سے بنا ہوا ہے جنپر فنا طاری نہیں ہوتی باطل ہوجاتا ہے۔

اعتراض۔ مادّہ کو قدیم ماننے والے لوگ کہتے ہیں کہ اس تحقیق سے صرف سالمات کا وجود باطل اور مادّہ کا حدوث ثابت ہوا لیکن ہم ذرّوں اور چنگاریوں ہی کو مادّہ کی ابتدائی صورت قرار دیکر قدیم اور غیر حادث تسلیم کرتے ہیں اس بناء پر بھی مادّہ قدیم اور غیر فانی ہی رہیگا۔

جواب۔ تجربوں اور مشاہدوں سے صراحۃً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بجلی کی اُن چنگاریوں پر مادّہ کی تعریف صادق نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ وہ (چنگاریاں) دراصل مادّہ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک قسم کی قوت کا نام ہے۔ **الغرض** جدید تحقیقات نے یہانتک تو ثابت کردکھایا کہ تمام مادی دنیا برقی قوت کی مختلف حالتوں کا مجموعہ ہے جو کبھی کسی صورت میں مستحیل ہوجاتی ہے اور کبھی کسی حالت میں متبدل ہوجاتی ہے۔ **پس** جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ انسان اور دنیا کی تمام چیزیں برقی قوت کا نمونہ ہیں۔

البتہ قدم مادّہ کے قائل اِس مقام پر یہ عذر کرسکتے ہیں کہ اگرچہ آپ کی تقریر سے مادّہ کا قدیم ہونا باطل اور اُسکا حادث ہونا ثابت ہوا لیکن آپ کے بیان سے ابھی تک بجلی کا قدیم ہونا باطل نہیں ہوا۔ پس ممکن ہے کہ ہم تمام دنیا کو بجائے اس کے کہ وہ مادّہ اور قوت سے مرکب تسلیم کیجائے صرف ایک بجلی ہی کا کرشمہ کہینگے اور اُسی (بجلی) کو جمیع مخلوقات کا خالق اور موجد قرار دینگے۔ لیکن اُن لوگوں کا یہ عذر بھی قابل تسلیم نہو گا کیونکہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ بجلی کے اجزاء لایتجزّے یا ذرّے جو ریڈیم سے خارج ہوتے ہیں اپنے اصلی مرکز سے نکلکر ایسی حالت میں چلے جاتے ہیں جسکی نسبت کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں اور کس صورت میں چلے گئے۔ اور ہم اس حالت کو فنا کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ قوانین برق کی بنا پر اس مطلب کی اسطرح توضیح ہو سکتی ہے کہ بجلی کی دو قسمیں ہیں ایک مثبت دوسرے منفی۔ شیشہ کی ڈنڈی کے سرے کو ریشم کے کپڑے پر رگڑنے سے ڈنڈی کے سرے پر ایک خاص قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے اُسکو مثبت بجلی کہتے ہیں۔ اور لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین کے کپڑے پر رگڑنے سے لاکھ کے ڈنڈے کے سرے پر ایک مختلف قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے اُسکو منفی بجلی کہتے ہیں۔ مثبت کے ذرّے اپنے ہمجنس ذرّوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اِسی طرح منفی کے ذرّے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر مختلف قسم کی بجلیوں (مثبت و منفی) کے ذرّے ہمیشہ ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔ جب ان دونوں قسموں کے ذرّے باہم اکٹھا ہوتے ہیں تو پھر نہ مثبت کا وجود قائم رہتا ہے نہ منفی کا بلکہ دونوں فنا ہوکر ایک خاص طاقت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی حالت بجلی کے اُن ذرّوں کی ہے جنسے مادّہ یا عناصر مرکب ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ مثبت و منفی بجلیاں باہم ملکر دونوں فنا ہوجاتی ہیں اور ایک خاص قوت کی شکل میں متبدل ہو جاتی ہیں جو نہ مادّہ ہے

شکل اختیار کر لیتی ہے جس سے مادّہ اور بجلی دونوں کا فانی اور حادث ہونا ثابت ہوا۔ اب فقط یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ جس قوت میں بجلی تبدیل ہوجاتی ہے اسی کو زیم مان لینے میں کیا مضائقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قوت بھی قدیم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ مشاہدے سے ثابت ہوچکا ہے کہ وہ دونوں قسم کی بجلیوں کی ترکیب کا نتیجہ ہے اور جو شے مرکب ہوتی ہے وہ ہرگز قدیم نہیں ہوسکتی جسطرح رگڑ کی قوت سے دو مختلف قسم کی بجلیاں پیدا ہوئیں اسی طرح دونوں کے ملنے اور فنا ہونے سے پھر ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہوگئی۔ پس بجلی اور قوت دونوں کا فانی اور حادث ہونا ثابت اور قدیم ہونا باطل ہوا۔ اس صورت میں قانون فطرت کے لئے ایک اعلیٰ مقنن حکیم کا موجود ہونا ضروری ہے جسکو مصلحت کے وقت اپنے وضع کردہ قانون میں تغیر دینے کا اختیار ہوگا اور ہم اسی تغیر کو معجزہ کہتے ہیں اور ہماری پوری تقریر کا نہایت مختصر عبارت میں اس طرح خلاصہ ہوسکتا ہے کہ مادّہ الکٹرسٹی (بجلی) کی طرف منقلب ہوجاتا ہے جو ارباب سائنس کے نزدیک غیر مادہ ہے اور جو چیز غیر مادہ کی طرف منقلب ہوسکتی ہو وہ قدیم نہیں ہوسکتی لہذا مادہ قدیم نہو گا۔ پس قانون فطرت میں مداخلت[1] ربانی کا کوئی مانع نہ ہوگا۔ اور اسی مداخلت کا نام معجزہ ہے۔

شبہہ - اس تقریر سے فقط ایک خاص مادہ (ریڈیم) کا حادث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ باقی مادّے قدیم ہوں۔

جواب - آجکل کے بعض تعلیم یافتہ حضرات نے علت کی دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) علت حدوث جس سے وہ مادّہ مراد لیتے ہیں جو ہمیشہ علت داخلیہ ہوتی ہے۔

(۲) علت خلق جس سے وہ غیر مادّہ مراد لیتے ہیں جو اُن کے نزدیک برتقدیر

---

[1] ڈاکٹر ڈریپر صاحب نے معرکۂ مذہب و سائنس میں جو انکی مشہور کتاب ہے اس مطلب پر بہت زور دیا ہے کہ قانون فطرت میں مداخلت ربانی کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ مسئلہ ارتقا میں ان کی عبارتیں جابجا مذکور ہوئی ہیں ۱۲

وجود علت خارجیہ ہے۔ اب اگر اس مادّہ مخصوصہ (ریڈیم) کی علت کا علت حدوث ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ وہ علت خارجیہ ہو حالانکہ وہ ہمیشہ علت داخلیہ ہوتی ہے۔ اور اگر اُسکی علت کا علت خلق ہونا فرض کیا جائے تو اُسکا قدیم ہونا ضروری ہوگا۔ ورنہ سلسلہ کا غیر محدود ہونا لازم آئیگا جسکا وجود محال ہے۔ اِس صورت میں اگر باقی مادّہ کا قدیم ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ عالم کے لئے دو قدیم علتیں ہوں۔ ایک علت حدوث (مادّہ) جو اس مخصوص مادّہ (ریڈیم) کے سوا باقی مادّوں کی لئے علت ہو۔ دوسرے علت خلق جو خاص اس مادّہ (ریڈیم) کی علت ہو۔ حالانکہ کسی عاقل نے اِس کو اختیار نہیں کیا۔ اب اگر فقط علت حدوث کے قائل ہوں اور علتِ خلق کے قائل نہوں تو لازم آئیگا کہ اِس مخصوص مادّہ (ریڈیم) کے لئے جسکا حادث ہونا ثابت ہوچکا ہے کوئی علت نہو۔ اور اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ پس ضرور ہوا کہ مجموع عالم کے لئے فقط ایک علت خلق موجود ہو جو اُسکے لئے علت خارجیہ ہوگی۔ اس صورت میں تمام عالم کا حادث ہونا لازم آئیگا۔ اور ہمارا مطلوب یہی ہے۔ اس تقدیر پر عالم میں تغیر کے پیدا ہو جانیکا کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔ جسکو ہم معجزہ کہتے ہیں۔

فائدہ۔ جبکہ نئی تحقیقات کی رو سے مادّہ کا فنا ہونا ثابت ہوا تو اب حضرت موسیٰ کا یہ معجزہ[ا] کہ آپ کے عصانے اژدہا بنکر جادوگروں کی رسیوں اور لکڑیوں کو نگل لیا اور

[ا] اِس معجزہ پر اہل سائنس کی طرف سے دو شبہے ہوسکتے ہیں جنکا اس مقام پر ذکر کرکے بر وجہ اجمال اُن سے تعرض کرنا مناسب ہے ۱۲

پہلا شبہ۔ عصا کا اژدہا بنجانا قانون فطرت کے خلاف ہے۔

جواب مسئلہ ارتقا کی بنا پر بے حس و بے حرکت مادّہ سے نباتات کا اور نباتات سے حیوانات کا تکوّن ہوا ہے۔ پس عصا کا اژدہے کی طرف مستحیل ہونا بھی محال نہ ہوگا۔

پھر اپنی اصلی حالت پر عود کیا۔ قانون فطرت کے ہرگز خلاف نہوگا اِس لئے کہ ہم کہ سکتے ہیں کہ رسّیوں اور لکڑیونکا مادّہ فنا ہوگیا۔ اور عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا۔ اگرچہ ہم قدیم خیال (مادّہ کے قدیم ہونے) کی بنا پر بھی یہ جواب دیسکتے ہیں کہ اِس خیال کی بنا پر ایک مادّہ کا کسی دوسرے مادّہ میں تبدیل ہوجانا ممکن ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ رسیوں اور لکڑیوں کا مادّہ بھی عالم کے موجودہ مادّہ کی طرف مستحیل ہوگیا ہو۔

دوسرا اعتراض۔ ہم ایک اعلیٰ قوت (خداوند عالم) کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لکن اُس نے عالم کے موجودہ انواع اور اُنکے افراد کی بنا کو مادّہ کے انتخاب طبعی پر قائم کیا ہے۔ پس اُنکا سلسلہ ایک غیر متغیّر قانون کا پابند ہے۔ اور یہ کہ اُسمیں کسی قسم کی رکاوٹ اور برہمی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ اور خرق عادت کا فرض کرنا اِس نظم کے برہم ہونے اور قانون کے غیر متغیر سلسلۂ علت و معلول کے متغیر ہونیکو مقتضی ہے اِس لئے معجزہ اور خرق عادت کے ظاہر ہونیکا قائل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۰) **دوسرا شبہ۔** چھوٹی اور کم وزن خصات اژدہا سے بڑی اور وزنی جسم کا بنجانا کیونکر ممکن ہے اسلئے کہ مادّہ کے وزن و مقدار کا محفوظ رہنا لازمی امر ہے۔

جواب۔ چھوٹی مقدار کا بڑی مقدار کی طرف تبدیل ہوجانا معمولی امر ہے چنانچہ ہوا اور باقی تمام گیسوں میں تخلخل اور تکاثف کی وجہ سے مقدار کا زائد اور کم ہوجانا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ رہا وزن کا بڑھ جانا اُسمیں دو احتمال ہوتے ہیں **ایک** یہ کہ عصا کے مادّہ میں عالم کے موجودہ مادّہ میں سے بعض اجزاء اگر شریک ہوگئے ہوں اور جب عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا ہو تو اجزاء زائدہ نے اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کیا ہو۔ **دوسرے** یہ کہ عصا کے مادّہ میں نیا مادّہ پیدا ہوکر شریک ہوگیا ہو۔ اِس لئے کہ مادّہ کا حادث ہونا ثابت ہوچکا ہے اور جب عصا نے اپنی اصلی حالت کی طرف عود کیا تو نیا مادّہ فنا ہوگیا ہو یا عالم کے موجودہ [illegible]

جواب ۔ اس اعتراض کی مسئلہ ارتقاء پر بنا قائم ہوئی ہے جو ڈاکٹر ڈاروِن کا مذہب ہے

لہٰذا اس اعتراض کے جواب میں اولاً مسئلۂ ارتقاء کے مفہوم سے بحث کرنا بعد ازاں تقریر

جواب میں اشتغال کرنا مناسب ہے ۔

مسئلہ ارتقائ کا مفہوم ڈاکٹر ڈاروِن نے موجودہ انواع کے تکون کو مادہ کے انتخاب طبعی یا حفظ اُصول اکمل کے ساتھ وابستہ کیا ہے ۔ اور ڈاکٹر بختر نے اُسکی چار قسمیں کی ہیں اگرچہ ڈاروِن کے نزدیک وہ (چاروں قسمیں) انتخاب طبعی میں داخل تھیں مگر ڈاکٹر بختر نے تسہیل مطلب کے لئے اُن کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے ۔

پہلی قسم ۔ تنازع بقاء جس سے حیوانی نسل میں مزاحمت کا واقع ہونا مراد لیا جاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) فاعلی جس سے حیوان کے زندہ افراد کا مزاحمت کرنا اور قوی کا ضعیف پر غالب آنا اور اُس کو ہلاک کر دینا مراد ہے جیسے شکاری پرندوں کا چڑیوں کو مار ڈالنا ۔

(۲) مفعولی جس سے طبیعت کی قوای صامتہ یا اُمور خارجیہ کا مزاحمت کرنا مراد ہے جیسے گرمی یا سردی کی شدت کا حیوانوں کو ہلاک کرنا ۔ یہ مزاحمت نباتات میں بھی واقع ہوتی ہے ۔

دوسری قسم تغیر افراد جس سے ہر ایک زندہ جسم کا اپنی اصل سے بعض اوصاف میں مغائر اور بعض اوصاف میں مشابہ ہونا مراد ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر بختر کہتے ہیں کہ ہر ایک زندہ جسم کا ایسا ہی جسم پیدا ہوتا ہے جو بعض اوصاف میں اُسکے مشابہ ہوتا ہے اور یہ مشابہت طولانی سلسلہ میں کم ہو جاتی ہے ۔ اور یہ اختلاف محض اعراض ہی میں نہیں بلکہ جوہر یات میں بھی بہم پہونچتا ہے ۔ ان افراد کے تغیرات کو بعض لوگوں نے انواع پر اور بعض نے تبائنات پر محمول کیا ہے اور اصلی نوعیت افراد میں بوراثت پونہچتی ہے

تیسری قسم وراثت جس سے تغیرات مذکورہ کا نسل میں سرایت کرنا مراد لیا جاتا ہے

جیسے آبار و اجداد کے بعض امراض اولاد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

چوتھی قسم۔ انتخاب طبعی جس کو ڈاکٹر برن تحسین طبعی کہتے ہیں اور اُس سے طبیعت یا اُمور خارجیہ کا بعض افراد میں کسی ایسی خصوصیت کو حادث کردینا مراد لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہوجاتے ہیں۔ اور یہ خصوصیت نسل میں بھی جاری ہوجاتی ہے۔

اور خصوصیت مذکورہ فرد کے لئے کبھی مضر یا بے فائدہ بھی ہوتی ہے جیسے فرقاطہ جو ایک قسم کی بط ہے اور خشکی میں بسر کرتی ہے۔ پس اُسکے پاؤں کی وہ جھلّی جو اُنگلیوں کے اندر ہے اُس کے لئے کسی قسم کا فائدہ نہیں رکھتی اور اصل کے لئے مفید تھی اس لئے کہ وہ پانی میں بسر کرتی تھی۔

اہل سائنس نے عالم کے موجودہ انواع کو مادّہ کے مذکورۂ بالا نوامیس (خاصوں) کا نتیجہ قرار دیا ہے اور جملہ انواع کے تکون کو سلسلۂ ارتقار کے ساتھ مربوط کیا ہے اور اُسکا مفہوم[۱] جیسا کہ ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر ایم ای ایل ایل ڈی نے اپنی کتاب کانفلکٹ بیٹوئن ریلیجن اینڈ سائنس (معرکۂ مذہب و سائنس) میں وارد کیا ہے یہ ہے کہ کرۂ زمین پر زندگی کے نمودار ہونے کے وقت سے لیکر اسوقت تک اُن مخلوقات کی مختلف شکلوں کا جو اعضار رکھتے ہیں ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہے جسکے اجزا نے نشو و نما کے مدارج کو منزل بمنزل طے کیا ہے۔ اِن مخلوقات کی ترقی قانون غیر ممکن التغیر کے عمل کی تابع ہے۔ خدا کے غیر مسلسل غیر مربوط اور سنّت شکن مداخلت کا ماحصل نہیں ہے جس طرح آسمان پر ایک بادل آتا ہے ایک جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات کا یہ نظام دوسری بیشمار دنیاؤں کا قایم مقام ہے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں

---

[۱] یہ عبارت بہت ادنےٰ تغیر کے بعد معرکۂ مذہب و سائنس کے مختلف مقامات سے جو ڈاکٹر موصوف کی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے نقل کی گئی ہیں ۱۲

گیا ہے اُسمیں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ کیا یہ تبدیلیاں ربّانی مداخلت کا نتیجہ ہیں ان مباحث سے ہمارے اِس خیال کو بھی تقویت ہوتی ہے کہ بجائے تخلیق اور بغتۃً پیدا ہوجانے کے ایک جسم سے مستحیل ہوکر دوسری شکل کو قبول کرلینا بہت قرین عقل ہے۔ تخلیق یا پیدائش کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شئے دفعتہً خود بخود نمودار ہوجائے۔ اور استحالہ سے یہ مراد ہے کہ ایک شکل جو پہلے سے موجود ہو بتدریج متغیر ہوتی ہوئی دوسری صورت اختیار کرلے۔ ہر شخص کو زندگی کی تمام منزلوں کو طے کرنے میں قدم قدم پر مداخلت ربّانی کا سہارا ڈھونڈھنا پڑتا ہے یا بجائے اسکی یہ عقیدہ زیادہ تر قرین عقل ہوگا کہ وہ بیشمار نفوس انسانی جو روئے زمین پر آباد رہ چکے ہیں ایک غیر متغیر اور ہمہ گیر قانون کے تابع رہیں۔ فوری پیدائش یعنی کسی شئے کا یکبیک کامل اور مکمل صورت میں نمودار ہونا خارج ازامکان ہے۔ ہر وجود کمال آہستگی سے اپنا چولا بدلتا ہے اور ایک سابق کی شکل سے ترقی کرتا ہوا حال کی شکل اختیار کرتا ہے اِس کے لئے بھی ایک بہت بڑے طویل و مدید زمانہ کا انقضاء لازمی ہے۔ ڈاکٹر ڈریپر اپنی کتاب مذکور میں کہتے ہیں کہ یہ قول بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ کسی انسان نے کسی نوع کی کسی فرد کو ارتقاء کا چولا بدلتے ہوئے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ شاید وہ لوگ جنکا یہ قول ہے اِس امر کی طرف سے خالی الذہن ہیں کہ آجتک کسی شخص نے اپنی آنکھ سے یہ بھی تو نہیں دیکھا کہ کوئی جسم جو اعضا رکھتا ہو بغیر کسی صورت کے یکبیک خود بخود پیدا ہوجائے۔

یہ ہیں وہ تقریریں جو مسئلہ ارتقاء کی تائید اور معجزہ و خرق عادت کے ابطال پر ہمنے اہل سائنس کے مختلف حالات میں سے منتخب کی ہیں اب ہم مذکورہ بالا تقریرات سے منصفانہ عنوان پر تعرض کرتے ہیں۔

مسئلہ ارتقاء سے منصفانہ بحث

اِس مقام پر اگرچہ اصل مسئلہ ارتقاء کے ثابت ہونے نہ ہونے سے ہماری اصلی غرض کا بہت ہی کم تعلق ہے اور ہم اُسکا سرے سے انکار کرنا بھی نہیں چاہتے بلکہ ایک حد تک اُسکی تائید کرنیکو تیار ہیں جیسا کہ ہمارے آیندہ کے بیان سے عنقریب معلوم ہوگا۔ جس سے اصلی مسئلہ ارتقاء کا معمّہ بھی بخوبی حل ہو جائیگا۔ لیکن کیا اِس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقنن نے قانون ارتقاء کو جاری کیا ہے وہ اُسکی بدلدینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ضرور رکھتا ہے۔ پس معجزہ اور خرق عادت کی تجویز کے لئے تو اسیقدر کافی ہے جس کی شرح کے لئے قبل کا تفصیلی بیان ملاحظہ کے قابل ہے۔ ہاں بیشک مسئلہ ارتقاء سے بحث کرنے پر معجزہ کے علاوہ کچھ اور بھی دینی ثمرے مترتب ہوتے ہیں جنپر ہمارے ناظرین خود ہی متنبہ ہو جائینگے۔ اِس لئے ہمکو اس مسئلہ سے مفصل بحث کرنا مناسب ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس بات میں کونسا عقلی استحالہ لازم آتا ہے کہ اصلی مادّہ سے بعض انواع پیدا ہوں اور اُسکے بعد اُنکے افراد میں سلسلۂ ارتقاء فرض کیا جائے۔ یہ امر بظاہر نزاع کے قابل نہیں ہے کہ مادّہ ارضیّہ سے بہت سے حیوانات یا دیگر اشیاء ابتداءً پیدا ہوتے ہیں پس ممکن ہے کہ اُنکی نسل میں باعتبار اوصاف تدریجی ترقی ہوتی رہے۔ یا بعض انواع نسل میں طول زمان کے بعد متعدد نوعیں بھی حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس تجویز سے یہ کلّیہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ اصلی مادہ سے فقط ایک ہی نوع حادث ہو اور اُسی سے عالم کے تمام انواع تدریجی ترقی کر کے نئے قالب میں ڈھلتے جائیں۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ جب آپ نے ہر ایک عنصر یا جسم میں مختلف قوتوں کے ذرے یا اجزاء لایتجزّے کو فرض کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُن کے مجتمع ہونے پر ایک ہی نوع حاصل ہو اور اُسی میں ترقی فرض کرتے کرتے باقی انواع کا بتدریج

کے مختلف مجموعوں سے انواع مختلفہ کا حادث ہونا زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ البتہ۔ اگر اجزاء لا تیجزّیٰ کے آثار یکساں ہوتے اور اُنمیں مختلف قوتیں موجود نہ فرض کیجاتیں تو ممکن تھا کہ اُن کے اجتماع سے ایک ہی نوع حاصل ہو۔ لیکن اُس صورت میں یہ اشکال ضرور پیش آتا کہ پھر عالم میں ایک نوع کے سوا کوئی دوسری نوع موجود نہ ہوسکتی اس لئے کہ مختلف انواع کے لئے مختلف قوتوں کے اکھٹا ہونیکی ضرورت ہوتی اور یکساں قوتوں سے مختلف انواع کے حادث ہونیکا خیال بداہتہً باطل نظر آتا ہے پس اہلِ سائنس کا محض ڈاکٹر دن یا اُنکے ہمخیال حضرات کے قول کی بنا پر مسئلہ ارتقاء کا اعتقاد کرنا محض تقلید قرار پاتی ہے جس سے یہ حضرات کوسوں دور رہنے کے مدعی ہیں

مسئلہ ارتقاء پر دوسرے پہلو سے نظر

اب ہم اس مسئلہ پر دوسرے پہلو سے نظر ڈالنا چاہتی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر موجودہ انواع کی کیمسٹری کے ذریعہ سے تحلیل کیجائے تو اُن سب انواع کی انتہا بالکل کی طرف ہوگی جو اُن کے نزدیک اجزاء لا تیجزّیٰ سے مرکب فرض کئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں سوال یہ قایم ہوتا ہے کہ آیا ان کل اجزاء لا تیجزّیٰ سے جو مختلف انواع کے تحلیل کے بعد پیدا ہوئے ہیں ایک ہی نوع حاصل ہوگی یا مختلف نوعیں حاصل ہوسکینگی پہلی صورت کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے اس لئے کہ وہ سب اجزاء مختلف نوعوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ پھر اُنسے ایک نوع کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مسئلہ ارتقاء کا باطل ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ اس مسئلہ کی بناء پر مختلف نوعوں کا ابتداءً حاصل ہونا صحیح نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ اگر جملہ انواع کا مسئلہ ارتقاء کی بناء پر نشو ونما کرنا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ ہر ایک اگلی نوع میں پچھلی نوع کی مکمل آثار و خواص موجود ہوں۔ اور اُن کے علاوہ اُسمیں بعض آثار ایسے بھی موجود ہوں جو پچھلی نوع میں موجود نہ تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی نوع میں پچھلی نوع کے آثار بالکل

ناقص اور غیر مکمل ہوتے ہیں ۔ مثلاً جمادات میں صلابت ۔ استحکام اور مضبوطی کے جو آثار موجود ہوتے ہیں وہ نباتات میں بالکل ناقص رہجاتے ہیں اِسی طرح نباتات میں نشو و نما کے جو مکمل آثار موجود ہوتے ہیں وہ حیوان میں موجود نہیں ہوتے اسیطرح حیوانات میں جو حس و حرکت کے کامل آثار موجود ہوتے ہیں وہ انسان میں کہیں ناقص ہوتے ہیں پس اگر عالم کے موجودہ انواع میں مسئلہ ارتقاء کے بنا پر تدریجی ترقی ہو تو ہر ایک پچھلی نوع کے آثار کا ہر ایک اگلی نوع میں پورے طور سے محفوظ رہنا ضروری قرار پاسکے ۔ حالانکہ در اصل ایسا نہیں ہے علاوہ بریں جب مسئلہ ارتقا ایک مکمل اور غیر متغیر قانون کا نتیجہ ہے جسمیں ربانی مداخلت کو دخل نہیں ہے تو ہر ایک پچھلی نوع کا اگلی نوع کے پیدائش کے وقت فنا ہو جانا ضروری ہے ۔ حالانکہ جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات اور انسان سب کی سب انواع ایک ہی وقت میں موجود ہیں ۔

ممکن ہے کہ اسکے جواب میں یہ کہا جائے کہ جس نوع کے بعض افراد میں ترقی کرنے اور کمال کے بہم پہونچانے کی شرطیں مفقود ہوگئیں وہ تنزل کی حالت پر باقی رہ گئیں ۔ اور جن افراد میں ترقی کرنے کی شرطیں موجود ہوگئیں اُنہوں نے آگے قدم بڑھایا جس طرح کہ نوع انسان کے بعض افراد تنزل کی حالت میں رہجاتے ہیں اور بعض افراد ترقی کے اعلیٰ زینہ پر چڑھ جاتے ہیں ۔ اور بعض افراد کے لئے ترقی کے شرائط کا بہم پہونچ جانا اور بعض افراد کے لئے بہم نہ پہونچنا بھی فطری قانون کا نتیجہ ہے ۔ جس میں ہر ایک مسبب اپنے سبب کا تابع ہوتا ہے اور اُسمیں تغیر یا تبدیلی نہیں ہوسکتی ۔ لیکن یہ جواب ایسا ضعیف ہے کہ سلیم عقلوں اور صحیح فکروں کے سامنے دو قدم بھی نہیں چل سکتا اس لئے کہ آپ کے نزدیک ہر ایک نوع فقط اجزاء لایتجزے کی ذاتی قوت و حرکت اور اُن کے باہم مجتمع ہونیکا نتیجہ ہے ۔ لہذا بعض انواع میں اُنکی قوت کو کس نے ضعیف کر دیا ۔ اور اُنکی حرکت کس نے دھیمی کر دی اور اُنکے اجتماعی آثار کو کس نے برہم کر دیا ۔

جو ترقی کی راہ بند ہوگئی اور وہ اپنی تنزل ہی کے گڑھے میں گر کر رہ گئے اور ترقی کے میدان میں انکا قدم آگے نہ بڑھا پس اُنکے ذاتی آثار کا بعض افراد میں مسلوب ہو جانا کیونکر صحیح ہو گیا اور وہ اپنی ترقی کرنے سے کیوں باز رہے اور انسے ایسے غفلت کیونکر صادر ہوئی کہ بعض انواع کے بعض افراد بالکل بے ڈھنگے ہو کر رہ گئے۔ یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ترقی کے بعض شرائط بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے ناقص رہ گئے لیکن کلام اسیمیں ہی کہ آخر وہ بعض شرائط کیوں نہ بہم پہونچے جبکہ اجزاء لا یتجزی موجود اور اُنکے ذاتی آثار بھی موجود تو اُن کے لئے منزل مقصود تک پہونچنے میں کیوں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور اُنکی راہ میں کیا چیز سدّ راہ ہوئی جس نے اُنکو کامیابی سے باز رکھا۔

اگر کہا جائے کہ ذرّوں کی قوت اور حرکت اور اجتماع وغیرہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو عالم کے تمام موانع پر غالب آجائیں بلکہ وہ (قوت وغیرہ) اُن موانع خارجیہ سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ اور نوع کی ترقی میں جو ذرّوں کی غایت سعی ہی بہت کچھ رکاوٹیں پیدا کر دیتی ہیں تو ہم کہ سکتے ہیں کہ جب عالم کے خارجی موانع اُنکے مزاحمت کر سکتے اور اُنکی غرض کے حاصل ہونے میں رکاوٹیں پیدا کر سکتے ہیں تو پھر ہمکو کسی نوع کی ترقی کرنی اور دوسری نوع کی طرف مستحیل ہونے پر کیونکر وثوق ہو سکتا ہے۔ اِس لئے کہ اس قسم کے خارجی موانع

---

۱۵ ہمارے نزدیک عالم کے موجودات میں کوئی چیز بے ڈھنگی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک مصنوع میں ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کی حکمتیں موجود ہیں جنکا ادراک کرنا عقل بشری کے ادراک سے باہر ہے۔

ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی (سورہ طٰہٰ پ۱۶) (ہمارا پروردگار ہے جس نے ہر ایک شی کو اُسکے مناسب خلقت عطا فرمائی۔ پھر ہدایت کی۔)

لیکن یہ تعبیر اہل سائنس کے مذاق کی حکایت ہے اس لئے کہ اُنکے نزدیک تمام عالم کا خالق فقط

کا احتمال تو ضرور ہے ایسی صورت میں مسئلہ ارتقاء پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے بلکہ امور مذکورہ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد وہ محض قیاسی اور تخمینی امر رہجاتا ہے پس جس مسئلہ کی اصل ایسی تخمین اور قیاس پر مبنی ہو اُسکو باین طمطراق وارد کرنا اور اُسکے مقابلہ میں اخلت بانی بلکہ اُسکی احتمال پر قہقہہ لگانا اور مضحکہ اوڑانا جیسا کہ آجکل کے بعض روشن خیال اور عالی دماغ حضرات کا شعار ہے محض نادانی کا فعل ہوگا۔ پہلے اُنکو اپنی من گڑہت مسئلہ کی چولوں کا درست کرنا لازم ہے اُسکے بعد اُنکو اختیار ہوگا۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ حیوان کے بعض گذشتہ انواع اور انسان کے بعض گذشتہ افراد کا اِس زمانہ کے موجودہ انواع وافراد سے کامل تر ہونا کسی طرح قابل انکار نہیں ہے جیسر تاریخ عالم کے ورق گردانی کے بعد پوری اطلاع ہوسکتی ہے بلکہ اس مطلب کا ضروریات وبدیہیات میں داخل ہونا اُسکی صداقت میں کافی ہے۔

پس اگر جنس کی ہر ایک نوع یا نوع کی ہر ایک فرد میں بعنوان ارتقاء تدریجی ترقی ہوتی تو پچھلی انواع یا افراد کا اگلی انواع یا افراد کی نسبت مکمل ہونا محض بے معنی ہوتا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ بعض محقق ڈاکٹروں سے[1] ایسے متعدد وقایع منقول ہوئے ہیں جنکی تصدیق کی بعد مسئلہ ارتقاء کی جڑ کھوکلی اور اُسکی چولیں بالکل ڈھیلی ہوجاتی ہیں ہم اس مقام پر اُنمیں سے بعض وقایع کو بطور خلاصہ درج ذیل کرتے ہیں۔ اور وہ کئی ہیں

پہلا واقعہ۔ ادنیٰ درجہ کے بہت سے دریائی حیوانات آجتک اُسی طرح باقی ہیں جسطرح کہ وہ ابتداء عالم میں موجود تھے **پس** اگر مذہب ارتقاء صحیح ہوتا تو اُنکا اِس طولانی مدّت تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا درست نہ ہوتا۔

---

[1] ان وقایع کو ڈاکٹر موہر نے اپنی کتاب تاریخ الارض میں وارد کیا ہے جیسا کہ فلسفہ نشو وارتقاء میں مذکور ہے ۱۲

دوسرا واقعہ۔ زمین کے تحتانی طبقوں میں نباتات۔ ادنیٰ درجہ کے حیوانات اور اعلیٰ درجہ کے حیوانات ایک ساتھ ایک وقت میں موجود رہتے ہیں پس اگر مذہب ارتقاء درست ہوتا تو لازم تھا کہ ادنیٰ اور اعلیٰ کا ایک مقام پر ایک ہی وقت میں موجود ہونا صحیح نہ ہوتا بلکہ اعلیٰ کا ادنےٰ کے بعد ہونا ضروری ہوتا۔

تیسرا واقعہ۔ زمین کے جدید طبقات میں ایسے اجناس یا انواع موجود ہیں جو گذشتہ زمانہ کے اجناس یا انواع کی بہ نسبت نہایت ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ادنیٰ درجہ کے بعض حیوانات کا زمین کے اعلیٰ طبقات میں اور اعلیٰ درجہ کے بعض حیوانات کا زمین کے ادنیٰ طبقات میں موجود ہونا بھی ثابت ہے۔ پس اگر مسئلہ ارتقاء صحیح ہوتا تو یہ واقعہ صحیح نہ ہوتا

چوتھا واقعہ۔ بعض حیوانات کا نشو و نما پہلے زمانہ میں اس زمانہ کی نسبت کہیں زائد اور مکمل تھا۔ پس اگر ہر زمانہ میں ارتقاء کا عنوان فرض کیا جاتا تو لازم تھا کہ حیوانات مذکورہ کا نشو و نما اس زمانہ میں گذشتہ زمانہ کی بہ نسبت کہیں زائد اور مکمل ہوتا۔

بہرحال مذکورۂ بالا وقائع کا مسئلہ ارتقاء پر منطبق کرنا نہایت مشکل ہے۔

اس تقریر کے جواب میں بعض فلاسفروں نے صرف اسی قدر بیان کیا ہے کہ جن[1] حیوانات کو ہم ادنےٰ درجہ میں پاتے ہیں وہ دراصل نباتات سے تدریجی ترقی کرکے حیوانیت کے مرتبہ پر فائز ہوے ہیں۔ اور جن حیوانات کو ہم اعلیٰ درجہ میں پاتے ہیں وہ دراصل حیوانیت کے ادنےٰ درجہ سے ترقی کرکے اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اور مسئلہ ارتقاء کی بنا پر یہ لازم نہیں آتا کہ ایک صنف کا دوسری صنف کے ساتھ مجتمع ہونا ممتنع ہو۔ اس لئے کہ ہر ایک صنف کا ارتقاء جداگانہ ہے جو اپنے ماتحت سے ترقی کرتے کرتے اس صنف کی موجودہ درجہ پر پہونچا ہے۔ البتہ اگر ہر ایک ادنیٰ صنف سے اعلیٰ صنف کا حاصل ہونا فرض کیا جاتا تو اُن دونوں کا ایک ہی وقت میں مجتمع ہونا صحیح نہ ہوتا۔

[1] اس مضمون کو فلسفۂ نشو و ارتقاء میں ڈاکٹر بختری کی شرح سے نقل کیا ہے جو انھوں نے ڈاکٹر ڈارون کے رسالہ پر لکھی ہے ۱۲

لکن ہر ایک عاقل ادنے غور کے بعد اس بیان کے اضمحلال اور اس تقریر کی ضعف و ہزال کا بدیہی طور سے ادراک کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس بیان میں ارتقاء کے عنوان پر نباتات وحیوانات کے نشو و نما کرنیکا صرف احتمال ہی احتمال مذکور ہے جسکو واقعہ کی تحقیق اور واقعی جانچ سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں ہے۔ حالانکہ مدعیان ارتقاء کے لئے اپنے اس عجیب و غریب دعوے پر کسی قوی استدلال کرنیکی ضرورت ہے۔ اور محض احتمال سے کوئی دعوےٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ وہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ فرض کیا جائے۔ حالانکہ خود انہیں حضرات کا یہ بھی مقولہ ہے کہ ہم اُسوقت تک کوئی بات نہیں مانتے جب تک کہ اُسپر کوئی قطعی دلیل قائم نہو یا تجربہ اور مشاہدہ اُسکی تائید نہ کرتا ہو۔ پھر نہ معلوم کہ اس کلیہ کو مسئلہ ارتقاء میں بھولکر کیوں بالائے طاق رکھدیا۔

ایک مقام پر ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر مسئلہ ارتقاء پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"انعدامِ[سلہ] نوع کی کوئی تاریخی مثال دیتے ہوے ہم بھی کچھ زیادہ وثوق ظاہر نہیں کرتے لکن ان قرون وادوار میں جنھیں حقائق طبقات ارض سے تعلق ہے صدہا ہزار کون و فساد اور ارتقاء و انعدام پیش آچکے ہیں۔"

پھر کچھ فاصلہ کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"ہر نوع کا ایک سابق کی نوع سے تبدیلی اعضاء کے بعد ترقی پاکر درجۂ کمال پر فائز ہونا اسکے مقابلہ میں زیادہ قرین دانش ہے کہ وہ نوع یک بیک عدم سے وجود میں آجائے۔"

ڈاکٹر ڈریپر صاحب کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اُنکے پاس انعدام نوع کی کوئی تاریخی مثال موجود نہیں ہے بلکہ وہ محض قیاس سے اس امر کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ ہر ایک نوع سابق سے بہ تبدیل اعضاء ترقی پاکر درجۂ کمال پر فائز ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب

[سلہ] یہ عبارتیں معرکۂ مذہب و سائنس کے صفحہ ۱۶۶ سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

موصوف نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اگر ہم اُن کی اس ترجیح کو تسلیم کرلیں تب بھی
ہر ایک نوع کا خواہی نخواہی فنا ہونا اور اُس سے دوسری نوع کا پیدا ہونا لازم نہیں آتا
بلکہ اُن کی اِس ترجیح سے محض اسی قدر ثابت ہوگا کہ موجودہ انواع کا کسی ایک ہی نوع
کے بگڑنے کے بعد حاصل ہونا بہ نسبت اِس کے زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ سب کے سب
ایک ہی دفعہ پیدا ہوں مگر کیا کوئی عاقل اُن کی اس ترجیح کو علمی دلیل کہہ سکتا ہے کہ جس سے
وہ اپنے مخالف خیال کے لوگوں پر ڈگری حاصل کرسکیں۔ ہرگز نہیں۔

انواع کے وجود میں آنے کی صورت

ہمارے نزدیک انواع عالم کے وجود میں آنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مبدء فیاض نے مادہ سے ایک ہی دفعہ بہت سے انواع کو پیدا کیا ہو اور تنازع بقاء کے بعد باقی ماندہ انواع محفوظ رہے ہوں۔ اور صرف اُن کے افراد میں تغیّر ہوتا رہا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ابتداء میں مادّہ سے بعض انواع پیدا ہوئے ہوں اور تنازع بقاء کے بعد باقی ماندہ انواع سے بہ تدریج ترقی کرکے دوسری نوعیں پیدا ہوتی رہی ہوں۔ اور ہر ایک نوع کے افراد میں تغیّر ہوا ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ابتداء میں مادہ سے صرف ایک ہی نوع پیدا ہوئی ہو۔ اور اُسی ایک نوع سے عالم کے جملہ انواع بہ تدریج ترقی کرکے موجود ہوئے ہوں۔ اور اُن کے افراد میں بھی تغیّر ہوتا رہا ہو۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ممکن ہونے میں یہ تینوں صورتیں برابر ہیں اور اُن میں سے کسی خاص صورت کا فرض کرنا بھی محال نہیں ہے لیکن ازبسکہ بعض انواع کا ابتداء میں پیدا ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہوچکا ہے۔ اس لئے ہم اسی صورت کو ترجیح دینے پر مجبور ہیں۔ لیکن چونکہ ہم اس

زیادہ تر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں ایک ہی نوع پیدا ہوئی ہو اس لئے کہ ایک ایسے بسیط مادّہ سے جو شکل و اعضاء اور دیگر جسمانی چیزوں سے عاری ہو مختلف نوعوں کا پیدا ہونا آثار قدرت کی حد سے زیادہ نمودار شکل معلوم ہوتی ہے بخلاف اِس کے کہ ہر ایک نوع کو ایسی نوع سے بنتا ہوا فرض کریں جسمیں اعضاء و جوارح وغیرہ موجود ہوں کیونکہ اِس صورت میں قدرت کی زیادہ صناعی باقی نہیں رہتی اِس تقدیر پر پہلی صورت کو دوسری صورت پر اور دوسری صورت کو تیسری صورت پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ پس ڈاکٹر ڈریپر صاحب کا تیسری صورت کو باقی دونوں صورتوں پر ترجیح دینا بظاہر بے وجہ معلوم ہوتا ہے۔ اور جبکہ متعدد انواع سے دوسری انواع کا قدرت کے ایک ہی غیر متغیر قانون کی موافق بتدریج ترقی کرنا فرض کیا جائیگا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی تلوّن[1] آمیز جبروت کی شان پیدا نہ ہوگی

---

[1] بعض حضرات نے ڈاکٹر ڈریپر کی تائید میں لکھا ہے کہ خدا کی صنعت و حکمت کا جو ثبوت اس ضابطۂ غیر ممکن التغیر میں ملتا ہے۔ وہ کسی ایسے فعل سے ہرگز نہیں بہم پہونچ سکتا۔ جس میں تلون آمیز جبروت کی شان پائی جاتی ہو۔

دنیا کے ترقی یافتہ مسلک یعنی اسلام نے اسی خیال کو بار بار ان الفاظ میں ظاہر کرکے حقیقت قدرت ازلی کے چہرہ سے پردہ اُٹھایا ہے۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ - لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا موصوف سے اِس مقام پر جو لغزش ہوئی ہے اُس کے زیادہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اُن کا یہ بیان صحیح ہو تو علاوہ اُس اشکال کے جو کتاب میں مذکور ہوا یہ اشکال بھی پیش آئیگا کہ ایسی صورت میں خود صانع حکیم کو بھی اپنے مقرر کردہ قانون میں تغیر دینے کا اختیار نہ رہے اور اثبات موت کا راستہ سرے سے بند ہو جائے ۱۲

اور آیہ شریفہ لا تبدیل لخلق اللہ (خدا کی مخلوق میں تبدیلی نہیں ہوتی)
اور آیہ مبارکہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً (تم خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہ پاؤگے)
وغیرہ کا اُس پر انطباق بھی واضح طور سے ممکن ہوگا - اس لئے کہ اگر خلقت کے متبدل نہ ہونے سے
یہ مراد لیجائے کہ پہلی اور پچھلی نوعوں میں کسی قسم کا تغیر نہو تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا
ایجاد غیر معقول ہے بلکہ اس صورت میں ایک نوع سے متعدد نوعوں کے حدوث کا
قائل ہونا ہی محال ہوجائیگا کیونکہ تعدد کو فی الجملہ تبدیلی ضرور لازم ہے پس خلقت میں
تبدیل کے واقع نہ ہونے سے یہ مراد ہوگی کہ خدا کے مقرر کردہ قانون میں تبدل اور تغیر
نہیں ہوتا - پس حدوث تغیر کی جو صورت ابتدا ہی میں مقرر کردی ہے وہی بقاء عالم تک
باقی رہیگی اور خود اسکے علاوہ کسی چیز کو اُسکے متغیر کرنے کی قدرت نہ ہوگی - اور خدا کی
یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی کہ اپنے مقرر کردہ قانون میں وہ کسی وقت بھی تبدیلی پیدا
نہیں کرسکتا - البتہ بدون مصلحت وہ اپنے قانون کو بلا تبدیلی باقی رکھتا ہے جو حکمت کی شان ہے -

ڈارون کی تقریر سے مسئلہ خلق کی تائید اور مسئلہ ارتقا کی رد

اور اگر مذکورۂ بالا سب تقریریں ہی قطع کیجائیں تو خود ڈاکٹر ڈارون کی تقریر سے بھی ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے خود موصوف نے بھی اصل مخلوقات میں زندہ جسموں کا ایک ہی اصل میں حصر نہیں کیا بلکہ وہ بھی حیوان کی موجودہ انواع کی اصل چار پانچ نوعیں قرار دیتے ہیں جو اُن کے نزدیک دور دراز زمانہ سے مخلوق ہوتی ہیں -

---

ف شبلی شمیل نے ڈاکٹر ڈارون کی اس تقریر کو شرح بخنر سے فلسفہ نشو و ارتقا میں باین الفاظ نقل کیا ہے -

علی ان دارون لم یحصر الاحیاء فی اصل واحد — ڈارون نے زندہ جسموں کا ایک اصل میں حصر نہیں کیا
وربما کان ذلک لعدم جسارتہ — اور شاید اسکا سبب ہو کہ انہوں نے (اہل مذہب کے خوف سے) جسارت نہیں کی

ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:-

"اُن انواع اصلیہ میں ہر ایک نوع کا ایک جوڑہ تھا"

اور اُسی حکم کو اُنھوں نے نباتات میں بھی جاری کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ:-

"میری رائے میں اس زمین کے سب جاندار حیوان ایک ہی صورت سے مخلوق ہوئے ہیں جسمیں خالق عالم نے زندگی کی رُوح کو پھونک دیا ہے۔"

ڈاکٹر ڈاروِن کی اس تقریر کو ڈاکٹر بخنر نے مذہب ڈاروِن کی شرح میں وارد کیا ہے۔ اور شبلی شمیل نے فلسفہ نشو و ارتقاء میں اُسکا ترجمہ کیا ہے۔ اِس صورت میں ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر کا اس مطلب پر بار بار اصرار کرنا کہ زندہ جسموں کی تمام نوعیں ایک ہی اصل سے تدریجی ترقی پاکر حاصل ہوئی ہیں۔ محض ہٹ دھرمی میں داخل ہوگا۔ جبکہ اصل مسئلہ ارتقاء کو اس شرح وبسط کے ساتھ ڈاکٹر ڈاروِن ہی نے ایجاد کیا ہے۔ اور اُسکی تفصیل میں وہ خود اُصول اولیہ کو چار پانچ اصلوں میں منحصر کرتے ہیں تو ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر وغیرہ حضرات کو کوئی حق نہیں ہے

(بقیہ صفحہ ۱۲۴) فجعل الحیوان اربعۃ او خمسۃ اصول اولی مخلوقۃ منذ زمان طویل کل اصل زوج

پس اُنھوں نے حیوان کے لئے چار یا پانچ اصلیں ایسی قرار دی ہیں جو زمانہ دراز سے پیدا ہو چکی ہیں اور اُنمیں سے ہر ایک اصل کو ایک جوڑا قرار دیا ہے۔

اور کچھ فاصلہ کے بعد اُس سے نقل کرتے ہیں۔

انی اریٰ فیما یظھر لی ان الاحیاء التی ماشت علی ھذہ الارض جمیعھا من صورۃ واحدۃ اولیۃ نفخ الخالق فیھا نسمۃ الحیوۃ

میری رائے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام زندہ جسم جو زمین پر چلتے ہیں سب کے سب ایک ہی صورت سے پیدا ہوئے ہیں جنمیں خالق (خدا) نے زندگی کی رُوح کو پھونک دیا ہے ۱۲

کہ وہ خود ڈاکٹر ڈارون کے خلاف پر اصرار کریں۔ اس مقام پر فارسی کی مشہور مثل "پیران نمی پرند مریداں مے پرانند" کیسی صادق آتی ہے۔

ڈاکٹر بختر نے ڈاکٹر ڈارون کی اس رائے کو نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ:-

"یہ قول غیر قیاسی ہے اور مذہب ارتقار کو ناقص بلکہ باطل کرتا ہے۔

اسکے بعد ڈاکٹر بختر نے ڈاکٹر برن کی تقریر کو جو ڈاکٹر ڈارون کی مترجم ہیں اسطرح نقل کیا ہے کہ جب ہم نے آٹھ دس جوڑوں کی اصلی اور مخلوق ہونیکو تسلیم کرلیا تو اس امر کی تسلیم کر لینے سے کون چیز مانع ہو سکتی ہے کہ عالم کے تمام زندہ اجسام بھی اسیطرح مخلوق ہوئے ہوں۔ اور کیا وجہ ہے کہ اس امر کی تسلیم کر لینے کے بعد بھی ہم اسی کے قائل رہیں کہ اُن سبھوں نے ارتقاء طبعی کی بنا پر ظہور کیا ہے اس لئے کہ فیلسوف کے نزدیک زندہ جسموں کا ایک یا کئی مرتبہ مخلوق ہونا یکساں ہے پس کسی نوع کے مخلوق ہونیکو اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہو تسلیم کرلینا ناموس طبعی کے مقام پر معجزہ کو قائم کر دینے کا حکم رکھتا ہے۔

ڈاکٹر برن کی تقریر سے بحث

اگر ڈاکٹر برن اپنی اس تقریر کو خود ڈاکٹر ڈارون پر وارد کرتے تو شاید وہ بھی ان کے ہم آواز ہو سکتے۔ لیکن اتفاق سے جو کلمۂ حق تھا وہ اُنکی زبان پر جاری ہو گیا۔ اِن کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیلسوف کو اندھا دھند کسی ایک طریقہ کا بے سوچے سمجھے اختیار کر لینا لازم ہے اور یہ کہ واقعیت پر نظر کرنا فیلسوف کے لئے لازم نہیں ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہمارے نزدیک کسی فیلسوف کی رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ ارتقاء میں ڈاکٹر برن کی ذاتی رائے

اِس تقریر کے بعد ڈاکٹر برن لکھتے ہیں کہ:- ہمارے نزدیک آخر سلسلہ تک مذہب ارتقاء ہی کو وسعت دینا لازم ہے جس کو ڈاکٹر ڈارون نے وضع کیا ہے اور یہ کہ تمام عالم عضوی ایک ہی اصلی اور بسیط صورت سے مشتق ہوا ہے خواہ

اُس (اصلی صورت) کو کروی قرار دیں یا بیضاوی۔

ڈاکٹر برن کی اِس رائے سے ہم بھی ضرور اتفاق کرتے۔ اگر وہ محض قیاسی نہ ہوتی۔ بلکہ اُس پر کوئی برہانی استدلال بھی قائم ہوتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم کو اُن کی اِس رائے کے لئے تخمین اور خیال بندی کے سوا کسی قسم کی تائید دستیاب نہیں ہو سکتی۔

نتیجہ کلام بہرحال مذکورۂ بالا بیانات سے یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ ڈاکٹر ڈارون کی نزدیک بھی ایک بسیط مادّہ سے انواع موجودہ کی چند اصلوں کا ایک ہی دفعہ مخلوق ہونا۔ اور اُن کا قانون فطرت کے خلاف بطور معجزہ و خرق عادت پیدا ہونا مسلّم ہے۔ اِس صورت میں کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ خدا کو انواع موجودہ کی حادث ہونیکے بعد اُن میں تصرف کرنے اور حسب مصلحت تبدیلی کر دینے کا اختیار نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ معجزہ اور خرق عادت سے قانون ارتقاء یا قانون فطرت ہرگز مانع نہیں ہوسکتی۔

خلق انواع پر شبہات اور اُن کا جواب

اگرچہ ہمارے بیان سے مسئلہ ارتقاء کا شافی جواب ہو چکا ہے جس کے بعد ہم کو دوراز کار شبہات کے وارد کرنے اور اُنسے تعرض کرنیکی ضرورت نہیں ہے لیکن توضیح مطلب کے لئے بعض اُن قوی اور پُر زور شبہات کا جو مسئلہ ارتقاء کے دلدادہ گروہ کی طرف سے مسئلہ خلق پر وارد کئے گئے ہیں وارد کرنا اور اُنکا برطرف کرنا مناسب ہے۔ اور وہ دو[2] شبہے ہیں۔

پہلا شبہہ - اگر موجودہ انواع کا مسئلۂ خلق کی بنا پر حادث ہونا۔ اور اُنکا کسی اعلیٰ اور زبردست قوت کے قصد و ارادہ سے مخلوق ہونا فرض کیا جائے تو اُن میں قصد و ارادہ کے آثار کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ حالانکہ اُن میں ایسے آثار بکثرت پائے جاتے ہیں جو قصد و ارادہ پر منطبق نہیں ہوتے مثلاً بعض حیوانات میں اعضاء اثریہ پائے جاتی ہیں

جن میں اُن حیوانات) کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پس اگر انواع کو کسی اعلیٰ قوت نے اپنے ارادہ سے خلق کیا ہوتا تو مذکورۂ بالا حیوانات میں ایسے غیر مفید اعضاء کا موجود ہونا معقول نہ ہوتا۔ بہرحال اعضاء اثیریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی انواع موجودہ کا ارتقاء مادّی کی بنا پر نشو و نما ہوا ہے۔ اور یہ کہ وہ محض نوامیس مادّہ کی بنا پر حادث ہوئے ہیں۔ اور اُنکے حادث ہونے میں کسی اعلیٰ قوت کے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اعضاء اثیریہ اُن انواع کی اصل کے آثار ہیں جو اُس میں مکمل اور فائدہ مند تھے۔ اور محض ضرورت مادّہ کی وجہ سے ناقص ہو کر منتقل ہو گئے ہیں یا یہ کہ وہ اعضاء مذکورہ اُن کی اصل میں موجود نہ تھے۔ اور فقط اِنہیں میں حادث ہوئے ہیں تاکہ آیندہ کی انواع میں جاکر مکمّل ہو جائیں جنکو اُنکی حاجت ہوگی۔

جواب۔ انسانی عقل کے ادراکات نہایت محدود اور اُس کے معلومات حد درجہ کے ناقص ہیں۔ پس اگر ہمکو کسی چیز کا فائدہ معلوم نہو تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُسمیں دراصل بھی کوئی فائدہ نہو۔ پس ممکن ہے کہ اعضاء اثیریہ میں ایسے فوائد موجود ہوں جنپر ہماری ناقص عقلوں کو اطلاع نہ ہوئی ہو چنانچہ سابق اور حال کے اکثر محقق فلاسفروں اور فاضل ڈاکٹروں نے اکثر اشیاء کے ادراک کرنے سے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا ہے اسکے علاوہ یہ ہے کہ اعضاء اثیریہ فقط بعض انواع میں موجود ہیں۔ اور عالم کے اکثر انواع اُنسے خالی ہیں پس اُن اعضاء کی بنا پر ہر ایک نوع میں مسئلہ ارتقاء کا جاری کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ اور اس امر کو ہم خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ بعض انواع[۱] کا بطور خلق حادث ہونا بعد ازاں مسئلہ ارتقاء کی بنا پر

---

[۱] مثلاً سانپ میں اعضاء اثیریہ پائے جاتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ اس نوع نے مسئلہ ارتقاء کی بنا پر تدریجی ترقی کر کے حالت موجودہ کو بہم پہونچایا ہو اور یہ کہ اُسکے اصل میں پاؤں موجود ہوں۔ اور انسان کے خوف سے اُسنے جلد بھاگ جانے کے لئے زمین پر رینگنے کو اختیار کیا ہو۔ اور پاؤں کے استعمال کرنے کو ترک کر دیا ہو

انکا تدریجی ترقی کرنا ممکن ہے - اِس تقدیر پر یہ کلام اُسوقت تک ناتمام رہے گا جبتک کہ بعض انواع کے مخلوق ہونے کا احتمال کسی قوی برہان سے باطل نہ کر دیا جائے جو امکان سے باہر ہے - اِسکے علاوہ یہ ہے کہ شبہۂ مذکورہ کی استقراء ناقص پر بنا قائم کیگئی ہے جو کسیطرح مفید یقین نہیں ہو سکتا - مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ بعض لوگ کسی جنگل میں بسر کرتے ہوں - اور اُنہوں نے اپنی عمر بھر ایسے ہی جانوروں کو دیکھا ہو جو فقط خشکی میں زندہ رہ سکتے اور پانی میں زندہ نہ رہ سکتے ہوں - اور اُنہوں نے کسی دریائی جانور کو نہ دیکھا ہو اور وہ اپنے استقراء اور تجربہ کی بنا پر یہ کلیّہ قائم کریں کہ کوئی حیوان پانی میں زندہ نہیں رہ سکتا تو ظاہر ہے کہ اُنکا یہ استقراء ناقص اور اُنکا ضابطہ مذکورہ غلط ہوگا -

دوسرا شبہہ - طبقات ارض کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں ابتداءً ادنیٰ درجہ کے حیوان اور نبات کا تکوّن ہوا تھا - اُسکے بعد اعلیٰ درجہ کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہے ہیں - اور فوقانی طبقہ میں انسان کا تکوّن ہوا ہے جو باقی سب حیوانوں میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے - اِس ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے نباتات اور حیوانات معدوم ہوتے اور اعلیٰ درجہ کے حادث ہوتے گئے ہیں - پس اگر انواع کا بطور خلق تکوّن ہوا ہوتا تو ایک ہی طبقہ اور ایک ہی وقت میں ادنے اور اعلیٰ دونوں قسم کی انواع موجود ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے - پس ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ کی اصل ادنے ہے -

---

(بقیہ صفحہ ۱۲۸) اور حق تعالیٰ نے طوفانِ مار کے بعد اُسکی خلقت میں تغیر دیدیا ہو اور یہی تغیر اُسکی نسل میں بھی منتقل ہو گیا ہو یہانتک کہ اب تک جو موجود ہیں پاؤں کے محض آثار باقی رہگئے ہوں اسلئے کہ اُسکا پاؤں سے مستغنی ہونا مفروض ہے - بلکہ اس مطلب کی بعض روایات سے بھی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابن عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ :-

"سانپ دراصل نہایت خوبصورت چوپایہ تھا لیکن جب سے کہ اُسنے شیطان کو بہشت میں داخل کیا تاکہ وہ حضرت آدم کو بہکائے اُسوقت سے اُسکی صورت مسخ کر دی گئی" ۱۲

اور اُس سے تدریجی ترقی کرکے وہ حاصل ہوتے گئے ہیں اور اُن کے حدوث وتکون میں
نوامیس مادہ اور انتخاب طبعی کو دخل رہا ہے۔ اور از بسکہ بندر اور انسان میں صورت اور اعمال
کے اعتبار سے بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے اِس لئے ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک ہی
اصل سے حادث ہوے ہوں اور انسان نے نوامیس مادّہ کی وجہ سے ترقی حاصل کر
حالت موجودہ کو بہم پہونچایا ہو۔

جواب۔ طبقات ارض کے معائنہ سے مسئلہ ارتقار پر استدلال کرنا اُسوقت تک
صحیح نہیں ہے جبتک کہ ادنیٰ کے فنا ہوجانے اور اعلیٰ کے از سرِ نو پیدا ہونے کا احتمال رفع
نہ کردیا جائے پس ممکن ہے کہ حیوان اور نبات کی ادنیٰ نوع موجود رہی ہو۔ اور چونکہ آیندہ
زمانہ میں اُسکا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو اس لئے حق تعالیٰ نے اُس (ادنیٰ) کو معدوم کر
اور دوسری نوع کو جو اُس سے اعلیٰ ہو مستقلاً پیدا کیا ہو۔ اور کسی ادنےٰ سے اُس (اعلیٰ
تدریجی ترقی نہ کی ہو۔ اور اسیطرح کچھ عرصہ کے بعد اُسکو بھی فنا کردیا ہو۔ اور اُس سے بھی اعلیٰ
نوع کو مستقلاً پیدا کیا ہو اور اسی طریقہ پر ایک نوع کے معدوم ہونے پر دوسری نوع
پیدا ہوتی رہی ہو۔ یہانتک کہ اسکا سلسلہ نباتات و حیوانات کی موجودہ انواع
منتہی ہوا ہو۔ پس جبتک کہ یہ احتمال قائم ہے تو اسکا یقین کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہر ایک اعلیٰ
نوع نے ادنیٰ سے تدریجی ترقی حاصل کی ہو۔

اور انسان و بندر کے متحد ہونیکا خیال بالکل بے سروپا ہے اس لئے کہ محض صورت
شکل یا بعض افعال میں مشابہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن دونوں کی اصل ایک ہو
علی الخصوص جبکہ اُن دونوں میں اسقدر فرق بیّن موجود ہے جسکے بعد یہ خیال ایک
محال کی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ کیا یہ امر بدیہی نہیں ہے کہ انسان ابتدا
پیدائش کے وقت ایسا ضعیف و ناتواں اور بے سکت ہوتا ہے کہ اُسکو چلنے پھرنے
اور بیٹھنے پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ وہ حد درجہ کا انجان اور ناواقف پیدا ہوتا

اسکو اپنے گرد و پیش کی بھی خبر نہیں ہوتی - اور وہ زمین کو آسمان سے اور آگ کو پانی سے تمیز نہیں کر سکتا - اور اُسکو اپنے نفع و ضرر کی چیزوں پر بھی بالکل وقوف نہیں ہوتا باوجود اس کے رفتہ رفتہ اُس کے ادراک اور قوت میں ترقی شروع ہوتی ہے - اور آخر کار ایسے فضائل اور کمالات پر فائز ہو جاتا ہے جنپر کوئی دوسرا حیوان نہیں پہونچ سکتا - وہی انسان جو اپنی پیدائش کے وقت حد درجہ کا ضعیف و ناتوان اور انتہا مرتبہ کا بے شعور ہوتا ہے وہی آخر میں آسمان اور زمین کے قلابے ملانے لگتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا فلاسفر اور ڈاکٹر کہلانے لگتا ہے اور بندر کی حالت اسکے بالکل برعکس ہوتی ہے - وہ پیدائش ہی کے وقت حرکت کرنے پر قادر اور اپنے نفع و ضرر کی چیزوں سے باخبر ہو جاتا ہے - اور آب و دانہ وغیرہ فائدہ مند اشیاء کا ادراک کرنے لگتا ہے - اور تھوڑی مدّت میں ہوشیار اور زیرک ہو جاتا ہے کہ اُس قدر مدت میں انسان کا بچہ درست ہو کر بیٹھ بھی نہیں سکتا - آخر کار اُسکی ترقی ایک حد تک جاکر موقوف ہو جاتی ہے - اور انسان کی ترقی کے ادنیٰ درجہ تک بھی نہیں پہونچ سکتا پس اگر انسان اور بندر کا ایک ہی اصل سے تکون ہوا ہوتا تو انسان کا اوّل امر میں بندر سے ناقص اور غیر مکمّل ہونا - اور آخر امر میں اُس سے ترقی کر کے کہیں بڑھ جانا کیونکر صحیح ہوتا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور بندر دونوں کی اصلیں جداگانہ ہیں - اور ایک کا دوسرے سے ماخوذ ہونا محض لغو اور بے معنی ہے -

تنبیہ - اس مقام پر دو امروں کا بیان کر دینا ضروری ہے -

اوّل یہ کہ جس مقام پر ہمنے بعض انواع کا ارتقاء طبعی کے عنوان پر حادث ہونا تجویز کیا ہے وہاں پر ہمنے غیر انسان کو مراد لیا ہے اسلئے کہ خصوص نوع انسان کا پانی اور مٹی سے بطور خلق پیدا ہونا اور بر سبیل ارتقاء طبعی مخلوق نہ ہونا یقینی ہے - اور یہ کہ جو شخص خصوص نوع انسان کا بطور ارتقاء پیدا ہونا تجویز کرے وہ بے دین ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پانی اور مٹی سے پیدا کرنا قرآن شریف کی کئی آیتوں میں

بہ تصریح بیان فرمایا ہے۔ اُنمیں سے بعض آیات کو ہم اِس مقام پر وارد کرتے ہیں۔

پہلی آیت۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ (پارہ ۲۳ / سورہ ص) } میں مٹی سے ایک آدمی بنانیوالا ہوں۔

دوسری آیت۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ (پارہ ۱۸ / سورہ المومنون) } اور ضرور ہمنے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔

تیسری آیت۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ (پارہ ۳ / سورہ آل عمران) } بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی مثال ہے اسکو مٹی سے پیدا کیا

چوتھی آیت۔ پروردگار عالم فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (پارہ ۱۴ / سورہ الحجر) } اور بیشک ہمنے آدمی کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ سڑی ہوئی کیچڑ سے پیدا کیا۔

پانچویں آیت۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (پارہ ۱۴ / سورہ الحجر) } میں آدمی کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ مٹی سڑی ہوئی کیچڑ سے پیدا کرنے والا ہوں۔

چھٹی آیت۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا (پارہ ۱۹ / سورہ الفرقان) } اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔

ساتویں آیت۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ (پارہ ۱۸ / سورہ النور) } اور اللہ نے ہر چلنے والا پانی سے پیدا کیا۔

آٹھویں آیت۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۤءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ پارہ ۱۷ سورۂ الانبیاء } اور ہمنے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنادیا۔

اِس صورت میں خصوص نوع انسان کے بطور خلق پیدا ہونیکا اعتقاد لازمی ہوگا۔

دوم یہ کہ اگر حیوان وغیرہ کی کسی نوع کا مسئلہ ارتقار کی بنا پر حادث ہونا تجویز کیا جائیگا تو اُس کے یہ معنی ہونگے کہ حکیم مطلق نے ایک نوع سے باقی انواع کو یکے بعد دیگرے بر سبیل ارتقار پیدا کیا۔ اور اُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ بے شعور اور بے جان مادہ سے انواع کا خود بخود یکے بعد دیگرے بر سبیل ارتقار تکون ہوتا رہا۔ اور یہ کہ اُسمیں مبدء فیاض کی حکمت کو کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ اِس لئے کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ مادہ حادث اور بے حس و حرکت ہے جس سے کوئی شعور دار اور حس دار اور حرکت والی چیز ہرگز نہیں بن سکتی۔

مسئلہ خلق وارتقار میں محاکمہ } آخر میں ہم مسئلہ خلق وارتقار میں اسقدر فیصلہ کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو حضرات اپنی روشن خیالی۔ اور عالی دماغی سے نوع انسان کا بندر سے مشتق ہونا اور مسئلہ ارتقار کی بنا پر تدریجی ترقی کے بعد حالت موجودہ پر اُسکا فائز ہونا ضروری سمجھتے ہیں حسب مقولہ مشہورہ الزموھم[۱] بما التزموا وہ بنی قرد (بندر کی اولاد) کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور جو لوگ نوع انسان کا اپنی مذہبی پابندی سے بطور خلق پیدا ہونا۔ اور اُسکا بطور استقلال مخلوق ہونا تسلیم کرتے ہیں وہ بنی آدم (آدم کی اولاد) کہلانے کے مستحق ہیں۔ لہٰذا ہم انسان کو دو گروہ پر منقسم کرتے ہیں ایک بنی قرد (بندر کی اولاد) دوسرے بنی آدم (آدم کی اولاد) اور اگر ہم مسئلہ ارتقار کے صحیح ہونے اور قانون فطرت کے متغیر نہ ہونیکے بلکہ اُسکے محال ہونیکو بھی تسلیم کرلیں تب بھی وقت مصلحت اُسمیں ربّانی مداخلت کا فرض کرنا ممتنع نہ ہوگا اِس لئے کہ محال عادی کا واقع ہونا عقل کے نزدیک کسی قباحت پر مشتمل نہیں ہے۔ لہٰذا حقیقتاً

---

[۱] (ترجمہ) اُن کو اُسی چیز کا الزام دو جسکا وہ خود التزام کرتے ہیں ۱۲

معجزہ اور خرق عادت کو اپنے انبیاء کی تصدیق کے لئے ظاہر کرنا بالکل بے عیب ہی بلکہ باعتبار حکمت وکمال قدرت اُس کا ایسے اوقات میں ظاہر کرنا۔ اور معمولی عادت کا ترک کرنا لازم ہے۔ جسکی تقریر ہو چکی۔ واللہ یعلم۔

نبی کا صاحب وحی ہونا

وحی کے معنی اگرچہ لغت میں لفظ وحی کا کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اشارہ کتابت۔ نامہ۔ پیغام۔ پوشیدہ بات۔ اور مخفی آواز۔ لیکن جو وحی کہ حقیقت نبوت میں داخل ہے اور اُسکی وجہ سے نبی یا امام میں تفرقہ کیا جاتا ہے اور جسکا استقرار شریعت کے بعد غیر نبی پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے اُس سے وہ شئی مراد لیجاتی ہے جو خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر بطریق مخصوصہ نازل ہوتی ہے۔

انبیاء پر وحی نازل ہونیکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات خدا کی طرف سے آواز آتی ہے اور نبی سنتے ہیں۔ اور بعض اوقات خدا کی طرف سے فرشتہ آکر باتیں کرتا ہے اور بعض اوقات اُن (انبیاء) کے دلوں میں کوئی مضمون خدا کی طرف سے ڈالا جاتا ہے الغرض علماء نے وحی کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں یہانتک کہ بعض علماء نے وحی کو بہت سی قسموں پر منقسم کیا ہے۔

(۱) رویائے صادقہ (سچا خواب) جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا خواب تھا جسکو حضرت نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیلؑ سے بیان کیا تھا چنانچہ قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ ۔ پارہ ۲۳ ۔ سورہ ۔ الصّٰفّٰت	اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔

اور اسکی تصدیق میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ قرآن مجید میں یوں مرقوم ہے۔

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ پارہ ۲۳ سورۃ الصفٰت	اے پدر بزرگوار آپ جس امر پر مامور ہوئے ہیں اسکو بجا لائیے مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیگا۔

اور بخاری نے حضرت عائشہ سے وحی کا رویائے صادقہ سے شروع ہونا اس طرح نقل کیا ہی کہ

إِنَّ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ	پہلی پہل جو حضرت پر وحی نازل ہوئی تھی وہ رویائے صادقہ تھی۔ پس حضرت جو خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتے تھے

اور تفسیر صافی میں جناب امیرؑ سے منقول ہے کہ خدا کا کلام کئی وجہوں پر واقع ہوتا ہے۔

منه رؤيا تراها الرسل	ازانجملہ وہ خواب ہے جنکو انبیا دیکھتے ہیں۔

اور اہل اسلام نے اِس امر پر اتفاق کیا ہے کہ جس خواب کو پیغمبر اپنی نبوت کے زمانہ میں دیکھتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔

تنبیہ بعض علماء اعلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ رویاء صادقہ (سچے خواب) کی دو (۲) قسمیں ہیں۔

اوّل۔ وہ خواب ہیں جو فرشتہ نازل ہونے سے قبل ہوتا ہے اور یہ خواب وحی میں داخل نہیں ہے۔

دوم۔ وہ خواب جو فرشتہ نازل ہونیکے بعد ہوتا ہے اور یہ خواب وحی میں داخل اور اُسی کی ایک قسم ہی۔ اور اس مطلب کی اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ اگرچہ انبیاء کرام کے خواب خواہ نزول فرشتہ سے قبل کے ہوں یا بعد کے صحیح ہوتے ہیں جسمیں کسی قسم کا شبہہ نہیں ہی کیونکہ اُسمیں شیطان کو کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوتی لیکن وحی میں وہی خواب داخل ہے جو نزول فرشتہ کے بعد ہو اور رویاء صادقہ سے بھی یہی خواب مراد ہوتا ہے۔ اور اس مطلب کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے۔ جس میں حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

واما النبی فهو الذی یری فی منامه نحو رؤیا ابراهیم ونحو ما کان رای رسول الله من اسباب النبوة قبل الوحی حتی اتاه جبرئیل من عند الله عز وجل بالرسالة (الحدیث)	لیکن نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب دیکھنا یا ہمارے حضرتؐ کا اسباب نبوت کو قبل وحی دیکھنا یہانتک کہ حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس خدائی طرف سے رسالت لیکر آئے

اِس حدیث سے بصراحت معلوم ہوگیا کہ حضرت رسول خداؐ جس خواب کو کہ حضرت جبرئیلؑ کے نازل ہونے سے قبل دیکھتے تھے وہ وحی نہ تھا۔

(۲) وہ شے ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مقدس دلوں میں القاء کی جاتی ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا تذکرہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل اجلها ورزقها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب	میرے دل میں اس امر کا القا ہوا ہے کہ کوئی نفس اُسوقت تک نہیں مر سکتا جبتک کہ اپنی عمر کی مدت اور رزق کی مقدار کو پورا نکرے پس تم لوگ حق تعالے سے ڈرو اور طلب رزق میں میانہ روی اختیار کرو۔

اور جناب امیر علیہ السلام سے کلام حق تعالیٰ کی جو قسمیں منقول ہوئی ہیں اُن میں

ومنه ما قذف فی قلوبهم	وہ چیز بھی منقول ہے جسکو وہ انبیاء کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

(۳) وہ آواز ہے جو سلسلۂ جرس (گھنٹے کی صدا) کی طرح پیدا ہوتی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حارث ابن ہشام نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ

کیف[1] یاتیک الوحی	آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔

---

[1] مناقب میں پوری حدیث کو اسطرح نقل کیا ہے واما کیفیة نزول الوحی فقد سأله الحارث بن هشام کیف یاتیک الوحی فقال احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت ما قال واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول اور اسکا حاصل یہ ہے کہ حرث بن ہشام نے حضرت سے کیفیت وحی کو دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ وہ مجھپر

پس حضرت نے اُسکے جواب میں وحی کے آنے کو صلصلۂ جرس کے ساتھ اسطرح تشبیہ دی کہ

احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علیّ — بعض اوقات وہ (وحی) مجھپر صلصلۂ جرس کی طرح آتی ہے اور یہی قسم مجھ پر زیادہ شدید ہوتی ہے۔

بعض فضلانے ایسی شدید وحی کے نازل ہونیکی وجہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وکان کذلک لیجتمع عند ذلک فیکون اوعی ما یسمع — وحی کی یہ قسم اس لئے ہوتی تھی تاکہ حضرتؐ کی ہوش وحواس اُسوقت مجتمع ہوجائیں اور وحی کو ہمہ تن گوش ہوکر سماعت فرمائیں

اور علی بن ابراہیم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ:-

ان اهل السموات لم یسمعوا وحیا فیما بین ان بعث عیسی بن مریم الی ان بعث محمداً فلما ان بعث الله جبرئیل الی محمد اسمع اهل السموات صوت وحی القرآن کوقع الحدید علی الصفا فصعق اهل السموات فلما فرغ من الوحی انحدر جبرئیل کلما مر باهل السماء فزع عن قلوبهم — جب اہل آسمان نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد وحی کو نہ سُنا تو حضرت رسول خداؐ کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں اُنہوں نے قرآن کی وحی سے ایک صدائے عظیم کو سنا جو اُس آہن کی آواز سے مشابہ تھی جو سخت پتھر پر گرتا ہے پس تمام اہل آسمان بیہوش ہوگئے۔ جب کہ وحی تمام ہوئی۔ اور حضرت جبرئیل واپس آئے تو جس آسمان پر وہ پہونچتے تھے وہاں کے فرشتوں کی وحشت کم ہوجاتی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۶) کبھی صلصلۂ جرس کی طرح نازل ہوتی ہے اور جب یہ حالت برطرف ہوجاتی ہے تو میں اُسکی معنوں کو سمجھ لیتا ہوں اور کبھی کوئی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھسے ہمکلام ہوتا ہے پس میں اُسکی قول کو سمجھ لیتا ہوں ۱۲

له نہایہ میں صلصلہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ:-

الصلصلة صوت الحدید — صلصلہ سے آہن کی وہ آواز مراد ہے جو اُسکے

(۴) وہ ہے کہ فرشتہ نبی پر انسانی شکل میں ظاہر ہو جس طرح کہ حضرت جبرئیل ع دحیہ کلبی[1] کی شکل میں ہمارے حضرت کے پاس آیا کرتے تھے۔

(۵) وہ ہے کہ حضرت جبرئیل ع اپنی اصلی[2] صورت میں نازل ہوتے تھے۔

(۶) وہ شے ہے جو نبی ع پر روشنی کی طرح ظاہر ہوتی تھی اور نبی ع آواز کو سنتے تھے اور کوئی صورت دیکھتے تھے

(۷) وہ شے ہے کہ نبی ع کو فرشتہ کی آواز سنائی دے اور کوئی چیز دکھلائی نہ دے۔

حدیث[3] صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے سے پہلے اسباب نبوت کو دیکھتے تھے اور فرشتوں کی باتوں کو سنتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے اور آپ نے اُن کو اُن کی اصلی صورت پر دیکھا۔

اور ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ابطح میں اپنے ہاتھ پر تکیہ کئے سوتا تھا اور { کنا رقود بالابطح لیس منا الا مسجی بثوبہ

۱؎ منقول ہے کہ دحیہ کلبی حسن وجمال میں اور لوگوں سے ممتاز تھے ۱۲

۲؎ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل ع کے چھ سو پر تھے اور اُنسے مروارید اور یاقوت گرتے تھے ۱۲

۳؎ حدیث صحیح سے وہ حدیث مراد ہے جسکو معصوم علیہ السلام سے فرقہ امامیہ کا کوئی ثقہ راوی نقل کرے ۱۲

۴؎ اصل روایت طولانی ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

الرسول الذی یاتیہ جبرئیل قبلا فیراہ ویکلمہ فہذا الرسول واما النبی فہو الذی یری فی منامہ نحو رؤیا ابراہیم ونحو ما کان یری رسول اللہ من اسباب النبوۃ قبل الوحی حتی اتاہ جبرئیل من عند اللہ بالرسالۃ۔

رسول وہ ہے جسکے پاس جبرئیل آتے ہیں اور وہ انکو دیکھتے اور اُنسے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبی وہ ہے جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم کا خواب اور مثل اسکے کہ حضرت رسولخدا قبل وحی اسباب نبوت کا مشاہدہ کرتے تھے تا آنکہ جبرئیل امین انکے پاس خدا کیجانب سے رسالت لیکر آئے

ابطح سے پانی کی آمد ...

علی وجهه علی بن ابی طالب
عن یمینه وجعفر بن ابی طالب
عن یساره وحمزة بن عبد المطلب
عند رجلی فما انبهنی عن رقدتی غیر
حفیف اجنحة الملائکة وبرد ذراع علی
بن ابی طالب فی صدری فانتبهت من
رقدتی وجبرئیل فی ثلاثة املاك یقول
له احد الاملاك الثلثة یا جبرئیل
الی ایّ هؤلاء الاربعة ارسلنا فرفسنی
برجله فقال لی هذا قال ومن
هذا یستفهمه فقال هذا
محمد سید النبیین وهذا علی بن ابی طالب
سید الوصیین وهذا جعفر بن
ابی طالب له جناحان خضیبان
یطیر بهما فی الجنة وهذا حمزة
بن عبد المطلب سید الشهداء

علی میری داہنی طرف اور جعفر طیار میری بائیں طرف اور حمزہ
میری پائنتی کی طرف سوتے تھے۔ یکایک میں نے جبرئیل اور
میکائیل اور اسرافیل کے پاؤں کی آواز سنی
جس سے مجھ کو ایک قسم کی دہشت عارض ہوئی
میں نے سُنا کہ جبرئیل سے اسرافیل پوچھتے تھے
کہ ہم ان چار شخصوں میں سے کس کی طرف مبعوث ہوئے
ہیں پس جبرئیل نے میری طرف اشارہ کیا
طرف مبعوث ہوئے ہیں جنکا نام محمد ہے اور تمام
پیغمبروں سے بہتر ہیں۔ اور جو شخص کہ ان کی
داہنی طرف سوتے ہیں وہ اُن کے بھائی
اور وصی ہیں۔ اور جملہ اوصیا سے بہتر ہیں۔
اور جو شخص اُن کی بائیں طرف سوتے ہیں
وہ جعفر پسر ابو طالب ہیں جو بہشت میں دو
پروں سے پرواز کرینگے۔ اور چوتھے
شخص حمزہ ہیں۔ جو سید الشہداء
ہوں گے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ :-

کان جبرئیل اذا اتی النبی
قعد بین یدیه قعدة العبد
وکان لا یدخل حتّی
یستاذنه

جب جبرئیل امین حضرت رسالتمآب کے پاس آتے تھے
تو غلاموں کی طرح حضرتؐ کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور
جب نازل ہوتے تھے تو بیرون خانہ اُس جگہ پر ٹھہرتے تھے جو
جسکو مقام جبرئیل کہتے ہیں اور بدون اجازت داخل خانہ نہ ہوتے تھے

اور علی بن ابراہیم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جبرئیل امین نے
حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اسرافیل کی نسبت عرض کیا کہ :۔

هذا حاجب الرّب واقرب خلق الله منه واللوح بين عينيه من ياقوتة حمراء فاذا تكلّم الرّب تبارك وتعالى بالوحى ضرب اللوح جبينه فنظر فيه ثم القى الينا نسعى به فى السّموات والارض۔ الخ۔	یہ (اسرافیل) حاجب پروردگار ہیں اور تمام مخلوق کی نسبت صدور وحی کی جگہ سے نزدیک تر ہیں اور یاقوت سُرخ کی ایک لوح اُنکی آنکھوں کے درمیان رہتی ہے جبکہ حقتعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی صادر ہوتی ہے تو وہ لوح اُن کی پیشانی سے ٹکراتی ہے پس وہ لوح میں نظر کرتے ہیں اور اُسکے احکام کو ہم پر القا کرتے ہیں۔ اور ہم اُس کو اطراف زمین اور آسمان میں پہونچاتے ہیں۔

(۸) وہ معنی ہیں جو نبی کے دل میں القا کئے جاتے ہیں اور اُسکو الہام[۱] کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں
چنانچہ حضرت رسول خدا کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (پارہ ۲۷ — سورہ النجم)	وہ اپنی خواہش نفسانی سے کوئی کلام نہیں کہتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اُنکو بذریعۂ الہام معلوم ہوتا ہے۔

(۹) نبی[۲] پر کسی حقیقت کا منکشف ہونا اور نبی کا اُسکو اپنی مقدس رُوح سے مشاہدہ کرنا

---

[۱] جناب علیین مکان طاب ثراہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ظاہر لفظ وحی سے آیۂ شریفہ میں معنی عام مراد ہیں جو الہام اور غیر الہام دونوں کو شامل ہیں اسکے علاوہ چونکہ اقسام وحی میں نفث فی الروع (دل میں القا ہونے) کا ذکر ہو چکا ہے اسلئے الہام کی علٰحدہ مذکور ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ نفث فی الروع اور قذف فی القلب (دل میں ڈالنا) اور الہام میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ سب ایک ہی معنی کی مختلف تعبیریں ہیں علاوہ ہوتی ہیں۔

[۲] جناب علیین مکان طاب ثراہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قسم بھی قریب قریب الہام ہے البتہ اگر یہ مراد لیجائے کہ نبی اپنی قوت قدسیہ سے نظری امور کو بدیہیات اولیہ کی طرح جان لیتے تھے تو کہہ سکتے ہیں کہ الہام اُسکے مغائر اور جداگانہ قسم ہے ۱۲

(۱۰) وہ پیچیدہ آواز ہے جو نبی کو مگس شہد کی طرح سُنائی دیتی ہے جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے اور یہ کہ ہمارے حضرت اُس سے خدا کی مراد کو دریافت کر لیتے تھے۔

(۱۱) وہ کلام ہے جسکو حقتعالی پردۂ غیب سے بدون واسطہ کسی نبی پر بیداری کی حالت میں متوجہ فرماتا ہے جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر یا ہمارے حضرت کے لئے شب معراج واقع ہوا تھا منقول ہے کہ حضرتؐ پر اُسوقت غشی (بیہوشی) یا ایک حالت ایسی طاری ہوتی تھی جو غشی سے مشابہ ہوتی تھی اور حضرتؐ کے جسم مبارک سے پسینہ بہنے لگتا تھا اور حاضرین کو اُسکے مشاہدہ سے معلوم ہو جاتا تھا کہ حضرت پر وحی نازل ہوئی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بعض اصحاب نے سوال کیا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ بعض اوقات تو حضرت رسول خداؐ یہ فرماتے تھے کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا ہے اور یہ جبرئیل مجھ کو حکم کرتے ہیں۔ اور پھر دوسری حالت میں حضرت پر بیہوشی طاری ہوتی تھی۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :۔

انما اذا کان الوحی من اللہ الیہ لیس بینھما جبرئیل اصابہ ذلک لثقل الوحی من اللہ واذا کان بینھما جبرئیل لم یصبہ ذلک فقال قال لی جبرئیل وھذا جبرئیل

رسول خداؐ پر یہ حالت اُسوقت طاری ہوتی تھی جبکہ حقتعالی حضرت پر بدون توسط فرشتہ وحی کو بھیجتا تھا اس لئے کہ اس حالت میں حضرت کو اُس (وحی) کی گرانی محسوس ہوتی تھی اور جبکہ جبرئیل بیچ میں آتے تھے تو اس قسم کی حالت طاری نہ ہوتی تھی اور اسی صورت میں حضرت فرماتے کہ مجھسے جبرئیل نے کہا اور یہ جبرئیل ہیں

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث معتبر میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انبیاء پر جو وحی نازل ہوتی تھی اسکی کئی قسمیں تھیں کبھی فرشتہ بھیجا جاتا تھا اور کبھی حقتعالی اُن کے ساتھ خود ہمکلام ہوتا تھا اور کوئی درمیانی نہ ہوتا تھا اور جناب امیرؑ کی وحی کی کئی قسمیں منقول ہیں (۱) وحی نبوت (۲) وحی الہام (۳) وحی اشارہ

(۴) وحی تقدیر (۵) وحی امر (۶) وحی کذب (۷) وحی خیر۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ

من این تاخذ الوحی فقال اخذہ من اسرافیل فقال و من این یاخذہ اسرافیل قال یاخذہ من ملک فوقہ من الروحانیین قال فمن این یاخذ ذلک الملک قال یقذف فی قلبہ قذفا	تم وحی کو کہاں سے حاصل کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ اسرافیل سے حضرت نے پوچھا کہ اسرافیل کہاں سے لیتے ہیں انہون نے عرض کیا کہ وہ اس روحانی فرشتہ سے حاصل کرتے ہیں جو اُن سے بلند تر ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ فرشتہ کہاں سے لیتا ہے اُنہوں نے عرض کیا کہ اُسکے دل میں القا ہوتا ہے

اور حضرت کے لئے مراد خدا معلوم ہونیکی مختلف صورتیں تھیں جیسے وحی بتوسط جبرئیل علیہ السلام کی معرفت کسی دوسرے فرشتہ کی معرفت علم ضروری کا دل میں پیدا ہوجانا باوجودیکہ حضرت جبرئیل فرشتہ مقرب اور فرستادہ خدا ہیں اور قسم جن یا جنس شیطان سے نہیں ہیں چنانچہ حقتعالیٰ جبرئیل میں علم ضروری کو پیدا کرتا ہے کہ یہ کلام خدا ہے یا اُن کے ہاتھوں پر خوارق عادت ظاہر ہوتے ہیں جس طرح کہ انبیاء کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتے ہیں بہرحال دونوں صورتیں صحیح ہوسکتی ہیں۔

بہرحال عرفاً شرع میں لفظ وحی کا جبکہ وہ نبی کی طرف منسوب ہوتا ہے تو جملہ اقسام مذکورہ بالا پر اطلاق ہوتا ہے اور اُن میں سے بھی تین معنوں پر اُس (لفظ وحی) کا زائد اطلاق ہوتا ہے۔

لہ خصوص قرآن مجید میں وحی کا لفظ غیر انبیا کی نسبت بھی مستعمل ہوا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی (پارہ ۲۰ سورہ قصص) | ہمنے مادر موسےٰ کی طرف وحی کی۔

اور اس مقام پر وحی سے الہام مراد ہے۔ اور کبھی اُس (وحی) کا امر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ

اوّل آواز کا خدا کی طرف سے آنا اور نبی کا اُسکو سُننا۔

دوم۔ فرشتہ کا خدا کی طرف سے آنا اور نبی سے باتیں کرنا۔

سوم۔ کسی مضمون کا نبی کے دل میں ڈالا جانا اور اُسکو القاء اور الہام کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں بلکہ ظاہر قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی خدا جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی وہ تین ہی قسموں میں منحصر تھی۔

اوّل الہام جس سے کسی مطلب کا نبی کے دل میں ڈالدینا مراد ہے خواہ بیداری میں ہو یا خواب میں

دوم۔ حقتعالیٰ کا بدون واسطہ کلام کرنا۔

سوم۔ فرشتہ کا بھیجنا چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا	کسی بشر سے حقتعالیٰ کلام نہیں کرسکتا مگر یہ کہ الہام کرے
وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ	یا پس پردہ سے کلام کو پیدا کرے یا کسی فرشتہ کو
رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (پارہ ۲۵ / سورہ شوریٰ)	بھیجدے جو وحی کو اُس تک پہونچائے۔

پس قول واجب تعالیٰ اِلَّا وَحْيًا سے الہام کرنا یا حالت خواب میں القاء کرنا مراد ہے اور قول حقتعالیٰ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سے بدون واسطہ کلام کا کسی جسم میں پیدا کردینا مراد ہے جسطرح حقتعالیٰ نے کوہ طور میں حضرت موسیٰ کے لئے اور شب معراج کسی جسم میں ہمارے حضرت کے لئے

(بقیہ صفحہ ۱۴۲) اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (پارہ ۷ / سورہ مائدہ) } میں نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی۔

اور کبھی اُسکا شعور طبعی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (پارہ ۱۴ / سورہ النحل) } تمہارے پروردگار نے مگس شہد کی طرف وحی کی۔

یعنی اُس میں طبعی شعور رکھا گیا ہے کہ وہ پہاڑوں میں اپنے گھر بنائے اگرچہ لفظ وحی کا باعتبار لغت ان جملہ معانی پر اطلاق کرنا صحیح ہے لیکن شریعت سے اُسکا انقطاع وحی کے بعد کسی غیر نبی کے حق میں استعمال کرنیکی ممانعت ثابت ہوچکی ہے جیسا کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے ۱۲

کلام کو پیدا کر دیا تھا اور قول حق تعالیٰ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا آہ سے فرشتہ کا بھیجنا اور اُسکے واسطے کلام کرنا مراد ہے چنانچہ اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ ای لیس لاحد من البشر ان یکلمہ اللہ الا ان یوحی الیہ وَحْیًا وھو داؤد اوحی فی صدرہ فزبر الزبور اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ای او یکلمہ من وراء حجاب وھو موسیٰ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا وھو جبرئیل ارسل الی محمد فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ ارسلنا ملئکتہ یکتبہ وکلامہ لیبلغوا ذلک عند عبادہ

کسی بشر کے لئے یہ امر صحیح نہیں ہے کہ حقتعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر یہ کہ اُسکے دل میں الہام کرے جیساکہ حضرت داؤدؑ کے لئے کیا گیا تھا جسکے بعد اُنہوں نے زبور کو لکھا تھا یا اُس کے لئے پس پردہ کسی آواز کو پیدا کردے جیساکہ حضرت موسےؑ کے لئے کیا گیا تھا یا اُسکے پاس فرشتہ (جبرئیل) کو پیغام لیکر بھیجدے جیساکہ حضرتؐ کے لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ اُس کے حکم سے جس چیز کو پہونچانا چاہتا ہے اُس کو بندوں تک پہونچا دے۔

اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی بحار الانوار جلد ششم تفسیر آیہ مذکورہ بالا میں جو عبارت عربی مرقوم ہے اُسکا حاصل درج ذیل ہوتا ہے کہ :-

(ما کان لبشر) ای لا یصح لہ (ان یکلمہ اللہ الا وحیا) ای الہاما وقذفا فی القلوب او القاء فی المنام (او من وراء حجاب) ای یکلمہ من وراء حجاب کما کلم موسےٰ بخلق الصوت فی الطور و کما

کسی بشر کے لئے صحیح نہیں ہے کہ حق تعالےٰ اُس سے کلام کرے مگر یہ کہ الہام کرے اور دلوں میں ڈالدے یا خواب میں القا کرے یا پس پردہ سے کلام کرے جس طرح کہ حضرت موسےؑ سے طور میں آواز پیدا کردینے کے ساتھ کلام کیا تھا - یا جس طرح کہ ہمارے نبیؐ سے شب معراج

على سبيل الاستعارة والتشبيه
فان من يسمع الكلام
ولا يرى المتكلم يشبه
حاله بحال من يكلم من وراء
حجاب او المراد بالحجاب
الحجاب المعنوي من كماله
تعالى ونقص الممكنات ونورانيته
تعالى وظلمانية غيره كما سبق
تحقيقه في كتاب التوحيد او يرسل
رسولا اى ملكا فيوحي باذنه ما يشاء
فظهر ان وحيه تعالى منحصر في اقسام
ثلاثة اما بالالهام والالقاء في المنام
او بخلق الصوت بحيث يسمعه الموحى اليه او بارسال الملك
وعلم الملك ايضا يكون على هذا الوجه والملك الاول
لا يكون علمه الا بوجهين منها وقد يكون بان يطالع في اللوح

بر سبیل استعارہ وتشبیہ ہے اس لئے کہ جو شخص کلام کو سنتا ہے
اور متکلم کو نہیں دیکھتا اُسکا حال اُس شخص سے مشابہت
رکھتا ہے جو پس پردہ سے کلام کرتا ہے یا
حجاب سے حجاب معنوی (کمال خدا اور نقصان ممکنات
اور نوریت خدا اور ظلمانیت مخلوقات) مراد ہے جسکی
تحقیق کتاب توحید میں گذر چکی ہے یا کسی فرشتہ کو بھیجدے
تاکہ وہ اُسکی اجازت سے جس پیغام کو وہ پہونچانا چاہتا ہے
پہونچا دے پس (اس بیان سے) ظاہر ہوا کہ حق تعالیٰ
کی وحی تین قسموں میں منحصر ہے الہام کرنا اور خواب میں
القا کرنا یا آواز کا اِس طرح پیدا کر دینا کہ وہ شخص (جسکے
پاس وحی بھیجی گئی ہے) سن لے یا فرشتہ کو بھیجدے
اور فرشتہ کا علم بھی اقسام مذکورہ میں سے کسی ایک قسم کے
ساتھ حاصل ہوگا اور پہلے فرشتہ کا علم اُن میں سے فقط دو[1]
قسموں کے ساتھ حاصل ہوگا اور کبھی اُس (پہلے فرشتہ)
کے علم کا لوح محفوظ کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہونا بھی جائز ہے

اِس عبارت سے وحی کا فقط تین قسموں میں منحصر ہونا بصراحت معلوم ہوا۔ پس بعض علماء سے جو بہت سی
قسمیں نقل کی گئی ہیں وہ سب انہیں تین قسموں پر کچھ خصوصیتوں کے اضافہ کر دینے سے حاصل ہوتی ہیں

۱؎ اوّل الہام القا کر دینا دوم بدون واسطہ کلام کا حادث کر دینا۔ اور تیسری قسم اس مقام پر نہیں
ہو سکتی ورنہ تسلسل اور خلاف مفروض لازم آئیگا اس لئے کہ اُسکا پہلا فرشتہ ہونا فرض کیا گیا ہے پس
کسی فرشتہ کا اُس سے پہلے فرض کرنا صحیح نہ ہوگا ۱۲

اور وہ در اصل جداگانہ قسمیں نہیں ہیں۔ اور اس آیہ شریفہ میں اگرچہ الہام اور القار کا اقسام وحی میں شمار ہوا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ وحی سے الہام[۱] کا لفظ عام ہے پس اصطلاح میں وحی کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اور الہام کا نبی اور غیر نبی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ہماری مختصر تقریر سے معلوم ہوا کہ وحی والہام کے ذریعہ سے جو ربانی تعلیم کا ایک ما فوق الفطرۃ طریقہ ہے حق تعالیٰ اپنے احکام کو انبیاء علیہم السلام تک پہونچاتا ہے اور جو شخص کہ غالب اوقات اُن (احکام) کو خدا کی طرف سے لیکر انبیاء علیہم السلام کے پاس آتا ہے وہ مقرب فرشتہ ہے جسکا نام جبرئیل امین ہے اور یہ کہ وحی والہام کوئی فطری یا طبعی طریقہ نہیں ہے جو خود بخود انسان میں موجود ہوتا ہے اور اسی طرح جبرئیل امین کسی انسانی قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ مقرب فرشتہ ہے جسکو حقتعالیٰ نے اپنے اور پیغمبروں کے درمیان سفیر قرار دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ربانی وحی والہام ہی کے ذریعہ سے غیب کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ اور اُن کی پیشینگوئیاں صحیح ہوتی تھیں اور ان اُمور پر جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے اور یہ کہ وحی والہام کا ربانی کرشمہ ہونا اور فرشتوں کا اجسام نورانیہ اور مقرب بارگاہ ہونا۔ اور اُنمیں زمین اور آسمان پر اُترنے اور چڑھنے کی قوت کا موجود ہونا ضروری دین ہے۔ اور ان اُمور میں شبہ کرنا جائز نہیں ہے اور اُنسے انکار کرنے والا محض بے دین اور پکا ملحد ہے اِس لئے کہ فرشتوں کے موجود ہونے پر جملہ انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ :-

لا نزاع البتۃ بین الانبیاء فی اثبات الملٰئکۃ بل ذٰلک کالامر المجمع علیہ بینھم

فرشتوں کے اثبات میں مابین انبیاءؑ نزاع نہیں ہے بلکہ وہ انبیاء کے نزدیک مثل اُس امر کے ہے جسپر اُن سب کا اجماع ہو۔

---

[۱] لفظ الہام کا لفظ وحی کی طرح طبعی شعور میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۔ پارہ ۳۰ — پروردگار عالم نے نفس کو اُسکی بُرائی اور بھلائی کا الہام دیا ہے

اصناف ملائکہ } حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرشتوں کے اصناف[1] میں کئی صنفوں کا ذکر کیا ہے

پہلی صنف۔ حاملان عرش ہیں چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَیَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ ثَمَانِیَةٌ (پارہ ۲۹ — سورۃ الحاقۃ) } اور اُس روز تیرے پروردگار کے عرش کو ان کے اوپر آٹھ فرشتے اُٹھائینگے۔

دوسری صنف۔ وہ فرشتے ہیں جو عرش کے گرد احاطہ کئے ہوئے ہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَرَى الۡمَلَائِكَةَ حَافِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ (پارہ ۲۴ — سورۃ الزمر) } تم فرشتوں کو عرش کے گرد احاطہ کرنیوالے دیکھو گے۔ وہ اپنے پروردگار عالم کی حمد میں تسبیح کرتے ہیں۔

تیسری صنف۔ اکابر ملائکہ ہیں جنمیں حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام بھی داخل ہیں اور حقتعالیٰ نے اُنکو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِیۡلَ وَمِیۡكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكَافِرِیۡنَ ۝ (پارہ ۱ — سورۃ البقر) } جو شخص خدا اور اُسکے فرشتوں اور اُس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہوگا تو خدا کافروں کا دشمن ہے۔

حضرت جبرئیل کا ذکر

} حق تعالےٰ نے حضرت جبرئیل کو چند امروں کی ساتھ موصوف کیا ہے۔

اوّل یہ کہ انبیاء پر خدا کی وحی پہونچاتے ہیں چنانچہ حقسبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ۝ عَلٰى قَلۡبِكَ (پارہ ۱۹ — سورۃ الشعراء) } اُسکو روح امین نے تیرے دلپر اُتارا ہے۔

دوم یہ کہ حقتعالیٰ نے اُنکو قرآن میں باقی فرشتوں سے پہلے ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ } تم کہدو (اے محمدؐ) کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو الخ

اسکی علاوہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ صاحب وحی و علم ہیں اور حضرت میکائیل صاحب ارزاق و اغذیہ

---

[1] ان مطالب کو امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور ہم نے فی الجملہ تغیر دیکر یہاں وارد کیا ہے۔

اور علم جو روحانی غذا ہے وہ جسمانی غذا سے اشرف ہے پس ضرور ہوا کہ حضرت میکائیل سے حضرت جبرئیل اشرف ہوں۔

سوم یہ کہ حقتعالیٰ نے اُن (حضرت جبرئیل) کا اپنی مقدس ذات کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج (پارہ ۲۸ سورہ التحریم) } اللہ اُس کا مولےٰ ہے اور جبرئیل اور صالح المؤمنین۔

چہارم یہ کہ حقتعالیٰ نے اُن کو روح القدس قرار دیا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ کے حق میں فرماتا ہے

إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ن (پارہ ۷ سورہ المائدہ) } جب میں نے تمکو روح القدس کے ساتھ مؤید کیا۔

پنجم۔ یہ کہ وہ (حضرت جبرئیل) ہزار فرشتوں کے ساتھ اولیاء خدا کی نصرت کرتے اور اعداء خدا کو مقہور کرتے ہیں۔

ششم یہ کہ حق تعالیٰ نے اُن (حضرت جبرئیل) کو اپنے اس ایک قول میں کہ :-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ ۙ (پارہ ۳۰ سورہ التکویر) } وہ رسول کریم کا قول ہے جو صاحب قوت ہے اور صاحب عرش کے نزدیک رفیع القدر ہے (فرشتے) اُسکی اطاعت کرتے ہیں اور امین ہے۔

چھ صفتوں کے ساتھ موصوف کیا ہے

(۱) رسالت ہے کہ حقتعالیٰ نے اُنکو جملہ انبیاء کے پاس اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے اس صورت میں جملہ انبیاء اُن کی اُمّت ہوں گے۔

(۲) کرم ہے اور اُنکے پیش خدا کریم (بزرگ) ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ حق تعالیٰ نے اُنکو اپنے اور انبیاءؑ کے درمیان جو اُس کے بندوں میں اشرف ہیں واسطہ درسفیر قرار دیا

(۳) قوت ہے جسکے لئے اسی قدر کافی ہے کہ اُنھوں نے حضرت لوطؑ کی قوم کی شہر کو

ف انبیاء کا فرشتوں سے افضل ہونا آئندہ مذکور ہوگا۔ لہذا یہ قول خالی از بحث نہیں ہے ۱۲

بلند کر کے اُلٹا کر دیا تھا۔

(۴) مکانت ہی (رفعت قدر) اور اُنکی رفعت قدر کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ حقتعالیٰ نے اُنکو اپنے قول فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ میں اپنی ذات مقدس کا تالی (دوسرا) قرار دیا ہے۔

(۵) اُنکا مطاع ہونا جس کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ جملہ فرشتے اُن کے مطیع و منقاد ہیں اور وہ اُن سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔

(۶) اُن کا امین ہونا جس کا ذکر حقتعالیٰ اپنے اِس قول میں فرماتا ہے کہ:۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء } اُس (قرآن) کو روح الامین نے تمہارے دل پر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

حضرت عزرائیل کا ذکر

اور منجملہ اکابر ملائکہ حضرت عزرائیل ہیں جنکا موجود ہونا اخبار و احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی طرح حدیث سے یہ امر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عزرائیلؑ سے ملک الموت مراد ہیں چنانچہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ پارہ ۲۱ سورۃ السجدہ } تم کہدو کہ ملک الموت تمہاری روحوں کو قبض کریگا جو تم پر مؤکل کیا گیا ہے۔

اور یہ جو حق سبحانہ و تعالیٰ نے قبضِ رُوح کے متعلق قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ پارہ ۷ سورۃ الانعام } کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اُسکی رُوح کو ہمارے رسول قبض کر لیتے ہیں۔

تو اُس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے قبض ارواح کے لئے مقرر ہوئے ہیں پس ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے ملک الموت کو فرشتوں کی ایک جماعت کا رئیس قرار دیا ہو اور جماعت کو قبض ارواح کے لئے مقرر کی گئی ہو چنانچہ سبحانہ و تعالےٰ

قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ

پارہ ۱۰
سورہ الانفال

اگر تم کافروں کو اُس حالت میں دیکھتے کہ فرشتے اُنکی روحوں کو قبض کرتے ہیں اور اُن کے چہروں اور پشتوں پر ضرب لگاتے ہیں (تو تم امر عجیب کا مشاہدہ کرتے)۔

حضرت اسرافیل کا ذکر

اسی طرح حضرت اسرافیل بھی نہایت جلیل القدر فرشتہ ہیں جنکا اخبار و احادیث سے صاحب صور ہونا ثابت ہے چنانچہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ٥

پارہ ۲۴
سورہ الزمر

اور صور پھونکا جائیگا پس جو لوگ کہ آسمانوں میں اور جو لوگ کہ زمین میں ہیں وہ مرجائینگے سوا اُن لوگوں کے جنکا باقی رکھنا خدا کو منظور ہوگا پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائیگا اور تمام مردے کھڑے ہوکر انتظار کرنے لگینگے۔

چوتھی صنف ۔ ملائکہ جنت (بہشت کے فرشتے) ہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ٥ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ٥

پارہ ۱۳
سورہ الرعد

اہل بہشت پر ہر ایک دروازہ سے فرشتے داخل ہونگے اور اُنسے کہینگے کہ تم پر تمہارے صبر کے عوض سلام ہو پس (اُس گھر کا کیا اچھا انجام ہے۔

پانچویں صنف ملائکہ جہنم (دوزخ کے فرشتے) ہیں چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ٥ — پارہ ۲۹ سورہ المدثر

اُس دوزخ پر اُنیس فرشتے مؤکل ہیں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ص — پارہ ۲۹ سورہ المدثر

ہمنے اصحاب دوزخ نہیں مقرر کئے مگر فرشتے۔

اوران فرشتوں کے سردار مالک ہیں چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۝ (پارہ ۲۵ — سورۂ الزخرف)

اور اہل دوزخ ندا کرینگے اے مالک ہماری خواہش ہے کہ تمہارا پروردگار ہم کو مار ڈالے تاکہ ہم عذاب سے بچیں

اور ملائکہ جہنّم کا نام زبانیہ ہے۔ چنانچہ حقتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ (پارہ ۳۰ — سورۂ العلق)

وہ (ابوجہل) اپنے اہل مجلس کو بلائے ہم زبانیہ (ملائکۂ دوزخ کو بلا لینگے)

چھٹی صنف وہ فرشتے ہیں جو بنی آدم پر موکّل ہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ (پارہ ۲۶ — سورۂ قٓ)

داہنی طرف سے ایک فرشتہ اور بائیں طرف سے ایک فرشتہ بیٹھا رہتا یا ہمیشہ اُس کی ساتھ رہتا ہے (یہ شخص کسی کلمہ کی ساتھ گویا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اُسکے پاس ایک حافظ فرشتہ حاضر رہتا ہے جو اُسکی نیکی یا بدی کو لکھتا ہے)

اور حق تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ:-

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۝ (پارہ ۱۳ — سورۂ الرعد)

اسکے لئے یکے بعد دیگرے وارد ہونے والے فرشتے ہیں جو سامنے اور پیچھے سے بحکم خدا اُسکی حفاظت کرتے ہیں۔

اور تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ:-

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۝ (پارہ ۷ — سورۂ الانعام)

حق تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔

ساتویں صنف وہ فرشتے ہیں جو اعمال کو لکھتے ہیں چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:-

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (پارہ ۳۰ — سورۂ الانفطار)

اور تم پر حفاظت کرنے والے بلند مرتبہ (اعمال کے لکھنے والے) فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے افعال کو جانتے ہیں۔

آٹھویں صنف وہ فرشتے ہیں جو احوال عالم پر موکّل ہیں جنکی نسبت حقتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ (پارہ ۲۳ — سورۂ الصّٰفّٰت)

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صف باندھنے والے اور روک ٹوک کرنے والے اور تلاوت کرنے والے ہیں۔

اور اُنہیں کی نسبت دوسرے مقام پر اسطرح ارشاد فرماتا ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًاۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًاۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًاۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًاۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌۙ

پارہ ۲۶ — سورہ ذریت

قسم ہوا اُڑانے والی ہواؤں کی پھر قسم ہے بوجھ اُٹھانے والے بادلوں کی پھر آسانی سے بہنے والی کشتیوں کی پھر اُمور کے تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ (ثواب عذاب کا) جو تمسے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے۔

اور ابن عباس سے منقول ہے کہ حقتعالیٰ نے حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ بھی کچھ ایسے فرشتے پیدا کئے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں پس جبکہ کسی جنگل میں تمکو کوئی وقت پیش آئے تو فرشتگان خدا کو مخاطب کرکے اسطرح پکارو۔

اعینوا عباد اللّٰہ یرحمکم اللّٰہ } اے بندگان خدا تم ہماری مدد کرو خدا تم پر رحم کرے۔

مذکورہ بالا تقریرات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حقتعالےٰ نے فرشتوں کو نظم عالم کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ کہ اُنکو مختلف عہدوں اور جداگانہ خدمتوں پر مامور کیا ہے اور یہ کہ وہ اپنے ذاتی کمالات اور فضائل میں عام انسانوں سے ممتاز ہیں اور حقتعالیٰ نے اُنکو جو قوتیں عطا کی ہیں وہ باقی مخلوقات کو عطا نہیں کیں

اوصاف ملائکہ } امام فخرالدین رازی نے فرشتوں کے جن اوصاف اور کمالات کو بیان کیا ہے اُنکا بطور اجمال وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی وصف ہیں۔

پہلا وصف اُنکا رسول ہونا چنانچہ حق تعالیٰ اپنی مقدس ذات کی مدح میں ارشاد فرماتا ہے:۔

لہ امام رازی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں آیتوں میں فرشتے ہی مراد ہیں اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں فقط ہوائیں مراد ہیں اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے کشتیاں اور مقسمات سے فرشتے مراد ہیں اور کتاب میں اسی حدیث کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے ۱۲

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴿پارہ ۲۲ / سورہ فاطر﴾ (وہ خدا) فرشتوں کو رسول مقرر کرنے والا ہے

اس آیہ شریفہ سے جملہ ملائکہ کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اِس لئے کہ لفظ ملائکہ پر الف لام داخل ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اسی طرح حقتعالیٰ دوسرے آیہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴿پارہ ۱۷ / سورہ الحج﴾ حق تعالیٰ ملائکہ میں سے رسولوں کو منتخب کرتا ہے۔

اور اس آیہ شریفہ میں لفظ مِنْ بیان کے لئے آیا ہے اور تبعیض کے لئے نہیں ہے پس یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس میں فقط بعض ملائکہ کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا وصف اُن (فرشتوں) کا مقرب ہونا چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿پارہ ۱۷ / سورہ الانبیاء﴾ جو بندے اُسکے قریب ہیں وہ اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور یہ کہ وہ تھکتے نہیں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴿پارہ ۱۷ / سورہ الانبیاء﴾ وہ (فرشتے) محترم بندے ہیں۔ اور وہ کسی بات میں خدا پر سبقت نہیں کرتے اور اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اور تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ ﴿پارہ ۱۷ / سورہ الانبیاء﴾ وہ رات دن خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔

تیسرا وصف اُنکا مطیع پروردگار ہونا چنانچہ حقتعالیٰ نے ملائکہ کی زبانی نقل فرمایا ہے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۝ ﴿پارہ ۱ / سورہ البقر﴾ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر بھی قرآن مجید میں اُنہیں (ملائکہ) کی زبانی نقل فرمایا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ ﴿پارہ ۲۳ / سورہ الصّفّٰت﴾ ہم صف باندھنے والے ہیں اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

اور چونکہ حقتعالیٰ نے اس قول میں اُنکی تکذیب نہیں کی لہذا ثابت ہوا کہ وہ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں

اسی طرح حقتعالی نے اُن کی نسبت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ (پارہ ۱۴ سورہ الحجر) } جملہ فرشتوں نے (آدم کو سجدہ کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ احکام آلہی پر عمل کرتے میں ہرگز تاخیر نہیں کرتے بلکہ اُن کو فوراً بجالاتے ہیں

اسی طرح حقتعالی نے قرآن مجید میں رشاد فرمایا ہے کہ :۔

لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء) } وہ کسی شے کو بدون اُسکے امر اور وحی کے عمل میں نہیں لاتے۔

جیسا کہ ابھی مذکور ہو چکا ہے۔

چوتھا وصف اُنکا صاحب قدرت و قوت ہونا چنانچہ حاملان عرش کی نسبت جنکا عدد فقط آٹھ میں منحصر ہے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ عرش اور کرسی کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور کرسی جو عرش عظم سے کہیں چھوٹی ہے وہ باقی ساتوں آسمانوں سے بڑی ہے اسلئے کہ حقتعالے ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج } اور اُسکی کرسی آسمانوں اور زمین کی گنجائش رکھتی ہے۔

اسی طرح عرش عظم کی بلندی اسقدر ہے جس تک ہم کبھی نہیں پہنچ سکتا چنانچہ حقتعالے ارشاد فرماتا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ (پارہ ۲۹ سورہ المعارج) } ملائکہ اور رُوح اُس تک ایک دن میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

باوجود اسکے وہ ایک لحظہ میں اُتر آتے ہیں اسی طرح حقتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۴ سورہ الزمر) } اور صور پھونکا جائیگا پس جملہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے ہلاک ہوجائینگے سوا اُن لوگوں کے جنکے باقی رکھنے سے خدا کی مشیت متعلق ہوگی پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائیگا تو سب کے سب کھڑے ہوکر حکم آلہی کا انتظار کرینگے۔

پس صاحب صور (اسرافیل) کی فقط ایک نفخہ (پھونک) سے تمام آسمانوں اور زمین کے لوگ مرجائینگے اور اُن کے دوسرے نفخہ سے سب کے سب زندہ ہوجائینگے اب اس قوت کی

عظمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے - اِسی طرح حضرت جبرئیلؑ کی قوت کی یہ حد تھی کہ انہوں نے
حضرت لوطؑ کی اُمّت او پہاڑوں اور شہروں کو ایک ہی دفعہ میں اُکھاڑ لیا تھا جسکا ذکر ہو چکا ہے -
پانچواں وصف اُنکا حقتعالیٰ سے حد درجہ خوف کرنا پس باوجود کثرت عبادت اور
طول طاعت کے وہ پروردگار عالم سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں گویا کہ وہ اپنی عبادات کو
معاصی سمجھتے ہیں چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝	اور وہ (فرشتے) اُس (خدا) کی خوف سے ڈرتے رہتے ہیں

اور اس مقام پر آیات و احادیث کا نقل کرنا بخیال طول قرین مصلحت نہیں ہے البتہ اس مقام پر
جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے اُس مقدس کلام کا نقل کرنا مصلحت ہے جس میں آپ نے
اوصاف ملائکہ اور اُن کے اصناف کا ذکر فرمایا ہے اور اُسکو امام رازی نے اپنی تفسیر میں وارد
کیا ہے اور اُسکی تعریف میں لکھا ہے کہ :-

اِنَّهٗ لیس من بعد کلام اللہ وکلام رسولہ کلام فی وصف الملٰئکۃ اعلیٰ واجل من کلام امیر المؤمنین علی علیہ السلام	کلام خداوند عالم عزاسمہٗ اور کلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فرشتوں کے وصف میں کوئی کلام حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلام سے اعلےٰ اور برتر نہیں ہے -

چنانچہ حضرت کی عین عبارت مع حاصل ترجمہ ذیل میں مندرج کی جاتی ہے آپ فرماتے ہیں

ثم فتق ما بین السمٰوات العلےٰ فملاٴھن اطوارا من ملائکۃ فمنھم سجود لا یرکعون و رکوع لا ینتصبون و صافون لا یتزایلون ومسبّحون لا یسأمون لا یغشاھم نوم العیون ولا سھو العقول ولا فترۃ الابدان ولا غفلۃ النسیان	پھر حقتعالیٰ نے آسمانوں میں کشادگی کو حادث کیا اور اُنکو انواع واقسام کے فرشتوں سے پُر کر دیا پس اُنمیں سے بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہمیشہ سجدہ ہی میں مصروف رہتے ہیں رکوع نہیں کرتے اور بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں اور سیدھے نہیں ہوتے اور صف بستہ ہیں اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے اور تسبیح کرنیوالے ہیں کبھی نہیں تھکتے اُن پر آنکھوں کے خواب اور عقلوں کی بھول چوک اور جسموں کی سستی اور نسیان کی غفلت طاری نہیں ہوتی

ومنهم امناء علی وحیه السنة
الی رسله ومختلفون بقضائه
وامره ومنهم الحفظة لعباده
والسدنة لابواب جنانه ومنهم
الثابتة فی الارضین السفلی
اقدامهم والمارقة من السماء
العلیا اعناقهم والخارجة
من الاقطار ارکانهم والمناسبة
لقوائم العرش اکتافهم ناکسة
دونه ابصارهم متلفعون
باجنحتهم مضروبة بینهم
وبین من دونهم حجب العزة
واستار القدرة لایتوهمون
ربهم بالتصویر ولایجرون
علیه صفات المصنوعین
ولایحدونه بالاماکن ولا
تشیرون الیه بالنظائر۔

اور اُن میں سے بعض وہ فرشتے ہیں جو وحی خدا پر امین ہیں اور اسکے پیغام کو رسولوں کے پاس لیجاتے ہیں اور اُسکی قضاء و قدر کے پہونچانے میں آمد و رفت کرتے ہیں اور اُنمیں سے بعض وہ فرشتے ہیں جو اُسکے بندوں کی حفاظت کرتے اور دربانی بہشت کی دربانی کرتی ہیں اور اُنمیں سے بعض وہ فرشتے ہیں کہ زمین کے تحتانی حصوں میں اُنکے قدم ثابت ہیں اور آسمان بلند سے اُنکی گردنیں نکلی ہوئی ہیں اور اقطار عالم سے اُن کے ارکان خارج ہیں۔ اور اُن کے کاندھے قوائم عرش کے مناسب ہیں اور اُسکے سامنے اُنکی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اپنے بازوؤں سے اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہیں اور اُن کے اور اور اُن لوگوں کے درمیان جو اُنسے پست ہیں عزت و قدرت کی پردے حائل ہیں اپنے پروردگار کے لئے وہ صورت کا توہم نہیں کرتے اور صفات مخلوقین کو اُسپر جاری نہیں کرتے اور مکانوں کے ساتھ اُسکو محدود نہیں کرتے اور نظیروں کے ساتھ اُسکی طرف اشارہ نہیں کرتے۔

بہرحال مذکورۂ بالا تقریروں سے تین نتیجے نکلتے ہیں۔
پہلا نتیجہ یہ کہ وحی سے خدا کا وہ پیغام یا کلام مراد ہے جس پر حقتعالیٰ نبی کو فرشتہ کے ذریعے یا بدون اُسکی وساطت کے مطلع کرتا ہے خواہ خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ آکر باتیں کرے یا اُسکی طرف سے آواز پیدا ہو اور نبی اُسکو سُنے یا اُسکی طرف سے نبی کے دل میں کوئی مضمون

ڈالا جاتا خواہ بیداری میں خواہ خواب میں جسکو الہام یا القا کہتے ہیں اور یہ کہ وحی اور الہام جو نبی کی طرف ہوتا ہے وہ کسی فطری ملکہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ حقتعالیٰ کا کلام ہے جسکو نبی پر خارج سے نازل کرتا ہے اور وہ (کلام) باہر سے آتا ہے

دوسرا نتیجہ یہ کہ خدا کی طرف سے جو فرشتہ اُسکے پیام یا کلام کو نبی کے پاس لاتا ہے وہ ایک مستقل مخلوق ہے جسکو حق تعالیٰ اپنی طرف سے نبی کے پاس بھیجتا ہے اور یہ کہ وہ (فرشتہ) کسی طبعی ملکہ یا فطری قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایسا نورانی جسم ہے جو اُترنے چڑھنے اور ساکن اور متحرک ہونے پر قدرت رکھتا ہے۔

تیسرا نتیجہ یہ کہ نبی وہ بشر ہے جو وحی والہام کے ذریعہ سے تعلیم پاتا ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور یہ کہ نبوت کسی فطری ملکہ یا طبعی قوت کا نام نہیں ہے جو ہر ایک بشر میں قدرت کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور یہ کہ وحی والہام سے اُسکو جن امور کی تعلیم ہوتی ہے وہ کسی انسانی قوت کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ نبی کے لئے جس قوت سے کہ کسی امر پر اطلاع ہوتی ہے وہ ما فوق الفطرۃ ہوتی ہے اور غیر نبی کی لئے جس قوت سے کہ کسی بات پر اطلاع ہوتی ہے وہ ماتحت الفطرۃ ہوتی ہے۔

تنبیہ - اس زمانہ کے بعض مدعیان اسلام نے نتائج مذکورۂ بالا میں ترمیم اور اصلاح کی ہے وہ وحی والہام اور فرشتہ اور نبوت کو فقط انسان کی فطری قوت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں چونکہ اُن کی یہ رائے عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے اس لئے اُن کے کلام کا نقل کرنا اور بروجہ اجمال اُس سے تعرض کرنا مناسب ہے تاکہ ناظرین کے لئے حق و باطل کیا تفرقہ کرنے کا موقع ملے اور اپنے صحیح عقیدوں کو زیغ و ضلالت سے محفوظ رکھیں۔ پس واضح ہو کہ اُنھوں نے علماء سابقین پر اعتراض کرتے ہوئے وحی و الہام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ:-

وحی والہام کے متعلق تقریر } وحی تو وہی ہوتی ہے. جو خدا سے پیمبر کو دکھائی ہے مگر اگلے مفسرین نے اسکا بیان کہ وہ کیونکر دیجاتی ہے

ٹھیک طور پر نہیں کیا اُنھوں نے خدا و رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کے مانند اور وحی کو
بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کے مانند سمجھا ہے - امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں
ارقام[1] فرماتے ہیں کہ آسمان پر جبرئیلؑ خدا کا کلام سنکر آنحضرت پر اُترتے تھے اور وہ
پیغام کہدیتے تھے - پھر اس تقریر پر اُنکو یہ مشکل پیش آئی کہ خدا کے کلام میں تو حروف
اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیلؑ نے وہ کیونکر سُنا ہوگا - پھر اُسکا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے
کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیلؑ میں ایسی سماعت پیدا کی ہو جو خدا کا کلام سن لیتا ہو پھر اُسمیں یہ قدرت
رکھی ہو کہ وہ عبارت میں اُسکی تعبیر کر سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے لوح محفوظ میں
اسی ترتیب سے قرآن پیدا کر دیا ہو اور جبرئیلؑ نے اُسکو پڑھ کر یاد کر لیا ہو یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ
نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیلؑ نے
بھی اُسی کے ساتھ آواز ملائی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو بتا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہی
جو ہمارے کلام قدیم کو پورا کر دیتی ہے -

یہ تقریریں ہمارے علما قدیم کی اُسی قسم کی تقریریں ہیں جنپر آج لوگ ہنستے ہیں
اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں - امام صاحب نے
اس بات پر غور نہیں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان حضرت ہی میں ایسی سماعت
یا لوح محفوظ میں سے پڑھنے کی قدرت یا جس جسم میں سے وہ اونچی نیچی آوازیں نکلتی
تھیں اُنسے کلام سمجھ لینے کی طاقت کیوں نہیں پیدا کی جو خدا کا کلام سن لیتے اور سمجھ لیتے
تاکہ اس تکلیف کی کہ جبرئیل سنیں - پھر عبارت بنائیں - پھر اُن حضرت کو آکر سنائیں
حاجت نہ رہتی - اسکی بھی تشریح امام صاحب نے نہیں فرمائی کہ اُن اونچی نیچی
آوازوں سے آواز ملا لینے کے بعد جبرئیلؑ کو خدا نے کیونکر بتایا کہ یہ وہی عبارت ہی

[1] لفظ ارقام کا تحریر کرنے کے معنی میں استعمال کرنا بظاہر درست نہیں ہے ۱۲

آیا انہیں اونچی نیچی آوازوں سے - اُس سے تو جاننا محال تھا کیونکہ دور لازم آتا ہے پھر
اور کسیطرح بتایا ہوگا مگر پہلے ہی اُسی طرح بتادیا ہوتا - ولاشك ان هذه[1] هفوات
ليس لها في الاسلام نصيب -

جواب - یہ امر بہت واضح ہے کہ معترض کی بہ نسبت اگلے مفسرین کا قول بہرحال
زائد قابل اعتماد ہوگا اسلئے کہ وہ لوگ اہل فن ہیں اور یہ اُس سے بالکل اجنبی ہیں
اب اگر دلیل پر بنا کیجائے تو مفسرین کے قول کی تائید میں قوی دلیلیں موجود ہیں جو
کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور عقل بھی اُنکے قول کو ترجیح دیتی ہے اس لئے کہ نبی کی لوگوں
باقی لوگوں سے اُسی وقت امتیاز ہوسکتا ہے جبکہ وہ نبی کسی ایسی قوت کے ساتھ مؤید ہو
جو ما فوق الفطرۃ ہو کیونکہ فطری قوت اُن اُمور کے معلوم ہونے میں کافی نہیں ہوسکتی جو
مرضی خدا کے موافق اور غیب سے متعلق ہوں - اِس صورت میں مرضی خدا کے دریافت
کرنے اور اُمور غیب پر مطلع ہونیکی غرض سے نبی کے لئے ما فوق الفطرۃ قوت کا موجود
ہونا لازمی امر قرار پائیگا -

اور اس مطلب کو دوسری عبارت میں اسطرح ادا کرسکتے ہیں کہ نبی اور غیر نبی کے الہام میں
فوق الفطرۃ اور تحت الفطرۃ کا فرق ہے جو اُنکی حاجتوں میں ظاہر ہوتا ہے ایک
مسیحی شخص نے کیا خوب لکھا ہے کہ :-

بنی آدم کی کیفیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو آسمانی الہام کی سمت [illegible]
اور یہ ضرورت اُن کی طبیعت میں خالق کی طرف سے رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے -
یعنی خالق کی صحیح شناخت یا وہ شناخت جو عقلی طبعی شناخت سے بلند و بالا ہے
اور اس کی اس مرضی کی شناخت بھی جو ہم سے متعلق ہے اور اُس مرضی کی تکمیل

---

[1] پادری عماد الدین صاحب [illegible]

یا بجا آوری کی راہ اور بنی آدم کی ابتدائی اور انتہائی کچھ ضروری کیفیت بھی یہ چار باتیں دریافت کرنے کی ضرورت اور خواہش انسان کی طبیعت میں خدا نے رکھی ہوئی نظر آتی ہے اور فطرت معلومہ کی کیفیت سے اور عقلی یا خیالی یا وہمی یا کسی خاص ملکہ کے ہو جانے سے یہ ضرورت رفع نہیں ہو سکتی ہے اور گر کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں اس ضرورت کی نسبت تسلی کی راہ فطرت میں دکھلا سکتا ہوں اور یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ یہ ضرورت ایک وہمی بات ہے پس جبکہ ایسی ضرورت یقیناً بنی آدم کی طبیعت میں نظر آتی ہے اور اُسکی رفع یا تکمیل کی صورت یقیناً فطرت میں نہیں ہے تو اب کیا کہہ سکتے ہیں یا تو یہ کہ اس فطرت کے فاطر کا یہ فعل ہم میں عبث ہوگا پھر یہ تو عقلاً محال ہے یا یہ کہ کہیں نہ کہیں دنیا میں اسکی رفع کی صورت بھی خدا نے ظاہر ہوئی ہوگی۔ ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمام جسمانی اور بعض روحانی حاجتوں کے لئے خالق نے تکمیل کی راہ ظاہر کی ہے تو کیا ایسی ضرورت کے لئے جو تمام جسمانی و روحانی ضرورتوں سے ازحد عالی اور اہم ضرورت ہے اور جسکی تکمیل کے بغیر زندہ تمیز کا آدمی دنیا میں چین نہیں پا سکتا کوئی تکمیل کی راہ خالق نے ظاہر نہیں کی فطری ملکہ کے الہام سے تو اسکی تکمیل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو مادی الجزے ہیں اسکی تو یہی ایک صورت ہے کہ خدا خود بولے اور اُن بھیدونکو کھولدے۔ بہرحال وحی والہام کے بارہ میں جو کچھ کہ علمائے اسلام کا صحیح اعتقاد ہے اور عقلی و نقلی دلیلیں اُسکی تائید کرتی ہیں وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

معترض صاحب کے نزدیک خدا اور رسول کا دنیا کے بادشاہ و وزیر کے مانند ہونا اور وحی کا بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیام کے مانند ہونا صحیح نہیں ہے لیکن اُنکا یہ کلام بالکل بے دلیل ہے اور اس تشبیہ میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے بلکہ معترض کے مختار کی بنا پر بھی اگرچہ وحی سے محض ایک فطری ملکہ مراد ہے لیکن خدا و رسول کا بادشاہ و وزیر کے مانند کہنا اور فطری ملکہ کا پیام یا کلام کے مانند کہنا صحیح ہے اصلی کو

اِس تقدیر پر بھی تشبیہ کے جملہ ارکان موجود ہیں اور کوئی مانع موجود نہیں ہے اور چونکہ خدا کے متکلم ہونے سے اُسکا آواز اور حروف کو کسی جسم میں پیدا کر دینا مراد ہے لہذا جبرئیل کا خدا کے کلام کو سُننا اور نبی سے اُسکو بیان کر دینا بالکل بے اشکال ہے۔

اور یہ اشکال کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیلؑ نے وہ کیونکر سنا ہوگا بالکل باطل اور محض لغو ہے اِس لئے کہ حقتعالےٰ کے متکلم ہونے سے یہی مراد ہے کہ وہ کسی جسم میں مفید حرفوں اور آوازوں کو پیدا کر دیتا ہے پس خدا کے کلام میں حروف و آواز کا قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے البتہ اگر حق تعالےٰ کے لئے کلام نفسیؔ کے ثابت ہونیکا اقرار کیا جائے تو یہ کلام درست ہے لیکن کلام نفسی فی نفسہ باطل ہے پس ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی جسم میں حرفوں اور آوازوں کو پیدا کرے اور جبرئیل کے لئے کوئی ایسی علامت حادث کرے جو اُن حرفوں اور آوازوں کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرے جیسا کہ خود نبی کے لئے بھی اسی قسم کی علامت کا ظاہر ہونا لازمی امر ہے۔

اس مقام پر معترض نے امام رازی کے کلام سے جو تعرض کیا ہے وہ ایک حد تک ہم بھی صحیح سمجھتے ہیں اور بیشک وہ تقریر ہنسنے اور مضحکہ اوڑانے کے قابل ہے لیکن ازبسکہ امام صاحب اور معترض دونوں کی تقریریں کلام نفسی و قدیم پر مبنی ہیں لہذا ہم کو اُن دونوں تقریروں سے تعرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بعض مسیحی پادریوں نے معترض کی بعض کتابوں سے الہام و وحی کے بارہ میں جو چند عبارتیں نقل کی ہیں اس مقام پر اُنکا وارد کرنا اور بالاجمال اُنسے تعرض کرنا بھی مناسب

ه کلام نفسی سے وہ معنوی صفت مراد لیجاتی ہے جسکی لفظوں کے ذریعے تعبیر کیجاتی ہے اور وہ صفات لفظیہ کی ساتھ موصوف نہیں ہوتی اور اس مطلب کا باطل ہونا اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس مقام پر اس سے بحث کرنا مناسب نہیں ہے ۱۲

معلوم ہوتا ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلی عبارت۔ ہم نے الہام کو خالی نلی میں پانی بھرنا نہیں مانا بلکہ فوّارہ کی طرح اُس سے اچھلنا مانا ہے۔ جب یہ عام خیال کہ وحی و الہام اوپر سے آتا ہے نکال دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ آتا نہیں بلکہ جاتا ہے۔ اور پھر پلٹ کر پڑتا ہے۔ اور خاص خاص علوم کو انکشاف سے تعلق رکھتا ہے تو کتب الہامی کی نسبت بھی خیال صاف ہوا جاتا ہے الہام یا کتاب الہامی کا کچھ نظر (پرتو) خود اُسکا دل ہے جبپر الہام ہوا خود اُسی کی دل سے فوارہ کی مانند وحی اُٹھتی ہے اور خود اُسی پر نازل ہوتی ہے وحی یا الہام کو ہم کامل یا بے نقص نہیں کہتے بلکہ صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا۔

جواب اس تقریر کا جواب بھی اگرچہ ہماری گزشتہ تقریروں سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ہم دوسری عبارت میں اُسکا اعادہ کرنا مصلحت سمجھتے ہیں جملہ اہل اسلام اور تمام کتب آسمانی کا اس مطلب پر اتفاق ہے کہ الہام اور وحی ایک بالائی اور بیرونی تلقین ہے جو خدا کی طرف سے نبی کے دل پر نازل ہوتی اور اُترتی ہے جسکو معترض صاحب خالی نلی میں پانی بھرنے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر معترض کے الہام وحی کی تفسیر مذکورۂ بالا ایسی نوکھی تحقیقات پر نظر کرنا لازم نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اُنہوں نے اپنی عجیب و غریب تفسیر پر کوئی ادنے سا معقول شاہد بھی بیان نہیں کیا پس ایسا عجیب و غریب دعوے بدون کسی معقول شاہد کے کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اگر اُن کی یہ تفسیر صحیح تسلیم کر لی جائے تو لازم آئیگا کہ ہر ایک الہامی اور آسمانی کتاب انسان کے فطری خیالات اور دلی جذبات کا ایک مجموعہ ہو اور یہ کہ دنیا کے ہر ایک حکیم کا نبی یا رسول کہنا اور اُسکی فطری خیالات کا آسمانی کتاب کہنا صحیح ہو اور انبیاء کا کسی خاص عدد میں محدود کرنا محض بے معنی ہو بلکہ خود معترض کا نبی کہنا اور اُنکی مذکورۂ بالا خیالات کا آسمانی کتاب کہنا بالکل درست ہو اس لئے کہ اُنکی الہام کی تفسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے جس میں

ان سب باتوں کے داخل ہو جانے کی گنجائش ہے۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ:۔

"وحی یا الہام کو ہم کامل یا بے نقص نہیں کہتے ہیں"

اُن کی تفسیر کی رو سے بالکل درست ہے اس لئے کہ اُنکا الہام محض ایک فطری چیز ہے۔ جو خود انسان کی طبیعت سے پیدا ہوتا ہے جس کا ناقص ہونا نہایت واضح ہے پس ناقص سے جو چیز پیدا ہوگی وہ کامل کیونکر ہو سکتی ہے۔ لیکن اُن کی اسی تقریر سے یہ امر بھی بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کو ایک کامل اور بے نقص الہام کی ضرورت ہے جسکے ذریعہ سے اُسکے نقائص برطرف ہوں۔ اور فضائل و کمالات کے حاصل کرنیکے طریقے معلوم ہوں۔ پس ایسے الہام ربانی اور وحی آسمانی کا موجود ہونا بہر حال لازم ہوا جو ہر طرح کامل اور بے نقص ہو جسکا جملہ اہل اسلام بلکہ تمام اہل ملل کو اقرار ہے۔

اور اُن کا یہ فقرہ:۔

"بلکہ صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا"

اور بھی تعجب خیز ہے اس لئے کہ جب اُن کے نزدیک الہام کا نیچری ہونا اور نیچری الہام کا ناقص ہونا ثابت ہو چکا تو اب وہ کونسا نیچر باقی رہا جس کا الہام انکے نزدیک بے نقص اور کامل ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ نیچری کمالات میں کوئی کمال ایسا معلوم نہیں ہوتا جس میں کسی قسم کا نقص نہو نیچر میں غیب دانی اور پیشینگوئی اور گذشتہ و آیندہ کے احوال پر اطلاع یابی کا کوئی طریقہ نہیں ہے جسکی انسان کو حاجت ہے اب اگر دعوے کیا جائے کہ اس قسم کا بے نقص اور کامل الہام بھی ہم کو نیچر کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا ہے تو اس دعوے کے باطل ہونے پر کسی دلیل کے قایم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ انسانی کمالات کے حدود سے یہ مرتبہ بالاتر ہے اور آجتک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جو ان مراتب کے خود بخود حاصل ہونے کا مدعی ہوا ہو۔ اسکے علاوہ یہ کہ

نیچری کامل کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے پس جو شخص کہ بہ نسبت بعض لوگوں کے ناقص ہے وہی بہ نسبت دوسرے بعض لوگوں کے کامل ہے پس اگر نیچری کمال کا نام الہام رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ ہر ایک شخص نبی ہو۔ اگر نیچری کمال سے آدمی نبی ہو جاتا ہے تو لازم آئیگا کہ خود معترض کا نبی ہونا بھی تسلیم کیا جائے اس لئے کہ نیچری انکا دماغ بھی ایک خاص وضع کا بنایا تھا جسکی نظیر کمتر ملسکتی ہے پس ممکن ہے کہ ہم بھی انکو نیچری نبی کہیں لکن ازبسکہ خود اُن کے نزدیک بھی نیچری کمال بے نقص نہیں ہوتا اور اُن سے اُنسے ہزاروں مسامحے ایسے سرزد ہوے ہیں جنکا باطل ہونا ہر ایک عاقل کے نزدیک بدیہی طور سے معلوم ہو گیا ہے لہذا انسان کو اپنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے قسم کی نبی کی حاجت ہوتی ہے جو ان مسامحات سے بری ہو اور ایسا نبی وہی شخص ہو سکتا ہے جسنے الہام ربانی اور وحی آسمانی کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت پائی ہو۔

دوسری عبارت جس میں معترض نے اپنے مذکورۂ بالا دعوے پر دلیل قایم کی ہے اور نفس انسانی کی چار حالتیں بتلائی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اوّل تربیتی حالت جسکو کالشنس بھی کہتے ہیں۔

دوم۔ کسی خاص علم و ہنر میں ترقی کرتے کرتے اعلیٰ درجہ کی قدرت اور ملکہ اس علم و ہنر میں پیدا کرتا ہے۔

سوم۔ جب وہ کسی علم و ہنر میں غور کرتا ہے اور کسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہے لیکن اُس کی تمام اکتسابی قوتیں اُس سے عاجز آجاتی ہیں اور تنقیح کا رستہ نہیں تبلاتیں مگر دفعۃً اُسکے دل میں ایک بات آجاتی ہے جس کو وہ نہیں جانتا کہ کہاں سے اور کس طرح آئی اسطرح کی بات کے دل میں آنے کو وحی و الہام کہتے ہیں کچھ عجب نہیں کہ اس الہام کی بڑ وہی اکتسابی علوم ہوں مگر جبکہ ظاہری طور پر اکتسابی علوم اُسکا ذریعہ نہ تھے اس لئے ہم اُسکو الہام اور وحی کی حد سے خارج نہیں کرتے۔

چہارم۔ ہم انسان میں ایسی حالت پاتے ہیں جسکی بنا اکتسابی علوم پر قایم نہیں ہو سکتی بلکہ

اس شخص کے نیچر پر قایم ہوتی ہے ایک جاہل شخص کو جو نہ علوم سے واقف ہے نہ عروض کے
نہایت عمدہ شاعر پاتے ہیں اَن پڑھ اور بے علم لوگوں نے ایسے دقیق مسائل اخلاق بیان
کئے ہیں جنکو حال کی ترقی یافتہ بھی تعجب سے دیکھتے ہیں قدیم زمانہ میں جب علم کی روشنی
ذرا بھی نہ چمکی تھی یا بہت تھوڑی چمکی تھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنکو لوگوں نے خدا تک ماننے سے دریغ نہیں کیا
کہ اُنکو ایسا مان لیا تھا بلکہ اُن کے اقوال و مسائل و اصول جو اس وقت دنیا کے پاس موجود
ہیں اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے وہ مانے گئے تھے نعوذ باللہ ویسے ہی ماننے کے لایق
بھی تھے بُت پرست مصریوں میں سے بعض کے اقوال الہیات کے مسائل میں ایسے ہیں
جنسے زیادہ عمدہ نہیں ہو سکتے ہندؤوں کے ویدوں کے اُن مصنفوں کے اقوال کو دیکھو
جہاں اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کو بیان کیا ہے۔ موسی نے
کس عمدگی سے اُس مخفی مگر علانیہ ہستی کی ہستی کو ان مختصر لفظوں میں کہ میں وہی ہوں جو ہوں
بیان کیا ہے ابراہیم کو دیکھو جسنے بغیر کسی تربیت کے اپنا منھ بتوں کی طرف سے موڑا
اور خدا کی طرف پھیرا اور اپنی فطرت سے خدا کو پہچانا دریافت طلب ہے اُس کی فطرت سے آخر میں محمد رسول اللہ
کو دیکھو جسنے نہ لات و عزے کو مانا نہ تعلیم و تربیت کا لفظ سیکھا نہ سوسائٹی کے قوی اثر کو
دیکھا اور دیکھا تو اُس وحدہٗ لاشریک کو دیکھا اس طرح دلمیں پڑنے والی بات کو ہم
وحی و الہام کہتے ہیں۔

جواب۔ اس طولانی تقریر سے کئی امر مستفاد ہوتے ہیں :-

پہلا امر یہ کہ پہلی دونوں حالتیں اکتسابی ہیں اور اسلیئے وہ اُن کے نزدیک الہام و وحی سے
خارج ہیں

اس بیان میں دو باتیں قابل بحث ہیں۔

اول یہ کہ وہ تربیتی حالت اور کانشنس کو ایک بتلاتے ہیں حالانکہ کانشنس ایک طبعی قوت
اور فطری حالت کا نام ہے جسکی تمیز کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہے پس اُسکو تربیتی حالت سے

جو اکتسابی ہیں متعد سمجھنا بظاہر درست نہیں ہے -

دوم - یہ کہ اشخص کو نیچری وحی والہام سے خارج کرنا اور چہارم کو اُس میں داخل کرنا بھی بظاہر درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ دونوں غیر اکتسابی اور نیچری قوتونکا نتیجہ ہیں -

دوسرا امر یہ کہ تیسری عالت نیچری الہامُ وحی میں داخل ہے -

اگرچہ فقط نام رکھ لینے میں مناقشہ کرنا زیادہ مفید نہیں ہے لیکن اہل اسلام کسی ایسی بات کو جو ہمارے حضرت کے بعد کسی شخص کے ذہن میں آئے خواہ وہ اکتسابی ہو یا غیر اکتسابی وحی نہیں کہتے پس اسکو وحی کہنا جملہ اہلِ اسلام کے مخالف ہوگا -

تیسرا امر یہ کہ تعلیم یافتہ شخص کی جب اکتسابی قوتیں عاجز آجاتی ہیں تو جو خیال یکایک اُسکے ذہن میں آتا ہے وہ الہام اور وحی کہلاتا ہے -

یہ امر بھی کئی وجہوں سے خالی از بحث نہیں ہے -

اوّل یہ کہ اکتسابی قوتوں کے عاجز آنے کو اُسکی فطری قوتوں کا عاجز آجانا لازم نہیں ہے پس ممکن ہے کہ ایسی صورت میں جو خیال پیدا ہوا ہے وہ کسی فطری قوت کا نتیجہ ہو جیسے خیالی قوت جسکا میدان بقول شخصے[1] کبھی تنگ ہی نہیں ہوسکتا اور وہ روحانی یا جسمانی فطری خواہشوں کے ساتھ آمیزش کرکے ضرور کوئی خیال پیدا کریگی اس لئے دفعۃً اُسکے دل میں کوئی بات آجاتی ہے غلط ہو یا صحیح کچھ نہ کچھ خیال ضرور پیدا ہوجائیگا جسکو وہ نہیں جانتا کہ کہاں سے اور کسطرح آیا - یہ صورت تو اُس مسئلہ کی نسبت تنقیح کی صورت نہیں ہے کسی خیال کی پیدائش ہی کا نام تو تنقیح نہیں ہے پس اُس خیال کا صحیح یا باطل ہونا محتمل رہیگا عقل کے نزدیک اُس (خیال) کا صحیح علم اور صحیح حکم ہونا کیونکر ثابت ہوسکتا ہے اس لئے کہ صرف ایک خیال پیدا ہوگیا ہے اور اُسکے مخرج کو وہ نہیں پہچانتا کہ کہاں سے ہے کیوں نہ کہیں کہ اُنھیں

[1] اس تقریر کو پادری عماد الدین صاحب نے لکھا ہے جو کسی قدر تغیر کے ساتھ اس مقام پر وارد کی گئی ہے ۱۲

قوائے اکتسابیہ اور فطریہ کا یہ نتیجہ ہے جو عاجز نہیں جب اُس نے فکر پر زور دیا تو ذہن
اُس خیال کی طرف رسائی پائی اور قوائے اکتسابیہ سے صیقل یافتہ ذہن کی جولانی نے
یہ رہبری کی اور شاید کچھ تصدیق یا تکذیب بھی اس خیال کی نسبت اُسکے قوائے اکتسابیہ
اور انتظامات فطریہ سے ہوگئی ہو۔ یہ تو معترض صاحب بھی کہتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں کہ
کہ اُسکی جڑ بھی وہی اکتسابی علوم ہوں "پس جبکہ یہ خیال قیاس کے بھی مطابق ہے تو
کیا ضرور ہے کہ ہم اُسے الہام یا وحی کہیں اکتسابی علوم کا نتیجہ کیوں نہ کہیں پس جبکہ
اکتسابی علوم بقول معترض بھی الہام نہیں ہیں تو اُنکا نتیجہ کیونکر الہام ٹھہر گیا کیا صرف اسلئے
کہ طبعی تنگ راہ سے وہ نکلا ہے اور بظاہر اکتسابی علوم اُسکا ذریعہ نہ تھے الہام کی
مخرج کی تنگی شرط مفروض نہیں ہے مخرج خواہ تنگ ہو یا فراخ صرف منبع اور سرچشمہ
دیکھنا چاہیئے کہ کہاں سے ہے معترض کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اُس خیال کا منبع انسانی
فطرت ہونا چاہیئے نہ اکتسابی علوم اور اگر اکتسابی علوم ہی اُسکا منبع ہوں تو بھی بظاہر
نہ ہوں اور چاہیئے کہ تنگی کی راہ سے وہ خیال نکلے اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ خدا وہ خیال
اُسکے دل میں اوپر سے ڈالے بلکہ اُسی کی طبیعت سے وہ پیدا ہو تب وہ الہام فطری کی حد
میں داخل ہوگا اگرچہ طبعی ایجاد سے خیالات پیدا ہوتے ہیں لیکن انسان کی طبیعت میں
سوست اور تاریکی اور نقصان ہے اور اُسکا دل بڑا فریبی ہے - پس جو حالت اُسکی ہو
ویسی ہی بات اُس سے نکلے گی اس لئے اُسکا وہ فطری الہام نہ تو اُس کی فطری
ضرورت کو رفع کریگا نہ دوسروں کی - اور حاصل کلام یہ ہے کہ الہام سے وہی
تلقین مراد ہوتی ہے جو صحیح اور واقعی ہو اور فطرت انسانی سے جو خیال پیدا ہوتا ہے
اُسکا صحیح اور واقعی ہونا ضروری نہیں ہے پس نیچری خیال کا الہام کہنا درست نہ ہوگا -
دوم یہ کہ اگر ہم ہر ایک فطری خیال اور نیچری کمال کو الہام کہیں تو مختلف خیالات کا
الہام ہونا لازم آئیگا اور ... کیونکہ ہر ایک انسان کی فطرت یکساں نہیں ہے

پس ممکن ہوگا کہ ایک انسان کا فطری خیال دوسرے انسان کے فطری خیال کی مخالف ہو اور باوجود اسکے دونوں کے خیال الہام میں داخل ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسے لغو خیال کو کوئی عاقل نہیں مان سکتا۔ پس ضرور ہوا کہ الہام میں وہی اُمور داخل ہوں جنکا منبع اور سرچشمہ مبداء فیاض ہو جس میں کسی قسم کے نقصان کا شائبہ نہیں ہے اور اس صورت میں الہام کا انسان کے دل پر باہر سے وارد ہونا لازم ہوگا اور اُسکے منبع کا فطرت انسان ہونا باطل قرار پائے گا۔

سوم۔ یہ ممکن ہے کہ اُس خیال کو شیطان نے اُسکے دل میں ڈالدیا ہو پس اُسکو الہام کہنا کیونکر صحیح ہوگا جس کا خدا کی مرضی کے موافق ہونا ضروری ہے ہاں اصطلاح کے قایم کرلینے کا کوئی مانع نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ معترض صاحب ہر ایسے خیال کو الہام کہیں جسکا سبب اور منبع اُنکو معلوم نہو لیکن اُس سے کوئی معقول نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

چہارم یہ کہ بہت سے اہل علم کے ذہن میں جنکی اکتسابی قوتیں عاجز آجاتی ہیں مختلف خیالات پیدا ہوجاتے ہیں پس اگر اُنکے خیالات کا الہام ہونا تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئیگا کہ وہ سب کے سب انبیاء ہوں حالانکہ اُنمیں بعض کا گمراہ اور بیدین ہونا معلوم ہوتا ہے پس ایک خیال کا الہام کہنا محض لغو ہوگا

پنجم یہ کہ خیال مذکور کے پیدا ہونے میں کچھ اہل علم ہی کی تخصیص نہیں بلکہ جاہل اور کودن بھی جب کسی امر کے طے کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو دفعۃً اُسکے ذہن میں بھی کوئی نہ کوئی خیال پیدا ہوجاتا ہے پس لازم آتا ہے کہ معترض کے نزدیک شخص مفروض بھی نبی ہو۔ اور اُس کا خیال الہام میں داخل ہوجائے۔

بہر حال اِن تحقیقات کی رو سے جن عجائب و غرائب اُمور کا التزام کرنا پڑتا ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتے پس ایسی تحقیقات پر کونسا عاقل راضی ہو سکتا ہے جسکی بنا پر ایسے دور از کار اور بیہودہ اُمور کا سامنا کرنا پڑے۔

چوتھا امر یہ کہ جس خیال کی اکتسابی علوم پر بنا نہو بلکہ اُسکی بنا انسان کے نیچر پر قایم ہو

وہ الہام اور وحی ہے۔

یہ امر بھی کئی وجہوں سے خالی از اشکال نہیں ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ اس حالت کے انسان ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم میں موجود ہونی چاہئیں اس لئے کہ کوئی انسان نیچر سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی نیچر ایسا نہیں ہے جسکی وجہ سے ہر ایک شخص میں اس حالت کی سے فی الجملہ پیدائش نہ ہوتی ہو پس لازم آئیگا کہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم کا ہر ایک انسان نبی ہو اور اُسکی یہ حالت الہام ہو حالانکہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس عموم کا قائل نہیں ہو سکتا اور اُسکا لغو ہونا ایسا واضح ہے جسکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ اگر اُن کی عبارت میں انسان سے ہر ایک زمانہ کی خاص خاص قوم کے خاص خاص انسان مراد لئے جائیں تب بھی ہر ایک زمانہ میں ہر ایک کے لئے لا اقل ایک ایک نبی کا موجود ہونا لازم آئیگا جسکا بطلان نہایت واضح ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ اس صورت میں لازم آئیگا کہ ہمارے نبی پر نبوت کا خاتمہ نہو اس لئے کہ حضرت کے زمانہ سے قیامت تک کسی انسان میں نیچر کی حالت مذکورہ کے پیدا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن ہمارے حضرت کا خاتم الانبیاء ہونا جملہ اہل اسلام کے نزدیک ضروری ہے اور اس مطلب پر قرآن مجید بصراحت دلالت کرتا ہے پس معترض کی یہ تحقیقات بہرحال رائگاں ہوگی۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس تحقیقات کی بنا پر لازم آئیگا کہ انبیاء کا عدد غیر محصور ہو حالانکہ اُنکا محصور ہونا اور اُن کے سلسلہ کا تا قیامت باقی نہ رہنا معلوم ہے۔

پانچویں وجہ یہ کہ اکتسابی علوم سے جو خیال پیدا ہوتا ہے اُسکا ہر ایک شخص کے نیچری خیال سے کم رتبہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ علماء و حکماء کے ذہن میں جو خیال گذرتا ہے وہ عوام الناس ان پڑھ لوگوں کے خیال سے کہیں زائد معقول اور استوار ہوتا ہے پس معترض کا

سیاق سے معلوم ہوتا ہے علی الاطلاق درست نہ ہوگا۔

ہمارے اس مختصر بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس الہام کی بنا نیچر پر قایم ہوگی وہ ہرگز سچا اور قابل وثوق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ نیچر کا دائرہ خود اسقدر تنگ ہے کہ وہ اپنی تاریکی کے مقررہ حد سے باہر نہیں جاسکتا اور قسم سوم کی طرح اُس سے بھی وہ اغراض حاصل نہیں ہوسکتے جنکی انسان کو اپنی تکمیل میں حاجت ہے اور اور یہ کہ ان پڑھ اور جاہلوں کا نیچری خیال ایسا بگڑا ہوا اور خراب ہوتا ہے جس سے عقل کو تنفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اُسکو الہام و وحی کا درجہ عطا کیا جائے پس ایسی صورت میں ہر ایک شخص کا اپنے بگڑے ہوئے نیچر کی اصلاح کیلئے ربانی الہام اور آسمانی وحی کی طرف محتاج ہونا محتاج بیان نہیں ہے جو کسی انسان کے دل پر باہر سے نازل ہوا اور اسکی اور اُسکے تابعین کی ہدایت اور دونوں جہان کی خوبی کا سبب قرار پائے۔

پانچواں امر بعض جاہلوں کے نیچری خیالات کا جن میں طبیعت کی موزونی ہی شاعری کا ملکہ بہم پہونچاتا ہے الہام اور وحی ہونا۔

یہ امر بھی ایسا لغو ہے کہ اُسکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک جاہل شاعر کے نیچری خیالات کو خواہ وہ حق ہوں یا باطل کونسا عاقل وحی و الہام میں داخل کریگا اور اس (جاہل شاعر) کو نبی سمجھیگا۔ قرآن مجید میں شاعروں کی نسبت مذکور ہے کہ:۔

الشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ط پارہ 19 سورۃ شعراء	شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر ایک میدان میں سرگرداں رہتے ہیں۔

پس شاعروں کے نیچری خیالات پر انبیاء علیہم السلام کے ربانی احکام اور نصائح کا قیاس کرنا اور اُن کے آسمانی الہام کو شاعروں کی طبع آزمائی کے ساتھ خلط ملط کرنا کسی عاقل کا کام نہیں ہے۔

چھٹا امر یہ کہ اخلاق کے دقیق مسائل کو بعض ان پڑھ اور بے علم لوگوں کے بیان کرنیکا وحی والہام ہونا

اس خیال کی رکاکت بھی ایسی واضح ہے کہ اُسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ بعض ان پڑھ اور بے علم لوگوں نے اپنی نیچری قوت کے زور سے اخلاق کے دقیق مسائل کو

بیان کیا ہے تب بھی اُن کے اُس بیان کا الہام اور وحی ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ ایسے
مسائل اخلاق کے بیان میں کسی قسم کی غلطی نہ ہوئی ہو اور اُسکے مثل پر دوسرے لوگ قادر نہوں - لکن
مقتضائے نیچر میں دوسرے لوگوں کا عاجز فرض کرنا درست نہیں ہے جس کی وجہ واضح ہے
اور اگر اُس (بیان) کے مثل سے دوسروں کا عاجز ہونا فرض کیا جائے تو اُس (بیان) کا نیچری ہونا
کسی طرح مسلم نہیں ہے پس ضرور ہے کہ ایسا بیان اُنہیں حضرات سے صادر ہو جو الہام ربانی اور
وحی آسمانی کے ساتھ مؤید ہوں اور اپنے منجانب اللہ مقرر ہونے پر ایسے شواہد رکھتے ہوں جو اُنکی
صداقت پر دلالت کرتے ہوں جیسے آیات و معجزات اور خوارق عادت کا صادر ہونا مراد ہے جیسا کہ
سابق کی تقریروں میں مذکور ہو چکا ہے -

ساتواں امر یہ کہ قدیم زمانہ میں بعض ایسے لوگوں کے نیچری خیالات کا جو خدا مانے گئے تھے
الہام و وحی ہونا اور یہ کہ اُن کے اقوال و مسائل و اُصول جو اسوقت دنیا کے پاس موجود ہیں اُنسے
ثابت ہوتا ہے کہ جیسے وہ مانے گئے تھے ویسے ہی ماننے کے لائق بھی تھے -

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہنود کے اوتار کو نبی اور اُن کے اُصول و اقوال کو الہام و وحی
سمجھتے ہیں - اس تقریر کے جواب میں پادری عماد الدین صاحب کی وہ تقریر کافی ہے جس کو
اُنہوں نے اپنے بعض رسائل میں وارد کیا ہے - ہم اس مقام پر اُسی کا خلاصہ کا وارد کرنا
کافی سمجھتے ہیں - پادری صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :-

بیشک زمانہ قدیم میں بڑی تاریکی دنیا میں تھی ایسا نہ کہ صرف بعض آدمی خدا مانے گئے تھے بلکہ
بعض حیوانات اور بعض درخت اور بعض ستاروں کو بھی جاہلوں نے خدا مانا تھا - پس اگر اُن
لوگوں میں نیچری ملکہ کی کوئی خصوصیت تھی جو خدا مانے گئے تھے تو پرستش کرنے والوں کو
اُن حیوانات و نباتات اور ستاروں میں بھی کچھ نیچری خصوصیات نظر آئے ہونگے -
ہم کیوں نہ کہیں کہ کچھ نیچری خصوصیت نہ اُن اشخاص میں تھی نہ اُن اشیاء میں
مگر سارا فتور اُس نادانی کا تھا جو اُس زمانہ کے لوگوں میں تھی - اگرچہ

وہ فطرت میں ہمارے مساوی تھے مگر وہ اپنی فطرت میں سے کچھ روشنی نہ نکال سکے۔
معترض صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص جنکے اصول وغیرہ مان لئے گئے متعدد ہونگے اور یہ درست ہے اس لئے کہ کئی شخص اوتار ملنے گئے تھے جنکو اکثر ناظرین جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ جن اَن پڑھ اور بے علم لوگوں کے اُصول و اقوال ملنے گئے وہ دراصل وہی حضرات تھے جو ربانی الہام کی ساتھ موئد تھے اُنکو پڑھنے اور علم کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اُن حضرات کے علاوہ وہ کسی اَن پڑھ اور بے علم کے قواعد کا عقلائے روزگار کے نزدیک قابل تسلیم ہونا ہرگز ماننے کے لایق نہیں ہے۔ البتہ جاہلوں کا ذکر نہیں ہے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قسم کے لوگوں کی آؤ بھگت اور اُنکی باتوں کو مانتے رہتے ہیں بہرحال کسی شخص کے نیچری اُصول و اقوال کا عقلا کے نزدیک مسلم ہونا قابل تسلیم نہیں ہے معترض صاحب اپنے اس مطلب پر کسی دلیل کو قایم کرتے تو اُسپر نظر کیجاتی۔

آٹھواں امر یہ کہ الٰہیات میں بُت پرست مصریوں کے اقوال کا وحی و الہام ہونا۔ اس قول پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے اس لئے کہ خود ہی تو اُن مصری لوگوں کو بت پرست بتلاتے ہیں پھر اُنہیں کے اقوال کا الٰہیات میں وحی و الہام ہونا بتاتے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ جب وہ بت پرست تھے تو الٰہیات میں اُنکا بیان الہام کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو اسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ توحید کا طریقہ باطل سمجھا جائے اور بت پرستی کا طریقہ صحیح سمجھا جائے۔ مگر مسلمان شخص جو توحید خدا کا قائل ہو وہ بُت پرستی کو محض گمراہی سمجھنے پر مجبور ہے۔ وہ اُسکو الہام کیونکر کہہ سکتا ہے کیا یہ کھلی ہوئی بات نہیں ہے کہ جو بت پرست ہوگا الٰہیات میں اُسکے خیالات نہایت خراب ہونگے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ اُن بُت پرستوں کے اقوال ایسے ملتے ہیں جن سے زیادہ عمدہ نہیں ہو سکتے۔
بہرحال اس مقام سے معترض صاحب کے اصلی خیال کا اندازہ ہر ایک شخص کر سکتا ہے کہ وہ

بت پرستی کو الہام کہتے ہیں ...

اس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ بت پرستی اُن لوگوں کا فعل تھا جنکو معترض صاحب الہامی نہیں کہتے ہاں اُنکے اقوال کو الہامی کہتے ہیں اور اس میں کیا مضائقہ ہے کہ کسی شخص کا فعل گمراہی ہو اور اسی کا قول الہامی قرار دیا جائے۔ لیکن اس تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ بت پرستوں کا قول بھی وحی والہام ہوتا ہے جسپر کوئی عاقل راضی نہیں ہوسکتا اگر معترض صاحب کو اختیار ہے کہ وہ ہر ایک شخص کے نیچری خیال کا نام وحی والہام رکھیں یہ اُنکی خاص اصطلاح ہوگی جس میں ہم کو مناقشہ کرنیکی حاجت نہیں ہے مگر یہ نام اُسی قبیل کا ہوگا جیسے زنگی کا نام کافور۔ اس صورت میں ہم اُن کے بھی ہر ایک خیال کو وحی والہام کہنے کے لئے تیار ہیں اگر اسمیں اُن کے لئے کچھ فائدہ فرض کیا جائے۔

نواں امر یہ کہ بیدوں کے مصنفوں کے اُن اقوال کا جو اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں داخل وحی والہام ہونا۔

یہ خیال بھی کئی وجہوں سے عجیب و غریب ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ ہندوؤں کے ویدوں میں سورج اور آگ اور پانی کی پرستش کا بیان بھی موجود ہے جس سے اُنکا راہ صواب سے بعید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر اُن کے بعض اقوال کا صحیح ہونا فرض بھی کرلیا جائے تو اُنکے بیانات کو وحی والہام کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ کیا الہامی شخص کی یہی شان ہے کہ وہ آتش پرستی اور آفتاب پرستی کے محاسن اور اُنکے طریقے بیان کرے۔

دوسری وجہ یہ کہ خود جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت میں بھی جو بیان ہے وہ کسیطرح قبول کرنیکے لایق نہیں ہے اُنکی کتابوں[1] میں لکھا ہے کہ خدا دو طور پر ہے ایک نرگن جس میں کوئی صفت نہیں ہے دوسرا سرگن جسمیں صفتیں موجود ہیں خدا کو نرگن اُسوقت کہتے ہیں جب تمام مخلوقات فنا ہوتی ہے اور اُسکی حالت کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا

[1] یہ مطالب تحفۃ الہند مصنفہ مولوی شیخ عبید اللہ صاحب سے مرقوم ہیں جنکو اُنہوں نے مہابھارت وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۱۲

اور ستگن اُسوقت ہوتا ہے جب وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے جبکہ مایا[۵۱] کو جنبش ہوتی ہے تو
تین گن پیدا ہوتے ہیں اول رج (قوت شہوت) دوم ست (قوت عقلی) سوئم
(قوت سبعیہ) رج کی جہت سے برہما کی صورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو پیدا کرتا ہے ست
کی جہت سے بشن کیصورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو پرورش کرتا ہے تم کی جہت سے مہادیو کی
صورت میں ظاہر ہوکر مخلوق کو فنا کرتا ہے اور یہ تینوں دیوتا ہیں جو ایک خدا کے تین خدا ہیں اور
تمام جہان پر حاکم ہیں۔ اتری مُنی کی جورو کی عفت میں رخنہ ڈالنے کے لئے یہ تینوں اُس کے
دروازے پر بھیک مانگنے گئے جبکہ وہ بھیک دینے کو باہر آئی تو کہنے لگے کہ ہم بھوکے نہیں ہیں جو
جو ایسی بھیک لینگے ہاں اگر ہم کو اپنے گھر میں لیجا کر اور برہنہ ہوکر ہم کو کھانا کھلا دے تو ہم ٹھہر
رہینگے وہ اپنے شوہر سے اجازت لیکر ان تینوں کو اپنے گھر لیگئی جب کھانا کھانے لگے تو اُس عورت نے
اُنکے بدن پر پانی چھڑکا یہ تینوں چھوٹے لڑکے بن گئے۔ انکے خدا کا قول[۵۲] ہے کہ میں ایک ہوں اور
بہت ہو جاؤنگا انکے یہاں آگ اُسکا سر ہے اور چاند اور سورج اُسکی آنکھیں ہیں درجات عشرہ
اُس کے مکان ہیں اور وید اُسکی بولی ہے۔ ہوا اُسکی سانس ہے۔ جہان اُسکی عقل ہے زمین اُسکے
پیر ہیں۔ اور ساری خلقت کا جیو وہی ہے۔ وہی آپ سب کچھ ہے۔ بھلائی اور برائی کا بدلہ دینے
اور لینے والا وہ آپ ہی ہے اور آدمیوں اور دیوتاؤں اور ہوم (سوختنی قربانی) اور ذبیحہ میں رہتا ہے۔
زمین پر ساگ پات ہوکر اوگتا ہے۔ پہاڑوں پر سوتے ہوکر بہتا ہے ہوم اور بلدان کا انگ وہی ہے
تو بھی وہ نہایت پاک اور عظیم ہے۔ وہ سارے جہان کو عین خدا جانتے ہیں اُن کے
نزدیک خدا کا وجود نہیں ہے پس کثرت اور مغائرت کے انکار کا نام اُنھوں نے
وحدت رکھا ہے جو صوفیوں اور نصرانیوں کے مذہب سے ملتا جلتا مذہب ہے۔

---

۵۱ بے دانش اور قوت پیدائش کو مایا کہتے ہیں ۱۲

۵۲ یہ مطلب پادری عمادالدین صاحب کے رسالہ میں مرقوم ہے ۱۲

اب معترض صاحب سے پوچھا جائے کہ کیا اُس جوتی سروپ نرنکار کی وحدانیت اور اُسکے صفات کا ایسا ہی بیان الہام وحی میں داخل ہونے کے قابل ہے - ہندوؤں کے ویدوں اور کتابوں[۱۵] میں اُنکے بزرگان دین کے جو حالات مذکور ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے

---

[۱۵] ان کے دین کا پیشوا برہما ہے اور اُسکو رسول خدا بلکہ خدا جانتے ہیں اور بقول اُنکے اُسی کے چاروں منہ سے چاروں وید نکلے ہیں اور وید کو کلام الٰہی جانتے ہیں اور باقی تمام شاستروں کو اُنہیں ویدوں سے ماخوذ سمجھتے ہیں چنانچہ برہما اُن سب پیشواؤں کا پیشوا ہے - مہابھارت میں لکھا ہے کہ برہما سارے دیوتاؤں کا استاد ہے مہادیو اُسکے دونوں ابروسے پیدا ہوا برہما نے پہلے سرستی کو بنایا جو اُسکی بیٹی تھی بعد ازاں کام دیو (شہوت جماع) کو بنایا کام دیو نے برہما سے یہ بر (بخشش) چاہی کہ وہ جسکے دل میں جا گھسے اُسکی عقل جاتی رہے برہما نے اُسکو بر دیا اسکے بعد کام دیو برہما ہی کے دل میں جا گھسا اُسکی عقل رخصت اور شہوت غالب ہوئی اُسنے اپنی بیٹی سرستی سے قصد جماع کیا وہ بسبب شرم کے ایک طرف کو چڑ گئی - اس طرف برہما کی صورت میں ایک منہ اور ظاہر ہوگیا سرستی کو اُس منہ سے گھورنے لگا - سرستی پیچھے کو ہوگئی اُس طرف بھی ایک منہ اور ظاہر ہوگیا اور نظر بد کرنے لگا - سرستی دوسری طرف کو ہوگئی ادہر بھی حال اُسطرف بھی ہوا - چنانچہ برہما کے چار منہ اُسی وقت سے ہیں جب سرستی نے دیکھا کہ برہما اُسکا پیچھا نہیں چھوڑتا وہاں سے بھاگ چلی وہ اُسکے پیچھے دوڑا سرستی زمین میں غائب ہوکر بھاگنے لگی - جب باہر نکلکر دوڑی وہ بھی اُسکے پیچھے بھاگا غرض اسی طرح سرستی کبھی ظاہر کبھی غائب ہوکر بھاگی مگر اُسنے پیچھا نہ چھوڑا - جب دیوتاؤں میں اسبات کے چرچے ہوے تو مہادیو نے اس گناہ کے بدلے برہما کا اوپر کا ایک سر کاٹ دیا - بعض کہتے ہیں کہ اس گناہ کی شامت سے برہما کی پوجا موقوف ہوئی اور فقط دیوتا پوجے جاتے ہیں نہ برہما بعض کہتے ہیں کہ برہما نے پاربتی مہادیو کی بیوی سے آنکھ لڑائی تھی اس لئے مہادیو نے اُسکا سر کاٹ دیا - کہتے ہیں کہ سرستی نے ندی کی صورت اختیار کی کہ کہیں تر کی زمین میں تھانیسر کے نیچے کہیں ظاہر اور کہیں زمین میں غائب چلتی ہے سو ابتک اسبات کا نشان موجود ہے اور یہ کہ

[illegible]

کہ وہ سب کے سب بیہودہ اور خلاف عقل یا محض خیالی ہیں۔ پس کوئی عاقل آدمی ایسے مطالب کو وحی والہام کے ساتھ کیونکر تعبیر کر سکتا ہے۔

دسواں امر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان کا جو اُس مخفی مگر علانیہ ہستی کے متعلق صادر ہوا ہے بت پرستوں اور گمراہوں کے خیالات کی طرح نیچری الہام و وحی میں داخل ہونا۔

اس خیال کی رکاکت اور شناعت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے برحق رسول ہیں اور خدا کی طرف سے اُن پر وحی والہام ہوتا تھا اُن پر خدا نے توراۃ کو جو آسمانی کتاب ہے نازل کیا تھا لہذا اُنکا عام لوگوں پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس امر کو ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اُس مخفی ہستی کے متعلق جو بیان ہوا ہے وہ اُنکی مبارک فطرت کا مقتضا ہو۔ اور یہ کہ حضرت کو اُس مقدس ہستی کی معرفت اُن کی پاک ذہن کی صفائی اور جودت سے حاصل ہوئی ہو اس لئے کہ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے فطری ملکات بھی عام لوگوں سے بدرجہا ممتاز تھے۔ لیکن اُنکے جملہ بیانات کو باقی عوام الناس کیطرح محض نیچری اور فطری الہام و وحی میں داخل کرنا اعلیٰ درجہ کی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جملہ بیانات بھی فطری ہوتے تو دوسرے لوگوں کے بیانات کی طرح اُنکے بیانات میں بھی ضرور غلطی اور خطا واقع ہوئی ہوتی۔ اس لئے کہ انسانی فطرت دراصل نہایت تاریک اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵) دریافت کرلی ہو اس جھوٹ کی شامت سے اُسکی پوجا موقوف ہوئی۔ اُن کی بعض تواریخ سے برہما کا ترتب بنا بھی معلوم ہوتا ہو۔ اور عقلمند ایسا تھا کہ ایکبار شب کے آٹے کو ناپنے لگا جب اُسکی انتہا نہ پائی تو برہما نے جان لیا کہ یہی میرا مالک اور خالق ہو۔ **الغرض** ہندوؤں کے اُصول و اعتقادات ایسے ہی بیہودہ اور خیالی ہیں جسکا جی چاہے رسالہ تحفۃ الہند مصنفہ مولوی عبید اللہ صاحب و تحفہ جبار مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب کی طرف رجوع کرے جس میں جملہ حالات ہندوؤں کی مشہور اور مسلم کتابوں کے حوالے سے لکھے ہوئے ہیں معترض صاحب ایسے ہی خیالات کو وحی والہام میں داخل کیا چاہتے

اور ظلمانی شے ہے اُس سے بدون تعلیم و تعلم جو چیزیں صادر ہوتی ہیں اُن میں غلطی زائد اور اصابت
بہت کم ہوتی ہے مگر جبکہ حضرت موسٰے علیہ السلام کی ہر ایک بات ہر طرح کی حسن و خوبی پر
مشتمل ہے جو بدون تائید ربانی ممکن نہیں تو معلوم ہوا کہ اُن کے جملہ بیانات فطری نہیں ہیں
بلکہ آسمانی تائید سے صادر ہوئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب مدعی ہوں کہ ایسے عجائب اُمور جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے محض فطرت کے زور سے صادر ہو سکتے ہیں تو وہ ایسے
لوگوں کا نشان دیں جنہوں نے لکھا پڑھا بالکل نہ ہو اور محض اپنی طبیعت کے زور سے گزشتہ
اور آئندہ کے اُمور پر مطلع ہو گئے ہوں۔ اور توراۃ کی طرح اُنہوں نے بھی کوئی حکمت بھری کتاب
جس میں گزشتہ اور آئندہ کے صحیح واقعات مرقوم ہوں تالیف یا تصنیف کی ہو۔

گیارھواں امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خداشناسی کا بمقتضائے فطرت حاصل ہونا

اگرچہ حضرت ابراہیم میں خداشناسی کا بمقتضائے فطرت حاصل ہونا ممکن تھا اس لئے کہ اُن کی
فطرت کا اور وں کی فطرت پر قیاس نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ نے اُنکے لئے جو دماغی قوتیں عطا فرمائی تھیں
وہ ہر ایک شخص میں موجود نہیں ہو سکتیں لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جو خداشناسی حاصل
تھی وہ بمقتضائے فطرت نہ تھی بلکہ ربانی الہام و آسمانی تلقین سے حاصل ہوئی تھی چنانچہ خود
حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ پارہ ۷ سورۂ انعام	اور یہ ہماری دلیل ہے۔ جو ہمنے ابراہیم علیہ السلام کو اُسکی قوم پر غالب آنے کے لئے عطا کی تھی۔

لہ لفظ تلک اُسی حجۃ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے فاسد اعتقاد کا باطل ہونا ظاہر فرمایا تھا
چنانچہ حق تعالیٰ اُسکو قرآن مجید میں اسطرح بیان فرماتا ہے کہ۔
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ (جب اُنپر رات کی تاریکی چھا گئی تو اُنہوں نے ایک ستارہ (زہرہ) دیکھا کہنے لگے یہی میرا پروردگار

اور اس الہامی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ ستارے قابل پرستش ہوتے تو ان میں تغیر و حرکت جو امکان و حدوث کی علامت ہی موجود نہوتی لکن اُنکا متغیر و متحرک ہونا اُنکے امکان و حدوث پر دلالت کرتا ہے لہذا وہ پرستش کے قابل نہیں ہیں پس ان کے لئے بھی ایسے خالق کی ضرورت ہوگی جو امکان و حدوث کے اوصاف سے منزہ ہو۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم نے ان چیزوں کو بطور استفہام انکاری خدا کہا تھا اور اُن چیزوں کے ذکر کرنے پر اقتصار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی مشرک قوم اُنہیں چیزوں کی پرستش کرتی تھی۔ پس حضرت نے پہلے اُن لوگوں کے معبودوں کا قابل پرستش نہ ہونا ثابت کیا۔ بعد ازاں معبود برحق کے وجود اور اُسکی وحدانیت کو ظاہر فرمایا چنانچہ حق تعالے نے دلیل مذکور کے بعد حضرت ابراہیم کے قول کو اسطرح نقل فرمایا ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (جزو ۷ سورہ انعام)	میں نے ان چیزوں سے اپنا منہ موڑ کر اس معبود برحق کی طرف پھیرا ہے جسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

بہر حال اس مقام پر یہ خیال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے مشرک ہوں

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ (پارہ ۷ سورہ انعام)	خدا بنانے کو پسند نہیں کرتا) پس جبکہ چاند کو روشن دیکھا تو کہنے لگے (کیا) یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھ کو ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں داخل ہوجاتا۔ پھر جب آفتاب کو روشن دیکھا تو کہنے لگے (کیا) یہی میرا معبود و پروردگار ہے (یہ دونوں سے) بڑا ہے۔ پس جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے اے میری قوم میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جنکو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔

بعد ازاں خدائی وحدانیت کا اقرار کیا ہو بلکہ آپ نے پہلے مشرکین کے عقیدہ کو بطور فرض اپنے کلام میں نقل کیا تھا۔ اس کے بعد اُن کی غلطی کو ثابت کیا جیسا کہ قیاس خلف وغیرہ میں معمول ہے کہ اس میں اپنے دعوے کو اسطرح ثابت کرتے ہیں کہ اول اس کی نقیض کا باطل ہونا ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام سے بھی حجت مذکور کا بہ تعلیم آلہی حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو دکھایا کہ بت قابل پرستش نہیں ہیں اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کو بھی دکھاتے رہے پس جبکہ خود قرآن مجید سے اُسکا الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے تو اب کونسا مسلمان ہوگا جو اُسکی نیچری اور فطری ہونے پر ایمان لائیگا۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم میں جو فضائل و کمالات مجتمع تھے وہ بدون تائید ربانی کسی فرد بشر میں خود بخود نیچر کے ذریعہ سے جمع نہیں ہو سکتے خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ پس جس طرح کہ ان فضائل کا مخرج آسمانی وحی اور ربانی الہام کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی اسی طرح حجت مذکور کا مخرج بھی اُسکے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہوگی۔

بارھواں امر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبوت کا نیچری ملکہ و فطری قوت سے وحدہ لاشریک کی وحدانیت کو تسلیم کرنا جسمیں تعلیم و تربیت یا سوسائٹی کا کوئی اثر نہ تھا۔

یہ تقریر بھی جملہ اہل اسلام کی تصریحات کے مخالف ہے اس لئے کہ ہمارے حضرت کا وحی آسمانی والہام ربانی کے ساتھ مؤید ہونا اسلام کے ضروری عقیدوں میں داخل ہے اور خود حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى | اور ہمارا نبی اپنی نفسانی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی ہر ایک کلام میں
پارہ ۲۷ | [illegible]

اسکے علاوہ اگر معترض کو اپنے کلام پر اصرار ہو تو اُنپر لازم ہوگا کہ وہ کسی شخص کا نشان دیں جسنے محض اپنے فطری ملکہ اور نیچری قوت سے قرآن مجید کی سی پُرحکمت اور گذشتہ اور آیندہ کے صحیح واقعات پر مشتمل کتاب تصنیف یا تالیف کی ہو یا کم ازکم تربیت و تعلیم کے بارہ میں اُس سے ایسا کلام صادر ہوا ہو جو حضرت کے مکارم اخلاق اور دیگر علوم کی تعلیم کا نمونہ قرار پا سکے۔

اِس مقام سے معترض صاحب کے حسن اعتقاد کا مخفی راز ہر ایک دیندار مسلمان پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں اور یہ کہ اُنکی نظر میں اسلام کی کیا حقیقت ہے۔ ازبسکہ اُنکے ان خیالات کا دین اسلام کے مخالف ہونا نہایت ظاہر و واضح ہے۔ اِس لئے کہ ہمکو اُن کے مقابلہ میں زائد طول کلام کی حاجت نہیں ہے کیا یہ امر بالکل واضح نہیں ہے کہ ہمارے حضرت نے کسی شخص سے تعلیم نہیں پائی ہے اور آپ کے مخصوص القاب میں اُمّی کا داخل ہونا ہر ایک مسلمان کو معلوم ہے اور باوجود اس کے حضرت کی شریعت میں مبدأ اور معاد اور دیگر علوم و فنون کے متعلق صفحۂ روزگار پر جو آثار نمودار ہیں اُسکا عشر عشیر بھی کسی تعلیم یافتہ حکیم یا نیچری معلم سے صادر نہیں ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان مطالب کی مکمل شرح نبوت خاصہ میں مذکور ہوگی اس مقام پر اسی قدر کافی ہے۔ البتہ اس جگہ اسقدر کہدینا ضروری ہے کہ معترض صاحب موصوف کی مذکورۂ بالا عبارت میں بُت پرستوں اور ملحدوں کے عام لوگوں اور حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں کسی قسم کا فرق تجویز نہیں کیا گیا وہ ان سب کو ایک ہی سوسائٹی کے افراد قرار دیتے ہیں جس سے تمام شریعتوں اور آسمانی کتابوں کا انکار لازم آتا ہے۔

تیسری عبارت۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پڑتی نہیں بلکہ اُچھلتی ہے مگر جبکہ اُس کے اُچھلنے کے اسباب ہم نہیں جانتے تو اُسکو القاء کہتے ہیں۔ اگر کچھ اسباب ہوں بھی تو ایسے خفیف ہونگے جنکو مدار اُن عالی الہاموں کا قرار دینا ٹھیک نہیں ہو سکنے کا ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی حالت اور دوسروں کی حالت کو بھی دیکھا۔ اور ایک ایسا امر اُن کے دل میں پڑا جس سے اُنہوں نے تعلیمی و تربیتی و سوشیلی اثروں پر غلبہ پایا ہے اُسی دلمیں پڑنے والی شئے کو بھی ہم الہام

وحی کہتے ہیں۔ اگر وحی والہام نہ تھا تو اور کیا تھا جسنے کالون اور لوتھر کے دل کو اُس پرانے
رستے سے پھیرا اور ہمارے ہی زمانہ میں بابو کیشب چندر سین کے دل کو خدائے واحد کیطرف
موڑا اور سوامی دیانند سرستی کے دل کو مورتی پوجن سے پھیرا۔ وحی والہام اُس ہمیشہ ہست
وہستی کا دائمی فیض ہے جو نہ منقطع ہوا ہے نہ ہوگا۔ اگر وہ کسی زمانہ میں کسی سے ہمکلام ہوا ہے
تو وہ اب بھی ہمکلام ہونے کو موجود ہے اگر کسی کو اُسنے اپنا دیدار دکھلایا ہے تو وہ اب بھی
دکھلانیکو حاضر ہے۔ اگر وہ آگ کی صورت یا آدمی کی صورت بنانا جانتا تھا تو اب بھی وہ جانتا ہے
مگر وہ شخص چاہیئے جس سے وہ ہمکلام ہو اور جسکو اپنا دیدار دکھلائے یہ اُنکی نادانی ہے جو ختم
نبوت کو بمعنے انقطاع فیض مبدأ فیاض سمجھتے ہیں۔ اگر ملکۂ وحی والہام کو ایک قوت مثل دیگر قوائے ذہنی
کے تسلیم کیا جائے جیسے کہ میںنے تسلیم کی ہے تو ضرور ہے کہ وہ بھی قوائے انسانی کی طرح کسی میں
ضعیف اور کسی میں قوی یا کسی میں ناقص اور کسی میں کامل ہوگی۔ پس ہر ایک وحی والہام کو ہم کامل
یا بے نقص نہیں کہتے صرف اُسی کو کامل کہتے ہیں جسکو نیچر نے کامل کیا ہے۔

جواب۔ اس عبارت میں جو مطالب ذکر کئے گئے ہیں اگرچہ اُنکا جواب ہماری گزشتہ تقریر سے
بخوبی حاصل ہو سکتا ہے لیکن مزید اطمینان کے لئے ہم اُن کی ان عبارتوں سے بھی علیحدہ
تعرض کرنے کو مناسب جانتے ہیں اُنکی اس عبارت سے بھی کئی امر مستفاد ہوتے ہیں۔

پہلا امر وحی والہام کا اوپر سے نہ آنا بلکہ انسان کے دل سے اُسکا اُچھلنا اور جبکہ اُس کے
اسباب معلوم نہوں تو اُسکا القاء کے ساتھ تعبیر کرنا۔

ہم نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں وحی والہام اُچھلتا نہیں
بلکہ اوپر سے اُترتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام نیچری خیالات سے اُن کے وحی والہام کو پورا امتیاز
حاصل ہوتا ہے اور انسان کی نیچری قوت کے ذریعہ سے وہ مطالب ہرگز منکشف نہیں ہو سکتے
جو آسمانی وحی اور ربانی الہام سے حاصل ہوتے ہیں لیکن اُنکو اسبات کا اختیار ہے کہ وہ بعض
نظری اور نیچری قوت کے خیالات کا وحی والہام یا القاء نام رکھیں جو انہیں خود بخود اُچھلتے ہیں

اور اوپر سے نہیں اُترتے لیکن انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کے وحی و الہام میں اس اصطلاح کے قائم کرنے کے بعد بھی اُترنے اور اُچھلنے کا فرق موجود رہیگا - اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اُنہوں نے جس خیال کا نام القار رکھا ہے وہ فقط نیچری خیال کا اوتار چڑھاؤ ہے جس میں تاریکی بہت اور روشنی بالکل کم ہوتی ہے اور اسی تاریکی کے دفع کرنیکی غرض سے ربانی ہدایت کے اُترنے کی ضرورت ہوتی ہے معترض کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے نیچری خیال کے اُتار چڑھاؤ کا خود اپنی اصطلاح میں القار نام رکھا ہے اور اہل اسلام اُسکو القار نہیں کہتے۔

پس ایک اصطلاحی امر میں بحث کرنا بے فائدہ ہوگا۔

دوسرا امر - اُس دل میں پڑنے والی شئے کا الہام و وحی ہونا جو دوسروں کی حالت کے دیکھنے سے دلمیں پڑے اور تعلیمی اور تربیتی اور سوشیلی اثروں پر غلبہ پائے۔

اس امر میں بھی ہم کو بحث کرنیکی ضرورت نہیں ہے بلکہ معترض کی اصطلاح کے موافق ہم بھی دل میں پڑنے والی شئے کو الہام اور وحی کہنے کے لئے تیار ہیں - لیکن نبی اور غیر نبی میں اُترنے اور اُچھلنے کا جو فرق ہے وہ ہماری گزشتہ تقریروں سے واضح ہو چکا ہے جسکو اہل اسلام علی الخصوص دیندار لوگ خود ہی جانتے ہیں اور وہ دھوکے میں آکر معترض ایسے نیچری ہوشیار لوگوں کو حقیقی انبیاء کے ذیل میں ہرگز شمار نہیں کر سکتے یہ بالکل معمولی امر ہے کہ جس شخص کو دین اسلام کے ضروری عقیدوں پر بھی اطلاع نہ ہو وہ زمرہ انبیاء میں شمار کرنے کے قابل کیونکر ہو سکتا ہے۔

تیسرا امر - کالون اور لوتھر کے اُس خیال کا وحی و الہام ہونا جس نے دین کو پاپائی رستے سے پھیرا۔

کالون اور لوتھر کو معترض صاحب زمرۂ انبیاء میں اور اُن کے خیال کو وحی و الہام میں داخل کرنا چاہتے ہیں - لیکن یہ دونوں شخص عیسائی مذہب کے لوگ تھے جنکو اسلام سے کسیوقت بھی تعلق نہ تھا پس ایسے لوگوں کے اگر بعض خیالات کا معقول ہونا بھی تسلیم کر لیا جاتے تو بھی اُنکا وہ خیال وحی و الہام میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا حالانکہ یہ دونوں شخص ... کے نزدیک بھی ...

جان کیلون کا قول ہے کہ :-

حضرت عیسیٰؑ ابن اللہ نے جسم مادی اس واسطے قبول کیا کہ لوگوں کو گناہ سے بچائیں اور یہ کہ انسان گناہ کی سرشت کو حضرت آدمؑ سے وراثۃً پاتا ہے حتی کہ بچہ بھی لایق عذاب ہے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ :-

جب تک انسان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص تعلق حاصل نہو اُسوقت تک نجات نہیں ملسکتی اور یہ تعلق روح القدس کی مدد سے حاصل ہوتا ہے اور روح القدس کی مدد ایمان کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے [1]

جان کیلون مسئلہ جبر کا بھی قائل تھا - ڈاکٹر جان ولیم کی کتاب کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس کے ترجمہ معرکہ مذہب وسائنس میں مذکور ہے کہ کیلون نے جب سرویس کو زندہ آگ میں جلوا دیا تو وہ اصول جنہوں نے اس وحشیانہ کارروائی پر اُسے آمادہ کیا اصلاح کے سکھائے ہوئے نہ تھے بلکہ کیتھولک نصرانیت سے اُسے ترکہ میں پہونچے تھے اور وہ انکی قید سے اپنے آپ کو پوری طرح آزاد نکر سکا تھا - اسی طرح لوتھر[2] بھی ایک عیسائی مذہب کا شخص ہے اُس نے اپنے مذہب کے بعض بزرگوں کی مخالفت کی ہے یا بقول پادری عمادالدین صاحب کے اُس نے بعض اُن بدعتوں کی اصلاح کی ہے جو اُن کے مذہب کے بعض عوام اہل بدعت نے اُسمیں داخل کردی تھیں - بہرحال لوتھر کا اگر مذہب عیسوی پر مدۃ العمر قائم رہکر انتقال کرنا بھی فرض کیا جائے تب بھی وہ ہمارے نزدیک قدر ومنزلت کی نظر اور عزت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل نہیں ہوسکتا - چہ جائیکہ وہ زمرۂ انبیاء میں شمار کیا جائے یا اُسکو کوئی خیالی مدعی الہام میں داخل کیا جائے لیکن جان ولیم

---

[1] جان کیلون کے یہ اقوال ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد چہارم طبع نہم صفحہ ۵۸۸ ... میں جان کیلون ۱۵۰۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۶۴ء میں اُسنے انتقال کیا وہ پکارڈی کا باشندہ تھا ۱۲

[2] لوتھر جرمنی کا باشندہ تھا ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں انتقال کیا ۱۲

انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۵ صفحہ ۷۱ و ۷۲ - ایڈیشن نہم -

اور ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب عیسوی کے ماننے والوں
کے نزدیک بھی اُسکا خاتمہ بالخیر نہیں ہوا۔

جان ولیم صاحب مذکور کی مشہور کتاب کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس کے ترجمہ معرکہ مذہب
و سائنس میں مرقوم ہے کہ :-

مارٹن لوتھر اپنے قسیسی بالا دستوں سے جو روما میں بیٹھے بیٹھے تمام دنیا کے عقائد کے
اجارہ دار بنے ہوئے تھے صاف کہدیا کہ میں تمہارے اجتہاد کا پابند نہیں ہوں بائبل کی
تاویل و تفسیر کے متعلق مجھے بھی آزادی رائے کا وہ حق حاصل ہے جسمیں کوئی شخص دست اندازی
نہیں کرسکتا۔ اول رومانی مارٹن لوتھر کو ایک جاہل نافرمانبردار اور جھگڑالو پادری سے زیادہ نہ سمجھا
اور اگر انکویزیشن کا قابو چلتا تو اُسکی چٹکی بجاتے میں کام تمام کردیا گیا ہوتا لیکن جنگ جوں جوں
طول کھینچتی گئی یہ معلوم ہوتا چلا کہ لوتھر اکیلا نہیں ہے بلکہ اُسکی پشت پر ہزارہا صمیم العزم اشخاص
موجود ہیں جو اسکے قلم کے حملوں کی تائید اپنی تلوار کی ضربوں سے کررہے ہیں۔ لوتھر کو رومانے
جس جس طرح سے کوسا ہے اور اُسکے اعمال کی جس جس طرح تضحیک کی گئی ہے وہ اس درجہ
ترش و تلخ ہے کہ سُنکر بے اختیار ہنسی آتی ہے مثلاً مقدس نکتہ چینیوں نے ارشاد فرمایا ہے
کہ لوتھر کا باپ اُسکی ماں کا خاوند نہیں تھا بلکہ ایک خبیث جن تھا جو اُسکی ماں کا آشنا تھا
لوتھر دس سال تک ایمان و کفر کے دوگونہ چوگان کی گیند بنا رہا اور آخر میں دہریہ ہوگیا
وہ بقائے روح کا منکر تھا شراب اُسکی گھٹی میں پڑی تھی اور اسی لئے اُسنے شراب خواری
کی تعریف میں نظمیں تصنیف کیں وہ کتب مقدسہ کی توہین کرتا تھا خصوصاً حضرت موسیٰ کی
شان میں کلمات اہانت آمیز استعمال کرنے کا عادی تھا جو وعظ کرتا تھا اسکی ایک لفظ کو
بھی دل میں سچ نہ سمجھتا تھا۔ سینٹ جیمس کے خط کی نسبت اسکا یہ قول تھا کہ اسکی وقعت
پرکاہ سے زیادہ نہیں۔ واقعہ اصلاح کنیسہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکے ظہور کا باعث

جو اصلاح کی ذمہ دار قرار دی گئی ہے یہ ناتراشیدہ اور سوقیانہ فقرہ چڑھا ہوا تھا کہ اراسمس نے اصلاح کا انڈا دیا اور لوتھر اُسے سیئے بیٹھ گیا "

اور سائیکلو پیڈیا بریٹینکا جلد ۵-۲- اڈیشن نہم میں مرقوم ہے کہ :-

لوتھر سنہ ۱۵۰۸ء میں پادری مقرر ہوا اور سنہ ۱۵۱۷ء میں پوپ نے ایک پادری مسمی جان ٹیٹ زل کو جرمنی میں اس غرض سے بھیجا کہ لوگوں سے روپیہ لیکر اُنکو گناہ کے عذاب سے معافی عطا کرے اس مسئلہ سے لوتھر نے اختلاف کیا اور یہاں سے اختلاف مذہب شروع ہوا اور یہ کہ اُسنے پوپ کی فضیلت سے انکار کیا اور اُسکے نائب مسیح ہونے کو قبول نہ کیا -

اور جان ولیم ڈاکٹر ڈیپر س کتاب مذکور کے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

ازمنہ وسطےٰ میں فرانسکن طبقہ کے متقی و پرہیزگار راہب اس خیال کو صاف طور سے ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکے کہ روم کے ایک قیصر کی لن ترانیوں نے سچے مذہب کا خاتمہ کر دیا غرض اصلاح کیلئے مواد ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا سرنگ بچھائی جا چکی تھی صرف بتی دکھانیکی دیر تھی لوتھر کی آواز بلند ہونا تھی کہ شمالی یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ مریم عذرا کی پرستش اولیاء سے مراد طلبی - معجزہ نمائی - مریضوں کا کراماتی علاج - ارتکاب گناہ کے لئے تذکرۃ الغفران کی خرید اور پاپائی تنور کی بھٹی گرم کرنے والے باقی تمام ان اعمال سئیہ کا جو عیسائیت سے منسوب کر دیئے گئے تھے لیکن اُس سے حقیقت میں تعلق نہ رکھتے تھے یکقلم خاتمہ کر دیا جائے -

کیتھولک مذہب کو ایک ایسی طاقت ہونیکی حیثیت سے جسکی غایت فلاح و ترقی انسان تھی اپنے اس دعوے میں کہ اُسکا طرز عمل بتائید آسمانی ہے صاف ناکامی ہوئی -

اور ڈاکٹر صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :-

جب ہم پراٹسٹنٹ اور سائنس کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مصالحت نہ صرف ممکن ہے بلکہ آسانی سے ہو سکتی ہے بشرطیکہ پرٹسٹنٹ کلیسا دین

موسس و مخصوص کر دیا ہے۔

چوتھا امر بابو کیشب چندر سین کے دل کا خدائے واحد کی طرف مڑنا اور اُسکا داخل الہام ہونا

اگرچہ معترض صاحب کو بابو صاحب موصوف کے ایسے خیال کے داخل الہام سمجھنے یا صحیح قایم کرنیکا اختیار حاصل ہے لیکن اگر ہم اُنکے اس خیال کا صحیح ہونا بھی تسلیم کرلیں تب بھی اُس کا زمرۂ انبیاء میں منسلک ہونا معقول نہ ہوگا اِس لئے کہ اگر بابو صاحب موصوف پہلے بت پرستی کا اعتقاد رکھتے تھے بعد ازاں اُنہوں نے اپنے خیال سے عدول کیا اور اسلامی عقیدوں کو تسلیم نہیں کیا تو انکا اہل اسلام کے نزدیک قابل نجات نہونا نہایت واضح ہے پس اُنکے کسی ایک خیال کا اچھا ہو جانا اُنکے نبی ہونے اور خیال مذکور کے الہام ہونیکو مقتضی نہ ہوگا اور اگر فرض کیا جائے کہ بابو صاحب نے اپنے قدیم مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام کی حقیقت کا اقرار کیا تھا تب بھی اول امر میں بت پرست ہونا اُنکے نبی ہونے اور خیال مذکور کے الہام نہ ہونے کو کافی ہوگا۔ حالانکہ اگر کوئی شخص اوّل امر سے حقیقت اسلام کا قائل ہو لیکن وہ وحی آسمانی اور الہام ربانی کے ساتھ مؤید نہ ہو تب بھی وہ اہل اسلام کے نزدیک نبی نہیں ہوسکتا پس جو شخص کہ فقط آخر وقت میں حقیقت اسلام کا قائل ہو وہ زمرۂ انبیاء میں کیونکر داخل ہوسکتا ہے۔

پانچواں امر مورتی پوجن سے سوامی دیانند سرستی کے دل کے پھر جانیکا وحی و الہام میں داخل ہونا

معترض صاحب کا یہ کلام بھی انکی گذشتہ تقریروں کی مثل ہے جسمیں زائد کلام کرنیکی احتیاج نہیں ہے۔ اس مقام پر مہاراج دیانند سرستی کی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش سے بعض مطالب کا نہایت اختصار کے ساتھ نقل کر دینا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا مطلب حق تعالیٰ کا عاجز و مجبور ہونا چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۲۳۵[1] پر مذکور ہے۔

---

[1] یہ مطلب در القصاید حیدری مصنفہ بابو گوپال صاحب سپرداکر رو سب ڈویزنل افسر پنشن خوار دولت انگلشیہ صفحہ ۱۰ میں مرقوم ہے ۱۲

سوال - ایشور سروشکتی مان (قادر مطلق) ہے یا نہیں -

جواب - ہے لیکن جس طرح تم لفظ سروشکتی مان (قادر مطلق) کے معنی سمجھتے ہو اُس طرح پر نہیں ہے
خلاف قانون قدرت یا جو چاہے کر نہیں سکتا -

دوسرا مطلب - خدا کا گولر کی طرح مجسم ہونا چنانچہ کتاب مذکور کے کلاس ۸ صفحہ ۱۴۴ کی آخر سطر میں
مرقوم ہے کہ جس طرح گولر کے پھل میں کیڑے پیدا اور فنا ہوتے ہیں اُسی طرح پرمیشر -

تیسرا مطلب - خدا کا عورت کے رحم اور مرد کی مقعد میں موجود ہونا - چنانچہ کتاب مذکور میں [illegible]
خدا ہر جگہ اور نشیب و فراز میں محیط اور سب کو سہارا دے رہا ہے حتی کہ عورت کے رحم اور مرد کی مقعد میں [illegible]

چوتھا مطلب - بیوہ عورت کو نکاح کر لینا جائز نہ ہونا اور بیاہتا عورت کا اولاد کے لئے کسی اجنبی
مرد سے تعلق کرنیکا جائز ہونا جسکو نیوگ کہتے ہیں چنانچہ کتاب مذکور کے کلاس ۴ صفحہ ۱۴۵ لغایت ۱۵۷
میں جو عبارت مذکور ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک دفعہ کنوارے مرد اور کنواری عورت کی شادی
ہو چکے اور اتفاق سے اُن دونوں میں سے ایک مر جائے تو اُسوقت میں مرد خواہ عورت کو دوسری
شادی کرنا ناجائز ہے لیکن بغرض پیدا کرنے اولاد کے نیوگ ہو سکتا ہے - ایک عورت دس مرد سے
اور ایک مرد دس عورت سے نیوگ کر سکتا ہے لیکن انکا تعلق مثل زن و شوہر کے نہ رہے بطریق
آشنائی[1] خفیہ رہے بوقت مجامعت یکجا ہوں اور بعدہٗ عورت و مرد علیحدہ علیحدہ رہیں کہ جس طرح
گویا کوئی تعلق باہمی نہیں ہے -

پانچواں مطلب - بہت سے راجاؤں کا نیوگ سے پیدا ہونا - چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے
بڑے بڑے چکرورتی راجہ اور بڑے بڑے مہاتما رشی نیوگ سے پیدا ہوئے - بہر حال اس قسم کے
مطالب اُنکی کتاب میں بہت سے مذکور ہوئے ہیں - اگر ایسے ہی بیہودہ خیالات کا نام وحی الہام ہے
اور ایسا ہی شخص نبی ہونے کے قابل ہے تو معترض صاحب انکو شوق سے نبی اور اُنکے خیالات کو

---

[1] یعنی طریق آشنائی کے معنی فعل ناجائز کے ہوں گے ۱۲

وحی والہام کہیں لیکن کوئی عاقل آدمی ایسی باتوں کو کسی فضیلت میں داخل نہیں کر سکتا ہے۔

چھٹا امر مبدء فیاض کے دائمی فیض کا کبھی منقطع نہ ہونا۔

معترض کی یہ بات ہمارے نزدیک بھی درست ہے کہ خداوند عالم کا فیض کبھی منقطع نہیں ہوگا لیکن کیا اس دائمی فیض کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر کس و ناکس کو نبوت کا مرتبہ عطا کرتا رہیگا اگر ایسا ہی فرض کیا جائے تو لازم آئیگا کہ ہر فرد بشر نبی ہو ورنہ اُسکے فیض کا منقطع ہونا لازم آئیگا بہرحال اس خیال کی بنا پر بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں جنپر کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی راضی نہیں ہو سکتا۔

اوّل ہر ایک شخص کا نبی ہونا اور اُسکے ہر ایک خیال کا وحی و الہام ہونا جیسا کہ ابھی مذکور ہوا۔

دوم۔ قیامت کے اعتقاد کا باطل ہونا ورنہ اُسکے فیض کا منقطع ہونا لازم آئیگا۔

ہاں معترض صاحب کی طرف سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیامت میں بھی ہر ایک شخص نبی رہیگا اور اُس کے خیالات وحی و الہام میں داخل رہیں گے مگر اُسکے نزدیک اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اُسکے نزدیک معاد جسمانی کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے اب فقط نفس انسانی میں کلام منحصر ہوگا اُس میں جو کچھ کہ فطرت و نیچر کا مقتضی ہوگا وہ محفوظ رہے گا۔

سوم۔ آسمانی وحی و الہام کا بے حقیقت ہونا جسپر معترض صاحب کے کلام کی بنا قایم ہوئی ہے۔

چہارم۔ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اشخاص کا یکساں ہونا اور ان انبیاء میں خصوصیت کا موجود نہ ہونا جو امر سوم کا لازمی نتیجہ ہے۔

پنجم۔ کافر و مؤمن کا مساوی ہونا اور دین اسلام کے لئے باقی مذہبوں پر کسی مزیت کا حاصل نہ ہونا۔

ششم۔ ہمارے حضرت کے خاتم الانبیاء ہونے کے اعتقاد کا باطل ہونا ورنہ خدائی فیض کا منقطع ہونا لازم آئے گا جس کا عنقریب تذکرہ ہوگا۔

الغرض یہ کلام نہایت معنی خیز ہے اسپر حضرات ناظرین غور کریں اس مقام پر ایک پادری صاحب نے اس انوکھے اور پرمغز کلام سے تعرض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

یہاں ایک بڑا مغالطہ ہے اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ الہام حقیقی اور بات ہے، اور خدا کا دائمی فیض

اور چیز ہے مگر تم صاحب دونوں کو ایک ہی چیز بتلاتے ہیں تاکہ غلط قیاس سے اپنا مطلب ثابت
کریں حقیقی الہام ایک خاص فضل آلہی ہے جو زیادہ تر متعلق ہے اور اُس آلہی بے تبدیل مرضی کی
بیان سے جسپر انسان کی ابدی زندگی موقوف ہے اور دائمی فیض عام آلہی بخششوں کا نام ہے
جو ہر قسم کے نعمت کو شامل ہے اور جب وہ یعنی دائمی فیض بصورت خاص نجات کے بارہ میں
کسی پر ظاہر ہوتا ہے تو اُسکے دل کو اِس خاص فضل پر مائل کرتا ہے جو حقیقی الہام سے ظاہر ہوا ہے
وجود الہام جو حقیقی ہے وہ تو منقطع ہو گیا۔ اور ضرور ہے کہ منقطع ہو جائے کیونکہ حقیقی الہام نام ہے
آلہی کی تبدیل مرضی خاص کا۔ پس جب اُسکی وہ مرضی ظاہر ہو چکی تو خود بخود وہ حقیقی الہام منقطع ہو چکا۔
ہاں اگر اُس کی مرضی ہمیشہ بدلتی رہتی ہے تو چاہئے کہ حقیقی الہام بھی ہمیشہ ہوتے رہیں یہ دکھلانے کو
کہ کل وہ مرضی تھی آج یہ مرضی ہے اس صورت میں الہام منقطع نہیں ہو سکتا پر وہ اطاعت کے
قابل بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ اُسکے وعدہ اور وعید اور اُسکی رائیں بے بھروسہ ہو جاتی ہیں اور پھر
الہام سے لا حاصل ٹھہرتا ہے دائمی فیض جو عام بخششوں کو شامل ہے وہ منقطع نہیں ہوا ہے اور
ضرور ہے کہ منقطع نہ ہو اگر وہ کسی آدمی پر خاص مرضی شریعت کے بارہ میں ظاہر ہو تو بھی ہو سکتا ہے
کہ اُسکے دل کو اُسنے تبدیل مرضی آلہی پر جو الہام سے ظاہر ہو چکی ہے استحکام بخشی تب وہ الہام نہیں ہے
لیکن حقیقی الہام کی راہوں کے استحکام کی برکت ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم فیض دائمی کو اور
حقیقی الہام کو ایک چیز سمجھیں یہ دو چیزیں ہیں ایک منقطع دوسرے غیر منقطع البتہ انجرے یا نیچری
خیالات جو آلہی مرضی اور نادیدنی جہان اور نامعلوم خدا کی نسبت آدمی کے اندر ہی اُٹھتے
رہتے ہیں اور خدا کی مرضی ظاہر شدہ کے مطیع نہیں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اُٹھتے اور گرتے پڑتے
رہتے ہیں اور ہر شخص میں اُسکی حالت طبعی اور یکسوئی کی مناسبت پر ہوا کرتے ہیں وہ منقطع نہیں ہو سکتی
جب تک کہ جہان بدل نہ جائے۔ لیکن نہ وہ الہام ہے نہ دائمی فیض ہے مگر بگڑی ہوئی طبیعت
انسانی کا فتور ہے یا جسمانی خواہشوں اور عقلی خیالوں اور الہامی کتابوں کے خیالوں اور انسانی غرضوں
کے ٹکڑوں کا شور ہے

ساتواں امر۔ خداوند عالم عزاسمہ کا اب بھی ہمکلام ہونے کے لئے موجود ہونا۔

یہ تقریر بھی مسلمانوں کے عقیدہ اور قرآن وحدیث کے بالکل مخالف ہے جبکہ ہمارے حضرت نبوت کا خاتمہ ہوگیا تو اب وہ کس طرح کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے حقیقی وحی و الہام کا منقطع سمجھنا دین اسلام میں مانی ہوئی بات ہے۔ قیامت تک ہر ایک شخص کی فلاح اسی امر میں منحصر ہے کہ وہ شریعت اسلام کے احکام کی متابعت کرے مگر اس کے فیض کو وحی و الہام کہنا معترض صاحب کی محض اصطلاح ہو سکتی ہے ورنہ کسی عاقل کے نزدیک اس فیض کو وحی و الہام یا خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے۔

افسوس ہے کہ معترض صاحب موصوف مدعی اسلام ہو کر جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کریں اور ہر ایک کس و ناکس کو تا قیامت انکا ہم پلہ اور مساوی قرار دیں اور حق تعالیٰ کے دائمی فیض کو اس لغو و بیہودہ امر میں محدود کریں کہ قیامت تک انبیاء پیدا ہوتے رہینگے اور انسے ہمکلام ہوتا رہیگا

اس مقام پر بھی ایک پادری[1] صاحب کے کلام کا نقل کر دینا قرین مصلحت ہے جس میں انہوں نے اس تقریر کا جواب تحریر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:۔

اب وہ کسطرح کی ہمکلامی کے لئے موجود ہے آیا اسی طرح جس طرح قدرت کے ساتھ اسنے موسیٰ کو باتیں کہیں اس ہمکلامی کے تو کچھ خاص اسباب تھے کیا وہ اسباب اب بھی موجود ہیں کہ وہ ہمکلام ہونے کو اب بھی موجود ہو۔ البتہ دوسری طرح ہمکلام ہونیکو موجود ہے اسنے اپنی ساری مرضی کو نبیوں کے وسیلہ بدلائل و براہین ظاہر کر دیا ہے اب کچھ ضرور نہیں کہ ایسے عالی اہتمام کے ساتھ جو سابق زمانہ میں گذرا وہ ظاہر ہو کر قدرتیں ظاہر کرے اور دنیا کی حدوں تک اور قیامت تک ہر ہر منکر کے پیچھے وہی صورت لیکر دوڑے جو فرعون کے سامنے ظاہر کی تھی اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ کیا یہ بھی ایک نیچری قانون نہ ہو جائے گا۔

---

[1] پادری عماد الدین صاحب جنکا تذکرہ ہو چکا ہے ۱۲

ہاں اس ظاہر شدہ مرضی کا فہم اور اسپر قیام کی برکت اور دلوں میں ظاہر شدہ مرضی کا انکشاف جو وہ اپنے بندوں کو بخشتا ہے یہ اُسکی ہمکلامی اسوقت خاص بندوں سے ہوگئی ہے اور اسی طرح کی ہمکلامی کی اب ضرورت ہے۔ یہ بات ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر خدا سے آسمان اور زمین کبھی پیدا کیا گیا ہے تو چاہیے کہ وہ اب بھی پیدا کر کے دکھلا دے ورنہ ہم ایمان نہ لائینگے کہ وہ خالق ہے۔

آٹھواں امر خدا کا اب بھی اپنے دیدار دکھلانے کو حاضر ہونا۔

یہ امر بہت ظاہر ہے کہ خدا کی رویت محال ہے اِس لئے کہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے اُسکو کسی شخص نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے اور جو لوگ کہ خدا کی رویت کو تجویز بھی کرتے ہیں تو وہ آخرت میں تجویز کرتے ہیں اب اگر فرض کر لیا جائے کہ خداوند عالم کو کسی نبی نے دیکھا ہے تو اُس زمانہ میں جبکہ ہمارے نبی پر نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے اس کی رویت کو تجویز کرنا جملہ اہل اسلام کے نزدیک باطل ہوگا پس اس زمانہ میں خدا کے دیدار کو تجویز کرنا کسی تقدیر پر بھی درست نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ معترض صاحب نبوت کو ہر زمانہ میں تجویز کرتے ہیں اور اسکے خاص فیض کو منقطع نہیں سمجھتے اِس لئے وہ اِس زمانہ میں بھی خدا کے دیدار کو تجویز کرتے ہیں۔

نواں امر۔ خدا کا آگ یا آدمی کی صورت بننے کا ممکن ہونا۔

تمام اہل اسلام کے نزدیک خدا پر تغیر یا حلول کا تجویز کرنا جائز نہیں ہے البتہ صوفیہ اور ہنود اور مسیحیوں کے نزدیک خدا پر یہ چیزیں تجویز کیجاتی ہیں جسکی بطلان پر بہت سی دلیلیں قایم ہو چکی ہیں۔ بہر حال آگ یا پانی یا آدمی وغیرہ کی صورت میں خدا کے ذات کو تجویز کرنا ایک بیہودہ اور نیچری خیال ہے۔

دسواں امر ختم نبوت کو بمعنے انقطاع فیض مبدأ فیاض سمجھنے والی کا نادان ہونا۔

یہ خیال جملہ اہل ملت کے مخالف ہے اس لئے کہ ختم نبوت پر اہل اسلام اور دیگر اہل ملت کا اتفاق ہے یہودی اسکو حضرت موسیٰ پر اور عیسائی حضرت عیسیٰ ع پر اور اہل اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ پر نبوت کو ختم جانتے ہیں اور اس خاص فیض کے ہمیشہ باقی رہنے کو کوئی شخص بھی تجویز نہیں کرتا

وہ اپنے اس بیان میں ضرور ختم نبوت کا انکار دکھلاتے ہیں پر محمدیوں کے خوف سے اپنے اس مطلب
کو ایک عام مضمون میں جو فیض سد بر فیاض کا مفہوم ہے لپیٹ کر ناظرین کو مغالطہ دیتے ہیں

گیارھواں امر ملکۂ وحی والہام کا کسی میں ضعیف اور کسی میں قوی کسی میں ناقص اور کسی میں کامل ہونا۔
ازبسکہ معترض صاحب کے نزدیک ملکۂ نبوت بھی مثل دیگر قوائے انسانی کے فرض کیا گیا ہے
اس لئے انکا یہ کلام اُنکے من گڑھت اُصول کی بنا پر صحیح ہے لیکن اہل اسلام بلکہ تمام اہل ملت کے
نزدیک وحی والہام سے وہ تلقین ربانی مراد ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بعض بندوں کو حسب حکمت
ومصلحت مخصوص کرتا ہے جسکو طبیعت انسانی یا نیچر سے کوئی تعلق نہیں البتہ حق تعالیٰ نے
انبیاء علیہم السلام میں بھی اپنی حکمت سے بعض انبیاء کو بعض آخر پر فضیلت عطا کی ہے لیکن اُسکے وحی والہام
میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوسکتا آسمانی الہام میں نقص کو وہی شخص تجویز کرسکتا ہے جو خدا کے
علم وقدرت کو مکمل نہ سمجھتا ہو۔

بارھواں امر۔ کامل اور بے نقص الہام وہی ہے جسکو نیچر نے کامل کیا ہے۔
اس مطلب کا گزشتہ تقریروں میں تذکرہ ہو چکا ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ نیچر دراصل کسی
شخص کو کامل نہیں کرسکتا اور یہ کہ نیچر کے آثار ہمیشہ نامکمل اور نفسانی خواہشوں اور جسمانی لذتوں
اور انواع واقسام کی تاریکیوں کے ساتھ آلودہ رہتے ہیں۔ اب اگر نیچر کی راہ سے کسی شخص کا
بے نقص اور کامل ہونا فرض کیا جائے تو وہ اضافی ہوگا۔ اور لازم آئیگا کہ ہر ایک نیچری خیالات کا
آدمی نبی قرار دیا جائے۔ جسکے قبول کرنے سے معترض کو بظاہر عذر نہوگا۔ معترض نے اپنی ان تقریروں
میں جس خیال کو ظاہر کیا ہے وہ جدید نہیں ہیں بلکہ ان خیالات کو انہوں نے ہندوں اور آتش پرستوں
کے قدیم خیالات سے ماخوذ کرکے اپنی عبارتوں میں خوب رنگا ہے۔ ہم اپنے اس کلام کی
تصدیق کے لئے بعض عبارات کو نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد معلوم ہوگا
کہ معترض نے اپنی ان تمام تقریروں میں قدیم بت پرستوں اور آتش پرستوں کی تائید ہی نہیں کی
بلکہ [illegible] خیالات [illegible] اپنی کتاب

ملل ونحل میں تحریر کیا ہے کہ

والعرب والهند يتقاربان على مذهب واحد واكثر ميلهم الى تقرير خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والحقائق واستعمال الامور الروحانية والروم والعجم يتقاربان على مذهب واحد واكثر ميلهم الى طبائع الاشياء والحكم باحكام الكيفيات والكميات واستعمال الامور الجسمانية۔

عرب اور ہند کا قریب قریب ایک ہی مذہب ہے یہ لوگ خواص اشیاء کی تقریر کرتے ہیں اور ماہیات و حقائق اشیاء کے لئے آثار مخصوصہ ثابت کرتے ہیں اور اُن میں تغیر کو تجویز نہیں کرتے اور اُمور روحانیہ کو استعمال کرتے ہیں اور روم و عجم بھی قریب قریب ایک مذہب پر مجتمع ہیں وہ طبائع اشیاء کی تقریر کرتے ہیں اور اُنکی کیفیات و کمیات کے موافق حکم لگاتے ہیں اور اُمور جسمانیہ کو استعمال کرتے ہیں۔

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس طرح عرب اور ہند کے قدیم بت پرست خواص اشیاء اور ماہیات و حقائق کے احکام اور نفسانی ریاضت کی بناء پر حکم کرتے تھے اور اُن میں تغیر کو تجویز کرتے تھے۔ اُسی طرح معترض صاحب بھی قانون فطرت کی تبدیلی کو تجویز نہیں کرتے اور جس طرح کہ روم و عجم کے لامذہب لوگ طبائع اشیاء اور اُنکی کیفیات و کمیات اور جسمانی ریاضت پر جمود کرتے تھے اُسی طرح یہ بھی اُسکے خلاف کو تجویز نہیں کرتے اور جس طرح کہ ہندوستان کے براہمہ آسمانی وحی اور ربانی الہام کو بے حقیقت سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی حقیقی وحی و الہام کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ براہمہ نے نبوت کے باطل ہونے پر کئی امروں کے ساتھ استدلال کیا ہے۔ (۱) منجملہ اُن کے انہوں نے بیان کیا ہے کہ۔

ان الذي ياتي به الرسول لا يخلو من احد امرين اما ان يكون معقولا واما ان لا يكون معقولا فان كان معقولا فقد كفانا العقل التام بادراكه والوصول اليه فاي حاجة لنا الى الرسل وان لم يكن

جن چیزوں کو مدعی نبوت بیان کرتا ہے دو حال سے خالی نہوں گی یا وہ معقول ہوں گی یا معقول نہوں گی۔ پس اگر معقول ہوں گی تو اُن کے سمجھنے میں عقل تام کافی ہو گی اور نبی کی طرف حاجت نہو گی۔ اور اگر وہ چیزیں

معقولا فلا يكون مقبولا اذ
قبول ما ليس معقولا خروج عن حد
الانسية و دخول في حريم البهيمية

معقول نہین ہین تو مقبول نہونگی - اِس لئے کہ غیر معقول
چیز کا قبول کرنا انسان کو انسانیت سے خارج کرنا
اور بہائم کی حد مین داخل کرتا ہے -

(۲) منجملہ اُن کے اُنہون نے بیان کیا ہے کہ -

اكبر الكبائر في الرسالة
اتباع رجل هو مثلك في الصورة
والنفس يأكل مما تأكل ويشرب
مما تشرب حتى تكون بالنسبة
اليه كجماد يتصرف فيك رفعا
و وضعا او كحيوان يصرفك
اماما وخلفا او كعبد يتقدم
اليك امرا او نهيا
فاى تمييز له عليك واية
فضيلة اوجبت استخدامك
وما دليله على صدق دعواه
فان اغتررت بمجرد قوله
فلا تمييز لقول على قول وان
انحسرت بحجته ومعجزته فعندنا
من خصائص الجواهر والاجسام
ما لا يحصى كثرة
ومن المخبرين عن مغيبات الامور

کسی ایسے شخص کا اتباع کرنا بہت بڑا گناہ ہے جو صورت
اور نفس مین تمہارے مثل ہو جو چیز کہ تم کہاتے ہو وہی
چیز وہ بہی کہاتا ہو اور جو چیز کہ تم پیتے ہو وہی چیز وہ بہی پیتا ہو
تا اینکہ تم اُسکی نسبت مثل جمادات کے قرار پاے کہ
وہ تم مین اٹہانے اور رکہنے کے ساتہہ تصرف کرے
یا تم اسکی نسبت حیوان ہو جاؤ کہ وہ تمکو آگے پیچہے
جدہر چاہے موڑ دے یا تم اسکی نسبت غلام ہو جاؤ
کہ وہ تم پر حکمرانی کرے اور اپنی امر و نہی کو تم سے متعلق
کرے پہر اسکو تم پر کس قسم کا امتیاز حاصل ہے اور اُسکے لئے
کونسی ایسی فضیلت حاصل ہے جسکی وجہ سے وہ تم کو اپنا
خادم بنالے اور اُس کے سچے ہونے پر کون سی دلیل ہے
پس اگر تم محض اسی کے قول پر فریفتہ ہو جاؤ تو محض
ایک قول کو دوسرے قول سے تمیز نہین ہو سکتی اور اگر
تم اُس کی حجت اور معجزہ کی وجہ سے فریفتہ ہوتے ہو تو
ہمارے نزدیک جواہر و اجسام کے ایسے خواص ثابت
ہین جنکا حصر نہین ہو سکتا -
اسی طرح غیب کے اُمور کی خبر دینے والے بہی ایسے لوگ

من لا یساوی خبره۔ } موجود ہیں جنکی خبر سے اُسکی خبر برابری نہیں کر سکتی۔

بہرحال۔ معترض صاحب نے اسلامی دنیا میں اپنا جو تازہ خیال ظاہر کیا ہے وہ براہمہ ہند کا پرانا اور قدیمی خیال ہے اُن کے نزدیک آسمانی الہام کوئی چیز نہ تھا بلکہ انسان کی شایستگی کی محض نیچری کمالات پر بنا تھی اس زمانہ میں معترض صاحب موصوف نے اُنکے دیرینہ عقیدوں میں تازہ روح پھونکی ہے۔

تنبیہ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی لہذا نزول وحی کا خصائص نبوت میں داخل کرنا خالی از اشکال نہ ہوگا چنانچہ تفسیر علی بن ابراہیم سے ایک طولانی حدیث کے ضمن میں یہ مطلب منقول ہوا ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

فقلت لابی جعفرؑ کم تخلف موسیٰ فاتبا عن امته حتی رده الله علیها قال ثلثة ایام فقلت کان اخا موسیٰ لابیه وامه فقال نعم اما تسمع الله یقول یابن ام لا تأخذ بلحیتی ولا براسی فقلت فایهما کان اکبر سنا قال هارون فقلت وکان الوحی ینزل علیهما قال الوحی ینزل علی موسیٰ وموسیٰ یوحیه الی هارون فقلت له اخبرنی عن القضاء والامر والنهی کان ذلک الیهما قال موسیٰ

راوی کہتا ہے کہ مینے حضرت امام محمد باقرؑ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی امت سے کس قدر زمانہ تک غائب رہے حضرت نے ارشاد فرمایا تین دن۔ میں نے عرض کیا کیا حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے اعیانی بھائی تھے ارشاد فرمایا ہاں کیا تمنے اس آیہ کو نہیں سُنا جس میں حضرت ہارون کا یہ قول منقول ہوا ہے۔ کہ اے فرزند مادر تم میری ڈاڑھی اور سر کو نہ پکڑو” میں نے عرض کیا کہ اُن دونوں بزرگواروں میں بڑے بھائی کون تھے حضرت نے ارشاد فرمایا ہارون۔ میں نے عرض کیا کہ کیا وحی اُن دونوں پر نازل ہوتی تھی ارشاد فرمایا کہ وحی حضرت موسیٰ پر نازل ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ اُسپر حضرت ہارون کو مطلع کر دیا کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ آیا احکام قضا وامر اور نہی کا اِن دونوں بزرگواروں سے تعلق تھا یا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ

الذي يناجي ربه ويكتب العلم ويقضي بين بني اسرائيل وهارون يخلفه اذا غاب عن قومه للمناجاة الخ۔ | اپنے پروردگار سے مناجات کرتے تھے اور آسمانی علم کو لکھتے تھے اور بنی اسرائیل میں فیصلہ کرتے تھے اور حضرت ہارون اونکے غائب ہونے کیوقت ان کی قوم پر خلیفہ رہتے تھے۔

پس اس روایت سے متوہم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون پر وحی نازل نہ ہوتی تھی بلکہ وہ وحی حضرت موسیٰ پر نازل ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ اُسکے مضمون کو حضرت ہارون سے بیان کر دیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کے لیئے لازم نہیں ہے کہ اُسپر وحی بھی نازل ہوتی ہو اور اس توہم کا جواب یہ ہے کہ روایت مذکورہ کا یہ مطلب نہیں ہو کہ حضرت ہارون پر مطلقاً وحی نازل نہوتی تھی بلکہ روایت مذکورہ میں حضرت ہارون پر وحی کے نازل نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شریعت حضرت موسیٰ سے جو احکام متعلق تھے وہ حضرت ہارون پر بذریعہ وحی نہ آتے تھے بلکہ اُن کے متعلق جو وحی آتی تھی وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص تھی اس لیئے کہ صاحب شریعت حضرت موسیٰ تھے اور حضرت ہارون اُنکے خلیفہ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں شریعت حضرت موسیٰ کے احکام کا خود انہیں (حضرت موسیٰ) پر نازل ہونا موزوں ہو۔ لکن اس سے یہ مطلب ہرگز مستفاد نہیں ہوسکتا کہ حضرت ہارون پر مطلقاً وحی نازل نہوتی ہو اس لیئے کہ حضرت ہارون پر وحی کا نازل ہونا تمام اہل اسلام بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے یہاں بھی متفق علیہ ہو چنانچہ ثعالبی کی عرائس التیجان میں مذکور ہو کہ

فلما قرب من مصر اوحی اللہ تعالیٰ الی اخیہ ہارون یبشرہ بقدوم موسیٰ ویخبرہ یجعلہ لموسیٰ وزیرا ورسولا معہ الی فرعون الخ۔ | جب حضرت موسیٰ مصر سے قریب ہوئے تو حقتعالیٰ نے انکے بھائی حضرت ہارون پر وحی نازل کی جسمیں اُن کو حضرت موسیٰ کے آنے کی بشارت دی گئی تھی اور یہ کہ حقتعالیٰ نے انکو حضرت موسیٰ کیلئے وزیر اور فرعون کی طرف بھیجنے میں پیغام بر قرار دیا ہے

لہ اس عبارت کو علامہ مجلسی نے عرائس التیجان سے بحار الانوار میں بھی نقل فرمایا ہے ۱۲۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فلما اوحی اللہ الی موسی ان یاتی مصر اوحی الی ھارون ان یتلقی موسی فتلقاہ علی مرحلۃ الخ۔

جب حقتعالےٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ وہ مصر تشریف لے آئیں تو حضرت ہارون کی طرف یہ وحی کی کہ وہ حضرت موسیٰ کا استقبال کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک منزل کے فاصلہ پر اُنکا استقبال کیا۔

اور تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام موسیٰ کاظم سے منقول ہے کہ

لما خافت بنو اسرائیل جبابرتھا اوحی اللہ الی موسی و ھارون ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلۃ قال امروا ان یصلوا فی بیوتھم۔

جب بنی اسرائیل اپنے سرکش بادشاہوں سے خوف زدہ ہوئے تو حقتعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی طرف وحی نازل کی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ قرار دو ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے پر مامور ہوئے تھے۔

بہرحال اہل اسلام کے نزدیک نبی پر وحی آسمانی کا نازل ہونا لازم ہے اور یہ کہ وہ (وحی آسمانی) اُس (نبی) کے خصائص میں داخل ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہوسکتا جس پر وحی آسمانی نازل ہوتی ہو اسی طرح کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس پر وہ (وحی آسمانی) نازل نہ ہوئی ہو۔ اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں بھی حضرت ہارون پر وحی کا نازل ہونا بصراحت مرقوم ہے۔ چنانچہ سفر خروج کے باب ۴ کی آیہ ۲۷ سے یہ عبارت منقول ہوئی ہے۔ وخداوند بہ ہاروں گفت کہ بخصوص استقبال موسیٰ بہ بیابان برو کہ او روانہ شدہ او را در کوہ خدا استقبال نمود و او را بوسید۔ اور سفر عدد کے باب ۱۸ کی پہلی آیت سے یہ عبارتیں منقول ہوئی ہیں (۱) وخداوند بہ ہارون فرمود کہ تو

ف۱ - اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تفسیر علی بن ابراہیم سے نقل کیا ہے۔

ف۲ - اس تمام پر کتب مقدسہ سے جو مطالب منقول ہوئے ہیں انکو فخر الاسلام نے انیس الاعلام میں اردو کیا ہے ۱۲

وپسران آه (۸) وخداوند به هارون فرمود که اینک من آه (۲۰) وخداوند به هارون فرمود
که میراثے در زمین ایشان نخواهی گرفت آه - اِن عبارتوں سے معلوم ہوگا کہ حقتعالی نے
حضرت ہارونؑ پر وحی نازل فرمائی تھی بلکہ اِس باب میں اول سے آخر تک حضرت ہارون ہی
مخاطب ہیں اور باب ۲ و ۴ و ۱۴ و ۱۶ و ۱۹ کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقتعالی نے حضرت موسیٰ
وہارون سے چھ جگہ خطاب فرمایا ہے - اور سفر خروج (۶) آیہ (۱۳) میں یہ عبارت موجود ہے پس خداوند
باموسی وہارونؑ متکلم شد و دربارۂ اخراج بنی اسرائیل از زمین مصر پیغامے بایشاں برائے بنی اسرائیل
وبرائے فرعون ملک مصر داد - اور مذکورۂ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقتعالی نے حضرت
ہارونؑ پر کبھی حضرت موسیٰ کے ساتھ اور کبھی تنہا انہیں (حضرت ہارون) پر وحی نازل فرمائی تھی
اور یہ کہ اُن (حضرت ہارون) کو بنی اسرائیل اور فرعون کی طرف اُسی طرح مبعوث فرمایا تھا جس طرح
کہ حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تھا اور جس شخص نے توریت کے سفر خروج پر نظر کی ہوگی وہ اِس امر پر
بخوبی مطلع ہوگا کہ فرعون کے مقابلہ میں جو معجزے صادر ہوئے تھے اُن میں سے اکثر
معجزے حضرت ہارون ہی کے دست حق پرست پر صادر ہوئے تھے - بہر حال بعض
عیسائی لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت ہارون پر باوجودیکہ نبی تھے پھر بھی اُنپر وحی آسمانی نازل نہیں
ہوتی تھی محض بے معنے ہے اِس لئے کہ اُنکا یہ قول کتب مقدسہ کی آیات مذکورۂ بالا کے
مخالف ہے اور بعض عیسائیونکا اِس قول کو اہل اسلام کی طرف منسوب کرنا کسیطرح صحیح نہیں ہے
اِس لئے کہ اہل اسلام میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو حضرت ہارونؑ پر وحی آسمانی کے نازل
ہونیکا انکار کرتا ہو جیسکے بعض شواہد مذکور ہو چکے ہیں -
یہانتک معترض صاحب کی اُن عبارتوں سے اجمالی تعرض کیا گیا ہے جن کو انہوں نے وحی
والہام کے متعلق ذکر کیا تھا اور یہ کہ اُن دونوں (وحی والہام) سے کیا مراد ہے -

---

لہ اس مطلب کو پادری عماد الدین صاحب نے اپنے بعض رسالوں میں تسلیم کیا ہے ۱۲

اب انکی ان عبارتوں سے نہایت ہی اختصار کے ساتھ تعرض کرنا مصلحت ہو جنکو انہوں نے
فرشتوں کے متعلق ذکر کیا ہے اور یہ کہ اُس (فرشتہ) سے کیا مراد ہے۔

فرشتہ کے متعلق تقریر

ملک کے معنی ایلچی یا پیغامچی کے ہیں۔ عبرانی۔ یونانی۔ اور فارسی میں جو لفظ
ملک کے لیئے ہو اُن سب کے معنی بھی ایلچی کے ہیں جو خدا کا پیغام نبیوں کو
پہونچاتا ہے توریت میں بعض جگہ عام ایلچی کے لیئے بھی بولا گیا ہے۔
اور بعض جگہ مذہبی پیشواؤں اور ابر اور ہوا اور وبا کے لیئے۔ مگر فرشتوں کے وجود کے
نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیالات ہیں انسان کی یہ ایک طبعی بات ہو کہ
جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو جس کو وہ نہیں جانتا تو خواہ نخواہ اُسکے دل میں اس مخلوق
کی ایک جسمانی جسم متحیز کا جس کے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو خیال جاتا ہے۔ پھر اسکے اوصاف
پر خیال کرتے کرتے اُن کی ایک صورت جو اُن اوصاف کے مقتضی ہوتی ہے اُس کے
خیال میں قرار پاتی ہے۔ اور پھر وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ میں اُس مخلوق کو
نہیں جانتا نہ میں نے اُس کو کبھی دیکھا ہے اور یوں جاننے لگتا ہے کہ وہ مخلوق وہی ہے
جو میرے خیال میں ہے اور جب وہ خیال لوگوں میں نسل در نسل چلا آتا ہے تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے
کہ گویا اُس میں شک و شبہ مطلق ہے ہی نہیں۔ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے اُن کو نوری
سمجھکر گورا گورا سفید برف کا رنگ۔ نوری شمع کے مانند باہیں۔ بلور کی سی پنڈلیاں۔ ہیرے
کے سے پاؤں۔ ایک خوبصورت انسان کی شکل۔ مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے۔
آسمان اُن کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے۔ آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر
جانے کے لیئے اُن کے پر لگائے ہیں کسی کو شاندار اور کسی کو غصہ در غضبناک کسی کو کم شان کا
کسی کو صور پھونکتا کسی کو آتشین کوڑے سے مینہ برساتا خیال کیا ہے بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر
کی ہو تو اُن کیلیئے نہ جسم مانا ہو اور نہ انکا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے اور اسلیئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے
دو فرقے ہو گئے ہیں ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور اُن کے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قائل ہیں

اور ایک وہ کہ اُن کے متحیز ہونے کے قائل نہین۔ بعض بت پرست سمجھتے تھے کہ فرشتے سعد
ونحس کواکب کی روحیں ہیں۔ مجوسی اور بعض بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ عالم کی ترکیب نور وظلمت
سے ہے اور نور وظلمت دونوں موجود حقیقتیں ہیں مگر آپسمین مختلف اور ایک دوسرے کی ضد نور کے بھی بال بچے
پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں مگر نہ اسطرح کہ جیسے انسان اور حیوان جنتے
جناتے ہیں بلکہ اسطرح جیسے حکیم سے حکمت اور روشن چیز سے روشنی اور احمق سے حماقت۔ نور کی اولاد
تو فرشتے ہیں اور ظلمت کی اولاد شیطان۔ حکماء عقول ہی پر جن کو انہوں نے تسلیم کیا ہے فرشتہ کا
اطلاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرشتے حقیقت موجودہ غیر متحیزہ ہیں اور اُن کی حقیقت نفوس انسانی
کی حقیقت سے زیادہ تر قوی ہے اور انسان کی بہ نسبت اُنکو علم بھی زیادہ ہے۔ انمیں سے کچھ تو آسمان نو سے
اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ ہمارے بدن سے ہماری روح۔ اور کچھ بجز استغراق کی ذات باری مین
کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے۔ اور وہی ملائکہ مقربین ہیں۔ اور بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ اُن کے سوا
دو قسمیں اور ہیں اور وہ زمین کے فرشتے ہیں اور دنیا کے امورات کو درست کرتے ہیں جو نیک کام
کرنے والے ہیں وہ تو فرشتے ہیں اور جو بد کام کرنے والے ہیں وہ شیطان ہیں۔ یہودی فرشتوں کو
آدمی کی صورت پر مجسم مانتے تھے اور اُن کو اجسام حقیقی سمجھتے تھے۔ البتہ ان کے جسم کے مادہ کو مثل
انسان کے جسم کے مادہ کے نہیں مانتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ انکا جسم مادہ غلیظ سے مرکب نہین ہے وہ اپنے
تئیں انسانوں کو دکھلا بھی دیتے ہیں اُنسے بات چیت بھی کرتے ہیں انکے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں
اور غائب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا اُن کے کھانا کھانیکے باب میں کہتے ہین
کہ ظاہر میں کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر انسانوں کی خوراک نہیں کھاتے۔ بلکہ انکا کھانا اور ہی
کچھ ہے۔ یہودیوں میں جو ایک صدوقی فرقہ تھا وہ فرشتوں کا قائل نہ تھا۔ عیسائیوں کا بھی یہی خیال
تھا کہ فرشتے جسم رکھتے ہیں اور مقدس ہیں انجیل میں حضرت عیسے کو فرشتوں سے برتر کہا گیا ہے
اور بہشتیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ فرشتوں کی مانند ہوں گے۔ عرب کے بت پرست فرشتوں کو ایک
مجسم و متحیز چیز سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں اور نہ کچھ بشری ضرورت اُن کو ہے

وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور زمین پر آتے جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان بھی فرشتوں کو زمین پر رہتے چلتے پھرتے دیکھ سکتا ہے اسی خیال سے وہ آنحضرت صلعم کی نسبت کہا کرتے تھے کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اُنکے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا وہ فرشتوں کو ہوا کی مانند لطیف اجسام سمجھتے ہیں اور مختلف شکلوں میں بن جانیکی اُنمیں قدرت جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور پردار ہیں کہ اڑکر زمین پر اُترتے ہیں اور زمین پر سے اوڑکر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں۔ غرضکہ تمام اقوام میں فرشتوں کی نسبت انسانی نقائص سے پاک ہونے کا اور ایک اعلیٰ تقدس کا خیال تھا اسی خیال کی وجہ سے نیک اور اچھے آدمی کو بھی مجازاً فرشتہ کہتے تھے جیسے کہ حضرت یوسفؑ کو زلیخا کی سہیلیوں نے کہا ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ ہم دیکھتے ہیں اسی طرح انسان سے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنیکی کوئی دلیل نہیں ہے شاید کہ ہو۔ گو وہ کیسی ہی عجیب اور ناقابل یقین ہو مگر ایسے خلقت کے درحقیقت موجود ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت کہ ایسی خلقت ہے نہیں ہے۔ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیساکہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیہم ما یلبسون۔

یعنی کافروں نے کہا کہ کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے ساتھ فرشتہ۔ اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہوجاتی اور ڈھیل نہ دیجاتی اور اگر ہم فرشتہ ہی کو پیغمبر کرتے تو اسکو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ انکو ایسے ہی شبہ میں ڈالتے جیسے کہ اب شبہ میں پڑے ہیں۔

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں نہ دکھلائی دیسکتے ہیں انکا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے نہیں ہوسکتا لجعلناہ رجلا قید احترازی نہیں ہے اس جگہ انسان بحث میں تھا اس لئے لجعلناہ رجلا

سمجھنے سے کہ خدا تعالےٰ نے جو اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُنکا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور اُن قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔

پہاڑوں کی صلابت پانی کی رقت۔ درختوں کی قوت نمو۔ برق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قوے جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائک و ملائکہ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور ان دونو قسم قوتوں کے بے انتہا ذریات ہیں جو جو ہر ایک قسم کی نیکی اور بدی میں ظاہر ہوتی ہیں وہی انسان کے فرشتے اور اُنکی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور اُسکی ذریات ہیں۔

بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں۔ فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے[1] شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالجندی نے[2] جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی ربیب امام محی الدین بن عربی سے ہیں شرح فصوص الحکم میں فرشتوں کی نسبت بہت بڑی بحث لکھی ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں تمام عالم کو مجموع من حیث المجموع انسان کبیر کہتے ہیں اور انسان کو انسان صغیر۔ مقصود انکا اس اصطلاح سے یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے۔ اور جسقدر قوے انسان میں ہیں

---

[1] قال الشيخ رضي الله عنه في فصوص الحكم وكانت الملائكة من بعض قوى تلك الصورة التي هي صورة العالم المعبر عنه في اصطلاح القوم بالانسان الكبير ۱۲

[2] قال الشيخ مويد الدين بن محمود الجندي الذي اخذ الطريق عن الشيخ صدر الدين قونوي وهو عن الشيخ محي الدين ابن العربي صاحب الفصوص. اعلم ان الملائكة هي ارواح القوى القائمة بالصور الحسية والارواح النفسية والعقلية القدسية وتسميتها ملائكة لكونها روابط وموصلات الاحكام الربانية والآثار الالهية الى العوالم الجسمانية فان الملك في اللغة هو القوة والشدة فلما قويت هذه الارواح بالامداد الرباني وتاييدات اشتدت بها وقويت النسب الربانية والاسماء الالهية ايضاً على ايقاع احكامها وآثارها وايصال انوارها واظهار اسرارها سميت ملائكة وهم منقسمون الى علوي روحاني وسفلي طبيعي عنصري

وہ جزئیات ہیں۔ اور جو اُسکے کلیات ہیں وہ انسان کبیر ہے اور فرماتے ہیں کہ اُس عالم یعنی انسان کبیر کی
جو قویٰ ہیں اُنہیں میں بعض کا نام ملائک ہی شیخ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوے جنکو ملائک[1]
کہتے ہیں انسان کبیر یعنی عالم کے لئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لئے قویٰ ہیں۔ شارح[2] کہتے ہیں کہ دیکھنا
اور سُننا اور سونگھنا اور چکھنا اور چھونا جو انسان میں ہے وہ سب انہیں قوائے ملکوتی حسیہ کے ماتحت
ہیں اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور ذاکرہ اور عاقلہ اور ناطقہ انہیں قوائے ملکوتی روحانیہ کے تابع ہیں

(بقیہ ص) ومثالی ونورانی فمنہم مھیمون ومنہم المسخرون ومنہم المرادة من الاعمال بالاقوال والانفاس الصافون والحافون والعالون ما قال الخ

[1] قال الشیخ رضی اللہ فکانت الملائکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشاۃ الانسان فکل قوۃ
منہا محجوبۃ بنفسہا لاتری افضل من ذاتہا ۱۲

[2] قال الشارح القوی الحسیۃ التی فی نشأۃ الانسان ہی التی متعلقاتہا المحسوسات کالابصار والسماع
والشم والذوق واللمس وما تحت ہذہ الکلیات من الانواع والشخصیات واما القوی الروحانیۃ فکالمتخیلۃ والمتفکرۃ
والحافظۃ والذاکرۃ والعاقلۃ والناطقۃ وہذہ القوی الکلیات وشخصیاتہا
فی حیطۃ الروح النفسانی ومنشأہا ومجاری تصرفاتہا واحکامہا وآثارہا الدماغ وکالقوی
الطبعیۃ مثل الجاذبۃ والماسکۃ والہاضمۃ والغاذیۃ والمنمیۃ والمربیۃ والمصورۃ وشخصیاتہا
راجعۃ الی الروح الطبیعی وکالعلم والحلم والوقار والغناۃ والشجاعۃ والعدالۃ والسیاسۃ والتخیرۃ
والریاسۃ وغیرہا مما تحتہا من الشخصیات والانواع بالمماثلۃ والمشاکلۃ والمباینۃ والمنافرۃ عائدۃ
الی روح الحیوانی والنفسانی وکما ان ہذہ القوی منبثۃ فی اقطار نشأۃ الانسان انکان لکل جنس و
صنف ونوع من ہذہ القوی محلا خصیصا بہا ہو محل ظہور احکامہ وآثارہ ومنشأ حقائقہ
واسرارہ ولکن حکم جمعیۃ الانسان سار فی الکل بالکل۔
فلذلک العالم الذی ہو الانسان الکبیر فی زعمہم کلیات ہذہ القوی وامہاتہا یخبر

اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور غاذیہ اور منمیہ اور مربیہ اور مصورہ اُنہیں قوائے ملکوتی طبعیہ میں داخل ہیں اور حلم اور علم اور وقار اور سمجھ اور شجاعت اور عدالت اور سیاست اور ریاست انہیں قوائے ملکوتی حیوانیہ میں شامل ہیں اور یہ تمام قوی آسمان اور زمین اور اُنکی فضا میں پھیلے ہوئے ہیں پس شیخ اور اُنکے متتبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں ہمارے استنباط اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط میں صرف اتنا فرق ہے کہ شیخ کے نزدیک تمام قوی جو اجسام مرئیہ و غیر مرئیہ اور اشیاء محسوسہ اور غیر محسوسہ میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو اُن کے کلیات ہیں وہ ملائک ہیں اور یہ جزئیات اُنکی ذریات شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے ان جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا مگر چونکہ ہم کو وہ مکاشفہ حاصل نہیں ہے اس لئے ہم انہیں قوی کو جنکو شیخ اور اُن کے متتبع ذریات ملائکہ قرار دیتے ہیں ملائکہ کہتے ہیں مطلب ایک ہی صرف لفظوں یا جاننے نہ جاننے کا پھیر ہے۔ شیطان کی نسبت تو قیصری[1] نے شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہمنے کہی ہے۔ اُسمیں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے۔ اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) وما فوقہما من العوالم و تعینات ہذہ القوی والارواح فی کل حال بما ینا سبہ و یوافقہ علی الوجہ الذی یلاویہ و یطابقہ و بہا ملائکۃ الامر النازل من حضرۃ الربوبیۃ ۱۲

[1] فی القیصری شرح الفصوص فی ذیل بیان ابلیس۔

قیل ابلیس ہو قوۃ الوہمیۃ الکلیۃ التی فی العالم الکبیر والقوی الوہمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادہا لمعارضتہا مع العقل الہادی طریق الحق وفیہ نظر لان النفس المطیعۃ تحت الامارۃ بالسوء والرحمۃ من سدنتہا و تحت حکمہا لانہا من قواہا فہی اولی بذلک کما قال تعالیٰ ونعلم ما یوسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم وہذا انسان النفس ۱۲

وہی ابلیس کی ذریات ہیں۔ مگر شارح کہتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں بلکہ نفس امارہ جو انسان میں ہے وہی ذریات ابلیس ہے۔ خدا نے بھی فرمایا ہے کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں اُنکو ہم جانتے ہیں اور فرمایا ہے کہ نفس بھی بُرائی کرنے کو کہتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔ اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے غرضکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قوی کو جو انسان میں ہیں اور جنکو نفس امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے۔

جواب ۔ مذکورہ بالا عبارتوں میں جو رائے ظاہر کیگئی ہے اگرچہ اُسکا جواب ہماری گزشتہ تقریروں سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ازبسکہ ان عبارتوں میں فرشتوں اور شیطان کے وجود سے نہایت صراحت کے ساتھ انکار کیا گیا ہے جو عقائد اسلام کے بالکل خلاف ہے اس لئے مذکورہ بالا عبارتوں سے بروجہ اجمال تعرض کرنا۔ اور اس لئے کے محض مغالطہ ہونے کا ظاہر کرنا قرین مصلحت ہے تاکہ اہل اسلام اپنے صحیح عقیدوں کو دور از کار شکوک و اوہام سے محفوظ رکھیں۔ پس واضح ہو کہ مذکورہ بالا عبارتوں میں شیطان اور فرشتوں کے موجود مستقل۔ نورانی جسم۔ متحیز اور قابل حرکت و سکون ہونے کے اعتقاد کا محض خیالی ہونا۔ اور اُسپر کسی دلیل کا موجود نہ ہونا مرقوم ہوا ہے۔

اور یہ خیال مخدوش ہے اس لئے کہ اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو جملہ پیغمبروں کی نبوت و رسالت کا باطل ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ ہر ایک پیغمبر پر وحی آسمانی کا فرشتہ کی معرفت نازل ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اب اگر فرشتہ کے موجود ہونیکا انکار کیا جائیگا تو اس قسم کی وحی آسمانی کے نازل ہونے کا اعتقاد باطل ہوگا۔ جسکو فرشتہ لیکر آیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسکے بعد کسی پیغمبر کی نبوت و رسالت ثابت نہوگی۔ لیکن پیغمبروں کی نبوت کا ثابت ہونا اہل اسلام بلکہ جملہ اہل ملل کے یہاں مسلم ہے۔ لہذا فرشتہ کے موجود ہونیکا اعتقاد بھی ضروری ہوگا۔ علاوہ ازین فرشتوں کا موجود مستقل۔ نورانی جسم۔ متحیز اور قابل حرکت و سکون ہونا بہت سی قطعی دلیلوں سے ثابت ہے توضیح مطلب

دلیل اوّل - آیات قرآنی اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور نورانی جسم اور قابل حرکت سکون ہونے پر قرآن شریف کی جو آیتیں دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں جنہیں سے بعض کا تذکرہ بھی ہوچکا ہے - مگر اس مقام پر صرف بعض آیات کے وارد کرنے پر اکتفا کرنا مناسب ہو جنپر نظر کرنے کے بعد واضح ہوجائیگا کہ کوئی شخص مسلمان ہوکر فرشتوں کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا -

پہلی آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ (پارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ) } اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد میں اُسکی تنزیہ اور پاکی کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں اُنکے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں -

اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں علامہ طبرسی[1] تحریر فرماتے ہیں کہ وہ (فرشتے) ایسی چیزوں سے اپنے پروردگار کے منزہ ہونے کو ظاہر کرتے ہیں جنکے ساتھ اُسکا موصوف ہونا جائز نہیں ہے - اور اُن چیزوں سے اُسکے برتر ہونے کو بیان کرتے ہیں جو اُسکی ذات اور افعال کے لائق نہیں ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ :-

والملئکۃ ومن حول العرش یسبحون بحمد ربھم لا یفترون - } اور فرشتے اور وہ لوگ جو عرش کے گرد ہیں خدا کی حمد میں اُسکی تسبیح کرتے ہیں - اور وہ تھکتے نہیں -

اور زمین میں جو اہل ایمان ہیں اُنکے لئے استغفار کرتے ہیں -

اور امام فخر الدین رازی نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

ان مخلوقات اللہ نوعان عالم الجسمانیات واعظمھا السموات } مخلوقات الٰہی کی دو قسمیں ہیں - (۱) عالم جسمانی جسمین سب سے بڑی مخلوق آسمان ہیں -

---

[1] علامہ طبرسی کی عین عبارت یہ ہے ای ینزھونہ عما لا یجوز علیہ فی صفاتہ ویعظمونہ عما لا یلیق بہ فی ذاتہ وافعالہ وروی عن ابی عبد اللہ والملائکۃ ومن حول العرش یسبحون بحمد ربھم لا یفترون ویستغفرون لمن فی الارض من المؤمنین ۱۲

فبيّن سبحانه كمال عظمته باستيلاء هيبته على الجسمانيات فقال "تكاد السموات يتفطرن من فوقهن"، ثم انتقل الى ذكر الروحانيات فقال "والملائكة يسبحون بحمد ربهم" والجواهر الروحانية لها تعلقان تعلق بعالم الجلال والكبرياء وهو تعلق القبول فان الاضواء الصمدية اذا اشرقت على الجواهر الروحانية استنارت جواهرها واشرقت ماهياتها ثم ان الجواهر الروحانية اذا استفادت تلك القوى الربانية قويت بها على الاستيلاء على عالم الجسمانيات واذا كان كذلك فلها وجهان وجه الى حضرة الجلال ووجه الى عالم الاجسام والوجه الاول اشرف من الثاني اذا عرفت هذا فنقول اما الجهة الاولى وهي الجهة المقدسة العلوية فقد اشتملت على امرين احدهما التسبيح والثاني التحميد لان التسبيح عبارة عن تنزيه الله تعالى عما

پس حقتعالى نے اولاً اپنے کمال عظمت کے اظہار میں اپنی ہیبت کا تمام جسمانی عالم پر محیط ہونا بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "قریب ہے کہ تمام آسمان (اسکی ہیبت سے) اپنے اوپر سے شگافتہ ہو جائیں" بعد ازاں حق تعالی نے عالم روحانی کی طرف رجوع فرمائی اور ارشاد کیا "اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد میں اُسکی تسبیح (تنزیہ) کرتے ہیں" اور روحانی جواہر کے لئے دو قسموں کے تعلق ہیں ایک وہ تعلق ہے جو خدا کے جلال و کبریائی سے وابستہ ہے پس جبکہ روحانی جواہر پر ربانی انوار اپنی چمک ڈالتے ہیں تو اُنکے جواہر نورانی ہو جاتے ہیں اور اُنکی ماہیتیں چمکنے لگتی ہیں۔ اور جبکہ روحانی جواہر انوار الٰہیہ کا استفادہ کر لیتی ہیں تو اُنہیں جسمانی عالم پر تسلط پانے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور جبکہ ایسا ہوتا ہے تو اُن (روحانی جواہر) میں دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک جہت یہ کہ وہ خدا کی بارگاہ جلال کی طرف متوجہ ہیں اور دوسری جہت یہ کہ وہ جسمانی عالم کیطرف متوجہ ہیں اور دوسری جہت سے پہلی جہت اعلیٰ و برتر ہے پس پہلی جہت دو امر پر حاوی ہوتی ہے (۱) تسبیح (تنزیہ) (۲) تحمید اس لئے کہ تسبیح سے اُسکا ان اُمور سے منزہ ہونا مراد ہے جو اُسکی ساحت جلال و کبریائی کے لائق نہیں ہیں اور تحمید سے اُسکا

وکونه منزها فی ذاته عما لا ینبغی مقدم
بالرتبة علی کونه فیاضا للخیرات والسعادات
لان وجود الشیء وحصوله فی نفسه مقدم علی
تاثیره فی حصول غیره فلهذا السبب کان
التسبیح مقدما علی التحمید ولهذا قال یسبحون بحمد
ربهم واما الجهة الثانیة وعلی الجهة لتلک
الارواح الی عالم الجسمانیات فلا شارة الیها
بقوله ویستغفرون لمن فی الارض المراد
منها تاثیراتها فی نظم احوال
هذا العالم وحصول الطریق الاصوب فیها۔

اور اسکا اپنی ذات میں ہر ایک نا زیبا امر سے منزہ ہونا
اُسکے معطی خیر و سعادت ہونے پر مقدم ہے اس لئے
کہ شئے کا فی نفسہ موجود ہونا اس بات پر مقدم ہے کہ وہ کسی
دوسری چیز میں تاثیر کرے اِسی وجہ سے تحمید پر تسبیح
کو مقدم فرمایا اور ارشاد کیا یسبحون بحمد ربہم۔
اور حقتعالی نے دوسری جہت کی طرف اس آیۂ شریفہ
ویستغفرون لمن فی الارض میں اشارہ فرمایا ہے
اور اس (دوسری جہت) سے یہ مراد ہے کہ جسمانی
عالم کے نظم و نسق میں اُن (روحانی جواہر) کی تاثیر ہو
اور راہ صواب حاصل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو اُنکا خدا کے لئے تسبیح و تحمید کرنا اور بندوں کیلئے استغفار کرنا اور اُن کے لئے دو جہتوں کا حاصل ہونا۔ اور اُنکا انوار الٰہیہ سے استفادہ کرنا اور جسمانی عالم کے نظم و نسق کا درست کرنا وغیرہ محض خیالی قرار پائیگا۔ اور اس صورت میں معاذ اللہ حق تعالی کا دروغگو ہونا لازم آئیگا جسکی تسلیم کرنے پر کوئی مسلمان آمادہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ
حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا ج
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ
شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا

وہ فرشتے جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور وہ
فرشتے جو اُس (عرش) کے گرد ہیں وہ (سب کے سب)
اپنے پروردگار کی حمد میں تسبیح کرتے ہیں اور اُسکے
ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے لئے استغفار
کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں (اور دعا میں کہتے ہیں) کہ ہمارے
پروردگار تیری رحمت اور علم ہر ایک چیز کے لئے گنجائش رکھتا ہے

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ع پارہ ۲۴ سورہ المومن	پس تو اُن لوگوں کو بخشدے جنہوں نے توبہ کی ہے۔ اور تیرے راستہ کی پیروی کی ہے اور تو انکو دوزخ کی آگ سے بچالے اور انکو جنات عدن میں داخل کردے جنکا تو نے اُنسے وعدہ کیا ہے اور اُن لوگوں کو (بھی) جو انکے آباء واجداد و ازواج اور اولاد میں نیک ہیں تو بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے اور انکو گناہوں کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اور جسکو تو نے گناہوں کی بدی سے اُس روز محفوظ رکھا تو اُسپر رحمت فرمائی۔ اور یہ بہت بڑی ستگاری ہے

اس آیۂ شریفہ میں خداوند عالم نے فرشتوں کے لئے کئی امر ثابت فرمائے ہیں۔

(۱) خداوند عالم کے لئے تسبیح کرنا۔
(۲) حقتعالے کے لئے تحمید کرنا۔
(۳) خداوند عالم پر ایمان لانا۔
(۴) مؤمنین کے لئے استغفار کرنا۔
(۵) خداوند عالم کو وسعت رحمت کے ساتھ موصوف کرنا۔
(۶) توبہ کرنے والوں اور راہِ خدا کی پیروی کرنے والوں کے لئے استغفار کرنا۔
(۷) اُن کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرنا۔
(۸) اُن کے لئے جنات عدن میں داخل کرنے کی دعا کرنا۔
(۹) اُن کے آباء صالحین کے لئے دعا کرنا۔
(۱۰) اُن کی ازواج کے لئے دعا کرنا۔
(۱۱) اُن کی ذریت کے لئے دعا کرنا۔
(۱۲) خداوند عالم کو قہر و حکمت کے ساتھ موصوف کرنا۔
(۱۳) اُن توبہ کرنے والوں اور راہ خدا کی پیروی کرنے والوں کی لئے عذاب سے محفوظ رکھنے کی دعا کرنا۔

(۱۴) خداوند عالم کو رحم کرنے کے ساتھ موصوف کرنا۔

(۱۵) رحمت خدا پر فائز ہونے کو فوز عظیم کہنا۔

پس اگر فرشتوں کا موجود ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو لازم آئے گا کہ حقتعالیٰ نے مذکورۂ بالا اوصاف کے ساتھ محض خیالی مخلوق کو موصوف کیا ہو۔ اور بندوں کو مغالطہ میں ڈالا ہو۔ (نعوذ باللہ من ذلک۔

تیسری آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۝ (پارہ ۲۴ سورہ الزمر)

اور تم فرشتوں کو دیکھوگے کہ وہ عرش کے گرد احاطہ کئے ہوں گے اور اپنے پروردگار کی حمد میں تسبیح کرتے ہونگے۔

علامہ طبرسی اس آیۂ شریفہ کے معنوں میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ومن عجائب امور الآخرة انك ترى الملائكة محدقين بالعرش (عن قتادہ والسدی) يطوفون حوله يسبحون بحمد ربهم اى ينزهون الله تعالى عما لا يليق به ويذكرونه بصفاته التى هو عليها وقيل يحمدون الله تعالى حيث دخل الموحدون الجنة وقيل ان تسبيحهم فى ذالك الوقت على سبيل التلذذ والتنعم لا على وجه التعبد اذ ليس هناك تكليف وقد عظم الله سبحانه امر القضاء فى الآخرة بنصب العرش وقيام الملائكة حوله معظمين له سبحانه

امور آخرت کی عجیب باتوں میں سے یہ امر بھی ہوگا کہ تم فرشتوں کو عرش کے گرد دیکھوگے کہ وہ اُس (عرش) کا طواف کرتی ہونگی اور ایسی باتوں سے خدا کے منزہ ہونیکا اقرار کرتے ہونگے جو اُسکے لائق نہیں ہیں اور اُسکا اُن اوصاف کے ساتھ ذکر کرتے ہونگے جنکے ساتھ کہ وہ درحقیقت موصوف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ خدا کی اس بات پر حمد کرینگے کہ موحد لوگ بہشت میں داخل ہوگئے اور بعض نے بیان کیا ہے کہ اُنکی تسبیح اُسوقت بر سبیل تلذذ و تنعم ہوگی اور بر وجہ تعبد نہوگی اسلئے کہ وہاں پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور حقتعالیٰ نے آخرت میں فیصلہ ہونے کی عظمت کو اسطرح ظاہر فرمایا ہے کہ (اُس روز) عرش منصوب ہوگا۔ اور فرشتے اُس کے گرد کھڑے ہونگے۔

و مسبحين [illegible] اراد
الجلوس للمظالم قعد على سريره و
اقام جنده حوله تعظيما لامره
وان استحال كونه عز وجل على العرش
اذ ليس بصفة الجواهر و الاجسام
والجلوس على العرش من صفات الاجسام

اور خدائے عظیم اور اسکی تسبیح کرتے ہونگے جسطرح کہ جب کوئی بادشاہ فیصلہ کرنے کے لئے اجلاس کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے تخت پر بیٹھتا ہے اور اپنے لشکر کو اپنے گرد گھیرا کر لیتا ہے تاکہ اپنی شان کی عظمت کا اظہار کرے۔ اگرچہ حقتعالی کا عرش پر ہونا محال ہے اسلئے کہ وہ جواہر اجسام اور ان کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا اور عرش پر جلوس کرنا اجسام کی صفت ہے۔

اس آیہ شریفہ سے فرشتوں کا موجود مستقل ہونا اور جسمانی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عرش کے گرد طواف کرنا اور تسبیح کرنا بغیر اسکے کہ وہ (فرشتے) موجود اور جسمانی ہوں معقول نہیں ہے لیکن اعتراض مذکور کی بنا پر لازم آتا ہے کہ حقتعالی نے طواف کرنے اور تسبیح کرنے کے ساتھ کسی خیالی مخلوق کو موصوف کیا ہو۔ اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا ہو۔

چوتھی آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ۔

پارہ ۲۴ سورہ حم سجدہ

پس وہ لوگ جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اُس کے لئے رات دن (برابر) تسبیح کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں سے جو خدا کے پاس ہیں اور رات دن تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں فرشتے مراد ہیں۔

اور یہی مطلب سورہ اعراف میں بھی مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩

پارہ ۹ سورۃ الاعراف

وہ لوگ جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اُسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور اُسی کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔

علامہ طبرسی اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں سے جو خدا کے پاس ہیں

اور اُسکی عبادت کرتے ہیں فرشتے مراد ہیں اور عبادت میں اُنکے تکبر نہ کرنیکا یہ مطلب ہے کہ وہ باوجود اپنی جلالت قدر کے خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اس بیان کا فائدہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ اُسکی عبادت سے تکبر کروگے تو جن لوگوں کی حالت تم سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے وہ اُسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ہیں۔

بہرحال آیۂ مبارکہ سے فرشتوں کا موجود مستقل اور جسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پانچویں آیت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ پارہ ۲۴ سورہ حٰمٓ السجدہ

جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر (اسی اعتقاد پر) مستقیم رہتے ہیں تو اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) تم خوف نہ کرو۔ اور رنجیدہ مت ہو۔ اور تمکو اُس بہشت کی بشارت ہو جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

علامہ طبرسی نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ خداوند عالم کی توحید کا

۵ا علامہ طبرسی کی عین عبارت یہ ہے ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ای وحدوا اللہ تعالیٰ بلسانهم واعترفوا به وصدقوا انبیائه ثم استقاموا ای استمروا علی ان اللہ ربهم وحده ولم یشرکوا به شیئا (عن مجاهد) وقیل معناه ثم استقاموا علی طاعته واداء فرائضه (عن ابن عباس والحسن وقتادہ وابن زید) وقیل ثم استقاموا فی افعالهم کما استقاموا فی اقوالهم وقیل ثم استقاموا علی ما توجبه الربوبیة من عبادته عن ابن مسلم وروی عن انس قال قرء علینا رسول اللہ هذه الآیة ثم قال قد قالها ناس ثم کفر اکثرهم فمن قالها حتی یموت فهو ممن استقام علیها وروی محمد بن الفضل قال سالت ابا الحسن الرضا عن الاستقامة فقال هی واللہ ما انتم علیه تتنزل علیهم الملائکة یعنی عند الموت عن مجاهد والسدی

زبان اور دل سے اقرار کرتے اور اسکے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں پھر وہ اس پر مستقر رہتے ہیں کہ خدا اُنکا پروردگار ہے - اور اُسکے لئے کوئی شریک نہیں ہے یا اُس کی طاعت و ادائے فرائض پر مستقیم رہتے ہیں یا اقوال کی طرح اپنے افعال میں بھی مستقیم رہتے ہیں یا اپنے اِس اقرار پر وقت مرگ تک استقامت کرتے ہیں یا اپنے اس اقرار کے ساتھ اقرار ولایت پر بھی مستقیم رہتے ہیں تو اُنپر وقت موت فرشتے نازل ہوتے ہیں یا جبکہ وہ اپنی قبروں سے نکلتے ہیں تو وہ (فرشتے) خدا کی طرف سے بشارت لاکر اُنکا استقبال کرتے ہیں یا تین مقاموں پر وہ (فرشتے) اُنکو بشارت دیتے ہیں (۱) وقت موت (۲) قبر میں (۳) وقت بعث اور اُنسے کہتے ہیں کہ تم عذاب خدا کا خوف نہ کرو - اور ثواب کے فوت ہو جانیکا رنج نہ کرو یا تم آخرت کی پیش آنے والی باتوں کا خوف نہ کرو - اور اپنے گذشتہ اُمور پر رنجیدہ نہ ہونا - اپنے گناہوں پر خوف اور رنج نہ کرو اس لئے کہ خدا اُن کو بخشدیگا اور تمکو اُس بہشت کی بشارت ہو جسکا تم سے پیغمبروں کی زبانی دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا -

---

(بقیہ صفحہ ۲۱۲) وروی ذلك عن ابی عبد الله وقیل تستقبلهم الملائكة اذا خرجوا من قبورهم فی الموقف بالبشارة من الله عن الحسن وثابت وقتادة وقیل فی القیامة عن الجبائی وابی مسلم وقیل ان البشری تكون فی ثلثة مواطن عند الموت و فی القبر وعند البعث عن وكیع بن الجراح الا تخافوا ولا تحزنوا ای یقولون لهم لا تخافوا عقاب الله ولا تحزنوا لفوات الثواب وقیل لا تخافوا مما امامكم من امور الاخرة ولا تحزنوا علی ما وراءكم وعلی ما خلفتم من اهل وولد عن مجاهد وقیل لا تخافوا ولا تحزنوا علی ذنوبكم فانی اغفرها لكم عن عطاء بن رباح وقیل ان الخوف یتناول المستقبل والحزن یتناول الماضی فكان المعنی لا تخافوا فیما یستقبل من الاوقات ولا تحزنوا علی ما مضی وهذا نهایة المطلوب وبشروا بالجنة التی كنتم توعدون بها فی دار الدنیا علی السنة الانبیاء ۱۲

اس آیۂ شریفہ میں فرشتوں کا مومنین پر نازل ہونا - اور اُن (مومنین) کو مطمئن کرنا اور بشارت دینا مذکور ہے جسکے لئے اُن (فرشتوں) کا جسمانی مخلوق ہونا لازم ہے - ورنہ خداوند عالم کی طرف سے اغرار بالجہل لازم آئیگا جس کا اُسکی مقدس ذات سے صادر ہونا محال ہے -

چھٹی آیت - خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝

پارہ ۱۹ سورہ الفرقان

اور اُن لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کئے جاتے یا اپنے پروردگار کو ہم کیوں نہیں دیکھتے - وہ لوگ اپنے نفسوں میں مغرور و متکبر ہوگئے ہیں اور اُنہوں نے بہت بڑی سرکشی اختیار کی ہے جس روز کہ وہ فرشتوں کو دیکھینگے تو اُس روز مجرم لوگوں کے لئے بشارت نہ ہوگی اور وہ یہ کہینگے کہ (ہمارے اور اُنکے مابین) کوئی روک اور آڑ کر دیجائے - اور ہم اُنکے اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جن کو کہ اُنہوں نے کیا تھا - اور اُنکو خاک کے اُڑتے ہوئے ذرّوں کے مانند کر دینگے - اُس روز اہل بہشت کے ٹھہرنے اور سونے کی جگہ نہایت عمدہ ہوگی - اور جس روز کہ بادلوں کے ساتھ آسمان شگافتہ ہوگا اور فرشتے نازل ہوں گے تو اُس روز بادشاہت خدائے رحمٰن کے لئے ہوگی - اور کافروں پر وہ دن بہت سخت ہوگا -

علامۂ طبرسی نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کے مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۴) لقاء جزائنا وهذا عبارة عن انکارهم البعث والمعاد وقیل معناه لا یخافون وهی لغة

تهامة وهذیل یضعون الرجاء موضع الخوف اذا کان معه جحد لان من جا شیئا خاف فوته فانه

اذا لم یخف کان یقینا ومن خاف شیئا رجا الخلاص منه فوضع احدهما موضع الاخر لولا انزل علینا

الملائکة ای هلا انزل الملائکة لیخبرونا بانّ محمدًا نبیٌ او نری ربنا فیخبرنا بذلك ویامرنا باتباعه

وتصدیقه قال الجبائی وهذا یدلّ علی انهم کانوا مجسّمة فلذلك جوزوا الرویة علی الله ثم اقسم الله

عز اسمه فقال لقد استکبروا بهذا القول فی انفسهم ای طلبوا الکبر والتجبر بغیر حق وعتوا بذلك

ای طغوا وعاندوا وعتوا کبیرا ای طغیانا وعنادا عظیما وتمرّدوا فی ردّ امر الله تعالی غایة التمرّد

ثم اعلم سبحانه ان الوقت الذی یرون فیه الملائکة هو یوم القیمة وان الله تعالی قد حرمهم

البشری فی ذلك الیوم فقال یوم یرون الملائکة یعنی یوم القیمة لا بشری یومئذ للمجرمین

ای لا بشارة لهم بالجنة والثواب قال الزجاج والمجرمون الذین اجرموا الذنوب وهم فی هذا

الموضع الذین اجترموا الکفر بالله عزّ وجل ویقولون حجرا محجورا ای ویقول الملائکة لهم حراما

محرّما علیکم سماع البشری عن قتادة والضحاك وقیل معناه ویقول المجرمون

للملائکة کما کانوا یقولون فی الدنیا اذا لقوا من یخافون منه القتل حجرا محجورا دماؤنا

عن مجاهد وابن جریج قال الخلیل کان الرجل یری الرجل الذی یخاف منه القتل فی الجاهلیة

فی الاشهر الحرم فیقول حجرا محجورا ای حرام علیك حرمتی فی هذا الشهر فلا یبداه بشر فاذا کان

یوم القیمة راوا الملائکة فقالوا ذلك ظنا منهم انه ینفعهم وقیل معناه یقول الملائکة حراما

محرّما ان یدخل الجنة الا من قال لا اله الا الله عن عطا عن ابن عباس وقیل یقولون

حجرا محجورا علیکم ان تتعوّذوا فلا معاذ لکم وقدمنا الی ما عملوا من عمل ای قصدنا وعمدنا

کما فی قول الشاعر وقدم الخوارج الضلال الی عباد ربّهم فقالوا ان دمائکم لنا حلال

وفی هذا بلاغة عجیبة لان التقدیر قصدنا الیه قصد القادم علی ما یکرهه مما لم یکن رآه

قبل فیغیره [illegible] الثواب

(بقیہ گذشتہ) والبرّ نحو انصافهم لمن يعاملهم ونصرهم للمظلوم واعتاقهم وصدقاتهم
وما كانوا يتقرّبون به الى الاصنام فجعلناه هباء منثورا وهو الغبار يدخل الكوة
فی شعاع الشمس عن الحسن ومجاهد وعكرمه وقيل هو رهج الدواب عن ابن زيد وقيل
هو ما تسفيه الرياح وتذريه من التراب عن قتادة وسعيد بن جبير وقيل هو الماء
المهراق عن ابن عباس والمنثور المتفرق وهذا مثل والمعنى يذهب عملهم باطلا فلم ينتفعوا
بها من حيث عملوها لغير الله ثم ذكر سبحانه فضل اهل الجنة على اهل النار فقال

اصحب الجنة يومئذ يعنى يوم القيمة خير مستقرا اى افضل منزلا فى الجنة واحسن مقيلا
اى موضع قائلة قال الازهرى القيلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتدّ
الحرّ وان لم يكن مع ذلك نوم والدليل على ذلك ان الجنة لا نوم فيها وقال ابن عباس
وابن مسعود لا ينتصف النهار من يوم القيمة حتى يقيل اهل الجنة فى الجنة واهل
النار فى النار قال البلخى معنى خير واحسن هنا انه خير فى نفسه وحسن فى نفسه لا بمعنى
انه افعل من غيره كما فى قوله وهو اهون عليه اى هو هين عليه وكما يقال الله اكبر

لا بمعنى انه اكبر من شئ غيره ويوم تشقق السماء بالغمام عطف على قوله يوم يرون المعنى
تتشقق السماء وعليها غمام كما يقال ركب الامير بسلاحه وخرج بثيابه اى وعليه
سلاحه وثيابه عن ابى على الفارسى وقيل تتشقق السماء عن الغمام الابيض عن الفراء
وانما تتشقق السماء لنزول الملائكة وهو قوله ونزل الملائكة تنزيلا وقال ابن عباس
تتشقق السماء الدنيا فينزل اهلها وهم اكثر ممن فى الارض من الجن والانس ثم
تتشقق السماء الثانية فينزل اهلها وهم اكثر ممن فى السماء الدنيا ومن الانس والجن ثم
كذلك حتى تتشقق السماء السابعة واهل كل سماء يزيدون على اهل السماء التى قبلها

الملك يومئذ الحق للرحمن اى الملك الذى هو الملك حقا ملك الرحمن يوم القيمة
ويزول ملك سائر الملوك فيه وقيل ان الملك ثلثة اضرب ملك عظمة وهو

جو لوگ ہماری جزائی ملاقات سے رنجیدہ نہیں ہوتے یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونیکا۔ اور قیامت کے
دن کا انکار کرتے ہیں یا جو لوگ ہماری ملاقات کا خوف نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہمپر فرشتے کیوں
نہیں نازل کئے گئے جو ہمکو محمدؐ کے نبی ہونیکی خبر دیتے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ ہمکو اس بات
کی خبر دیتا اور انکی پیروی اور تصدیق کرنے پر مامور کرتا پھر حقتعالی قسم کھا کر بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں
نے اس قول میں تکبر کیا ہے اور سرکشی اختیار کی ہے۔ اور حکم خدا کو رد کیا ہے۔ بعد ازان حقتعالی نے
اسوقت کو تبلایا ہے جسمیں کہ وہ فرشتوں کا مشاہدہ کرینگے۔ اور وہ روز قیامت ہے۔ اور حقتعالی نے اس روز
انکو بشارت سے محروم کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ جس روز (یعنی روز قیامت) کہ وہ فرشتوں کو دیکھینگے
تو اس روز کافروں کے لئے بہشت اور ثواب کی بشارت نہ ہوگی اور فرشتے کہینگے کہ تمہارے لئے
بہشت کی بشارت ممنوع ہے یا کافر لوگ فرشتوں سے کہینگے کہ ہماری خونریزی ممنوع ہے۔ اور اس
قول کی شرح خلیل بن احمد سے اس طرح منقول ہوئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے شہر حرام میں اپنے
قتل کا خوف کرتا تھا تو لفظ حجرا محجورا کہتا تھا اور مراد یہ معنی تھی کہ میری خونریزی کرنا ممنوع ہے پس
قیامت کے روز بھی یہ لوگ فرشتوں سے اپنے کلمہ کا استعمال کرینگے کہ شاید ان کے لئے یہ کلمہ وہاں
بھی مفید ہو یا فرشتے کہینگے کہ کسی شخص کا بہشت میں داخل ہونا سوائے اس شخص کے جو کلمہ توحید لا الٰہ
الا اللہ کا قائل ہو حرام ہے۔ یا فرشتے کہینگے کہ تمہارے لئے پناہ دینا ممنوع ہے اور ہم ان اعمال
کی طرف متوجہ ہونگے جن کو کافروں نے کیا ہوگا۔ اور انکو غبار کے باریک ذرے یا چوپاؤں کا غبار یا
وہ گرد بنا دینگے جسکو ہوا اڑاتی ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ ان کے سب اعمال باطل کر دئے جائینگے پس
وہ انکے اعمال سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہ کر سکینگے اس لئے کہ انہوں نے ان (اعمال) کو غیر خدا کیلئے کیا تھا

(بقیہ گذشتہ) للہ تعالی وحدہ وملک دیانہ وھو تملیک اللہ تعالی وملک جبریہ وھو بالغلبہ وکان
یوما علی الکافرین عسیرا اعسر علیہم ذلک الیوم لشدتہ ومشقتہ ویھون علی المؤمنین کادنی
صلوۃ صلوھا فی دار الدنیا وفی ھذا بشارۃ للمؤمنین حیث خص بشدۃ ذلک الیوم الکافرین ۱۲

اِس کے بعد خداوندعالم نے اہل بہشت کی فضیلت بیان کی ہے کہ اہل بہشت کے رہنے اور آرام کرنے کی جگہ اُس روز نہایت خوب ہوگی - اور جس دن کہ آسمان پھٹ جائیگا اور اُسپر بادل ہوگا یا آسمان پھٹ جائیگا اور اُسمیں سے سفید بادل ہوگا - اور آسمان اس لئے پھٹیگا کہ فرشتے نازل ہوں جسکو حقتعالی نے بیان فرمایا ہے -

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ } اور فرشتے نازل ہوں گے -

اور ابن عباس کہتے ہیں کہ دنیا کا آسمان پھٹیگا اور اُسکے رہنے والے (فرشتے نازل ہوں گے - اور وہ زمین کے تمام مخلوق (جن و انس) سے زائد ہوں گے - پھر دوسرا آسمان پھٹیگا اور اُس کے رہنے والے نازل ہوں گے - اور وہ آسمان دُنیا کے رہنے والوں اور تمام جن و انس سے زائد ہوں گے پھر اسیطرح ہر ایک آسمان کے رہنے والے نازل ہونگے تا اینکہ ساتویں آسمان کے رہنے والے نازل ہوں گے - اور ہر ایک آسمان کے رہنے والے اُس آسمان کے رہنے والوں سے زائد ہونگے جو اِس سے پہلے تھا - اُس روز (قیامت کے دن) حقیقی بادشاہت خدا ہی کے لئے حاصل ہوگی - اور باقی تمام بادشاہوں کی سلطنت زائل ہو جائیگی - اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بادشاہت کی تین قسمیں ہیں -

(۱) بادشاہت عظمت جو خداوندعالم کے ساتھ مخصوص ہے -

(۲) بادشاہت دیانت جو خداوندعالم کے عطا فرمانے سے حاصل ہوتی ہے -

(۳) بادشاہت جبریت جو غلبہ سے حاصل ہوتی ہے -

اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا - اور مومنین پر وہ دن اُسی طرح آسان ہوگا جسطرح کہ دنیا میں ایک نماز کا پڑھ دینا اُنپر آسان تھا - اور اُس میں اہل ایمان کے لئے بشارت ہے اس لئے کہ حق تعالی نے اس روز کی شدت کو کافروں ہی کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے -

اِس آیۂ شریفہ سے علاوہ اس کے کہ فرشتوں کا موجود مستقل اور نورانی جسم اور نازل ہونے کے قابل ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا ایسا ہونا کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھا

اور یہ کہ قیامت کے دن اُن کو وہ کافر لوگ بھی دیکھینگے اور یہ کہ وہ (فرشتے) آسمانوں سے اُترینگے۔

دلیل دوم۔ وہ احادیث و اخبار ہیں جو جناب رسولخداؐ اور اُنکے خلفاء راشدینؑ سے منقول ہوئے ہیں اور وہ بھی بیشمار ہیں۔ اس مقام پر صرف بعض احادیث کے وارد کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

پہلی حدیث۔ احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے جن چیزوں کے ساتھ کہ مشرکین پر احتجاج (استدلال) کیا تھا منجملہ اُنکے یہ تھا کہ۔

والملك لا تشاهده حواسكم لانه من جنس هذا الهواء لا عيان منه ولو شاهدتموه بان يزداد في قوى ابصاركم لقلتم ليس هذا ملكا بل هذا بشر الخ۔

فرشتہ کو تمہارے حواس مشاہدہ نہیں کرتے اس لئے کہ وہ (فرشتہ) اس ہوا کی مثل ہے جو ظاہر بظاہر محسوس نہیں ہوتا۔ اور اگر تمہاری بینائی اسقدر زائد ہوجائے کہ تم اس (فرشتہ) کا مشاہدہ کرنے لگو تب بھی تم یہی کہوگے کہ یہ فرشتہ نہیں ہے بلکہ وہ بشر ہے۔

دوسری حدیث۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے حالات معراج میں منقول ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔

وصعد جبرئيل وصعدت معه الى السماء الدنيا وعليها ملك يقال له اسماعيل تحته سبعون الف ملك

جبرئیل نے صعود کیا اور مینے بھی اُن کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف صعود کیا اُسپر ایک فرشتہ تھا جسکو اسماعیل کہتے ہیں اور اُسکی ماتحتی میں ستر ہزار فرشتے تھے جنمیں کے

۱ے اس حدیث شریف کے بعض فقرے جو اصل مطلب سے چنداں ربط نہ رکھتے تھے یہاں پر نقل نہیں کئے گئے جو بزرگوار جملہ الفاظ پر مطلع ہونا چاہیں وہ اصل کتاب ...

تحت كل ملك سبعون الف
ملك حتى دخلت السماء الدنيا فما لقينى
ملك الا ضاحكا مستبشرا حتى لقينى ملك
من الملائكة لم ار خلقا اعظم منه كريه
المنظر ظاهر الغضب فقلت من هذا
يا جبرئيل قال هذا مالك خازن
النار ثم مررت بملك واذا
جميع الدنيا بين ركبتيه واذا بيده
لوح من نور مكتوب فيه كتاب ينظر
فيه لا يلتفت يمينا ولا
شمالا مقبلا عليه كهيئة
الحزين فقلت من هذا
يا جبرئيل فقال هذا
ملك الموت فقال رسول الله
ثم رأيت ملكا جعل الله امره
عجبا نصف جسده النار والنصف
الآخر ثلج فلا النار تذيب الثلج ولا الثلج
يطفى النار وهو ينادى بصوت رفيع
ويقول سبحان الذى كف حر هذه
النار فلا يذيب الثلج وكف برد هذا الثلج
فلا يطفى حر هذه النار

ہر ایک فرشتہ کی ماتحتی میں ستر ہزار فرشتے تھے تا آنکہ
میں آسمان دنیا کے اندر گیا پس مجھ سے ہر ایک فرشتہ
ہنسی خوشی کے ساتھ ملاقات کرتا تھا یہاں تک کہ مجھ سے
ایک ایسے کریہ المنظر اور غصہ ور فرشتہ نے ملاقات کی۔
جس سے بڑی کوئی مخلوق میں نے نہیں دیکھی تھی۔
میں نے جبرئیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون
ہے انہوں نے بیان کیا کہ یہ مالک خازن نار ہیں
پھر میرا ایک ایسے فرشتہ کے پاس سے گذر ہوا کہ
تمام دنیا اس کے دونوں گھٹنوں کے درمیان تھی
اور اس کے ہاتھ میں نور کی ایک لکھی ہوئی تختی تھی جس میں
وہ نظر کرتا جاتا تھا اور داہنے یا بائیں جانب کو التفات
نہ کرتا تھا اور اسی (تختی) کی طرف متوجہ تھا جیسے کوئی
رنجیدہ ہوتا ہے پس میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل
یہ کون ہیں انہوں نے بیان کیا کہ یہ ملک الموت ہیں
حضرت رسول خدا فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ایک عجیب
قسم کے فرشتہ کو دیکھا اس کا آدھا بدن آگ تھا اور
آدھا برف نہ برف کو آگ گداختہ کرتی تھی اور نہ آگ کو
برف بجھاتا تھا اور وہ (فرشتہ) باواز بلند یہ کہتا تھا
کہ وہ پروردگار ہر ایک نقص سے منزہ ہے
جس نے اس آگ کی حرارت کو روکا کہ وہ برف کو گداختہ
نہیں کر سکتی اور اس برف کی برودت کو روکا کہ وہ آگ کو

اللهم يا مؤلف بين الثلج والنار
الف بين قلوب عبادك المؤمنين
فقلت من هذا يا جبرئيل فقال
هذا ملك وكله الله باكناف السماء
واطراف الارضين وهو انصح ملائكة الله
لاهل الارض من عباده المؤمنين
يدعو لهم بما تسمع منذ خلق
ورأيت ملكين ينا ديان في السماء
احدهما يقول اللهم اعط لكل منفق
خلفا والآخر يقول اللهم اعط لكل
ممسك تلفا ثم مررنا بملائكة
من ملائكة الله عز وجل
خلقهم كيف شاء ووضع
وجوههم كيف شاء ليس
شئ من اطباق اجسادهم
الا هو يسبح الله ويحمده من
كل ناحية باصوات
مختلفة اصواتهم
مرتفعة بالتحميد والبكاء
من خشية الله نسألت

حرارت کو نہیں بجھا سکتا اسے پروردگار اسے آگ اور
برف میں اُلفت کے پیدا کرنے والے تو اپنے ایماندار
بندوں کے دلوں میں اُلفت کو پیدا کردے۔ پس مینے
پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون ہے انہوں نے کہا یہ
ایک فرشتہ ہی جسکو خداوند عالم نے آسمانوں اور
زمینوں کے کناروں پر مؤکل فرمایا ہے اور یہ (فرشتہ)
اہل زمین کے مؤمن بندوں کے لئے تمام فرشتوں سے
زائد خیرخواہ ہے یہ جبسے کہ پیدا ہوا ہے اُن کے لئے
دعا کرتا رہتا ہے اور میں نے دو فرشتوں کو دیکھا جو
آسمان میں ندا کرتے تھے اُنمیں سے ایک فرشتہ
کہتا تھا کہ اے پروردگار تو ہر ایک خرچ کرنے والے کو
خلف (بدل) عطا کر اور دوسرا فرشتہ کہتا تھا کہ اے
پروردگار تو ہر ایک بخل کرنے والے کو تلف عطا کر،
بعد ازاں ہمارا فرشتگان خدا میں سے بہت سے فرشتوں کے
پاس سے گذر ہوا اُنکو حقتعالی نے جسطرح چاہا تھا پیدا
کیا تھا اور اُن کے چہروں کو جسطرح چاہا تھا رکھا تھا۔
اور اُن کے جسموں کے طبقوں میں سے ہر ایک طبقہ
ہر ایک طرف سے مختلف آوازوں میں اُسکی تسبیح
و تحمید کرتا تھا اُن کی آوازیں حمد کرنے اور رونے میں
خوف خدا سے بلند تھیں پس مینے جبرئیل سے پوچھا

ترى خلقوا ان الملك منهم
الى جنب صاحبه ما كلمه
بكلمة قط فلا رفعوا رؤسهم
الى فوقها ولا خفضوها خوفا
من الله وخشوعا ثم صعدنا الى
السماء الثانية فاذا فيها من الملائكة
وعليهم الخشوع وقد وضع الله
وجوههم كيف شاء ليس منهم
ملك الا يسبح الله ويحمده باصوات
مختلفة وكذا السماء الثالثة
ثم صعدنا الى السماء الرابعة
واذا فيها من الملائكة والخشوع
مثل ما فى السموات فبشرونى
بالخير لى ولامتى ثم رأيت
ملكا جالسا على سرير تحت
يديه سبعون الف ملك تحت
كل ملك سبعون الف ملك
(وساق الحديث الى قوله)
ثم صعدنا الى السماء السابعة
ورأيت من العجائب التى خلق الله
وصورها على ما اراد

دیکھتے ہیں یہ اسی طرح پیدا ہوے ہیں انمیں سے
کسی فرشتہ نے دوسرے فرشتہ سے جو اُس کے
پہلو میں ہے خوف خدا سے کبھی ایک کلمہ کے ساتھ بھی
کلام نہیں کیا اور نہ اُنہوں نے اپنے سروں کو اوپر کیجانب
بلند کیا اور نہ اُنکو نیچے کی جانب پست کیا پھر ہم نے
دوسرے آسمان کی جانب صعود کیا اُسمیں بھی بہت سے
فرشتے موجود تھے جنپر خضوع و خشوع کے آثار نمایاں تھے
اور حقتعالے نے اُنکے چہروں کو جسطرح چاہا تھا قائم
کیا تھا اُنمیں کوئی فرشتہ ایسا نہ تھا جو مختلف آوازوں
میں خدا کی تسبیح و تحمید نکرتا ہو اور اسی طرح تیسرے
آسمان کا حال تھا پھر ہم نے چوتھے آسمان کی جانب
صعود کیا اُسمیں بھی بہت سے فرشتے اپنے خضوع و
خشوع میں پہلے آسمانوں کے فرشتوں کی مانند تھے
اُنہوں نے میرے لئے اور میری اُمت کے لئے
خیر و خوبی کی بشارت دی پھر میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا
جو ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کی ماتحتی میں ستر ہزار ایسے
فرشتے تھے جنمیں سے ہر ایک فرشتے کی ماتحتی میں ستر ہزار
فرشتے تھے (حضرت نے حدیث کو بیان کرتے کرتے فرمایا
کہ) پھر ہمنے ساتویں آسمان کی طرف صعود کیا (حضرت
فرماتے ہیں کہ) میں نے منجملہ اُن عجائب کے جنکو حقتعالے
نے پیدا کیا تھا اور اپنے ارادہ کے موافق اُسکو صورت عطا فرمائی

[illegible]
السابعة وراسه عند العرش
وهو ملك خلقه الله كما اراد
رجلاه فى تخوم الارضين السابعة
ثم اقبل مصعدا حتى خرج
فى الهواء الى السماء السابعة
وانتهى فيها مصعدا حتى انتهى
قرنه الى قرب العرش
وهو يقول سبحان ربي
حيث ما كنت لا تدرى اين
ربك من عظم شانه وله
جناحان فى منكبيه
اذا نشرهما جاوزا المشرق
والمغرب فاذا كان فى السحر
نشر جناحيه وخفق بهما وصرخ بالتسبيح
يقول سبحان الله الملك القدوس
سبحان الله الكبير المتعال
لا اله الا الله الحى القيوم واذا قال
ذلك سبحت ديوك الارض كلها
وخفقت باجنحتها واخذت بالصراخ
فاذا سكت ذلك الديك فى السماء

ایک مرغ دیکھا جس کے دونوں پاؤں ساتوں
زمینوں کی انتہا تک پہونچے ہوئے تھے اور اُسکا
سر عرش کے قریب تھا وہ مرغ ایک فرشتہ ہے
جسکو خدا نے جسطرح چاہا پیدا کیا ہے اُسکے دونوں
پاؤں ساتوں زمینوں کی انتہا تک تھے پھر وہ صعود
کرتا ہوا بڑھا یہانتک کہ وہ ہوا میں ساتویں آسمان تک
خارج ہوا اور اُسمیں بھی صعود کرتا ہوا اسقدر بلند ہوا
کہ اُسکا سر عرش کے قریب تک پہونچا اور وہ کہتا تھا
کہ میرا پروردگار پاک و منزّہ ہے تو عظمت شان کی
وجہ سے نہیں جان سکتا کہ تیرا پروردگار کہاں ہے
اور اُسکے دونوں شانوں میں دو بازو ہیں جبکہ وہ
اُنکو پھیلاتا ہے تو وہ مشرق اور مغرب سے متجاوز
ہو جاتے ہیں اور سحر کے وقت وہ اپنے دونوں بازوں
کو پھیلاتا اور پھٹ پھٹاتا ہے اور تسبیح کے ساتھ
آواز بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پاک ہے وہ خدا
جو بادشاہ ہے اور (ہر ایک) نقص سے منزہ ہے
پاک ہے وہ خدا جو بزرگ اور برتر ہے۔ اُس خدائے
حی و قیوم کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور
جبکہ وہ ایسا کہتا ہے تو زمین کے سب مرغ تسبیح کرتی
ہیں اور اپنے بازوں کو پھٹپھٹاتے ہیں اور اذان
دینی شروع کرتے ہیں اور جبکہ وہ آسمانی مرغ خاموش ہو جاتا ہے

سبعة ديوك الارض كلها وازلك الديك زغب اخضر و ريش ابيض وله زغب اخضر ايضا تحت ريشة الابيض كاشد ه خضرة رأيتها قط

تو زمین کے سب مرغ بھی خاموش ہوجاتے ہیں اور اُس (آسمانی مرغ) کے سبز رونگٹے ہیں اور سفید پر ہیں اور اسی طرح اُس کے لئے سفید پروں کی نیچے بھی شدید رنگ کے سبز رونگٹے ہیں۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کے جسمانی اور عجیب الخلقة اور کثیر التعداد ہونے پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کسی بے بصیرت شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

تیسری حدیث ابومخنف لوط ابن یحیٰی نے ابو منصور سے اور اُس (ابومنصور) نے زید بن وہب سے نقل کیا ہے وہ (زید بن وہب) کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین ع سے قدرت خدا کا سوال کیا گیا پس حضرت نے کھڑے ہوکر ایک خطبہ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ۔

ان الله تبارك وتعالى ملائكة لو ان ملكا منهم هبط الى الارض ما وسعته لعظم خلقه وكثرة اجنحته ومنهم من لو كلفت الجن والانس ان يصفوه ما وصفوه لبعد ما بين مفاصله وحسن تركيب صورته وكيف يوصف من ملائكة من سبع مائة عام ما بين منكبيه و شحمة اذنه

حق تعالیٰ کے لئے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جنکی خلقت عظیم اور بازو کثیر ہیں اگر اُنمیں کا ایک فرشتہ زمین پر اُتر آئے تو وہ زمین میں نہ سمائے اور منجملہ اُن (فرشتوں) کے ایسے بھی فرشتے ہیں کہ اگر تمام جن و انسان کو اُنکے وصف کرنے کی تکلیف دیجائے تو وہ اُنکے وصف کرنے سے عاجز ہوجائیں اس لئے کہ اُنکے مفاصل (جوڑوں) کے درمیانی ساخت بہت دور اور صورت کی ترکیب نہایت موزوں واقع ہوئی ہے اور ایسے فرشتوں میں سے اُن فرشتوں کا وصف کیونکر بیان ہو سکتا ہے جنکے دونوں بازوؤں اور کان کی لو کی درمیانی فاصلہ کی مقدار سات سو برس کی راہ

ومنهم من يسد الافق بجناح
من اجنحته دون عظم بدنه
ومنهم من في السموات الى حجزته
ومنهم من قدمه على غير قرار
في جو الهواء الاسفل والارضون
الى ركبتيه ومنهم من لو القى
في نقرة ابهامه جميع المياه
لوسعتها ومنهم
من لو القيت السفن
في دموع عينيه
لجرت دهر الداهرين

اور بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جنکی ایک بازو
پورے اُفق کو گھیر لیتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں
اُن کے ہاتھوں کے حجم کو دخل ہو اور اُنمیں سے بعض فرشتے
ایسے ہیں کہ تمامی آسمانی مخلوقات اُنکے کمر تک ہی اور
بعض ایسے فرشتے ہیں کہ ہوائے پست کی فضا میں
اُنکا قدم کسی چیز پر ٹھہرا ہوا نہیں ہے اور تمام زمینیں اُنکے
گھٹنوں تک ہیں اور بعض ایسے فرشتے ہیں کہ اگر
اُنکے انگوٹھے کے گڑھے میں تمام پانی ڈالدیے
جائیں تو اسمیں سما جائیں اور بعض ایسے فرشتے ہیں
کہ اگر اُن کی آنکھوں کے آنسوؤں میں کشتیاں ڈالدی
جائیں تو وہ اُن (آنسوؤں) میں ہمیشہ کے لئے جاری رہیں

چوتھی حدیث۔ ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے
وہ ہشام کہتے ہیں کہ ایک زندیق نے حضرت سے سوال کیا کہ۔

ما علة الملئكة الموكلين
بعباده يكتبون عليهم
ولهم والله عالم السر

اسکی کیا وجہ ہے کہ اُس کے بندوں پر فرشتے مؤکل
ہیں اور اُنکے ہر ایک اچھے بُرے عمل کو لکھتے ہیں
حالانکہ حقتعالیٰ ہر ایک پوشیدہ راز کو جانتا ہے۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

استعبدهم بذلك وجعلهم شهودا
على خلقه ليكون العباد لملازمتهم
اياهم اشد على طاعة الله مواظبة
وعن معصيته اشد انقباضا [illegible]

خداوند عالم نے اُن (فرشتوں) کو اس عبادت پر مامور
کیا ہے اور اپنی مخلوق پر انکو شاہد قرار دیا ہے تاکہ
بندے اُنکی وجہ سے خدا کی طاعت پر مواظبت
اور اُسکی نافرمانی سے پرہیز زائد کریں اور بہت سے [illegible]

من غضب بهم بمعصيته فنزلهم
مكانها نار عوى وكهف فيقول
ربّي يراني وحفظني على بذلك
تشهد وان الله برافته ولطفه
ايضا وكلهم بعباده يذبون
عنهم مردة الشياطين وهوام
الارض وآفات كثيرة من حيث
لا يؤن الى ان يجيئ امر الله عز وجل

بندے ہیں جو خدا کی نافرمانی کا قصد کرتے ہیں اور
اُنکے موجود ہونیکی وجہ سے باز رہتے ہیں اور اپنے دلمیں
کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمکو دیکھتا ہے اور ہمارے محافظ
فرشتے ہماری نافرمانی کی شہادت دینگے۔ اسکے علاوہ یہ
کہ حق تعالی نے اپنے لطف و رحمت سے اونکو اپنے بندوں پر
اس لئے بھی موکل کیا ہے کہ وہ شیطانوں اور حشرات الارض
وغیرہ کو (جہاں بندے اُنکو دیکھتے نہوں اسوقت تک
اُنسے دفع کریں جبتک کہ حکم خدا اُنکے بارے میں نافذ ہو

اِس حدیث شریف کا بھی اصل مطلب پر دلالت کرنا کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا اگر فرشتہ سے محض کوئی خیالی مخلوق مراد ہوتی تو اُسکا بندوں پر موکل ہونا اور اُنکے اعمال کو ضبط کرنا اور اُنسے شیاطین وغیرہ کو دفع کرنا وغیرہ سب بے معنی ہوتا۔

پانچویں حدیث۔ حماد نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ (حماد) کہتے ہیں کہ حضرت سے یہ سوال کیا گیا کہ۔

الملائكة اكثر ام بنو آدم۔

آیا فرشتے زائد ہیں یا بنی آدم۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔

والذی نفسی بیده لملائكة الله
فی السموات اكثر من عدد التراب
فی الارض وما فی السماء موضع قدم
الا وفیها ملك يسبحه
ويقدسه ولا فی الارض شجر
ولا ... الا وفيها ملك موكل

قسم ہے اُس خدائے پاک کی جسکے قبضہ میں میری
جان ہے کہ خدا کے فرشتے جو آسمانوں میں ہیں
وہ زمین کی مٹی (کے ذروں) سے زائد ہیں اور
آسمان میں ہر ایک قدم کی جگہ پر ایک فرشتہ ہے
جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے اور زمین میں
جو درخت یا ڈھیلا ہے اُسپر ایک ایک فرشتہ موکل ہے

و...	اور... ہر ایک فرشتہ ہر روز ہم اہل بیت کی
كل يوم الى الله بولايتنا	ولایت کے ساتھ خدا کی طرف تقرب کرتا اور ہمارے
اهل البيت و يستغفر لمحبينا	دوستوں کے لئے استغفار کرتا ہے اور ہمارے
ويلعن اعدائنا ويسئل الله	دشمنوں پر لعنت کرتا ہے اور خدا سے سوال کرتا ہے
ان يرسل عليهم العذاب۔	کہ وہ اُن (دشمنوں) پر عذاب نازل کرے۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کا آسمانوں اور زمینوں میں بکثرت موجود ہونا اور اُنکا تسبیح و تقدیس میں مصروف ہونا اور ہر ایک شجر و مدر پر موکل ہونا اور ولاء اہل بیت کے ساتھ تقرب کرنا اور اُنکے دوستوں کے لئے استغفار کرنا اور اُن کے دشمنوں پر لعنت کرنا وغیرہ معلوم ہوا جس سے اُنکا موجود مستقل اور جسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے اب اگر فرشتوں کا محض خیالی ہونا فرض کیا جائے تو مذکورہ بالا اُمور کا اُن کی طرف منسوب کرنا بے معنے ہو گا جس کو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی تجویز نہیں کرسکتا۔

چھٹی حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

حدثني جبرئيل ان الله عزوجل	جبرئیل امین نے مجھ سے بیان کیا کہ حقتعالیٰ نے ایک فرشتہ کو
اهبط الى الارض ملكا فاقبل	زمین پر نازل کیا وہ (فرشتہ) ایک ایسے دروازہ پر پہونچا
ذلك الملك يمشي حتى وقع الى باب	جہاں صاحب مکان سے ایک شخص اجازت مانگتا تھا
عليه رجل يستاذن على رب	اُس شخص) سے فرشتہ نے پوچھا کہ صاحب مکان سے
الدار فقال له الملك ما حاجتك الى رب	تمہاری کیا حاجت متعلق ہے اُس نے جواب دیا کہ وہ
هذا الدار قال اخ لي مسلم زرته في الله	(صاحب مکان) میرا مسلمان بھائی ہے میں محض
تبارك وتعالى قال له الملك	خوشنودی خدا کے لئے اُس سے ملاقات کرنے آیا ہوں
ما جاء بك الا ذاك	اُس (فرشتہ) نے کہا کہ کیا تم محض اسی لئے آئے ہو

فقال ما جاء بي الا ذاك قال فاني رسول الله اليك وهو يقرئك السلام ويقول وجبت لك الجنة وقال الملك ان الله عزّ وجلّ يقول ايما مسلم زار مسلما فليس اياه زار اياي زار وثوابه عليّ الجنة۔

اُس (شخص) نے جواب دیا کہ ہاں میں اسی غرض سے آیا ہوں (یہ سنکر) اُس (فرشتہ) نے کہا کہ میں تیرے پاس خدا کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں اور وہ تجھ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تیرے لئے بہشت واجب ہوئی اور فرشتہ نے کہا کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی زیارت کرتا ہے تو اُس نے اُس کی زیارت نہیں کی بلکہ میری زیارت کی اور اُسکا ثواب مجھپر بہشت ہے۔

اس حدیث شریف میں فرشتہ کا باتیں کرنا اور نازل ہونا اور حرکت کرنا اور ایلچی ہوکر آنا اور پیغام کا پہونچانا وغیرہ مذکور ہے جس سے اُس (فرشتہ) کا موجود مستقل اور جسمانی اور قابل حرکت وسکون ہونا یقینی طور سے ثابت ہوتا ہے جو اثبات مطلب کے لئے کافی دلیل ہے۔

ساتویں حدیث۔ محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ۔

ما خلق الله خلقا اكثر من الملائكة وانه لينزل كل يوم سبعون الف ملك فياتون البيت المعمور فيطوفون به فاذا هم طافوا به نزلوا فطافوا بالكعبة فاذا طافوا بها اتوا قبر النبي ص فسلموا عليه ثم اتوا قبر امير المؤمنين ع فسلموا عليه ثم اتوا قبر الحسين ع فسلموا عليه ثم

حقتعالی نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو فرشتوں کے زائد ہو۔ اور یہ کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں پس اول وہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں بعد ازاں وہ نازل ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اسکے بعد وہ حضرت رسول خدا ص کی قبر مبارک پر آتے ہیں اور اُنپر سلام کرتے ہیں پھر وہ حضرت امیر المؤمنین ؑ کی قبر مبارک پر آتے ہیں اور اُنپر سلام کرتے ہیں اسکے بعد وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر پر آتے ہیں اُن پر سلام کرتے ہیں بعد ازاں وہ

عن جوانبنا ل
مثلهم ابداً الی
یوم القیامة۔

(آسمانوں کی طرف) صعود کرتے ہیں پھر اُن کی مثل اور فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

اِس حدیث شریف سے بھی فرشتوں کا اُترنا اور چڑھنا اور طواف کرنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس کا مطلوب پر دلالت کرنا بہت ظاہر ہے اور تقریب مدعی میں طول دینے کی حاجت نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث عمرو بن مروان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ۔

ان اللّٰہ ملئکة انصافهم من برد وانصافهم من نار یقولون یا مؤلفا بین البرد والنار ثبت قلوبنا علی طاعتك۔

حق تعالیٰ کے لئے بہت سے ایسے فرشتے ہیں کہ اُن کے آدھے بدن برف سے مخلوق ہوئے ہیں اور آدھے آگ کے وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اے خدا جس نے برف اور آگ کو مجتمع کیا ہے تو ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ۔

نویں حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

کان فیما ناجی اللّٰہ سبحانه عزوجل به موسیٰ قال یا موسیٰ اکرم السائل ببذل یسیر او برد جمیل انه یاتیك من لیس بانس ولا جان ملائکة من ملائکة الرحمٰن یبلونك فیما خولتك ویسألونك فیما نولتك

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ع سے جو مناجات کی تھی اُسمیں یہ مضمون بھی موجود تھا کہ اے موسےٰ تم سائل کا اکرام کرو خواہ قلیل مال دیکر یا نرمی کے ساتھ جواب دیکر تمہارے پاس ایسے لوگ بھی (سوال کرنے کے لئے) آتے ہیں جو انسان اور جن دونوں سے خارج ہوتے ہیں وہ لوگ خدا کے فرشتے ہیں جو تمہارا اُس مال میں امتحان کرتے ہیں جو ہم نے تمکو عطا کیا ہے۔ اور تم سے

فانظر کیف انت صانع یا ابن عمران۔

اس نعمت کا سوال کرتے ہیں جو ہمنے تمکو دی ہے پس اے ابن عمران تم نظر کرو کہ کیا کرتے ہو۔

اس حدیث شریف میں فرشتوں کے لیے آنا جانا امتحان کرنا سوال کرنا ثابت کیا گیا ہے جو کسی موجود مستقل اور جسمانی چیز کی صفت ہوسکتی ہے اور محض کسی خیالی مخلوق کا مذکورہ بالا اوصاف کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں ہے۔

دسویں حدیث۔ ابن عباس نے حضرت رسول خدا سے نقل کیا ہے وہ (ابن عباس) کہتے ہیں کہ مینے رسول خدا کو فرماتے ہوے سنا ہے۔

ان اللہ تبارک وتعالی ملکا یقال له دردائیل کان له ستة عشر الف جناح ما بین الجناح الی الجناح هواء والهواء کما بین السماء والارض فجعل یوما یقول فی نفسه افوق ربنا جل جلاله شیء فعلم الله تبارک وتعالی ما قال فزاده اجنحة مثلها فصار له اثنان وثلاثون الف جناح ثم اوحی الله عز وجل الیه ان طر فطار مقدار خمسمائة عام فلم ینل راس قائمة من قوائم العرش فلما علم الله عز وجل اتعابه اوحی الیه ایها الملک

حق تعالی کے لئے ایک فرشتہ ہے جسکو دردائیل کہتے ہیں اُسکے سولہ ہزار بازو ہیں دونوں بازؤں کے درمیان ہوا ہے اور اوس ہوا کی مسافت اوسی قدر تھی جسقدر کہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہی وہ ایک دن اپنے دل میں کہنے لگا کہ آیا ہمارے پروردگار سے بھی کوئی چیز برتر ہے[1] پس حق تعالے نے اُسکی بات کو معلوم کیا اور اُسکے بازؤں کو دو چند کردیا پس اوسکے بازؤں کا عدد بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) ہوگیا بعد ازاں حقتعالی نے اُسکی پرواز کرنیکا حکم دیا چنانچہ وہ پانچ سو سال تک اُڑتا رہا اور اُسکا سر قائمہ عرش تک نہ پہونچا پس جبکہ حقتعالی کو اُسکی تعب اور مشقت کا حال معلوم ہوا تو اُس کو وحی کی کہ اے فرشتہ

۱؎ ظاہر ہے کہ یہ خیال جسکا دردائیل کے دل میں پیدا ہونا مذکور ہے از قبیل خطرات ہوگا جو بدون اختیار پیدا ہوتے ہیں اور کمال تحفظ اگرانی سے اُنکا پیدا ہونا موقوف ہوسکتا ہے اس تقریر پر خیال مذکور ترک اولی میں مندرج ہوگا جو عصمت ملائکہ کے منافی نہیں ہے ۱۲

عد الى مكانك فانا عظيم فوق كل عظيم وليس فوقى شئ ولا اوصف بمكان فسلب الله اجنحته و مقامه من صفوف الملائكة فلما ولد الحسينؑ هبط جبرئيل فى الف قبيل من الملائكة لتهنية النبى صلى الله عليه واله وسلم فمر بدردائيل وقال سل النبى بحق مولود ان يشفع لى عند ربى فدعا له النبى بحق الحسينؑ فاستجاب الله دعائهٗ ورد عليه اجنحته و رده الى مكانه۔

تو اپنی جگہ واپس جا۔ مجھسے برتر کوئی چیز نہیں ہے میں ہر ایک عظیم چیز سے برتر ہوں اور مجھکو مکان کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں ہے پھر حقتعالی نے اُسکے بازوؤنکو سلب کر دیا اور صفوف ملائکہ سے اُسکے مقام کو ساقط کر دیا۔ پس جبکہ امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسول خدا کی تہنیت اور مبارکباد کے لئے فرشتوں کے ہزار قبیلوں میں جبرئیل امین نازل ہوئے اور اُنکا دردائیل کی طرف سے گذر ہوا اوسنے دردائیل نے استدعا کی کہ آپ حضرت رسول خدا سے سوال کریں کہ وہ پیش پروردگار اپنے مولود کے واسطے میری شفاعت کریں پس اُس (دردائیل) کے لئے حضرت نے امام حسینؑ کے حق کے ساتھ دعا فرمائی اور حقتعالی نے حضرت کی دعا کو مستجاب فرمایا اور دردائیل کو اُسکے بازو عطا کئے اور اُسکو صفوف ملائکہ میں اُسکی اصلی جگہ پر واپس کیا۔

اس حدیث شریف سے فرشتوں کا اُترنا چڑھنا پرواز کرنا وغیرہ معلوم ہوا جسکا مطلوب پر دلالت کرنا واضح ہے۔

اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور جسمانی اور قابل حرکت و سکون ہونے پر بیشمار حدیثیں دلالت کرتی ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد کسی دیندار بلکہ ادنی مسلمان کو اُن (فرشتوں) کے موجود ہونے اور محض خیالی نہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اخبار کا وارد کرنا اس رسالہ مختصر کی وضع کے خلاف ہے اس لئے اسی قدر احادیث کے وارد کرنے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔

ولیکن ... جنہیں ملائکہ کا موجود مستقل اجسام لطیفہ ہونا

ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ وہ مختلف شکلوں کے اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ
اُترنے اور چڑھنے کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور اُن کو انبیاء اور اوصیاء دیکھتے تھے۔
چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرقہ امامیہ بلکہ تمام مسلمانوں نے فرشتوں کے
موجود ہونے پر اتفاق کیا ہے اور یہ کہ وہ اجسام لطیفہ و نورانیہ ہیں اُن کے لئے دو دو
تین تین چار چار۔ اور اس سے بھی زائد بازو عطا ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ مختلف شکلوں کے
اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور حقتعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے اونہیں جیسی صورت
چاہتا ہے وارد کرتا ہے اور وہ حرکت کرتے اور چڑھتے اُترتے ہیں اور اُنکو انبیاء و اوصیاء
علیہم السلام دیکھتے تھے البتہ اُن کے جسمانی ہونے اور اوصاف مذکورہ بالا کے ساتھ
موصوف ہونے کا فقط ایک ایسی جماعت نے انکار کیا ہے جو درحقیقت مسلمان نہیں ہیں
مگر وہ اپنے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور وہ درپردہ مسلمانوں کے عقیدوں کو
خراب کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ اُن (فرشتوں) سے عقول یا نفوس فلکیہ اور مخلوقات کی قوے
و طبائع مراد ہیں اور شبہات واہیہ کی بنا پر قرآن کی آیتوں اور معصومینؑ کی متواتر روایتوں کی
تاویل کرنا محض ضلالت و گمراہی ہے اس مقام پر بعض علماء کی عبارتوں کا وارد کرنا مناسب ہے
وہ کئی بزرگوار ہیں[۱]۔

اوّل۔ جناب سیّد مرتضےٰ علم الہدےٰ علیہ الرحمہ ہیں اُنسے کسی شخص نے سوال کیا تھا
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

نزول جبرئیل بالوحی فی صورۃ دحیۃ الکلبی
کیف کان یتصور بغیر صورتہ ھو القادر

جبرئیل جو دحیہ کلبی کی صورت میں وحی لاتے تھے تو
دوسری صورت کیونکر اختیار کرتے تھے آیا وہ خود ہی

---

[۱] ان مطالب کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی چودھویں جلد کتاب السماء والعالم میں وارد کیا ہے جو اس مقام پر
کسی قدر تغیر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے

علیها او القدیم بشکل صورة لیست
صورة جبرئیل فان کان الذی یسمع
من القرآن من صورة غیر جبرئیل ففیه
ما فیه وان کان من جبرئیل فکیف یتصور
بصورة البشر وهذه القدرة قد رویت ان
ابلیس یتصور وکذلک الجن ارید ان توضح امر ذلک
وما کان یسمع جبرئیل من الوحی من الباری تعالی
او من وراء حجاب کیف کان یبلغه وهل
جبرئیل یعلم من صفات الباری اکثر مما نعلمه
او مثله واین محله من السماء وهل
القدیم اذا خطر ببال جبرئیل یکون متحیر فیه
مثلنا ویکون سبحانه لا تدرکه الاوهام ومیز علینا جمیع الملائکة ایضا

پس اُنہوں نے جواب دیا کہ۔

صوت کے بدلدینے پر قدرت رکھتے تھے یا حقتعالے
اُنکو کوئی دوسری صورت عطا کر دیتا تھا اور قرآن
جو سُنا جاتا تھا وہ اگر جبرئیل کی صورت سے نہ تھا
تو یہ باطل ہے اور اگر جبرئیلؑ سے تھا تو صوت بشر
کا اختیار کرنا کیونکر صحیح ہوا اور ایسی قدرت کا
شیطان اور جن دونوں میں موجود ہونا منقول
ہوا ہے اور جبرئیل جو وحی کو سُنتے تھے اُسکی
کیا اصلیت ہے اور آیا جبرئیل امین کو خدا کے
اوصاف ہم سے زائد معلوم تھے یا نہیں اور آسمان
میں اُنکی جگہ کہاں ہے اور آیا جبرئیل کو بھی جبکہ حقتعالے
کا اُن کے دل میں خطور ہوتا تھا ہماری طرح
حیرت ہوتی تھی یا نہیں۔

ان نزول جبرئیل بصورة
دحیة کان بمسئلة النبی من الله تعالی فی ذلک
فاما تصوره فلیس بقدرته بل الله یصوره
کذلک بصورة حقیقیة لا تشکیل والذی
کان یسمع النبی من القران من جبرئیل فی الحقیقة
کان واما ابلیس والجن فلیس یقدرون
علی التصویر وکل قادر بقدرة

جبرئیل کے دحیہ کلبی کی صورت میں آنے کا حضرت
رسول خدا نے خدا سے سوال کیا تھا۔ اور اُنکا کسی
صورت کو اختیار کرنا اُنکی قدرت سے نہیں ہے
بلکہ خدا اُنکو جو صورت چاہتا تھا عطا کرتا تھا اور وہی
صورت حقیقةً ہوتی تھی نہ شکل اور نبی جو اُنسے سنتے
تھے وہ درحقیقت قرآن تھا اور شیطان و جن وغیرہ کو
صورت کے بدلنے پر قدرت نہیں ہے اور جبرئیلؑ

ان يصور والقوى بهم بل ان تضمنت
لم يتصور بعضهم بصورة صورة الله للمصلحة
فاما جبرئيل وسماعه الوحي فيجوز ان يقرءه
من اللوح المحفوظ فاما ما يعلم جبرئيل من
صفات الله فطريقه الدليل وهو والعلماء
فيه واحد فاما محله من السماء
فقد روي انه في السماء الرابعة فاما ما يخطر بباله
ان يتحير فلا يجوز فيه لان جبرئيل معصوم لا يصح ان يفعل قبيحا

پیدا کر دیا ہو اور وہ حسن کیسے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے
وہ لوح محفوظ میں دیکھ کر پڑھ لیتے ہوں اور معرفت
خدا کے حاصل ہونے کا طریقہ دلیل میں منحصر ہے
جسمیں وہ اور علماء برابر ہیں اور جبرئیل کی جگہ کا چوتھے
آسمان میں ہونا منقول ہوا ہے اور جبرئیل کے لئے
معرفت خدا میں حیرت کا ہونا صحیح نہیں ہے اس لئے
کہ وہ معصوم ہیں اُن سے کسی قبیح بات کا سرزد ہونا
جائز نہیں ہے۔

اِس کلام سے فرشتہ کا موجود مستقل ہونا اور اُسکا مختلف صورتوں کو اختیار کرنا اور جسمانی اوصاف
کے ساتھ موصوف ہونا معلوم ہوا وہو المطلوب۔

اور جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ سے کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ۔

اذا حصل اهل الجنة في الجنة ما حكم
الملائكة هل يكونون في جنة بني آدم
او غيرها وهل يراهم البشر وهم يأكلون
ويشربون مثل البشر وتسبيح وتقديس و
هل يسقط عنهم التكليف وكذلك الجن۔

جب بہشت میں اہل بہشت داخل ہو جائینگے تو فرشتے
آیا بنی آدم کی بہشت میں رہینگے یا کسی دوسری بہشت میں
اور آیا اُنکو بشر دیکھیں گے یا نہیں اور آیا وہ کھاتے پیتے ہیں یا
محض تسبیح تقدیس ہی کرتے ہیں اور آیا اُنسے تکلیف ساقط
ہوگی یا نہیں اور اسی طرح جنوں کی کیا حالت ہوگی۔

پس جناب سید علیہ الرحمہ نے جواب دیا۔

انه يجوز ان يكونوا في الجنة مع
بني آدم ويجوز ان يكونوا في جنة سواها
فان الجنان كثيرة جنة الخلد وجنة عدن
وجنة المأوى وغير ذلك مما

ممکن ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ اُنہیں کے
بہشت میں رہیں یا کسی دوسری بہشت میں قیام
کریں اس لئے کہ بہشت بہت ہیں جیسی جنت خلد
جنت عدن اور جنت الماوی وغیرہ جن کو

لم یذکرہ اللہ تعالیٰ فاما رؤیۃ البشر لہم
فلا یصلح الا علیٰ احد وجہین اما ان یقوی
اللہ تعالیٰ شعاع بصر البشر او یکثف الملائکۃ
فاما الاکل والشرب فیجوز واللہ تعالیٰ یثیبہم
بما فیہ لذتہم فان جعل لذتہم فی الاکل والشرب
جاز واما التکلیف فانہ یسقط عنہم لانہ
لا یصح ان یکونوا مکلفین مثابین
فی حالۃ واحدۃ والکلام فی الجن
یجری ہذا المجری۔

حق تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا اور بشر کو انکا دیکھنا
دو طرح پر ممکن ہے یا یہ کہ حقتعالیٰ اُسکی شعاع بصر کو قوی
کر دے یا فرشتوں کو کثیف کر دے اور کھانا پینا جائز
ہے اور حقتعالیٰ انکو ایسی ہی چیزوں کے ساتھ ثواب
عطا کریگا جنمیں اُن کی لذت ہوگی پس اگر کھانے
پینے میں اُنکی لذت قرار دیجائیگی تو جائز ہوگا اور تکلیف
اُنسے ساقط ہو جائیگی اس لئے کہ اُنکا ایک ہی وقت
مکلف اور مثاب ہونا جائز نہوگا۔ اور جن میں بھی
اسی قسم کا کلام جاری ہو سکتا ہے۔

دوم۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ ہیں اُنہوں نے کتاب المقالات کے اس باب میں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کا فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

انہ لیس بممتنع فی الصدیقین من الشیعۃ
المعصومین عن الضلال وقد جاءت بصحتہ وصحۃ
الحجۃ والبرہان وہو مذہب فقہاء الامامیہ
واصحاب الاثار منہم۔

ائمہ علیہم السلام اور ایسے شیعوں کا جو ضلالت سے
محفوظ ہیں فرشتوں کے کلام کو سُننا جائز ہے
اور اسکی صحت پر برہان قائم ہے اور فرقہ
امامیہ کے فقہا و محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور نیز جناب شیخ مرحوم نے اس بارہ میں کہ وقت احتضار فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے ارشاد فرمایا ہے۔

جائز من ان یراہم بصیرۃ بان یزید اللہ
تعالیٰ فی شعاعہ ما یدرک بہ
اجسامہم الشفافۃ الرقیقۃ۔

محتضر کا فرشتوں کو دیکھنا جائز اس طرح کہ حق تعالیٰ
اُسکی شعاع بصری کو اسقدر زائد کر دے کہ وہ اُنکے
شفاف اور رقیق جسموں کا ادراک کرے۔

اور نیز جناب شیخ مرحوم نے اہل قبور پر دونوں فرشتوں کے نازل ہونے اور اعتقاد سے سوال
کرنے کی

ان ذلك صحيح وعليه اجماع الشيعة
واصحاب الحديث وتفسير مجمله
ان الله تعالى ينزل على من يريد تنعيمه
بعد الموت ملكين اسمهما مبشر وبشير
فيسئلانه عن ربه جلت عظمته
وعن نبيه ووليه فيجيبهما
بالذي فارق الدنيا على اعتقاده
والصواب ويكون الغرض في مسألتهما
استخراج العلامة بما يستحقه
من النعيم فيجد لذتها منه في
الجواب وينزل جل جلاله
على من يريد تعذيبه في البرزخ
ملكين اسمهما ناكر ونكير فيوكلهما
بعذابه ويكون الغرض في مسألتهما
له استخراج علامة استحقاقه من العقاب
بما يظهر في جوابه من التلجلج عن الحق
او الخبر عن سوء الاعتقاد او
ابلاسه وعجزه عن
الجواب وليس ينزل
الملكان من اصحاب القبور
الا على ما ذكرناه -

یہ صحیح ہے اور اسپر علماء شیعہ اور اصحاب حدیث کا
اتفاق ہے اور اس کے اجمالی مطلب کی تفسیر یہ ہے
کہ حقتعالی اُن لوگوں پر جنکو مرنے کے بعد نعمتوں کا
عطا کرنا مقصود ہوتا ہے دو فرشتوں کو نازل کرتا ہے
جنکا نام مبشر و بشیر ہے - پس اُس شخص سے سوال کرتے
ہیں کہ تمہارا پروردگار کون ہے اور تمہارے نبی اور ولی
کون ہیں اور یہ شخص اُن کے جواب میں اپنے اُس صحیح
عقیدہ کو بیان کرتا ہے جسپر کہ اُسنے دنیا سے مفارقت
کی تھی اور اُن (فرشتوں) کے اس سوال کرنے سے
یہ غرض ہوتی ہے کہ جس نعمت کے پانے کا وہ مستحق ہے
اُس کی علامت برآمد کرلی جائے پس وہ جواب میں
اُس کی لذت پاتا ہے اور حق تعالے اُن لوگوں کے
پاس بھی جنپر عالم برزخ میں عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے
دو فرشتوں کو نازل کرتا ہے اور اُنکا نام ناکر و نکیر ہے
پس حقتعالی اُن دونوں (فرشتوں) کو اُس شخص کے عذاب
پر مؤکل فرماتا ہے اور اُن (فرشتوں) کے سوال کرنے سے
یہ غرض ہوتی ہے کہ اُس شخص کے مستحق عذاب ہونے کی
علامت برآمد کرلیجائے جس سے وہ اضطراب مراد ہے
جو وقت جواب ظاہر ہوتا ہے اور اہل قبور پر دونوں فرشتے
محض اُسی مطلب کے لئے نازل ہوتے ہیں جس کو کہ ہمنے
ذکر کیا ہے -

سوم - محقق دوانی ہیں چنانچہ انہوں نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے کہ -

الملائکة اجسام لطیفة قادرة علی التشکلات المختلفه -

فرشتے اجسام لطیفہ ہیں جو مختلف شکلوں کے قبول کرنے پر قدرت رکھتے ہیں -

چہارم - شارح مقاصد ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ -

ظاهر الکتاب والسنة وهو قول اکثر الامة ان الملائکة اجسام لطیفة نورانیة قادرة علی التشکلات باشکال مختلفة کاملة فی العلم والقدرة علی الافعال الشاقة شانها الطاعة ومسکنها السموات هم رسل الله تعالی الی انبیائه وامنائه علی وحیه یسبحون اللیل والنهار لا یفترون ولا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون

ظاہر کتاب و سنت یہ ہے اور اکثر امت بھی اسی کی قائل ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ نورانیہ ہیں جو مختلف شکلوں کے قبول کرنے اور افعال شاقہ کے بجالانے پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ علم میں کامل ہیں انکی شان طاعت ہے ان کے رہنے کی جگہ آسمان ہیں اور وہ خدا کا پیغام اس کے انبیا تک پہونچاتے ہیں اور اسکی وحی پر امین ہیں رات دن تسبیح خدا بجالاتے ہیں اور تھکتے نہیں اور خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات پر وہ مامور ہوتے ہیں اسکو بجالاتے ہیں

پنجم - امام فخر الدین رازی ہیں چنانچہ وہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں -

لا خلاف بین العقلاء فی ان اشرف الرتبة للعالم العلوی هو وجود الملائکة فیه کما ان اشرف الرتبة للعالم السفلی هو وجود الانسان فیه الا ان الناس اختلفوا فی ماهیة الملائکة وحقیقتهم وطریق ضبط المذاهب ان یقال الملائکة لا بد ان تکون ذوات قائمة بانفسها

مابین عقلاء اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ عالم علوی کیلئے رتبہ بلند یہ ہے کہ اس میں فرشتے موجود ہیں جسطرح کہ عالم سفلی کے لئے رتبہ بلند یہ ہے کہ اسمیں انسان موجود ہے مگر یہ کہ لوگوں نے فرشتوں کی ماہیت اور انکی حقیقت میں اختلاف کیا ہے اور اس بارہ میں جو مختلف مذاہب ہیں انکو ضبط کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ فرشتوں کا موجود مستقل ہونا بہرحال ضروری

ثم تلك الذوات اما ان تكون متحيزة اولا تكون
اما الاول ففيه اقوال احدها انها اجسام
لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال
مختلفة مسكنها السموات وهذا
قول اكثر المسلمين وثانيها
قول طوائف من عبدة الاوثان
وهو ان الملائكة فی الحقيقة
هی هذه الكواكب الموصوفه
بالاسعاد والانحاس فانها علی زعمهم
احياء ناطقة وان المسعدات منها ملائكة
الرحمة والمنحسات منها هی ملائكة العذاب
وثالثها قول معظم المجوس والثنويه
وهو ان هذا العالم مركب من اصلين
ازليين وهما النور والظلمة
وهما فی الحقيقة جوهران شفا
فان حساسان مختاران قادران
متضادا النفس والصورة مختلفا
الفعل والتدبير فجوهر النور
فاضل خير نقی طيب الريح كريم النفس
يسر ولا يضر وينفع ولا يمنع ويحيی
ولا يبلی وجوهر الظلمة علی ضد ذلك

پس اُنکی ذات یا متحیز ہوگی یا نہوگی ۔
پہلی صورت متحیز ہونے میں کئی قول ہیں ۔
پہلا قول یہ ہے کہ وہ (فرشتے) اجسام لطیفہ ہوائیہ ہیں جو
مختلف شکلوں کے قبول کرنے پر قدرت رکھتے ہیں
اور ان کے مسکن (رہنے کے مقامات) آسمان ہیں
اور اُسکو اکثر مسلمانوں نے اختیار کیا ہے ۔
دوسرا قول وہ ہے جسکو بُت پرستوں نے اختیار کیا ہے
کہ فرشتوں سے درحقیقت یہ ستارے مراد ہیں جو سعادت
اور نحوست کے ساتھ موصوف ہیں اور ستارے اُن کے
گمان میں زندہ اور ناطق ہیں اور یہ کہ جو ستارے سعد
(نیک) ہیں وہ ملائکہ رحمت ہیں اور جو نحس ہیں وہ ملائکہ عذاب ہیں
تیسرا قول وہ ہے جسکو اکثر مجوس اور ثنویہ نے اختیار
کیا ہے کہ عالم دو ازلی اصلوں سے مرکب ہے اور
اُن دونوں (اصلوں) سے نور و ظلمت مراد ہیں اور وہ دونوں
(نور و ظلمت) ایسے دو شفاف جوہر ہیں جو حس اور اختیار اور
قدرت کے ساتھ موصوف ہیں اُن کے نفس اور صورت
میں تضاد اور فعل و تدبیر میں اختلاف ہے پس جو نور
ایسا فاضل باخیر اوصاف ہے جس کی خوشبو پاکیزہ ہے اور
اُسکا نفس کریم ہے وہ خوش کرتا ہے اور ضرر نہیں پہونچاتا نفع پہونچاتا ہے
اور منع نہیں کرتا وہ زندہ کرتا ہے اور کہنہ نہیں کرتا
اور جوہر ظلمت اس کے خلاف ہے

ثم ان جوهر النور لم يزل يولد الاولياء
وهم الملائكة لا على سبيل التناكح
بل على سبيل تولد الحكمة من
الحكيم والضوء من المضيء وجوهر
الظلمة لم يزل يولد الاعداء
هم الشياطين على سبيل
تولد السفه من السفيه لا على
سبيل التناكح فهذه اقوال
من جعل الملائكة اشياء
متحيزة جسمانية القول الثاني
ان الملائكة ذوات قائمة
بانفسها وليست بمتحيزة ولا
اجسام فههنا قولان احدهما
قول طوائف من النصارى وهو ان
الملائكة في الحقيقة هي الانفس
الناطقة بذاتها المفارقة لانها
على نعت الصفا والخيرية وذلك
لان هذه النفوس المفارقة
ان كانت صافية خالصة فهي الملائكة وان كانت خبيثة
كدرة فهي الشياطين۔
وثانيهما قول الفلاسفة

پھر جوہر نور سے ہمیشہ اولیاء پیدا ہوتے رہے
جن سے ملائکہ (فرشتے) مراد ہیں۔ اور یہ پیدائش
بطور نکاح نہ تھی جو حیوانوں میں جاری ہے بلکہ
وہ (پیدائش) اس طور پر تھی کہ جس طور پر کہ حکیم سے حکمت
اور نورانی چیز سے روشنی پیدا ہوتی ہے اور جوہر ظلمت
سے ہمیشہ اعدا پیدا ہوتے رہے جن سے شیاطین
مراد ہیں اور اُن کی پیدائش بھی نکاح کے عنوان سے
نہیں ہوتی بلکہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح کہ سفیہ سے
سفاہت پس یہ اُن لوگوں کے قول ہیں جو فرشتوں
کو متحیز اور جسمانی چیزیں قرار دیتے ہیں۔

دوسری صورت (متحیز نہ ہونیکی حالت) میں بھی
دو قول ہیں۔

پہلا قول وہ ہے جسکو کہ نصاریٰ کے بعض فرقوں نے
اختیار کیا ہے کہ فرشتوں سے نفوس ناطقہ مراد ہیں جو
اپنے بدنوں سے جدا ہیں اور اُن (نفوس ناطقہ) کی دو قسمیں ہیں

اوّل یہ کہ وہ (نفوس ناطقہ) صفائی اور خیر و خوبی کے
ساتھ موصوف ہیں ایسی صورت میں وہ (نفوس ناطقہ) فرشتے
کہلاتے ہیں۔

دوم یہ کہ وہ کدورت اور خباثت کے ساتھ موصوف
ہوں ایسی صورت میں وہ شیطان کہلاتے ہیں۔

دوسرا قول وہ ہے جسکو فلاسفہ نے اختیار کیا ہے کہ

وهي انها جواهر قائمة بانفسها ليست بمتحيزة البتة بالمهية مخالفة نوع النفوس الناطقة البشرية وانها اكمل قوة منها واكثر علما وانها للنفوس البشرية جارية مجرى الشمس بالنسبة الى الاضواء ثم ان هذه الجواهر على قسمين منها ما هي بالنسبة الى اجرام الافلاك والكواكب كنفوسنا الناطقة بالنسبة الى ابداننا ومنها ما هي اعلى شانا من تدابير اجرام الافلاك بل هي مستغرقة في معرفة الله تعالى ومحبته ومشتغلة بطاعته وهذا القسم هم الملائكة المقربون ونسبتهم الى الملائكة الذين يدبرون السموات كنسبة اولئك المدبرين الى نفوسنا الناطقة فهذان القسمان قد اتفقت الفلاسفة على اثباتهما ومنهم من اثبت انواعا اخر من الملائكة وهي الملائكة الارضية المدبرة لاحوال هذا العالم السفلي ثم ان مدبرات هذا العالم ان كانت خيرات

فرشتوں سے وہ جواہر مراد ہیں جو اپنے وجود میں مستقل ہیں اور متحیز نہیں ہیں اور یہ کہ نفوس ناطقہ کی حقیقت سے اُن کی حقیقت جدا ہے اور یہ کہ نفوس ناطقہ سے اُن کی قوت کامل تر اور اُنکی معرفت بیشتر ہوتی ہے اور یہ کہ نفوس بشریہ کو اُنسے وہی نسبت ہے جو روشنی کو آفتاب سے ہوتی ہے پھر اُن کے نزدیک فرشتوں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو افلاک اور کواکب کے جسموں سے وہی علاقہ رکھتے ہیں جو نفوس ناطقہ کو ہمارے جسموں سے حاصل ہے (جس سے علاقۂ تدبیر و تصرف مراد ہے) دوسری قسم وہ ہے جنکی شان اس امر سے اجل وارفع ہے کہ وہ افلاک کے جسموں کی تدبیر کریں بلکہ وہ خداوند عالم کی معرفت اور محبت میں مستغرق رہتے اور اُسکی اطاعت و بندگی میں مشغول رہتے ہیں اور ملائکہ مقربین سے یہی قسم مراد ہوتی ہے اور اس قسم کے فرشتوں کو پہلی قسم کے فرشتوں سے وہی نسبت ہے جو پہلی قسم کے فرشتوں کو نفوس ناطقہ سے حاصل ہے اور ان دونوں قسموں کے ثابت کرنے پر جملہ فلاسفہ نے اتفاق کیا ہے اور بعض فلاسفہ نے ان دونوں قسموں کے علاوہ اور فرشتوں کے موجود ہونے کو بھی ثابت کیا ہے جیسے وہ ارواح ارضیہ کو مراد لیتے ہیں جو اس عالم سفلی کی تدبیر کرتے ہیں اب اگر وہ (ارواح) صاحب خیر

فهم الملائكة وان كانت شريرة فهو الشياطين - ثم اختلف اهل العلم في انه هل يمكن الحكم بوجودها من حيث العقل ولا سبيل الى اثباتها الا بالسمع فالفلاسفة على الاول

صلاح ہوتی ہیں تو اُن (ارواح) کو ملائکہ کہتے ہیں اور اگر صاحب شر و فساد ہوتے ہیں تو اُنکو شیاطین کہتے ہیں پھر اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ آیا فرشتوں کے وجود پر کوئی عقلی دلیل بھی قایم ہو سکتی ہے یا اُن (فرشتوں) کا وجود محض نقلی دلیل سے ثابت ہوتا ہے پس فلاسفہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے

پھر امام رازی نے فلاسفہ کی بعض دلیلوں کو وارد کر کے نقلی دلیلوں کا بیان کرنا شروع کیا ہے - اور کہا ہے کہ :-

فلا نزاع البتة بين الانبياء في اثبات الملائكة بل ذلك كالامر المجمع عليه بينهم -

ملائکہ کے ثابت کرنے میں مابین انبیاء علیہم السلام نزاع نہیں ہے بلکہ وہ اُن کے درمیان اُس امر کی مثل ہے جس پر اجماع ہو -

پھر امام رازی نے کثرت ملائکہ کو بیان کیا ہے اور اس باب میں بعض اخبار کو وارد کیا ہے - پھر کہا ہے کہ :-

رايت في بعض كتب التذكير ان النبي صلى الله عليه وسلم حين عرج به راى الملائكة في موضع بمنزلة سوق بعضهم يمشي تجاه بعض فسأل رسول الله انهم اين يذهبون فقال جبرئيل لا ادري الا اني اراهم منذ خلقت ولا ارى واحدا منهم قد رأيته قبل ذلك

میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول خدا نے شب معراج ایک مقام پر جو بمنزلہ سوق تھا ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا کہ بعض فرشتے بعض فرشتوں کے سامنے چلے جاتے تھے پس حضرت نے جبرئیل امین سے سوال کیا کہ یہ فرشتے کہاں جاتے ہیں اُنہوں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں مگر یہ کہ میں انکو اپنی پیدائش کی وقت سے اسی طرح جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں - اور میں نے انمیں سے کسی فرشتے کو دوبارہ نہیں دیکھا

ثم سئلوا واحدا منهم وقيل له منذ كم خلقت فقال لا ادري غير ان الله تعالى يخلق كوكبا في كل اربعمائة الف سنة فخلق مثل ذلك الكوكب منذ خلقني اربعمائة الف كوكب

پھر انہیں کے ایک فرشتہ سے دریافت کیا کہ تم کب پیدا ہوئے ہو اُس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں مگر حقتعالی چار لاکھ برس کے بعد ایک ستارہ کو پیدا کرتا ہے پس جب سے کہ حقتعالی نے مجھے پیدا کیا ہے اُس ستارہ کے مثل چار لاکھ ستارونکو پیدا کر چکا ہے

اس کے بعد امام رازی نے ملائکہ کے اصناف و اوصاف کو بیان کیا ہے جنکا ہم تذکرہ کر چکے ہیں

امام رازی نے اگرچہ اپنے کلام کی ابتدا میں بیان کیا ہے کہ اکثر مسلمین فرشتوں کے جسمانی ہونیکے قائل ہیں لیکن اُن کے آخری کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس باب میں نصاری اور اُن فلاسفہ کے سوا کوئی شخص مخالف نہیں ہے جو کسی شریعت پر ایمان نہیں لائے اور اُنہوں نے اپنے جملہ اُمور میں اپنی ضعیف عقلوں پر تکیہ کیا ہے۔

اگرچہ فرشتوں کے موجود مستقل اور قابل حرکت و سکون ہونے اور اُن کے دیگر جسمانی اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے پر جملہ علماء اسلام اور دیگر طوائف انام نے اتفاق کیا ہے جیسا کہ علامۂ مجلسی وغیرہ کی تصریحات سے معلوم ہوا لیکن اس مقام پر اور علماء کے اقوال کا وارد کرنا اس رسالہ کی وضع کے مخالف ہے اس لئے محض مذکورۂ بالا اقوال کے وارد کرنے پر اقتصار کیا گیا۔

بہرحال فرشتوں کے موجود مستقل ہونے اور جسمانی اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے پر جملہ شریعتیں متفق ہیں اور اُنکے وجود کا منکر دین اسلام سے خارج اور پکا ملحد اور بے ایمان ہے ہم نے تنبیہ ناظرین کے لئے اس مقام پر بعض آیات و روایات اور علمائے اسلام کی عبارات کو نقل کیا ہے۔ ورنہ یہ مطلب ایسا نہیں ہے جسپر کسی دلیل کے قائم کرنیکی ضرورت ہو اور جس طرح کہ فرشتوں کے موجود مستقل اور لوازم جسمانیہ کے ساتھ موصوف ہونے کا اعتقاد ضروری ہے۔ اسیطرح شیطان کے موجود مستقل اور لوازم جسمانیہ کے ساتھ موصوف ہونیکا

اعتقاد بھی ضرور ہے جس پر کتاب وسنت اور اجماع وغیرہ ادلۂ قطعیہ قایم ہیں اور اُن سے اس مقام پر تعرض کرنا تطویل لاطائل میں داخل ہو۔ خداوند عالم جملہ اہل ایمان کو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے اور امر حق کے پہچاننے اور اُسپر عمل کرنیکی توفیق کرامت فرمائے۔ آمین۔

نبی کا صاحب عصمت ہونا

عصمت کی تعریف } عصمت سے وہ مخصوص لطف اور باطنی تائید مراد ہے جس کے بعد بندہ اپنے نفس کو خدا کی ہر ایک نافرمانی سے روکتا اور ہر ایک طاعت پر آمادہ رکھتا ہو اور اُس سے کسیوقت میں بھی کوئی امر ایسا سرزد نہیں ہوتا جو مرضی معبود کے خلاف ہو۔

حکیم مطلق اس گرانبہا صفت کی ساتھ اُسی شخص کو مخصوص کرتا ہے جس کا اُس (صفت) کے بعد ہر طرح کی طاعت اور فرمانبرداری کو اختیار کرنا اور ہر ایک قسم کی معصیت و نافرمانی سے پرہیز کرنا معلوم ہوتا ہے اور ہم کتاب العدل میں نہایت وضاحت و شرح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ لطف پروردگار کا اُسی شخص سے متعلق ہونا لازم ہو جسکا اُس کے بعد طاعت کو اختیار کرنا اور معصیت سے پرہیز کرنا معلوم ہو۔ اس بنا پر اگرچہ حکیم مطلق کے الطاف و توفیقات ہر ایک بندہ پر مبذول ہوتے ہیں جنکے بعد وہ کسی طاعت کو اختیار کرتا اور کسی معصیت سے پرہیز کرتا ہے لیکن عصمت ایسا لطف نہیں ہے جو ہر ایک شخص پر مبذول ہو سکتا ہو اس لئے کہ ہر ایک شخص سے اس امر کی اُمید نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کی ہر ایک نافرمانی سے پرہیز کرے اور ہر ایک قسم کی طاعت پر اپنے نفس کو آمادہ کرے بلکہ وہ ایسے نفوس قدسیہ کو عطا ہوتا ہے جنکا اس لطف کے بعد اپنے اختیار سے ہر ایک نافرمانی کو ترک کر دینا اور ہر ایک طاعت کو بجا لانا معلوم ہوتا ہو اور ظاہر ہو کہ انبیاء اور اوصیا علیہم السلام کے سوا ایسے متبرک نفوس کہاں ہو سکتے ہیں جو اپنے اختیار سے ہر ایک معصیت کو ترک کر ...

بجالائیں۔ پس ضرور ہوا کہ عصمت ایسا لطف بھی انہیں حضرات کے ساتھ مخصوص ہو۔ انہیں بزرگواروں کے نفوس قدسیہ نفسانی فضائل و کمالات کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوتے ہیں اور حکیم مطلق کی عظمت و جبروت اُنکی مبارک نظروں میں ہر دم جلوہ گر رہتی ہے جو اُنکو غیر خدا کی طرف متوجہ اور ملتفت ہونے سے باز رکھتی ہے اور وہی حضرات ایسے مبارک بندے ہیں جو نظارۂ بارگاہ ایزدی کے مقابلہ میں ہر ایک چیز کو نیست و نابود سمجھتے ہیں اس صورت میں عصمت و طہارت کے گرانبہا لطف کا مستحق ان بزرگواروں کی سوا کون ہو سکتا ہو۔

نبی یا امام کا عصمت کی وجہ سے ترک یا فعل پر مجبور نہ ہو جانا۔ ہمارے اس مختصر بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عصمت کی وجہ سے نبی اور امام کسی کام کی بجالانی یا ترک کرنے میں مجبور نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہر ایک کام کو اپنے ارادہ اور خواہش کے موافق بجالاتے یا ترک کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہو تو نبی و امام کے لئے کسی قسم کی مدح و ستائش کا استحقاق نہو۔ یہ اور بات ہو کہ ان حضرات کے نفوس قدسیّہ کو اپنے کمال معرفت کی وجہ سے ایسی ہی امور کے اختیار کرنے کی عادت ہو جاتی ہے جو مرضی معبود کے موافق ہوتے ہیں جس طرح کہ عام لوگوں میں سے بعض پرہیزگاروں کے نفوس اپنی معرفت اور خداشناسی کی وجہ سے بہت سے گناہوں کی طرف اصلا توجہ و التفات نہیں کرتے مگر باوجود اس کے وہ اُن کے ترک کرنے میں مجبور نہیں سمجھے جاتے۔

نبی یا امام سے باوجود قدرت کے گناہ کے صادر نہ ہونے کی تمثیل فرض کرو کہ کوئی مقتدر بادشاہ اپنی رعیت میں سے زید کے ساتھ حد درجہ کی محبت رکھتا ہو اور اُسپر طرح طرح کے احسان کرتا ہو اور زید بھی بادشاہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی محبت رکھتا ہو اور بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو تو زید سے باوجود قدرت و اختیار کے کسی ایسے امر کا جو بادشاہ کے مرضی کے خلاف ہو کئی وجہوں سے صادر ہونا محال ہو گا۔

اوّل محبت باہمی اس لئے کہ دوست سے کوئی امر ایسا صادر نہیں ہو سکتا جو مقتضائے دوستی کے

خلاف ہو۔

دوم شرم وحیا۔ اس لئے کہ شرم وحیا کی وجہ سے انسان اپنے محسن دوست کی مخالفت کو اُس کی غیبت میں بھی پسند نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اُس کے سامنے حاضر وموجود ہو۔

سوم خوف۔ اس لئے کہ اگر باوجود ان خصوصیتوں کے بھی بادشاہ کے ادب کا لحاظ نکریگا تو اُس کو ذی اقتدار بادشاہ کی طرف سے سزا پانیکا ضرور اندیشہ ہوگا۔

اس صورت میں زید سے کسی ایسے امر کا صادر ہونا محال ہوگا جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہو پس وجوہ مذکورۂ بالا پر نظر کرنے کے بعد جسطرح کہ ہر ایک شخص اس نتیجہ پر ضرور پہونچتا ہے کہ زید سے خطا کا صادر ہونا محال ہے اُسی طرح اس نتیجہ پر بھی پہونچیگا کہ زید خطا کے ترک کرنے میں مجبور نہیں ہی بلکہ اُس نے وجوہ مذکورہ کی وجہ سے بادشاہ کی مخالفت کو اپنے ارادہ واختیار سے ترک کیا ہے پس بادشاہ حقیقی کے دربار میں ان خاصان خدا کی بھی یہی حالت ہے کہ باوجود قدرت واختیار کے ان سے بھی کوئی ایسا امر سرزد نہیں ہوسکتا جو مرضی بادشاہ کے خلاف ہو۔ بہر حال ہماری تقریر سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا کہ عصمت کوئی ایسا امر نہیں ہی جسکی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اپنے کاموں میں مجبور ہوجائیں اور اجر وثواب کے مستحق نہوں۔ ایسے امر کا وہی شخص قائل ہوسکتا ہے جو عقل سے بے بہرہ ہو۔ اِس کے علاوہ یہ ہی کہ بندہ کا فاعل مختار ہونا اور کام کر ترک وفعل میں اُسکا مضطر نہ ہونا کتاب العدل میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہوچکا ہی جس سے انبیاء کا فاعل مختار ہونا بخوبی ثابت ہوسکتا ہی۔

عصمت مطلقہ کا بیان — نبی سے ایسے امور یا گناہوں کا سرزد ہونا جملہ عقلاء کے نزدیک محال ہے۔ جن کے بعد لوگوں کو اُس پر اعتماد نرہی اور امر ہدایت میں خلل پڑے جیسا کہ اوپر کے بیان میں مذکور ہوچکا ہی۔ لکن یہ امر قابل نزاع

خلل پڑتا ہے۔ اس بارہ میں لوگوں نے مختلف رائیں قایم کی ہیں۔ جنکا بطور اجمال تذکرہ کردینا
مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ کئی ہیں:-

پہلی رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے فقط گناہ صغیرہ سرزد ہوسکتا ہے خواہ عمداً ہو
یا سہواً اس لئے کہ انبیاءؑ سے جو اعمال خیر صادر ہوتے ہیں اُن کے مقابلہ میں گناہ صغیرہ کا
صادر ہونا قابل التفات نہیں ہوسکتا پس نبی کے معتمد اور قابل وثوق ہونے میں
گناہ صغیرہ کی وجہ سے کسی قسم کا خلل نہ آئیگا۔

دوسری رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے فقط بھول چوک میں گناہ صغیرہ سرزد ہوسکتا ہے
اور دیدہ و دانستہ اُسکا سرزد ہونا درست نہیں ہے۔

تیسری رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے اگرچہ ہر ایک گناہ صادر ہوسکتا ہے خواہ کبیرہ ہو
یا صغیرہ مگر اُنسے کفر اور دروغ کا سرزد ہونا درست نہیں ہے۔

چوتھی رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے اگرچہ کفر بھی سرزد ہوسکتا ہے مگر اُسکا نبوت کے
بعد صادر ہونا جائز نہیں ہے۔

پانچویں رائے۔ انبیاء علیہم السلام سے ثبوت نبوت کے بعد بھی کفر صادر ہوسکتا ہے۔

چھٹی رائے۔ انبیاءؑ سے کفر یا کوئی ایسا گناہ صادر نہیں ہوسکتا جو معجزہ کے خلاف ہو
اس رائے کی بنا پر انبیاءؑ سے ایسے دروغ کا صادر ہونا صحیح ہوگا جو اُن کی پیغامبری سے متعلق نہو۔

ساتویں رائے انبیاءؑ سے ایسا گناہ جو معجزہ کے خلاف ہو فقط بھول چوک میں سرزد
ہوسکتا ہے۔ مگر انبیاءؑ کو دیدہ و دانستہ اُسکا صادر کرنا جائز نہوگا۔ اس رائے کی بنا پر جائز
ہوگا کہ نبی کسی دروغ اور غیر واقعی حکم کو بھولے سے خدا کی طرف منسوب کردے۔

آٹھویں رائے۔ انبیاءؑ سے کفر بھی صادر ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس رائے کے
لوگ ہر ایک گناہ کو کفر جانتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک ہر ایک گناہ کا انبیاءؑ سے
صادر ہونا جائز ہے۔

نویں رائے۔ انبیاءؑ سے گناہ کبیرہ کا مطلقاً سرزد ہونا جائز نہیں ہے اور اسی طرح ایسے گناہ صغیرہ کا سرزد ہونا بھی جائز نہیں ہے جو موجب تنفر ہو۔ اور باقی گناہان صغیرہ کا صادر ہونا صحیح ہے عمداً ہو یا سہواً۔

دسویں رائے انبیاءؑ سے کسی گناہ کا مطلقاً صادر ہونا جائز نہیں ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ عمداً ہو یا سہواً نبوت کے قبل ہو یا بعد۔ موجب نفرت ہو یا نہو اور معجزہ کے خلاف ہو یا نہو۔

اور امام فخرالدین رازی نے لوگوں کے اُن اقوال مختلفہ کو جو عصمت انبیاءؑ کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں چار قسموں میں ضبط کیا ہے۔

پہلی قسم وہ ہے جو اعتقاد سے متعلق ہو۔ پس امت کے نزدیک انبیاءؑ کا ضلالت وکفر سے معصوم ہونا لازم ہے البتہ خوارج کے ایک گروہ کا جنکو فضیلیہ کہتے ہیں یہ اعتقاد ہے کہ انبیاءؑ سے گناہ واقع ہوئے ہیں اور اُن کے نزدیک ہر گناہ داخل کفر وشرک ہے پس اس بنا پر اُنہوں نے کفر کے صادر ہونے کو تجویز کیا ہے۔ اور امامیہ نے انبیاءؑ پر تقیہ کی راہ سے کفر کی ظاہر کرنے کو تجویز کیا ہے۔

امام رازی نے فرقہ امامیہ سے جو نقل کیا ہے کہ وہ انبیاءؑ پر تقیہ کی راہ سے کفر کو ظاہر کرنے کو تجویز کرتے ہیں وہ فرقہ امامیہ پر افترا و بہتان ہے اس لئے کہ فرقہ امامیہ کے کسی عالم نے اس مطلب کو نہیں لکھا۔ بلکہ اُن کا اس باب میں یہ اعتقاد ہے کہ انبیاءؑ جس امر پر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں اُسی کو بجالاتے ہیں جسکی تفصیل عنقریب مرقوم ہوگی۔

دوسری قسم وہ ہے جو تبلیغ احکام سے متعلق ہو۔ پس تمام امت نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ انبیاءؑ کا اس باب میں معصوم ہونا لازم ہے۔ اور یہ کہ اُنسے خصوص تبلیغ احکام میں دروغ گوئی کا صادر ہونا جائز نہیں ہے ورنہ اداے احکام میں اُنکو قول پر وثوق نہ رہیگا۔

جس طرح کہ اُن سے دروغ اور کذب کا عمداً صادر ہونا جائز نہیں ہے اسی طرح
اُسکا سہواً صادر ہونا بھی جائز نہیں ہے البتہ بعض لوگوں نے خصوص سہو کی حالت میں
دروغ کے صادر ہونے کو نفس تبلیغ میں بھی تجویز کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سہو سے
اجتناب کرنا ممکن نہیں ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو فتوی سے متعلق ہو۔ پس اسپر تمام علمار کا اتفاق ہے کہ اُنکا فتوی میں
عمداً خطا کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ سہواً خطا کرنے کو بعض نے تجویز کیا ہے۔

امام رازی کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام علماء نے انبیاء کے مفتی اور
مجتہد ہونے پر اتفاق کیا ہے اور محض خطا کرنے نہ کرنے میں کلام کیا ہے اور یہ امر بالکل
خلاف واقع ہے اس لئے کہ فرقۂ امامیہ کے نزدیک انبیار ع کو اجتہاد کرنا جائز نہیں
ہے اس لئے کہ اجتہاد اُسی مقام پر کیا جاتا ہے جہاں پر دلیل حکم مشتبہ ہوتی ہے
حالانکہ انبیاء ع کے جملہ علوم ضروری ہوتے ہیں جو وحی و الہام سے ماخوذ ہوتے ہیں۔
بلکہ خود امام رازی نے اپنی اسی تقریر میں رافضیوں کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ انبیاء ع کے
اُن کے نزدیک کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہو سکتا۔ نہ کبیرہ نہ صغیرہ نہ عمداً نہ سہواً نہ تاویلاً
نہ خطاءً ایسی صورت میں امامیہ کا یہ مذہب کیونکر ہو سکتا ہے کہ انبیار کو کسی وقت کلمۂ کفر
کا ظاہر کرنا جائز ہے یا وہ اجتہاد کو اُنپر تجویز کرتے ہیں اس لئے کہ دونوں باتوں میں جو
منافات ہے وہ کسی ادنے اور معمولی عقل والے انسان پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی۔
اسی طرح خود امام رازی نے رافضیوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ زمانہ ولادت سے آخر عمر تک
انبیاء ع کو معصوم جانتے ہیں ۔ اس قول کو بھی پہلے دونوں باتوں سے جو اُنہوں نے
امامیہ کی طرف منسوب کی ہیں جو منافرت ہے وہ بہت واضح ہے ۔ اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ
نے جبائی سے نقل کیا ہے کہ وہ اس اعتقاد میں کہ انبیار کا اجتہاد کرنا باطل ہے امامیہ کی
موافقت کی ہے اور اُن کی عین عبارت یہ ہے کہ ۔

والجبائی قد وافق الامامیة حیث انه قال وحی الله تعالیٰ الی سلیمان بما نسخ به حکم داؤد الذی کان یحکم به قبل لم یکن ذلك عن اجتهاد لانه لا یجوز للانبیاء ان یحکموا بالاجتهاد وهذا هو الصحیح المعوّل علیه عندنا۔

اور جبائی نے امامیہ کی موافقت کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی طرف ایسے امر کی وحی کی جس سے حضرت داؤدؑ کا وہ حکم منسوخ ہو گیا جسکے ساتھ وہ حکم کیا کرتے تھے اور یہ امر اجتہاد سے نہ تھا اس لئے کہ انبیاءؑ کو اجتہاد کے ساتھ حکم کرنا جائز نہیں ہے اور یہی صحیح ہے جسپر ہمارے نزدیک اعتماد کیا جاتا ہے۔

چوتھی قسم وہ ہے جو افعال سے متعلق ہو۔ پس اس باب میں امت کے پانچ قول ہیں۔

(۱) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز ہے اور اس امر کو حشویہ نے اختیار کیا ہے۔

(۲) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ کا مطلقاً صادر ہونا کسی طرح جائز نہیں ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً اور اسی طرح گناہ صغیرہ کا عمداً صادر ہونا بھی جائز نہیں ہے جو موجب نفرت ہو جیسے جھوٹ اٹھانا یا تولنے میں کم کر دینا وغیرہ البتہ جو صغیرہ کہ موجب نفرت نہو اُسکا عمداً بھی صادر ہونا جائز ہے اور یہ اکثر معتزلہ کا قول ہے۔

(۳) یہ کہ اُنسے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز نہیں ہے البتہ کسی گناہ کا اُنسے بوجہ تاویل صادر ہونا جائز ہے اور یہ جبائی کا قول ہے۔

(۴) یہ کہ اُنسے کوئی گناہ عمداً صادر نہیں ہو سکتا البتہ سہواً اور خطاء سے صادر ہو سکتا ہے لیکن اُنسے گناہ کے اس طرح واقع ہونے پر بھی مواخذہ کرنا صحیح ہے اگرچہ ان کی اُمت سے ایسے گناہ کا مواخذہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء کی معرفت قوی ہوتی ہے اور اُن کے پاس جو دلائل ہوتے ہیں وہ زائد ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ گناہ سے محفوظ رہنے پر بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زائد قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) یہ کہ انبیاء سے کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہو سکتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ نہ عمداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاءً اور یہ رافضیوں کا مذہب ہے۔

اس کے بعد امام فخرالدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ اور لوگوں نے زمانِ عصمت میں بھی اختلاف کیا ہے اور اُسمیں تین قول ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ زمانہ ولادت سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں اور یہ رافضیوں کا قول ہے۔

دوم یہ کہ وہ زمان بلوغ سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں اور یہ کہ اُنسے زمان نبوت سے پہلے کفر اور گناہ کبیرہ کا صادر ہونا جائز نہیں ہے اور یہ معتزلہ کی جماعت کثیرہ کا قول ہے۔

سوم یہ کہ وہ زمان نبوت میں معصوم ہوتے ہیں اور قبل نبوت اُنسے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے اور یہ ہمارے اکثر اصحاب اور معتزلہ میں سے ابو الہذیل اور ابو علی کا مختار ہے۔ اور ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء سے زمان نبوت میں کوئی گناہ صادر نہیں ہوا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ (انتہی ملخصاً نقلہ)

بالجملہ انبیاء سے گناہ کے صادر نہ ہونے میں لوگوں نے یہ مختلف رائیں بیان کی ہیں لیکن اگر کوئی شخص نبوت کے منصب جلیل اور اُسکی مہتم بالشان ہونے پر ذرا سا غور کریگا وہ ان مختلف راؤں میں سے فقط دسویں رائے کو ترجیح دینے پر مجبور ہوگا۔

اگرچہ ہمارے اوپر کے مختصر بیان سے بھی اس امر کا فیصلہ کر لینا آسان ہے مگر ہم مزید توضیح کے لئے اس مطلب کی کئی دلیلوں کے ساتھ شرح کرتے ہیں۔

پہلی دلیل۔ یہ کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا گناہ سرزد ہوگا تو لوگوں کی نظر میں اُنکی وقعت نہ ہوگی اور اُنکی کسی بیان پر پورا وثوق و اعتماد حاصل نہ ہوگا اور لوگ اُنکی اطاعت کرنے کو ننگ و عار سمجھینگے۔ اور نبوت کی غرض ناتمام رہیگی۔ اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ نبی کی مبعوث ہونیکی اصلی غرض جس سے لوگوں کا ہدایت پانا مراد ہے تمام نہ ہو اس لئے کہ یہ غرض اُسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا فرض نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر نبی سے کسی قسم کے گناہ کا سرزد ہونا جائز ہوگا تو اُنسے کذب و دروغ کا صادر ہونا ممتنع نہ ہوگا۔ اور جبکہ اُن کے دروغ گو ہونیکا احتمال ہوگا تو اُن کے احکام اور ثواب کے وعدوں اور عذاب کی دھمکیوں پر بھی اعتماد نہ رہیگا

اور لوگ نبی کی اطاعت نکرینگے - اور اُنپر خدا کی حجت تمام نہ ہوگی اور خدا کی طرف سے اُن کے مبعوث ہونیکی غرض میں خلل واقع ہوگا - چونکہ خدائے حکیم کی غرض کے پورا نہ ہونے میں خود اُسکا شریک ہونا قبیح ہے - لهذا نبی کا ہر ایک معصیت اور گناہ سے بری ہونا بھی ضروری ہوگا اور اس صورت میں نبی کے دروغگو ہونیکا احتمال ممتنع ہوگا -

اور اس دلیل پر کئی اعتراض کئے گئے ہیں جنسے تعرض کرنا مناسب ہے -

پہلا اعتراض - اس دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے فقط احکام آلہی کے پہونچانے میں دروغ کا صادر ہونا محال ہو اس لئے کہ ایسے دروغ سے معجزہ کا ثبوت پر دلالت کرنا باطل ہوتا ہے - پس انبیاء ع سے ایسے دروغ کا صادر ہونا محال نہ ہوگا جو احکام کے پہونچانے سے متعلق نہ ہو - اور اس صورت میں نبی کا ہر ایک دروغ سے معصوم ہونا ثابت نہ ہوگا -

جواب - اگر انبیاء علیہم السلام سے ہر ایک دروغ کا صادر ہونا محال نہ ہوگا تو اُن کی شریعتوں پر بھی اعتماد نہ رہیگا اس لئے کہ جس شخص سے دروغ کا صادر ہونا جائز ہوتا ہی اُسکی کوئی بات بھی قابل وثوق نہیں ہوسکتی -

دوسرا اعتراض - اگر انبیاء علیہم السلام سے دروغ کے صادر ہونے کا محال ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو اُسی وقت قابل تسلیم ہوگا جبکہ دیدہ دانستہ صادر ہو - پس اُس (دروغ) کا سہو و نسیان سے صادر ہونا جائز ہوگا کیونکہ سہو و نسیان کی صورت میں آدمی معذور ہوتا ہے -

جواب - اگرچہ سہو و نسیان کی صورتمیں انسان معذور ہوتا ہے اور اُس سے مواخذہ کرنا درست نہیں ہوتا لیکن اُسکی بات کا اعتبار ضرور جاتا رہتا ہے پس اگر نبی سے دروغ کا سہو و نسیان کی حالت میں صادر ہونا جائز ہوگا تو اُس سے اگرچہ مواخذہ کرنا درست نہ ہوگا لیکن اُسکی کسی بات کا اعتبار نہ رہیگا - اور اس صورت میں اُسکا احکام الٰہی کی بیان کرنے میں غلطی کرنا جائز ہوگا اور لوگ اُسکی باتوں پر اعتماد نکرینگے اور خدا کی اصلی غرض حاصل نہوگی -

جسکا باطل ہونا ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسری دلیل - اگر نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا فرض نہ کیا جائے گا اور اُس سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہوگا تو دو متضاد چیزوں کا واجب ہونا لازم آئیگا۔

اوّل اُس گناہ میں نبی کی پیروی کرنے کا واجب ہونا اس لئے کہ ہر ایک امر میں نبی کی پیروی لازم ہے جیسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳ سورہ آل عمران)	اے رسول کہدو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ خداوند عالم تمکو دوست رکھے۔

دوم اُس گناہ میں نبی کے خلاف کرنے کا واجب ہونا اِس لئے کہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنا واجب ہے جیسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے

وَلَا تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (پارہ ۱۲ سورہ ہود)	اُن لوگوں کی طرف مائل نہو جو ظلم کرتے ہیں۔

اور چونکہ دو متضاد چیزوں کا واجب ہونا محال ہے لہذا نبی کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا واجب ہوگا

تیسری دلیل - اگر نبی سے گناہ صادر ہوگا تو اُسکا روکنا اور منع کرنا واجب ہوگا۔ اِس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے لیکن نبی کا روکنا اور منع کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اُسمیں نبی کو اذیت ہوگی اور نبی کو اذیت پہونچانا حرام ہے جیسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب)	جو لوگ خدا اور اُسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں خدا نے اُنپر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور اُنکے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اس صورت میں نبی کا معصوم ہونا لازم ہوگا۔

تنبیہ - یہ دلیل اگرچہ گناہ کبیرہ کے ساتھ مخصوص اور دعوے سے اخص ہے لیکن وہ فرقہ حشویہ کے مقابلہ میں جو انبیاء علیہم السلام سے صدور کبائر کو تجویز کرتے ہیں

پیش ہو سکتی ہے۔

چوتھی دلیل اگر نبی کا معصوم ہونا ضروری نہ ہوگا تو نبی کا قابل ملامت اور مستحق عذاب ہونا لازم آئیگا جیسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۂ جن) } اور جو شخص کہ خدا اور رسول کی نافرمانی کریگا تو اسکو لئے آتش جہنم ہے جسمیں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔

اسی طرح اُس (نبی) کا قابل لعن ہونا بھی لازم آئیگا جیسپر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ } آگاہ ہو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

لیکن نبی کا لایق مذمت اور مستحق عذاب یا قابل لعن ہونا باطل ہے۔ لہذا اُسکا معصوم ہونا لازم ہوگا۔

پانچوین دلیل انبیار لوگوں کو خدا کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پس اگر وہ خود حقتعالیٰ کی اطاعت نہ کرینگے تو وہ آیات ذیل کے مصداق میں داخل ہو جائینگے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (پارہ اول سورۂ بقر) } آیا تم لوگوں کو تو نیکی کرنیکا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھولے جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہو۔ آیا تم سمجھتے نہیں۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ (پارہ ۱۲ سورۂ ہود) } اور میں تمہارے، اُس امر میں مخالفت کرنا نہیں چاہتا جس سے کہ تم کو منع کرتا ہوں۔

پس جو امر کہ اُمت کے ادنےٰ ادنےٰ واعظوں کے لئے بھی مناسب وسزاوار نہیں ہے اُسکا انبیار کے طرف منسوب کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

چھٹی دلیل بہت سی آیات سے انبیار کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا معلوم ہوتا ہے جسکے بعد اُنسے کسی گناہ کا سرزد ہونا محال ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ

اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ (پارہ ۱۷) | حق تعالےٰ فرشتوں اور آدمیوں میں سے رسولوں کو منتخب کرتا ہے

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے -

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ پارہ ۳ سورہ آل عمران

بالتحقیق حق تعالیٰ نے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالم سے منتخب کیا ہو -

اور حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے -

وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا ج پارہ اول سورہ بقر

ہم نے اُن کو دنیا میں منتخب کیا ہے -

اور حضرت موسیٰؑ کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے -

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ ز پارہ ۹ سورہ اعراف

میں نے تمکو تمام لوگوں میں سے اپنے پیغاموں اور اور کلام کے لئے منتخب کیا ہے -

اور حضرت ابراہیم اور اُنکے ذریت کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے -

وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ ۝ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص

تم ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کو یاد کرو جو صاحبان قوت و بصارت تھے - ہم نے اونکو عاقبت کی یاد کے لئے خالص کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیکوکار بندوں میں سے تھے -

پس آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء تمام لوگوں میں سے منتخب تھے اور خیر و خوبی کے ساتھ موصوف تھے - اور ظاہر ہے کہ اُن حضرات سے کسی گناہ کا صادر ہونا اس درجہ بلند اور مرتبہ رفیعہ کے خلاف ہے - لہذا اُنکا معصوم ہونا لازم ہوا -

ساتویں دلیل - حق تعالیٰ نے شیطان سے اس قول کو حکایت کیا ہے -

فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ پارہ ۲۳ سورہ زمر

تیری عزت کی قسم ان میں سے تیرے خالص بندوں کو چھوڑ کر اور تو میں سب ہی کو بہکا دونگا -

پس شیطان نے اُن لوگوں میں سے صرف مخلصین کو مستثنیٰ کیا ہے جیسے انبیاء مراد ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی صفت میں بیان فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اور حضرت یوسفؑ کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

پس جبکہ بعض انبیاء ع کا معصوم ہونا ثابت ہوا تو جملہ انبیاء کا معصوم ہونا بھی ثابت ہوا اسلئے کہ انبیاء میں باعتبار عصمت کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (پارہ ۲۲ سورہ سبا) } اور یقیناً شیطان نے اُن کی نسبت صحیح گمان کیا تھا کہ اُنہوں نے شیطان کا اتباع کر لیا۔ سوائے مومنین کے ایک جماعت کے کہ اُنہوں نے اسکا اتباع نہیں کیا۔

پس جن لوگوں نے کہ شیطان کا اتباع نہیں کیا ضرور ہے کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد نہوا ہو ورنہ وہ بھی متبعین شیطان ہو جائینگے۔ پس جبکہ مومنین کی ایک جماعت سے گناہ کا سرزد نہونا معلوم ہوا تو اُس جماعت میں کلام کیا جائے کہ وہ نبی ہیں یا غیر نبی پس اگر اُنکا نبی ہونا تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ انبیاء ع سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا ورنہ لازم آئیگا کہ انبیاء کا درجہ غیر انبیاء ع سے کم ہو جسکا باطل ہونا معلوم ہے۔ پس انبیاء ع کا معصوم ہونا ثابت ہوا۔

نویں دلیل

حق تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں قرار دی ہیں

اول گروہ شیطان ہے اور وہ اصحاب خسران ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ) } وہ شیطان کا گروہ ہیں خبردار رہنا کہ شیطان کا گروہ وہی تو ٹوٹا اُٹھانے والے ہیں۔

دوم ۔ گروہ خدا ہے اور وہ اصحاب فلاح و رستگاری ہیں جنکی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ) } یہ لوگ گروہ خدا ہیں۔ آگاہ ہو کہ خدا کا گروہ رستگار ہے

اور اسمیں شک نہیں ...

اور ظاہر ہے کہ جس فعل کو شیطان پسند کرتا ہے وہ معصیت و گناہ ہے۔ پس جو شخص کہ خدا کی معصیت کریگا وہ شیطان کے گروہ میں داخل ہوگا۔ پس اگر رسول سے معصیت کا صادر ہونا فرض کیا جائے گا تو اُسپر یہ بھی ضرور صادق آئیگا کہ وہ گروہ شیطان میں داخل ہے اور اسی طرح اُسپر یہ بھی صادق آئیگا کہ وہ خاسر و زیانکار ہے اور اس میں شبہہ نہیں ہے کہ اُمت کے زاہد لوگوں پر صادق آتا ہے کہ وہ گروہ خدا میں داخل ہیں اور یہ کہ وہ رستگار ہیں پس اس صورت میں لازم آئیگا کہ اُمت کا ایک زاہد شخص پیش خدا اُس رسول سے کہیں زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ حالانکہ ایسے امر کا کوئی مسلمان شخص قائل نہیں ہوسکتا پس انبیاء کا معصوم ہونا ثابت ہوگا

دسویں دلیل رسول فرشتہ سے افضل ہوتا ہے پس ضرور ہوا کہ رسول سے گناہ کا صادر ہونا جائز نہ ہو اور فرشتہ سے رسول کی افضل ہونے پر حقتعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ پارہ ۳ سورہ آل عمران	خدا نے آدم و نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان میں سے منتخب کیا ہے۔

اور اس صورت میں رسول سے گناہ کا صادر نہ ہونا اس لئے ضروری ہوگا کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو ترک گناہ کے ساتھ موصوف کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ۔ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء	وہ خدا پر بات کہنے میں سبقت نہیں کرتے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ پارہ ۲۸ سورہ تحریم	وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

پس اگر رسول سے کسی گناہ کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو اُسکا فرشتہ سے افضل ہونا ممتنع ہوگا اس لئے کہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	کیا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال

الصَّالِحَاتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص } بھلا اُن لوگوں کی مثل قرار دیں جو زمین میں مفسد برپا کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو فاجروں کے مثل کر دیں

اس صورت میں رسول کا معصوم ہونا ضروری ہوگا۔

گیارھویں دلیل - خزیمہ بن ثابت نے حضرت کے دعوے کے مطابق گواہی دی پس حضرت نے اُس سے سوال کیا کہ تم نے میرے موافق کیونکر گواہی دی۔ پس خزیمہ نے عرض کیا کہ یا حضرت میں آپ کی اس وحی پر تصدیق کرتا ہوں جو سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہوتی ہے آیا اس مقدار قلیل پر آپ کی تصدیق نکروں پس حضرتؐ نے اُسکی تصدیق کی اور اُسکا ذوالشہادتین نام رکھا۔ اور اگر انبیاء سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہوتا تو یہ شہادت کسی طرح جائز نہ ہوتی۔

بارھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا ضروری نہ ہوگا تو لازم آئیگا کہ اُس (نبی) کی شہادت مقبول نہ ہو اس لئے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا ۝ پارہ ۲۶ سورہ حجرات } اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اُسکی جانچ کرو مگر نبی کا مقبول الشہادۃ ہونا ضروری ہے ورنہ اُنکا عدول اُمت سے کم رتبہ ہونا ثابت ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ جب نبی کی شہادت احکام شریعت میں مقبول ہوئی اور یہ کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی قصہ میں اُنکی شہادت مقبول نہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت کے روز ہمارے حضرتؐ کی شہادت تمام مکلفین پر مقبول ہوگی چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

لِتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ۝ پارہ ۲ سورہ بقر } تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔ اور رسول تمپر گواہ رہیں۔

اعتراض - اس دلیل پر بعض مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شہادت اُسی وقت رد ہو سکتی ہے جبکہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ پر اصرار ہو اور توبہ نہ ہو۔ لکن ہو سکتا ہے کہ انبیاءؑ صدور گناہ کے بعد توبہ کر لیا کرتے ہوں۔ اس صورت میں اُنکی شہادت کا مردود ہونا لازم نہ آئیگا

جواب - یہ اعتراض کئی وجہ سے مخدوش ہے۔

(۱) یہ کہ جس وقت کسی شخص سے کوئی گناہ کبیرہ صادر ہوتا ہے یا کسی گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اُس کی شہادت کا قبول کرنا درست نہیں ہے توبہ کرے یا نہ کرے اسلئے کہ اگر اُسکا توبہ کو ترک کرنا فرض کیا جائے تو مفسدہ مذکورہ کا لازم آنا بہت واضح ہے اور اگر توبہ کا بجا لانا فرض کیا جائے تب بھی وہ توبہ کرتے وقت عادل نہوگا جسکی شہادت کا قبول کرنا صحیح ہے کیونکہ حصول عدالت کے لئے ملکہ راسخہ کا بہم پہونچنا لازم ہے جسکے لئے طول مدت کی ضرورت ہے پس لازم آئے گا کہ نبی کی شہادت اُس زمانہ تک مقبول نہو جب تک کہ اُسمیں ملکہ عدالت کا بہم پہونچنا فرض نکیا جائے - اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اُسکا عدول اُمت سے کم رتبہ ہونا ثابت ہوگا جس کا باطل ہونا کسی طرح پوشیدہ نہیں ہے -

(۲) یہ کہ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ جس شخص سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہوتا ہے وہ محض توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ ہوجاتا ہے تو بھی توبہ کا صادر ہونا لازم نہیں ہے - پس ممکن ہوگا کہ انبیاءؑ سے صدور گناہ کے بعد توبہ صادر نہو -

(۳) یہ کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ انبیاءؑ پر صدور گناہ کے بعد توبہ کرنا لازم ہے تو کہ سکتے ہیں کہ حقتعالی پر ہر ایک توبہ کا قبول کرنا اور اُس کے ذریعہ سے ہر گناہ کا تدارک کردینا لازم نہیں ہے - اس لئے کہ ہر ایک توبہ کے مقبول ہونے پر کوئی قطعی دلیل قایم نہیں ہوئی -

(۴) یہ کہ اگر ہر ایک توبہ کا مقبول ہونا اور اُسکا ہر ایک گناہ کے تدارک میں کافی ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے تو اُمت کی نظر میں نبی کا صدور گناہ کے بعد محل وثوق و اعتماد نرہنا فطری امر ہے اور اس تقدیر پر غرض بعثت کا تمام نہ ہونا لازم آئیگا جسکا محال ہونا محتاج بیان نہیں ہے -

تیرھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو اُسکا ظالم اور عاصی ہونا لازم آئیگا - حالانکہ ظالم اور عاصی کا نبی ہونا صحیح نہیں ہے جسپر خداوند عالم کا یہ قول دلالت کرتا ہے

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ } سورہ بقرہ } میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا۔

چودھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ نبی اُن لوگوں میں داخل نہ ہو جو امور خیر کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ حالانکہ نبی کا امور خیر کی طرف سبقت کرنا ضروری ہے۔ جسپر خدا کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ } پارہ ۱۷ سورہ انبیاء } وہ لوگ (انبیاءؑ) امور خیر کی طرف سرعت کرتے تھے

پندرھویں دلیل - اگر نبی کا معصوم ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو انکا برگزیدگان خدا سے خارج ہونا لازم آئیگا حالانکہ حق تعالیٰ نے اُن کے برگزیدہ ہونیکی خبر دی ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ } پارہ ۲۳ سورہ ص } اور ہمارے نزدیک وہ (انبیاءؑ) البتہ برگزیدہ اور نیکوکار بندوں میں ہیں۔

جس سے انکا برگزیدہ بارگاہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اُسکے تحت میں جملہ امور خیر مندرج ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اُس سے استثنا جائز ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص برگزیدہ ہے مگر فلاں فعل یا ترک میں ایسا نہیں ہے اور استثنا کا جائز ہونا عموم کلام کی دلیل ہے پس ثابت ہوا کہ انبیاءؑ جملہ امور میں اخیار اور برگزیدہ بارگاہ پروردگار تھے اور ظاہر ہے کہ اُنسے گناہ کا صادر ہونا اُس کے بالکل خلاف ہے۔

عصمت کی دلیلوں پر اعتراضات اور انکا دفعیہ } چونکہ بعض لوگوں نے عصمت انبیاءؑ کی مذکورہ بالا دلیلوں پر کچھ اعتراض کئے ہیں لہذا اُنمیں سے بعض قوی اور زوردار اعتراضوں کا نقل کرنا اور انکا جواب دینا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

پہلا اعتراض - مذکورۂ بالا دلیلوں سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاءؑ سے کوئی گناہ سرزد نہو علی الخصوص اُن (دو دلیلوں) کو اس امر پر ہرگز دلالت نہیں ہے کہ انبیاءؑ سے کوئی گناہ صغیرہ بھی صادر نہو خصوصاً جبکہ اُس ... گناہ صغیرہ کا حالت سہو و نسیان میں

سرزد ہونا فرض کیا جائے کہ اسپر تو اُن دلیلوں کی دلالت کرنیکا تو ہم بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ
کہ اگر اُنسے حالت سہو میں گناہ صغیرہ کا صادر ہونا فرض کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ
اُنپر وثوق نہ رہے اور اُنکا وثوق ہرگز برطرف نہیں ہو سکتا اور نیز اُنکے قول وفعل پر اعتماد کرنا
صحیح نہ ہو۔ اِس کے علاوہ یہ ہے کہ قبل بعثت اُن کی متابعت لازم نہیں ہے اور
بعد بعثت اگرچہ اُنکی متابعت لازم ہوتی ہے مگر وہ اُنہیں اُمور میں لازم ہوتی ہے جو تبلیغ
احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنکے اُس فعل پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے جو اُنسے حالت سہو
ونسیان میں سرزد ہوتا ہے اور شہادت کا رد کرنا اُسیوقت صحیح ہے جبکہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ
پر اصرار ہوا اور توبہ واقع نہوا اسی طرح اُنکا گناہ پر زجر وتوبیخ کرنا اسیوقت لازم ہوگا جبکہ
وہ (گناہ) کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو اور اُسپر اصرار ہوا اور توبہ نہوئی ہو۔ اسی طرح عذاب یا لعنت کا
استحقاق بھی اُسیوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ کوئی گناہ کبیرہ دیدہ ودانستہ صادر ہوا اور اُس سے
توبہ نہوئی ہو۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ نبی کے لئے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں اذیت کا
فرض کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ اُس سے خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور محصل
کلام یہ ہے کہ مذکورۂ بالا دلیلوں سے گناہ کبیرہ کا حالت سہو میں سرزد ہونا باطل نہیں ہوتا
اسی طرح اُن (وجوہ مذکورہ) سے ایسے گناہ صغیرہ کا صادر ہونا بھی باطل نہیں ہوتا جو موجب
نفرت نہ ہو خواہ دیدہ ودانستہ صادر ہو یا حالت سہو ونسیان میں صادر ہو۔

معترض کی مذکورۂ بالا تقریروں کا حاصل

معترض کی مذکورۂ بالا تقریروں سے کئی امر مستفاد ہوتے ہیں۔
(۱) یہ کہ نقض غرض کی دلیل فقط بعد بعثت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) یہ کہ بعد بعثت بھی فقط دو امروں میں جاری ہوتی ہے ایک گناہ کبیرہ کا عمداً اور
دیدہ ودانستہ سرزد ہونا دوسرے صغیرہ منفرہ کا عمداً صادر ہونا۔

اُنسے فقط گناہ کبیرہ کا عمداً صادر ہونا ممتنع ہوگا کما اختارہٗ جمہور المحققین منہم
بلکہ قاضی ابو بکر نے کفر کے صادر ہونے اور تبلیغ احکام میں دروغ کے صادر ہونے کو
بھی تجویز کیا ہے

جواب - اگر انبیاء ع کی عصمت مطلقہ کا اقرار نکیا جائیگا تو اُن (انبیاء) کے اقوال پر وثوق نرہیگا - اور حق تعالیٰ کی غرض کا منقوض ہونا لازم آئے گا - اور بندوں پر خدا کی حجت تمام نہ ہو گی -

تنبیہ - اہلسنت کو عموماً اور اشاعرہ کو خصوصاً جنمیں فاضل دہلوی بھی داخل ہیں انبیاء کی عصمت مطلقہ اور نقض غرض کا دعویٰ کرنا سزاوار نہیں ہے اس لئے کہ اشاعرہ کے نزدیک اشیاء کا حسن و قبح محض شرعی ہے چنانچہ اس مطلب کی سید شریف نے شرح مواقف میں تصریح کی ہے اور اُنکی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن سے بعد بعثت کسی کبیرہ کا عمداً صادر ہونا جمہور محققین کے نزدیک جائز نہیں ہے البتہ حشویہ کے نزدیک اُسکا صادر ہونا بھی محال نہیں ہے لیکن کلام اسمیں ہے کہ آیا یہ عدم جواز عقلی ہے یا شرعی - پس معتزلہ نے اول (عقلی ہونے) کو اختیار کیا ہے - اور اشاعرہ نے دوم (شرعی ہونے) کو اختیار کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور اشاعرہ نے نقض غرض کی دلیل سے تمسک نہیں کیا ہے اس لئے کہ نقض غرض کی دلیل سے اُسیوقت استدلال کرنا صحیح ہوگا جبکہ اشیاء کی حسن و قبح کا عقلی ہونا تسلیم کر لیا جائے - پس جو شخص کہ عصمت مطلقہ اور نقض غرض کا دعویٰ کریگا اُسکا قول مکر و فریب سے خالی نہو گا -

پس فاضل دہلوی کا نقض غرض کے ساتھ استدلال کرنا خود اشاعرہ کی غرض کو باطل کر دیگا اور اُن (اشاعرہ) کے بناء پر کسی عقلی دلیل کا قائم کرنا درست نہو گا - اور اگر اشاعرہ عصمت جزئیہ کو دلیل نقلی سے ثابت کرینگے تو اُنکا کلام دور سے خالی نہو گا اس لئے کہ اس صورت میں

عصمت انبیاء دلیل سمعی پر موقوف ہوگی اور دلیل سمعی کا صحیح ہونا عصمت انبیاءؑ پر موقوف ہے

البتہ اگر شیعہ عصمت انبیاءؑ کو (اگرچہ اُنہیں اُمور میں کیوں نہ ہو کہ جو تبلیغ احکام سے تعلق رکھتے

ہیں) اولاً دلیل عقلی سے ثابت کریں اور اُس کے بعد بطور تائید ادلّۂ سمعیّہ کو پیش کریں تو محل

تعجب نہ ہوگا۔ اور بعض عقلی دلیلوں میں عموم کا نہ ہونا اُن کے مطلب میں کچھ قدح پیدا

نہ کرسکیگا۔ بلکہ وہ (دلیلیں) اقوال حشویہ کے باطل کرنے میں کافی ہونگی پس عصمت مطلقہ کے

دعوے کا جو اجماع فرقہ حقہ شیعہ بلکہ اجماع آل رسول سے ثابت ہوتا ہے بے چون و چرا

تسلیم و قبول کرنا لازم ہوگا۔ اور اس مطلب کی مزید توضیح اس طرح ہوسکتی ہے کہ ہر ایک عاقل کے

نزدیک انبیاءؑ کی مبعوث کرنے کی غرض یہی ہے کہ وہ بندوں تک خدا کے احکام کو پہونچائیں

اور اُنپر منافع و مضار کو واضح کردیں۔ اور یہ غرض اُسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک

کہ اُن (انبیاءؑ) کا قبل نبوت اور بعد نبوت عمداً یا سہواً ہر حیثیت کے گناہوں سے پاک و صاف

ہونا فرض نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر اُنسے کسی گناہ کا سرزد ہونا فرض کیا جائے گا تو اُنپر

اعتماد باقی نہ رہیگا۔ یہی وجہ ہے کہ خود فاضل دہلوی نے عصمت کی دلیلوں میں جنہیں اثبات

عصمت جزئیہ کی غرض سے بیان کیا ہے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اگر انبیاءؑ کا گناہ اُمت پر

ظاہر ہوگا تو وہ اُن کی اطاعت سے انکار کریگی اور انبیاءؑ کی وقعت و عظمت اُنکی نظروں سے جاتی رہیگی

بلکہ ظہور گناہ کے بعد لوگ اُنکی تکذیب کرنے لگیں گے اور یہ عذر کرینگے کہ اگر انبیاء علیہم السلام

اپنے اخبار و مواعید میں صادق اور راستگو ہوتے تو خود ایسا کام کیوں کرتے انتہیٰ "

پس اب نظر تامل اور چشم انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس کلام سے عموم عصمت مفہوم ہوتا ہے

یا نہیں اس لئے کہ اگر ایسا نہوگا تو انبیاءؑ کی حجت بندوں پر صغائر منفّرہ میں کیونکر تمام ہوگی

کیونکہ اگر انبیاءؑ صغائر سے بری نہ ہونگے اور اُنسے گناہان صغیرہ کا صدور جائز ہوگا تو بندے

اُس میں بھی وہی عذر کرسکتے ہیں کہ جو کبائر کے صدور میں عذر کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے

کہ اگر انبیاءؑ کی نسبت کسی گناہ کے صادر ہونیکا ادنےٰ احتمال بھی فرض کیا جائیگا۔ خصوصاً

اُن چیزوں میں جو تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں تو اُن (انبیاء) کا وثوق واعتماد زائل ہوجائیگا اور اسی طرح اگر انبیاءؑ سے قبل نبوت کسی گناہ کا صادر ہونا تجویز کیا جائیگا تو بندوں پر اُنکی حجت تمام نہوگی بلکہ بندوں کی نظروں سے اُن کی عظمت و وقعت جاتی رہیگی اور یہی سبب ہے کہ جب حضرت خلیل نے اپنی ذریت کے لئے عہدۂ امامت کے حاصل ہونیکی درخواست کی اور عرض کیا کہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِي } اس مرتبہ کو میری ذریت میں بھی قرار دے۔

تو اُسکا جواب یہ ملا کہ اے ابراہیم۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ } میرا عہد امامت ظالمین تک نہیں پہونچ سکتا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم کا صادر ہونا عہد امامت سے محروم رہنے کا سبب و علت ہے اور چونکہ سبب کو مسبب پر اور علت کو معلول پر تقدم ہوا کرتا ہے۔ لہذا منصب الٰہی کے حاصل ہونے سے ظلم سابق مانع ہوگا اور اسی طرح چونکہ کفر وفسق سے ظلم عام ہے اس لئے کہ کافر و فاسق دونوں ظالم علی نفسہ کا مصداق ہوتے ہیں۔ لہذا انبیاء کو ہر زمانہ میں ہر قسم کے ظلم سے مبرّا ہونا لازم ہوگا اس لئے کہ اگر انبیاءؑ سے کسی قسم کا بھی کوئی گناہ کسی زمانہ میں صادر ہوگا تو وہ معاذ اللہ ظالم قرار پائینگے اور اُنکو مرتبہ نبوت پانیکا استحقاق باقی نرہیگا۔ پس اس دلیل کے عموم میں (خصوصًا خداوند عالم کے نص کے بعد) کوئی تامل و شک نرہا۔

باقی انبیاءؑ کا نسیان وسہو سے بری ہونا پس یہ مطلب دو طریقہ سے ثابت ہو سکتا ہے۔

(۱) چونکہ انبیاء علیہم السلام کو خداوند عالم نے تمام افراد انسان سے منتخب و برگزیدہ کیا ہے لہذا اُنسے کسی قسم کے گناہ کا اگرچہ سہو و نسیان سے کیوں نہو صادر ہونا اُن کے برگزیدہ و منتخب ہونے کے مناسب نہوگا۔

(۲) اگر انبیاء علیہم السلام سے کفر و معصیت کا صدور جائز ہوگا تو پھر اُمت کو اُنکی اقوال پر اطمینان نرہیگا [illegible]

رسول نے اُسکی تبلیغ میں غلطی کی ہو۔ اس صورت میں منصب نبی کی غرض حاصل ہوگی

پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ عمداً ہو یا سہواً۔ قبل نبوت ہو

یا بعد نبوت صادر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ الطاف ربانیہ کو وہ کفر و معصیت بھی رفع

کر دیتی ہے جو زمان نبوت کے قبل سرزد ہوتی ہے اور خلق کے لئے باعث نفرت

ہوتی ہے اور امت کو اطاعت و پیروی سے باز رکھتی ہے۔ لکن بعض حضرات نے

عصمت انبیاء کے باطل کرنے کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور انبیاء کے دامن

عصمت پر کفر و معصیت کا دھبّہ لگانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

"شارح مواقف نے لکھا ہے کہ"

ہمارے اکثر اصحاب اور ایک جماعت معتزلہ اس امر کی قائل ہوئی ہے کہ قبل نبوت انبیاء سے

گناہان کبیرہ کا صدور جائز ہے اس لئے کہ معجزہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ قبل بعثت

بھی صدور کبائر ممتنع ہے۔ اور عقل بھی اسکو ممتنع نہیں جانتی اور نہ ادلہ سمعیہ اس امر پر دلالت کرتی

ہیں۔" فرقہ اشاعرہ جو اس امر کے قائل ہیں کہ عقل کو دین کے کسی امر میں دخل نہیں ہے

وہ باوجود اس کے اپنی عقول ناقصہ کو امور دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور ادلہ سمعیہ

پر غور نہیں کرتے جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ اشاعرہ

کے نزدیک ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے فسق و فجور میں مدت مدید تک

مبتلا رہے ہوں مثلاً ماں کے ساتھ زنا بھی کیا ہو۔ باپ کے ساتھ لواطہ بھی کیا ہو

خون ناحق اور شراب خواری بھی کی ہو۔ اور باوجود اس کے وہ مرتبہ نبوت پر فائز ہو گئے ہیں

اور جبرئیل امین اُنپر نازل ہوں اور ملائکہ مقربین سے (جنہوں نے ایک لحظہ بھی معصیت خدا

نہیں کی ہے) افضل بن جائیں حالانکہ ملائکہ کا معصوم ہونا بنص قرآنی ثابت ہے

چنانچہ حق تعالے اُن (ملائکہ) کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ۔ کہ وہ جن چیزوں پر مامور ہوئے ہیں اُنمیں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے

... واضح ہو گیا کہ انبیاء بھی معصوم ہیں اس لئے کہ وہ (انبیاء) ملائکہ سے افضل
ہیں پس جبکہ ملائکہ کا معصوم ہونا ثابت ہے تو انبیاء ع کا معصوم ہونا بدرجہ اولی ثابت ہوگا
اور دوسری عبارت میں اس مطلب کی اس طرح بھی تقریر ہو سکتی ہے کہ عصمت سے محض
ترک معصیت ہی مراد نہیں ہے بلکہ اُس سے طبیعت کا پاک وصاف ہونا اور نفس کا انواع
کمالات کے ساتھ موصوف ہونا اور معرفت خدا کے اعلیٰ درجہ اور مکارم اخلاق اور محاسن عادات
کا حاصل ہونا مراد ہے اور خصوص نبی میں باوجود اسکے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وحی آسمانی
کے ساتھ مؤید ہو تاکہ وہ (نبی) ہر وقت رحمت پروردگار کا اُمیدوار رہے اور کسی وقت
امر ونہی خدا سے تجاوز نکرے۔ پس گویا کہ عصمت وہ ملکہ راسخہ ہے جو کسی وقت جدا نہیں
ہو سکتا۔ پس ایک معصیت کے صدور کا قائل ہونا اور دوسرے کی نفی کرنا یا عمد وسہو میں
تفرقہ کرنا یا ایک وقت میں معصیت کا جائز رکھنا اور دوسرے وقت میں اُسکی نفی کرنا بیجا
ہوگا۔ اس لئے کہ جو ہر وقت الطاف خدا کا اُمیدوار اور اُس کی جلالت قدر پر مطلع اور
اُسکی عظمت وشان پر ناظر ہوگا وہ ایک لحظہ کے لئے بھی معصیت خدا کا شریک نہوسکیگا
اور کسی آن میں خدا سے غافل نہ ہوگا۔ اور چونکہ انبیاء کے لئے زمانہ طفولیت ہی کمال
عقل حاصل ہوتا ہے اور عظمت الٰہی کا وہ ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں و خلاق عالم
کی محبت اُن کے قلوب میں اور ہر قسم کی اطاعت کا شوق اُن کے دماغ میں جاگزین
ہوتا ہے لہذا صدور معصیت کا تصور اُن سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ اُن لوگوں سے سخت تعجب ہے
جو انبیاء ع کی نسبت جو چاہتے ہیں کہتے ہیں اور جس امر کو چاہتے ہیں اُنکی طرف منسوب
کرتے ہیں وہ گویا انبیاء ع کو خدا کی معصیت سے محفوظ رکھنے نہ رکھنے کی زمام اپنے ہی
ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ جس معصیت کو چاہتے ہیں اُنپر جائز کر دیتے ہیں اور جس معصیت سے چاہتے ہیں
بری کر دیتے ہیں۔ اور مقربان بارگاہ ربانی پر خطا ونسیان ونا فرمانی خدا کو عام لوگوں کی طرح جائز
رکھتے ہیں ...

اطمینان باقی نرہیگا اس لئے کہ جو شخص عظمت الٰہی کو نظر انداز کریگا جو کچھ چاہیگا وہ کریگا اور جو کچھ اُس سے واقع ہوجائے (اگرچہ غفلت و ذہول کے سبب ہی سے کیوں نہو) کوئی محل تعجب نہوگا۔

اعتراض عصمت کے یہ معنی مسلم نہیں ہیں البتہ خداوند عالم پر صرف اسیقدر واجب ہے کہ انبیاء کو وقت تبلیغ مخالفت سے باز رکھے۔

پس ایسی مخالفت سے خدا کا روک دینا اُن چیزوں کے ترک کا باعث ہوجائیگا۔ جو تبلیغ کے منافی ہوں۔ اور باقی اُمور میں چونکہ کوئی ضرورت نہیں ہے لہذا خدا مانع بھی نہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ نبی سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔

جواب ۔ حقتعالیٰ حکیم ہے اور وہ نبوت کے لئے ایسے ہی حضرات کو منتخب کرتا ہے جو اُس کے مستحق ہوں اور وہ (خدا) کسیکو قہر و غلبہ سے نہیں روکتا والا جبر لازم آئیگا۔ پس عصمت کا حسن طبیعت اور طہارت نفس اور کیفیت راسخہ سے تعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ہر کس و ناکس کو نبوت ایسے مرتبہ رفیعہ کے لئے خدا پسند فرمائے اور ایک وقت خاص میں اُسکے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے اور دوسرے وقت میں ان گناہوں سے مانع نہو۔ اور یہ مطلب اُس شخص پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو احادیث و نصوص سے واقفیت رکھتا ہے۔ اور جبکہ اولیاء خدا کو ہی مشاہدہ عظمت الٰہی ہر وقت حاصل ہوتا ہے اور سوائے اطاعت و محبت محبوب کوئی امر مطمح نظر نہیں ہوتا تو انبیاء سے اُسکے خلاف کا کیونکر خیال ہوسکتا ہے۔

اسی مقام سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ علامہ قوشجی کا یہ کلام،، کہ یہ دلیلیں مطلق گناہ کی نفی پر خصوصاً صغیرہ پر جو سہواً صادر ہو) دلالت نہیں کرتیں اس لئے کہ مطلق گناہ خصوصاً صغیرہ سے وثوق باطل نہیں ہوتا،، محض ظاہری ہے اس لئے کہ علامہ قوشجی نے بعثت سے خدا کی غرض کو وثوق عرفی میں (جو عدل کے مساوی ہے) منحصر جانا ہے اور یہ نہ خیال کیا کہ اگر

... نبوت میں چندیے امور کا اعتبار کیا ہی
جنکا وہ غیر نبی میں اعتبار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ عادل کیوں نہو۔ پس معلوم ہوا
کہ خداوند عالم نے انبیاءؑ کو گناہوں سی محفوظ رہنے کے لئے ایسی
توفیق کرامت فرمائی ہے جسکے سبب سے معصیت کا صادر ہونا باوجود قدرت
واختیار محال ہو جاتا ہے عمداً ہو یا سہواً قبل نبوت ہو یا بعد نبوت خواہ وہ معصیت
کبیرہ ہو یا صغیرہ۔

دوسرا اعتراض۔ چونکہ نبی کی اطاعت قبل زمانہ بعثت امت پر واجب نہیں ہی
لہذا یہ بھی ضروری نہوگا کہ وہ قبل نبوت گناہوں سے پاک وصاف ہو۔

جواب۔ ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کی اطاعت قبل زمانہ بعثت لازم نہیں۔ لیکن
باوجود اس کے نبی سے گناہ ہونکا قبل بعثت صادر ہونا بھی محال ہے اس لئے کہ اگر
قبل نبوت کوئی نبی خطاکار ہوگا تو بعد بعثت بھی اُسکی اطاعت میں خلل پڑ جائیگا۔ اور
لوگوں کی نظروں سے اُسکی وقعت جاتی رہیگی۔ یہی وجہ ہے جو شخص ایک مدت تک
ضلالت وعصیان میں بسر کرتا ہے۔ لوگ اُسکے قول پر وثوق نہیں کرتے بلکہ اُس سے
متوحش اور متنفر ہو جاتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں بھی نبی کی اطاعت جو بعثت کی اصلی
غرض ہے کیونکر حاصل ہوگی۔ **اسکے علاوہ** یہ ہے کہ فاسق وگنہگار میں ریاست عامہ
کی لیاقت اور نبوت کے درجہ رفیعہ کی قابلیت نہیں ہوسکتی پس جو شخص کہ مدت تک کفر
یا معصیت میں بسر کرچکا ہو وہ خداوند عالم کے الطاف وکرم کا مستحق کیونکر ہوسکتا ہی

تیسرا اعتراض۔ بعد بعثت بھی انبیاء کا اُنہیں اُمور میں معصوم ہونا لازم ہوگا جو تبلیغ احکام
سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے کہ معجزہ سے اسیقدر ثابت ہوتا ہے۔

جواب۔ اگر یہ اعتراض تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ نبی اُن چیزوں میں جو
تبلیغ احکام سے تعلق نہیں ... [illegible]

ہو سکتا ہے لکن اس امر کا باطل ہونا اوپر کی تقریروں سے بخوبی معلوم ہو چکا ہے لہذا انبیار کی عصمت کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا لغو ہوگا اور حق یہ ہے کہ گناہ ہونا کسی شخص سے صادر ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ احکام الہیہ کی کچھ پروا نہیں کرتا اور یہ کہ وہ عذاب اُخروی کا خوف نہیں رکھتا اور جو شخص ایسا ہوگا وہ محل اعتماد نہ ہوسکیگا اور نظروں سے اُسکی عظمت ساقط ہو جائیگی۔

چوتھا اعتراض کوئی عاقل اس امر کا قائل نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص سے کسی امر کا سہواً سرزد ہونا ممنوع ہے اس لئے کہ سہو کا عارض ہونا اُس کے اختیار سے باہر ہے اور اُسمیں وہ معذور سمجھا جاتا ہے پس اگر انبیار سے کسی گناہ کا ازراہ سہو صادر ہونا یا تبلیغ میں خطا کا واقع ہو جانا فرض کیا جائے تو وہ انبیار کیوں نہ معذور سمجھے جائینگے۔

جواب۔ اگر انبیار ع سے کسی گناہ یا خطا کا صادر ہونا فرض کیا جائیگا تو لوگوں کو اُنکی قول پر وثوق نہ رہیگا اور غرض بعثت حاصل نہ ہوگی جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ لہذا انبیار ع سے گناہ و خطا کا صادر ہونا مطلقاً باطل ہوگا اگرچہ ازراہ سہو صادر ہو۔

عصمت انبیار پر شبہات اور اُنکا دفعیہ

اگرچہ انبیار ع کا ہر ایک قسم کے گناہ سے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ عمداً صادر ہو یا سہواً قبل نبوت ہو یا بعد نبوت ہر حالت میں معصوم ہونا عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے جسکے بعد اُنکی معصوم ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لکن بعض لوگوں کو انبیار سے ایسے واقعات دیکھکر جنمیں اُنسے گناہ صادر ہونیکا توہم ہوتا ہے۔ اور کتاب ربانی کی وہ آیات پڑھکر جنمیں اُنکی نسبت لفظ معصیت یا ظلم کا استعمال کیا گیا ہے اُن حضرات کے معصوم ہونے میں شبہ پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ ادلہ عقلیہ و نقلیہ سے جب عصمت انبیا ثابت ہو چکی تو اُسکے بعد اُنکا یہ شبہ کسی عاقل کے نزدیک با وقعت نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں جو

واقعات کہ اُن حضرات کی طرف ایسے منسوب کئے جائیں کہ جنمیں گناہ کے صادر ہونیکا شائبہ ہو اگر وہ خبر واحد کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں تو انمیں تاویل کرنا یا انکار کر دینا واجب ہے اور اگر خبر متواتر سے معلوم ہوئے ہیں تو جب تک کوئی محمل صحیح نکلے اُسپر محمول کرنا ورنہ اس کا ترک اولےٰ کے قبیل سے قرار دینا لازم ہوگا اور اُنکا گناہ نام رکھدینا یا اُن سے استغفار کرنا یا اُنکی وجہ سے انبیاء کے ظالم ہونے کا اعتراف کرنا اُس (ترک اولیٰ) کی منافی نہ ہوگا - کیونکہ یہ امر ممکن اور بہت ممکن ہے کہ ایسے الفاظ اُنکی جلالت قدر کے ظاہر کرنے کی غرض سے استعمال کئے گئے ہوں تاکہ اس امر پر کافی روشنی پڑجائے کہ یہ حضرات اِس قدر عالی مرتبہ اور مقرب بارگاہ صمدیت ہیں کہ جو چیزیں عامۂ مکلفین کے لئے گناہ نہیں ہوتیں اور ایسے اُمور پر اُنسے کسی قسم کا مواخذہ درست نہیں ہوتا وہ انبیاء کی لئے کمال تقرب کی وجہ سے گناہ کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہیں - (اگرچہ حقیقت میں وہ گناہ نہیں ہوتیں) اور اسی مطلب پر حدیث رسول بھی دلالت کرتی ہے -

حسنات الابرار سیئات المقربین } نیکوکار لوگوں کی نیکیاں مقربین کیلئے گناہ ہیں -

اور اسی طرح وہ آیات قرآنیہ جنمیں حضرات انبیاء کی طرف کسی لغزش اور معصیت وغیرہ کی نسبت دی گئی ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہوسکتیں بلکہ اس قسم کے آیات مجاز و استعارہ پر مبنی اور ترک اولی پر محمول ہیں جس طرح کہ وہ آیات و روایات جنسے خداوند عالم کا اپنی مخلوق کے مشابہ ہونا مفہوم ہوتا ہے تاویلات صحیحہ پر محمول کی گئے ہیں -

علامہ مجلسی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ آیات و اخبار کہ جنسے معصیت کا انبیاء سے صادر ہونا متوہم ہوتا ہے دراصل بھول اور ارتکاب مکروہ یا ترک اولی پر محمول ہیں -

اور چونکہ انبیاء کے جلالت مرتبہ کے مقابلہ میں یہ امور بھی عظیم ہیں اس لئے اُن کی تعبیر معصیت سے کی گئی ہے -

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء کا تذکرہ کر دیا جائے۔ اور انکی عصمت کے متعلق لوگوں کو جو فاسد خیالات پیدا ہوئے ہیں اُنکو تاریکی سے روشنی میں لایا جائے تاکہ جویائے حق کو حق و باطل میں امتیاز کر لینا سہل و آسان ہو۔

عصمت حضرت آدم

مخالفین عصمت نے جناب ابوالبشر حضرت آدمؑ کے معصوم ہونے پر کئی اعتراض کئے ہیں جنکا تذکرہ اور اُنسے بروجہ اجمال تعرض کیا جاتا ہے۔

پہلا اعتراض - خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ پارہ ۱۶ سورہ طہ } آدمؑ نے اپنے پروردگار کی معصیت کی پس وہ گمراہ ہو گئے۔

اس آیہ شریفہ میں باریتعالی نے حضرت آدمؑ کے عاصی ہونے کو صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا ہے اور عاصی اُسی شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ کیونکہ عاصی کو بموجب نص قرآنی عقاب ہوگا اور صاحب کبیرہ ہی یہی مراد ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ۔ پارہ ۲۹ سورہ جن } اور جو شخص کہ خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے آتش جہنم ہے۔

پس اس آیہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت آدمؑ معصوم نہ تھے ورنہ خداوند عالم اُنکو عاصی نفرماتا جو منافی عصمت ہے۔ اور اسی طرح غوایت سے خلاف رشد مراد ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت آدم غاوی تھے۔ جو منافی عصمت ہے۔

جواب - معصیت درحقیقت حکم کی مخالفت کرنے کو کہتے ہیں جسطرح کہا جاتا ہے کہ۔

امرت فلانا بکذا وکذا من الخیر فعصانی۔ } یعنے فلاں شخص کو فلاں فلاں اچھی بات کا حکم دیا پس اُسنے میری معصیت کی۔

لکن حکم کرنا واجب و مندوب سے عام ہے۔ واجب کا بھی حکم ہوتا ہے اور مندوب کا بھی

اس مقام پر جس طرح حکم واجب پر عمل نہ کرنے والے کے لئے عصیان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے
اُسی طرح حکم مندوب پر عمل نکرنے والے کے لئے بھی عصیان کا لفظ مستعمل ہوتا ہے
یہ اور بات ہے کہ حکم واجب پر عمل نکرنے والے کو حقیقۃً عاصی کہتے ہیں اور حکم مندوب پر
عمل نکرنے والے کو مجازاً عاصی کہتے ہیں کیونکہ پہلے پر عقاب ہوتا ہے اور دوسرے پر
عقاب نہیں ہوتا پس اسکے لئے کون امر مانع ہے کہ حضرت آدمؑ کو درخت گندم سے
تناول نہ کرنے کا جو حکم تھا وہ مندوب تھا اور واجب نہ تھا۔ اور حضرت آدمؑ کی تناول
کرلینے میں حکم مندوب کی مخالفت لازم آتی ہے جسپر عصیان کے لفظ کا استعمال کرنا تو
درست ہے مگر حقیقۃً وہ عصیان نہیں ہے اسی لئے خداوند عالم نے آیہ شریفہ میں لفظ
عصیٰ کا استعمال فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت آدم نے حکم مندوب کی مخالفت کی تھی مگر حقیقت
عصیان مراد نہیں ہے اس لئے کہ اُنہوں نے حکم واجب کی مخالفت نہیں کی اور مخالف
عصمت وہی عصیان ہوسکتا ہے جو حکم واجب کی مخالفت سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے
پس آیہ شریفہ سے حضرت آدمؑ کے معصوم نہ ہونے پر استدلال کرنا کسیطرح درست نہیں ہوسکتا
البتہ اس مقام پر یہ توہم ہوسکتا ہے کہ جب عصیان کا ترک واجب اور ترک مندوب دونوں میں
استعمال ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس مقام پر ہم ترک مندوب کو ترجیح دیدیں اور ترک واجب مراد نہیں
اور اس توہم کا جواب یہ ہے کہ باریتعالیٰ کے قول عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَویٰ کا ظاہر یہ ہے
کہ غوایت اُنکی معصیت کی جزا ہے اور یہ معصیت کی وجہ سے جس جزا کا کہ اُن کو استحقاق ہوسکتا تھا
وہ اسی جزا میں منحصر ہے بایں معنے کہ اس جزائے کے علاوہ کسی دوسرے امر کو اُسکی جزا میں دخل
نہیں ہے اور از بسکہ حقتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی معصیت پر نفس غوایت ہی کو مترتب فرمایا ہے
لہذا معلوم ہوا کہ علاوہ خیبت اور حرمان ثواب کے اُنکی معصیت کی اور کوئی جزا ایسی نہیں ہے
جس کو جزا ہونے میں دخل ہو [illegible] درست ہوتا ہے جبکہ حضرت آدمؑ کا

فرض کیا جائیگا تو غیبت وحرمان ثواب کی علاوہ عقاب و عذاب کا بھی استحقاق پیدا ہوگا جو غوایت کے تمام جزا ہونیکی منافی ہے لہذا حضرت کے فعل کا مخالفت مندوب پر محمول کرنا بہ نسبت مخالفت واجب کے ضروری قرار پائیگا۔ اور غوایت کا تین معنوں میں اطلاق ہوتا ہے۔ ایک تو ضلالت (گمراہی) دوسرے عدم رشد۔ تیسرے غیبت وزیان کاری۔ پس اس مقام پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ غوایت کا ضلالت یا عدم رشد کی معنوں میں استعمال فرض کیا جائے جبکہ کلام عرب میں زیانکاری کے معنوں میں بھی غوایت کا استعمال ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ

فمن یلق خیرا یحمد الناس امرہ ومن یغو لا یعدم علی الغی لائما

اور اسمیں کوئی شبہ بھی نہیں کہ حضرت آدمؑ ایک امر مندوب کو چھوڑ دینے سے نقصان اور ٹوٹے میں رہے جو ثواب عظیم کہ انکو اسپر عمل کرنے سے حاصل ہوتا وہ فوت ہوگیا۔ پس اس آیہ سے حضرت آدمؑ کا ثواب سے محروم رہنا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ گمراہ تھے اور ثواب سے محروم رہنا منافی عصمت نہیں قرار پاسکتا۔

دوسرا اعتراض۔ خداوند عالم حضرت آدم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ (پارہ ۱ سورہ بقر) — پس آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات ملے (جنسے) خدا نے انکی توبہ قبول کرلی۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ (پارہ ۱۶ سورہ طہ) — پھر انکو پروردگار نے ان کو منتخب کیا اور انکی توبہ قبول کرلی۔

اور توبہ بغیر گناہ کے نہیں ہوتی۔ جو تائب ہو وہ گنہگار ضرور ہے۔ اس لئے کہ تائب اسی شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گناہ پر نادم ہو اور جو نادم ہوتا ہے وہ اپنے گنہگار ہونیکی خبر دیتا ہے پس اگر وہ اس خبر میں صادق ہے تو اسکا گنہگار ہونا ثابت ہوا جو منافی عصمت ہے اور اگر وہ اسمیں کاذب ہے تو اس کا کاذب ہونا ثابت ہوگا اور جو کاذب ہو وہ معصوم نہیں ہے۔

جواب۔ توبہ کے لغوی معنی رجوع کے ہیں اور اُسکا استعمال ہمارے لئے بھی ہوتا ہے خداوند عالم کے لیے بھی۔ اور ہمارے نزدیک اور ہمارے اُصول کی بنا پر توبہ عقاب کے ساقط ہو جانے کا سبب نہیں ہوتی بلکہ توبہ کے وقت خداوند عالم عقاب کو تفضلاً ساقط فرما دیتا ہے اور وہ (توبہ) صرف استحقاق ثواب کا سبب ہوا کرتی ہے۔ پس اِس عنوان سے توبہ کو قبول کرلینا ضمانت ثواب کے مرادف ہے۔ پس قول واجب تعالیٰ فتاب علیہ کے یہ معنی ہونگے کہ خدا نے توبہ کو قبول فرمایا اور اُسکے ثواب کا ضامن ہو گیا۔

تیسرا اعتراض۔ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (پارہ ۱ سورہ بقرہ) } اور اُس درخت کے پاس نہ جانا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

الم انهكما عن تلكما الشجرة (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) } کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو درخت کے پاس جانے کی نہی فرمائی تھی مگر حضرت آدمؑ نے اُسکا ارتکاب کیا۔ اور جس چیز کی کہ خدا نے نہی فرمائی ہو اُسکا کرنے والا گنہگار ہے۔ پس حضرت آدمؑ گنہگار ہونگے۔ اور آپکی عصمت باقی نہ رہے گی۔

جواب۔ نہی جسطرح فعل حرام سے ہوتی ہے اُسی طرح فعل مکروہ پر بھی ہوتی ہے اور لفظ معصیت اور صیغہ نہی کا جس طرح کہ فعل حرام میں استعمال ہوتا ہے اُسی طرح فعل مستحب کے ترک کرنے اور فعل مکروہ کے بجا لانے میں بھی ہوتا ہے اگرچہ فعل حرام میں اُسکا استعمال بطور حقیقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی مخالفت کرنے والا مستحق عقاب ہوتا ہے اور فعل مکروہ میں اُس (نہی) کا استعمال بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ اُسکی مخالفت کرنیوالا مستحق عقاب نہیں ہوتا۔ اس آیۂ مبارکہ میں بھی فعل حرام سے نہی کا مراد لینا لازم نہیں ہے

بلکہ ہوسکتا ہے کہ فعل مکروہ سے نہی فرمائی ہو۔ اور اسکو نہی تنزیہی کہتے ہیں۔ نہی تحریمی کی مخالفت قادح عصمت ہوسکتی ہے نہ نہی تنزیہی کی پس آیہ مبارکہ سے حضرت کے معصوم نہ ہونے پر استدلال کرنا بعید از عقل ہے۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر آیہ شریفہ میں فعل حرام سے نہی مراد نہ تھی بلکہ فعل مکروہ کی ممانعت مقصود تھی تو پھر خداوند عالم نے اُنکو جنت سے کیوں نکالدیا۔ اگر اُن سے معصیت نہ ہوئی ہوتی تو اُنکی اسقدر توہین نہ کیجاتی۔ تو ہم کہینگے کہ یہ امر مسلّم نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ معصیت کی وجہ سے نکالے گئے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو زمین پر اُتاری جانیکا سبب کوئی اور امر ہو۔ چنانچہ بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے زمین ہی کی بود و باش مقدر تھی اور جنت سے اوتارے جانے کا بھی یہی سبب تھا۔ اور ظاہر قرآن مجید میں جس ترتیب کا موجود ہونا مفہوم ہوتا ہے اُس کا اعتبار قطعی نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے اس مقام پر یہ کہا ہے کہ اُسکا کھانا خود بہشت میں مقیم نہ رہنے کا سبب قرار پائے۔ اور یہ امر اُنکی توہین کے لئے نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ اُسکا کھانا خود بہشت سے دوری کا سبب ہو۔ اور اسی مصلحت سے آپکا ہبوط ہوا ہو نہ معصیت اور توہین کی غرض سے جسطرح کہ کوئی طبیب کسی مریض بادشاہ کو اُن لذیذ غذاؤں کے کھانے سے منع کردے جن کو کہ وہ صحت میں کھایا کرتا تھا تو اس سے بادشاہ کی توہین مقصود نہیں ہوتی۔

[illegible] علاوہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو نوع درخت کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی تھی لیکن حضرت آدمؑ نے اُس سے درخت مخصوص کی ممانعت سمجھی تھی اور دوسرے درخت کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ عیون اخبار رضا میں منقول ہے کہ حضرت آدمؑ وحضرت حوّا سے فی الحقیقت کوئی گناہ منافی عصمت ثابت نہیں ہوا کیونکہ خدا نے اُن دونوں سے یہ فرمایا تھا

لا تقربا هذہ الشجرۃ۔ } اس درخت کے پاس نجانا۔

اور یہ نہیں فرمایا تھا۔

ولا تاکلا من هذہ الشجرۃ ولا مما کان من جنسها۔ } اس درخت میں سے اور جو اس جنس کے ہیں اُنمیں سے کچھ نکھانا۔

پس آدم و حوا اِس درخت کے پاس ہرگز نہیں گئے اور وسوسۂ شیطان سے اگر کچھ کھایا تو اسی جنس کے ایک اور درخت سے کھایا۔ لہذا کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔

چوتھا اعتراض۔ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

فتکونا من الظالمین ۰ پارہ ۱ سورہ بقر } پس تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔

اس کے علاوہ خود حضرت آدمؑ نے بھی اپنے ظالم ہونیکا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم اُنسے حکایت فرماتا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا۔

اور جو ظالم ہے وہ ملعون ہے جیسا آیہ شریفہ

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

دلالت کرتا ہے اور ملعون وہی شخص ہے جو گنہگار ہو۔ اور جو گنہگار ہوگا وہ معصوم نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو جو نہی فرمائی تھی وہ تنزیہ کے لئے تھی۔ جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے لہذا حضرت آدمؑ کے ظالم ہونیسے یہ مراد ہوگی کہ اُنہوں نے اپنے نفس پر ستم کیا اور جو ثواب کہ اُن کے لئے حاصل ہوتا اُسکو ضائع کر دیا۔ جس طرح کہ اس مقام پر غوایت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اُن منفعتوں سے محروم رہے۔ جو اُس فعل کو بجالانے سے حاصل ہوتیں۔

پانچواں اعتراض۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۔ پارہ ۱ سورہ بقر

شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے اسمیں انکو نہ رہنے دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ شیطان نے حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ کو دھوکا دیا تھا جسکی وجہ سے وہ اُن نعمتوں سے علیحدہ کیئے گئے جو اُن کے لئے وہاں پر مہیا تھیں۔

جواب۔ شیطان نے جو اُن دونوں کو دھوکا دیا تھا اُس سے شیطان کا اُن دونوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر دینا مراد ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں اُس ثواب سے محروم رہے جو امر اولے کے بجا لانے پر مترتب ہوتا۔

تنبیہ۔ حضرت آدمؑ (و نیز دیگر انبیاء) کے واقعات کو حقیقۃً معصیت میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ لکن قرآن مجید میں اُسکی معصیت اور غوایت سے تعبیر کرنا اس لیے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی اولاد اور اُمت کو تنبیہ ہو جائے تاکہ وہ معصیت الٰہی سے ڈرتے رہیں اور چھوٹی سی چھوٹی معصیت پر بھی اقدام نکریں اور اہل حق کے نزدیک انبیاء کی اس لغزش کو معصیت صغیرہ کے ساتھ بھی تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ اُس کی ترک اولیٰ سے تعبیر کیجاتی ہے۔ معصیت کا حمل ترک اولیٰ پر اور نہی کا حمل تنزیہ پر کرنا یہ وہ جواب ہے جسکو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ شریعت میں نہی کا تحریم اور تنزیہ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے لکن اس مقام پر تنزیہ کے معنی ہیں ابن ابی الحدید معتزلی نے کہا ہے کہ دراصل لفظ کا استعمال حقیقت شرعیہ اور عرفیہ میں ہوا کرتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے جو ہر جگہ جاری ہوتا ہے۔ فریقین کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اور سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے جو حمل کیا ہے وہ اس قاعدہ کے خلاف کیا ہے۔ اور میں حضرت آدمؑ کی خطا کے ثابت کرنے میں جناب امیرؑ کے قول کی تائید کرتا ہوں کہ حضرت نے ایک خطبہ میں حضرت آدمؑ کی

ابن ابی الحدید اسقدر بھی نہیں سمجھا کہ جب کوئی قرینہ موجود ہو تو کلام کا حمل اُن معانی پر جائز ہے جو ظاہر نہوں۔ اس لئے کہ وہ قرینہ حقیقی معنوں کے ارادہ سے مانع (روکنے والا) ہوتا ہے پس جسطرح کہ تم خداوند عالم کے اس قول

بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

میں حقیقی معنی کا ارادہ نہیں کر سکتے تو آیہ مبارکہ میں نہی کا حمل اور کلام جناب امیر میں لفظ خطیہ کا حمل مجازی معنی پر ہو تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ حاشا کہ خداوند عالم یا امیر المومنین ع نے حضرت آدم ع کی خطا کو حقیقۃ ثابت کیا ہو۔ اس جگہ بیضاوی نے جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ کی موافقت کی ہے۔ ابن ابی الحدید سے سخت تعجب ہے کہ اُس نے یہ قاعدہ کہ "کلام کو حقیقت پر حمل کرنا چاہیئے" یاد رکھا اور مجاز کے قاعدہ کو جو کلام عرب میں بہت مستعمل ہے طاق نسیان پر رکھدیا۔ آیا فاسئل القریۃ میں وہ ظاہر آیت مراد لیتے ہیں یا نہیں۔ صورت اول میں لازم آئیگا کہ جمادات سے سوال کرنا صحیح ہو۔ اور صورت دوم میں لفظ کا اس کے معنی مجازی پر محمول کرنا اور اسکے معنی حقیقی سے دست بردار ہونا لازم آئے گا۔ پس جبکہ محققین علماء کے نزدیک ایسی آیات میں تاویل کرنا لازمی ہے تو اس مقام پر بھی آیات مذکورہ بالا کا ظاہر مراد نہ ہوگا جس طرح کہ آیات تشبیہ میں اُنکے ظاہر کا ترک کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ کا معنی حقیقی پر محمول کرنا اسی مقام پر لازم ہے جہاں کہ معنی حقیقی کے مراد لینے میں کوئی خرابی لازم نہ آئے ورنہ لفظ کا معنی مجازی پر محمول کرنا ضروری ہے اب چونکہ عصمت انبیاء پر ادلہ قطعیہ قائم ہو چکے ہیں لہذا ان آیات و روایات کا معنی مجازی پر محمول کرنا لازم ہوگا جس سے کسی قسم کی

معصیت کا انبیاء سے صادر ہونا متوہم ہوتا ہے جیسا کہ آیات تشبیہ و تجسیم میں علمائے فریقین کا طریقہ اور طرز عمل ہے۔ اس کے علاوہ غیر قطع کا معارض قطع نہ ہونا جملہ عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔ اس مقام پر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب میں بیان کیا ہے چونکہ پہلی عقلی اور نقلی دلیلوں اور تمام شیعوں کے اجماع سے معلوم ہو چکا کہ پیغمبر ہونے سے پیشتر اور نبوت کے بعد چھوٹے اور بڑے سب گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں پس جو آیتیں اور جو اخبار کہ اس وہم میں ڈالتے ہیں کہ انبیاء سے معصیت صادر ہوئی انہیں مستحب کے ترک کرنے اور فعل مکروہ کے بجالانے کے ساتھ تاویل کیگئی ہے۔ اس لئے کہ معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں اور نافرمانی مستحب کے ترک کرنے اور مکروہ کے بجالانے میں بھی ہوتی ہے اور غوایت کے معنی محروم رہنے کے ہیں۔ اور جو شخص کہ اُس فعل کو ترک کرے کہ جسکا بجالانا بہتر ہے۔ تو اپنی منفعت کو کم کر دیگا۔ اور اُس نفع سے محروم رہے گا۔ اور ظلم کا استعمال چند معنوں میں ہوتا ہے (۱) کسی چیز کو اُس جگہ رکھنا جو اُسکی جگہ نہو (۲) راہ سے عدول کرنا۔ (۳) کسی چیز کو کم کر دینا (۴) ستم کرنا۔ مکروہ کے بجالانے اور مستحب کے ترک کرنے میں بھی ظلم صادق آتا ہے اس لئے کہ اُسنے فعل کو ایسے محل پر قرار دیا ہے جو اُس کے مناسب نہ تھا اور خداوند عالم کی کامل بندگی سے عدول کر کے اپنے کو ثواب سے محروم رکھا اور جس طرح کہ نہی حرام سے ہوتی ہے اُسی طرح مکروہ سے بھی ہوتی ہے۔ اور جس طرح واجب کے لئے حکم ہوتا ہے اُسی طرح مستحب کے لئے بھی ہوتا ہے اور توبہ اس نفع کے تدارک کے لئے ہے جو اُس سے فوت ہو گیا۔ اور وہ مکروہ کے بجالانے اور مستحب کی ترک کرنے پر بھی ہوتی ہے۔ بلکہ حقتعالیٰ کے نزدیک یہ ایک قسم کا تذلل (انکساری) ہے جو اُسکو لطف میں لاتی ہے۔ اگرچہ اُس میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہو۔ چنانچہ عامہ اور خاصہ کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رسول خداؐ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ باوجودیکہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اب اگر بعض کلمات کا گناہ میں حقیقت ہونا فرض بھی کیا جائے

تو انکا مجاز پر محمول کرنا معین ہوگا اور ایسا ہوتا ہے کہ ضعیف قرینہ کی وجہ سے بھی
لفظ کو مجازی معنوں پر حمل کر لیتے ہیں پس اُس جگہ مجاز پر کیونکر حمل نکیا جائیگا۔ جہاں کہ
ادلّہ قطعیہ قائم ہوں۔

سوال۔ ترک اولی کی تعبیر میں ایسی عبارت کا اختیار کرنا جس سے معصیت اور گناہ کا
صادر ہونا ظاہر ہوتا ہو کیونکر صحیح ہوا اس لئے کہ اُس میں خلاف مراد کا ابہام ہوتا ہے
جس کا حکیم مطلق سے صادر ہونا صحیح نہیں ہے۔

جواب۔ حکیم مطلق سے ایسے خطاب پر عتاب کے صادر ہونے میں یہ لطیف نکتہ
ملحوظ ہے کہ انبیاء ع اگرچہ اُسکے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں لکن حقتعالی کی عظمت اور
کبریائی کے مقابلہ میں وہ عتاب کے قابل اور مواخذہ کے لائق ہیں اور اُنپر حق تعالی کے
احکام کی فرمانبرداری حد درجہ کی بیداری کے ساتھ لازم ہے اور اُن کی عبادت باوجودیکہ
اعلی پیمانہ پر واقع ہوتی ہے باوجود اسکے عظمت الٰہی کے نظر سے وہ بھی نکتہ چینی سے
خالی نہیں ہوسکتی تاکہ عام لوگوں کے لئے یہ گمان نہو کہ وہ خالق دُنیا اور مدبر عالم ہیں۔
اور یہ کہ وہ حضرات ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں غایت خشوع و خضوع کے ساتھ پیش آئیں
اور اپنی طاعت و عبادت پر ہرگز اعتماد نکریں اور یہ کہ اُنکی اعلی عبادت بھی
حقتعالی کی حقیقی شان سے کم رتبہ رہتی ہے اور حقتعالی کی اطاعت کا حق اُن حضرات سے
بھی باوجود کمال جانفشانی کے ادا نہیں ہوسکتا۔ پس جبکہ انبیاء کے مقدس دلوں میں حقتعالی
کی عظمت کا یہ گہرا خیال ہر دم جما رہے گا تو اُنسے قول و فعل میں کسی لغزش کا صادر
ہونا محال ہو جائیگا۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ انبیاء کا فعل اگرچہ در حقیقت ہر طرح
کی معصیت اور گناہ سے بری ہوتا ہے لکن اُن کی کامل معرفت کا مقتضی یہ تھا
کہ اُنسے اطاعت الٰہی کے سوا کوئی فعل مرجوح یا مباح بھی صادر نہوا اور باوجود
اسکے اُن حضرات کو دنیوی ضرورتوں کی وجہ سے بعض مباحات کی طرف متوجہ

ہونیکا اتفاق ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی مقدس ذات کے غیر محدود عظمت کے منافی قرار پاتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اُنکے اعمال پر ایسی عبارتوں کا اطلاق فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود وہ حضرات بھی عبودیت اور اظہار فروتنی کے مقام پر ایسی عبارتوں کو اپنی مبارک زبانوں پر جاری کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن بزرگواروں کو لوگوں کی ہدایت کرنے میں جو اشتغال کرنا پڑتا ہے وہ اُن کے محل تقرب کے بعید قرار پاتا ہے۔ جبکہ وہ ان دونوں مرتبوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس مقام کو بہ نسبت اپنے محل تقرب کے نہایت پست و حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت خطا گناہ وغیرہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ بندہ کی نظر میں جسقدر کہ حقتعالیٰ کی عظمت اور جلال کا تصور زائد ہوتا ہے اُسی قدر اپنے عمل کی قلت اور ضعف و عاجزی کی شدت پر متنبہ ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی اعلیٰ عبادت کو بھی اُس کے مرتبہ جلال سے کہیں کم پاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ممکنات کے اعمال واجب الوجود کی درگاہ کے قابل نہیں ہوسکتے پس وہ اس انحطاط کو تصور کرکے اپنے آپ کو خاطی اور قصوروار ٹھہرالیتے ہیں اور اپنے شکریہ کو اُس کی غیر متناہی نعمتوں کے مقابلہ میں ہیچ اور بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور اپنی نسبت اُنہیں الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو گنہگار بندوں کے شایاں ہوتے ہیں اور جب وہ چشم بصیرت اور گہری نظر ڈالکر دیکھتے ہیں اور اس امر کو جان لیتے ہیں کہ طاعت کا بجا لانا صفات پسندیدہ کو اختیار کرنا خدا ہی کی توفیق سے ہوتا ہے اور گناہوں سے پرہیز کرنا اُسی کے بچانے سے ہوتا ہے۔ اور جب تک توفیق خدا شامل حال نہو انسان ہر وقت معرض گناہ میں رہتا ہے۔ پس اگر وہ کہیں کہ میں وہ ہوں کہ جسنے گناہ کئے میں وہ ہوں جسنے خطائیں کی ہیں تو ممکن ہے کہ اس کلام سے یہ مراد ہو کہ میں وہ ہوں کہ اگر تیری توفیق شامل حال نہ ہوتی تو میں ان سب امور کا مرتکب ہوتا۔ اس کی نظیر بادشاہوں

امرا اور رعایا اور خادموں کے احوال پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ بادشاہ اپنی رعایا اور خادموں سے اُسی خدمت کو متعلق کرتے ہیں جو اُن کی قرب منزلت اور معرفت وغیرہ سے مناسب ہے۔ اور اُسی نسبت سے اُنسے مواخذہ بھی کرتے ہیں رعایا کی بہت سی خطائیں ایسی ہوتی ہیں جنسے بسبب اُن کی نادانی کے درگذر کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص مقربین سے ہوتا ہے اور اُس سے کوئی تھوڑا سا بھی ایسا امر جو خلاف ادب ہو صادر ہو جاتا ہے تو اُسپر عتاب و سرزنش کیجاتی ہے بلکہ اگر یک طرفۃ العین بھی کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو اُنکو کسقدر تنبیہ و تادیب کیجاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مقرب بادشاہ اظہار نعمت و لطف بادشاہ کے لئے جو اُسپر ہی بہت ہی عاجزی و فرمانبرداری سے کہتا ہے کہ میں سراپا تقصیر ہی تقصیر ہوں میری کوئی خدمت آپ کے شان کے موافق نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ سب آپ ہی کی بدولت ہے۔ میں بہت ہی عاصی و گنہگار ہوں یعنی اگر آپ کا لطف نہوتا تو ایسا نہوتا۔ اور بلاؤں میں بھی مبتلا ہونیکا سبب اسی طرح ہی جیسا کہ حسین بن سعید نے باب ابتلاء انبیاء و اوصیاء میں فرمایا ہے جبکہ پیغمبروں سے بہت سے ایسے معجزات جو موجب حکمت و لطف پروردگار ظہور میں آئے کہ لوگ اُسکا مثل لانے سے عاجز ہوئے تو اسکا اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ اس سبب سے اُنکی شان میں افراط کریں حکمت خدا اس امر کو مقتضی ہوئی کہ ایک وقت تو اُنکو غلبہ ہو۔ اور دوسرے وقت وہ مغلوب قرار پائیں تاکہ لوگ اُنکے بارہ میں غلو نکرنے لگیں اور سمجھ لیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور اپنے اُمور میں حقتعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔

عصمت حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کے بعض واقعات دیکھکر لوگوں نے انبیاء کے معصوم ہونے پر اعتراض کئے ہیں۔ اور وہ کئی ہیں۔

پہلا اعتراض۔ خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○ پارہ ۳ سورہ بقر

اور جبکہ ابراہیم نے یہ عرض کیا تھا کہ ای میرے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کیا تمکو یقین نہیں۔ عرض کی ضرور ہے ولیکن اسلئے کہ میرا قلب مطمئن ہوجائے۔ فرمایا چار پرندے لو پھر انکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ملاکے ہر ہر پہاڑ پر انکا ایک ایک ٹکڑا ڈال دو۔ پھر انکو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئینگے اور یہ سمجھ لو کہ خدا زبردست اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خداوند عالم سے یہ دیکھنے کی یہ خواہش کرنا کہ وہ مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے اس امر کو مقتضی ہے کہ آپ کو اس امر کا یقین نہ تھا کہ خداوند عالم مردوں کو زندہ کرتا ہے۔
مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ایک مچھلی کی طرف گذر ہوا جسکا نصف حصہ خشکی میں اور نصف حصہ دریا میں تھا۔ اور بری اور بحری حیوانات اسکو کھاتے تھے پس شیطان نے آپ کے دل میں یہ خطرہ پیدا کردیا کہ اسکے اجزاء کا حیوانات کے شکموں میں منقسم و متفرق ہونیکے بعد پھر اسی طرح مرکب ہوکر زندہ ہوجانا نہایت بعید ہے پس حضرت ابراہیم کو شک ہوا اور آپ نے اس مطلب کا سوال کیا جو آیت میں مذکور ہے۔

[illegible] ہوا تھا کہ خدا مردوں کو زندہ
کرسکتا ہے۔ بلکہ آپ اپنے یقین پر ثابت قدم تھے۔ البتہ اس امر کو دیکھنا ضرور
چاہتے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کیونکر کرتا ہے تاکہ علم استدلالی اور علم بدیہی دونوں کے
ساتھ یقین ہو جائے اس لئے کہ جس قدر ادلہ و شواہد زائد ہوں اُسی قدر یقین و
ایمان میں زیادتی ہوگی۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ جمع الجوامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

رب ارنی ای بصرنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال له ذلك سبحانه وقد علم انه اثبت الناس ایمانا لما فیه من الفائدة للسامعین وهذه الف استفهام المراد به التقریر قال بلیٰ هو ایجاب بعد النفی ومعناه بلیٰ امنت ولکن لیطمئن قلبی لیزید طمانینة وسکونا بان یضام العلم الضروری علم الاستدلال وتظاهر الادلة ازید للبصیرة والیقین واراد بطمانینة القلب العلم الذی لا مجال فیه للشك۔

اے میرے پروردگار تو مجھکو دکھا دے کہ مردوں کو تو کیونکر زندہ کرتا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ایمان نہیں لائے یہ اس لئے کہا حالانکہ اُنکا حضرت ابراہیمؑ کا تمام لوگوں میں زائد ثابت الایمان ہونا معلوم تھا تاکہ سننے والوں کے لئے فائدہ حاصل ہو اور یہ الف استفہام ہے جس سے تقریر مقصود ہے حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ بلیٰ (ہاں) جو نفی کے بعد ایجاب کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ میں ایمان لایا ہوں لیکن تاکہ میرا دل زائد مطمئن ہو جائے بایں معنی کہ علم نظری کے ساتھ علم ضروری بھی منضم ہو جائے اس لئے کہ ادلّہ کا زائد ہونا اس سے بصیرت و یقین زائد ہوتا ہے اور دل کے مطمئن ہو جانے سے یہ مراد ہے کہ ایسا علم حاصل ہو جائے جسمیں شک کرنے کی مجال نہ رہے۔

اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آیا جناب ابراہیمؑ کے دل میں

کچھ شک تھا فرمایا نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یقین تھا اور انہوں نے یہ چاہا کہ خدا اُنکے یقین کو اور زیادہ کردے۔

دوسرا اعتراض - حضرت ابراہیمؑ نے متعدد بار دروغ کا ارتکاب کیا ہے جو عصمت کے منافی ہے اور اس اعتراض کی شرح یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے تین بلکہ چار دروغ صادر ہوئے

اول یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی نسبت فرمایا

هٰذَا رَبِّیْ } یہ میرا پروردگار ہے۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے کفار کے بتوں اور معبودوں کی نسبت فرمایا ہے۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ } بلکہ اس کام کو اُن کے بڑے معبود نے کیا ہے۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ سَقِيْمٌ } میں بیمار ہوں۔

چہارم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا۔

سَارَةُ اُخْتِیْ } سارہ میری بہن ہے۔

حالانکہ حضرت سارہ اُن کی اہلیہ تھیں۔ اور اس اعتراض کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب یہ کہ نبی کا معصوم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ پس نقلی دلیل کا اُسکے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہو گا۔ اس لئے کہ نقلی دلیل کا معتبر ہونا نہ ہونا بھی عقل ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں نقلی دلیل کا تاویل کرنا لازم ہوگا۔

دوسرا جواب یہ کہ اگر اس دلیل کا صحیح ہونا تسلیم کیا جاے تو لازم آئے گا کہ نبی سے شرک ایسے گناہ کا صادر ہونا صحیح ہو اس لئے کہ غیر خدا کو اپنا پروردگار قرار دینا شرک ہے۔ حالانکہ نبی سے ایسے گناہ کا صادر ہونا کسی مسلمان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

تیسرا جواب - یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قرآن شریف میں جو اقوال منقول

ہوتی ہیں کہ حضرت ابراہیم [illegible] ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُسسے حضرت کا
لوگوں کو شرک و بُت پرستی سے باز رکھنا اور اُنکو توحید خدا کی طرف ہدایت کرنا ثابت
ہوتا ہے اِس مطلب کی فی الجملہ شرح یہ ہے کہ کاہنوں نے نمرود کو خبر دی تھی کہ عنقریب
ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جو بُت پرستی کو روئے زمین سے نیست و نابود
کریگا اور اُس کی جگہ خدا پرستی اور توحید کے مذہب کو جاری کریگا۔ اس خبر کے بعد نمرود
نے عورتوں اور مردوں میں جدائی ڈالنے کی کوشش شروع کی اور خورد سال بچوں کے قتل کرنیکا
حکم دیا۔ اُسی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادر گرامی کو درد زہ عارض ہوا اور وہ بحکم خدا
ایک غار میں تشریف لے گئیں اور اسی غار میں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو اُسی غار میں چھوڑا اور خود بحکم خدا باہر آئیں۔ اور اُس (غار) کے دہانہ پر
ایک پتھر رکھدیا۔ پس حقتعالی نے حضرت ابراہیمؑ کے انگوٹھے میں دودھ پیدا کر دیا جسکو
پیتے اور سیراب ہو جاتے تھے۔ اور ایک دن میں حضرت کے لئے اسقدر نشو و نما ہوتا تھا
جسقدر کہ معمولی بچوں کے لئے ایک مہینہ میں ہوتا ہے۔ پس جبکہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک کے
ستره سال گذرے اور ایک روز آپکی مادر گرامی آپسے ملنے کے لئے غار میں تشریف لائیں
تو آپ نے اُنسے عرض کیا کہ مجکو باہر لیچلیئے۔ آپ کی مادر گرامی نے ارشاد فرمایا کہ مجکو خوف
ہے کہ لوگ تمکو قتل کر ڈالیں۔ پس جبکہ حقتعالی کی طرف سے آپکو باہر آنیکی اجازت حاصل
ہوگئی تو آپ غار سے باہر تشریف لائے۔ اُسوقت آفتاب نے غروب کیا تھا آپنے
اُسوقت ستارۂ زہرہ کو ملاحظہ فرمایا۔ اور از راہِ انکار یا بطور استخبار فرمایا۔

هٰذَا رَبِّي ج پارہ ۷ سورہ انعام } کیا یہ میرا پروردگار ہے۔

پس جبکہ زہرہ غائب ہوگیا تو آپ نے خیال کیا کہ کافروں پر حجت خدا کو اسطرح تمام اور اپنی
غرض کو ظاہر فرمائیں کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو اُسکا غائب ہونا اور اپنی جگہ سے حرکت کرنا
معقول نہ ہوتا۔ پس آپنے فرمایا۔

لَا أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ٥ (پارہ ۷ سورہ انعام) } میں غروب ہونے والی چیزوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پس جبکہ ماہتاب کو روشن دیکھا ارشاد فرمایا۔

هٰذَا رَبِّيْ ۚ } یہ میرا پروردگار ہے۔

اور جب ماہتاب نے بھی غروب کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ٥ (پارہ ۷ سورہ انعام) } اگر مجھکو میرے پروردگار نے ہدایت نہ کی تو میں اُن لوگوں میں داخل ہو جاؤنگا جنہوں نے ہدایت کی راہ کو گم کیا ہے۔

پس جبکہ صبح ہوئی اور آفتاب نکلا اور اُسکی روشنی سے تمام روے زمین منور ہو گیا تو تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ (پارہ ۷ سورہ انعام) } یہ میرا پروردگار ہے یہ دوسرے ستاروں سے بڑا ہے

پس جبکہ اُسنے بھی غروب کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ٥ (پارہ ۷ سورہ انعام) } اے قوم میں تمہارے شرک سے بری ہوں

پس ہمارے اس بیان سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اقوال محض بت پرستی کے باطل کرنے اور توحید کے رواج دینے کی غرض سے صادر ہوئے تھے اس لئے کہ جو چیز حرکت اور غروب کے ساتھ موصوف ہوتی ہے وہ حادث ہے اور جو حادث ہے اُسکی عبادت جائز نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کے قابل وہ شخص ہے جس نے اُن ستاروں کو خلعت وجود عطا فرمایا ہے اور وہ حادث چیزوں کے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے۔ اور یہی وہ حجت ہے جو خدا کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو عطا فرمائی گئی تھی چنانچہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ (پارہ ۷ سورہ انعام) } یہ ہماری حجت ہے جو ہمنے حضرت ابراہیمؑ کو عطا کی تھی جسکی وجہ سے وہ اپنی قوم پر غالب آئے۔

بہرحال ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہرگز کسی ستارہ کو اپنا پروردگار نہیں فرمایا بلکہ اُس کو محض اتمام حجت کے لئے کفار سے بطور استخبار ارشاد فرمایا تھا اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ آیا یہ ستارے میرے پروردگار ہوسکتے ہیں حالانکہ حدوث اور نقصان کے اوصاف اُن میں موجود اور محسوس ہیں۔ رہا حضرت کا قول اِنِّي سَقِيمٌ اُس سے بھی حضرت کا دروغ ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ اُس کے معنوں میں کئی احتمال ہیں۔

اوّل یہ کہ اِنِّي سَقِيمٌ (میں بیمار ہوں) سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آیندہ سقیم ہونیکو مراد لیا ہو اور یہ امر نہو کہ میں اسیوقت بیمار ہوں اس لئے کہ لفظ سقیم سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت اُسی وقت بیمار ہونیکا ارادہ کریں بلکہ چونکہ آئندہ بیمار ہونے والے تھے اس لئے آپنے فرمایا کہ اِنِّي سَقِيمٌ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ {پارہ ۲۳ سورہ زمر} تم بھی مردہ ہو اور وہ مردہ ہیں۔

یعنی آیندہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں اور اس قسم کا استعمال اہل زبان کے یہاں بکثرت ہے اور قرآن شریف میں بھی اسکی شواہد بکثرت موجود ہیں جیسے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۝ {پارہ ۲۰ سورہ قصص} وجہ خدا کے سوا ہر چیز ہالک ہے۔

اور لبید شاعر کہتا ہے۔

ف اس مطلب کی اس طرح بھی تقریر ہوسکتی ہے کہ جملہ انک میت و انھم میتون سے اگر قضیہ مطلقہ عامہ مراد لیا جائے تو اس میں کسی زمانہ کا ماخوذ نہونا اور اُس کا جملہ فعلیات سے عام ہونا معلوم ہے پس جبکہ اُس میں کوئی زمانہ نہو تو خصوص زمانۂ حال کا مراد لینا بالکل بیمعنی ہوگا اور اس سے قضیہ منتشرہ مطلقہ مراد لیا جائے تو اُس میں اگرچہ زمانہ ماخوذ ہوتا ہے مگر کوئی خاص زمانہ ماخوذ نہیں ہوتا پس اُس سے خصوص زمانۂ حال کا مراد لینا صحیح نہوگا۔ اور احتمال دوم کا مراد لینا بظاہر اولی ہے اس لئے کہ اہل نحو نے صیغہ فاعل میں زمانہ کا اعتبار کیا ہے بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اُس میں خصوص زمانہ استقبال ہی کا اعتبار کیا ہے اس صورت میں اشکال مذکور بدون وقت مندفع ہو جائیگا۔

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل * وکل نعیم لا محالۃ زائل

یعنی ہر ایک شئ سوائے خدا کے باطل ہے * اور ہر ایک نعمت ضرور برطرف ہونے والی ہے

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم کی اس کلمہ سے یہ مراد ہو کہ میں مرنے والا ہوں اس لئے کہ جو مرنے والا ہوتا ہے وہ ضرور سقیم ہوتا ہے- اس تقدیر پر سقیم سے موت مراد ہوگی-

سوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس کلمہ سے یہ مراد ہو کہ میرا سقیم ہونا قریبِ قیاس ہے اس لئے کہ اُس زمانہ میں پلیگ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی اور لوگ حضرت کو اپنی ایک عید میں اپنے ہمراہ لیجانا چاہتے تھے اور حضرت کو اپنا جانا منظور نہ تھا اس لئے آپنے اول ستاروں کی طرف نظر کی بعد ازاں فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ جس سے وہ لوگ سمجھیں کہ انہوں نے ستاروں کو دیکھکر ایسا فرمایا ہے لہذا یہ بیمار ہوا چاہتے ہیں یا بیمار ہیں انکا ہمراہ لیجانا مناسب نہیں ہے- اور حضرت کی غرض یہ نہ تھی کہ میں ضرور بیمار ہونگا یا بیمار ہوں بلکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ میرا سقیم ہونا قریبِ قیاس ہے- اس صورت میں بھی آپکا مرتکب دروغ ہونا ثابت نہوگا- بلکہ حضرت کا کلام از قبیل توریہ ہوگا جسکا استعمال کرنا ضرورت کے وقت ممدوح ہوتا ہے-

چہارم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی غرض اس کلمہ سے یہ ہو کہ میں دردِ دین کی وجہ سے سقیم اور مریض ہوں کہ لوگ خدا پرستی کو چھوڑے ہوئے اور بت پرستی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور لوگوں نے اس کلام سے یہ سمجھا ہو کہ آپ دراصل بیمار ہیں-

پنجم یہ کہ حضرت نے اس کلمہ سے اپنا غم امام حسین علیہ السلام میں بیمار ہونا مراد لیا ہو جیسا کہ کافی میں حضرت ابراہیمؑ سے منقول ہے-

اِنِّیْ سقیم لما یحل بالحسینؑ کہ میں اُس مصیبت کی وجہ سے بیمار ہوں جو حسینؑ پر نازل ہوگی- اور کافروں نے حضرت کے کلام سے ظاہری مطلب سمجھا ہو-

ششم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ کو تقیہ کی حالت میں ارشاد فرمایا ہو اور اس جگہ تقیہ کا یہ مطلب ہے کہ حضرت نے اس کلمہ کو دشمنوں اور مشرکوں کے خوف سے

توریہ کے عنوان پر استعمال کیا ہو۔

توریہ کے معنی | اور توریہ سے یہ مراد ہے کہ انسان اپنے مطلب کو کسی ایسی عبارت میں ادا کرے جسکے دو معنی ہوں اور انمیں سے ایک معنی مراد لے اور مخاطب اُس سے دوسرے معنی سمجھے اور ظاہر ہے کہ کسی مطلب کا توریہ میں ادا کرنا اور چیز ہی اور دروغ کہنا اور چیز ہے۔ اس مطلب کی چند مثالوں کے ساتھ شرح کیجاتی ہے

توریہ کی مثالیں

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک مخالف مذہب حاضر تھا اُس نے ایک شیعہ سے سوال کیا۔

ما تقول فی العشرۃ من الصحابۃ } تم عشرۂ مبشرہ کے حق میں کیا کہتے ہو۔

شیعہ ۔ میں اُن کے حق میں کلمۂ خیر کہتا ہوں جسکی وجہ سے حق تعالےٰ میرے گناہوں کو بخشتا ہے اور میرا درجہ بلند کرتا ہے۔

مخالف ۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھکو تیری دشمنی سے نجات دی مجھکو خیال تھا کہ تم صحابۂ کبار کو دشمن رکھتے ہو۔ اور اُنکو بُرا کہتے ہو۔

شیعہ ۔ تم میرے عقیدہ سے آگاہ ہو کہ صحابہ میں سے جو شخص ایک صحابی کو دشمن رکھیگا وہ ملعون ہے۔

مخالف ۔ شاید تم نے کوئی تاویل کی ہو مگر تم صاف لفظوں میں یہ کہدو کہ جو شخص عشرۂ مبشرہ کے ساتھ دشمنی کرے وہ کیسا ہے۔

شیعہ ۔ جو شخص عشرۂ مبشرہ کے ساتھ دشمنی کرے اُسپر خدا اور فرشتوں بلکہ تمام جہان کی لعنت

مخالف ۔ تم میری خطا کو بخشدو کہ میں تمکو رافضی ہونیکے ساتھ متہم کرتا تھا۔

شیعہ ۔ مجھکو تم سے اس بارہ میں کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے تم میرے بھائی ہو۔

پس جبکہ مخالف اُس جگہ سے چلاگیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مرد مومن سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم نے نہایت معقول کلام کیا۔ حق تعالیٰ تمکو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ تمہارے توریہ کرنے سے خدا کے مقرب فرشتے خوش ہوئے تم نے اپنے دین میں بھی کسی قسم کا خلل نہ آنے دیا۔ اور اپنے نفس کو بھی اسکے ہاتھ سے محفوظ رکھا حق تعالیٰ ہمارے مخالفین کی گمراہی کو زائد کرے۔ حضرت کا یہ کلام سُنکر بعض لوگوں نے جو توریہ کی حقیقت سے آگاہ نہ تھے عرض کیا کہ اس (مومن) نے تو بظاہر اپنے مخالف مذہب کی موافقت کی ہے پھر آپنے ان کی اسقدر مدح کیوں فرمائی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے اُسکی مراد کو نہیں سمجھا تو ہم نے ضرور سمجھا ہے۔ اور حقتعالیٰ نے اُسکے قول کو قبول فرمایا ہے۔ اور جبکہ ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں گھر جاتا ہے تو حقتعالیٰ اُسکو ایسے معقول جواب کی توفیق دیتا ہے جو اُس کے دین اور آبرو کو اُن بدبختوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس اس مرد مومن کے اس قول سے کہ۔

من ابغض واحداً منھم فعلیہ لعنۃ اللہ۔	جو شخص صحابہ میں ایک کو دشمن رکھے تو اُسپر خدا کی لعنت ہو۔

یہ مراد تھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک کو دشمن رکھے کہ وہ حضرت امیرالمؤمنینؑ ہیں تو اُسپر خدا کی لعنت ہو۔ اور اُس کے اس قول سے کہ

من ابغضھم فعلیہ لعنۃ اللہ	جو عشرہ مبشرہ کو دشمن رکھے اسپر خدا کی لعنت ہو۔

یہ مراد تھی کہ جو ان دسوں کو دشمن رکھے اُسپر خدا کی لعنت ہو۔ اور یہ قول بالکل درست ہے اس لئے کہ جو شخص دسوں کو دشمن رکھیگا وہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کو بھی دشمن رکھیگا اسی وجہ سے وہ خدا کی لعنت کا مستحق ہوگا۔

(۲) اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اسی قسم کے توریہ کا حزقیل مومن آل فرعون

... اُن لوگوں کو مخفی طور سے ہمیشہ اس امر کی ہدایت کرتے رہتے

کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کریں اور حضرت محمد مصطفےٰ صؐ کو باقی جملہ پیغمبروں سے افضل اور اُن کے وصی حضرت امیر المؤمنین عؑ اور باقی اماموں کو باقی جملہ اوصیا سے افضل سمجھیں اور فرعون کی خدائی کا انکار اور اُس سے بیزار ہونیکا اعتقاد رکھیں۔ پس لوگوں نے فرعون سے حزقیل کی بدگوئی کی اور بیان کیا کہ وہ لوگوں کو تمہاری مخالفت پر آمادہ کرتے اور تمہاری دشمنوں کی تائید کرتے ہیں۔ فرعون نے اُن لوگوں سے کہا کہ حزقیل میرا چچازاد بھائی ہے اور میرا ولیعہد ہے۔ میں اسبات کی تحقیق کرتا ہوں۔ پس اگر تمہاری بات سچی نکلی تو میں حزقیل کو سخت سزا دونگا اس لئے کہ اُسنے میری نعمت سے پرورش پائی ہے اور اس صورت میں اُسکا احسان فراموش ہونا ثابت ہوگا اور اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو میں تمکو سخت سزا دونگا اس لئے کہ اس صورت میں تم میرے عزیز قریب کے بدخواہ قرار پاؤگے۔ اسکے بعد فرعون نے حزقیل کو طلب کیا اور اُن لوگوں سے مقابلہ کرایا۔ اُن لوگوں نے حزقیل سے کہا کہ تم فرعون کی خدائی کا انکار کرتے ہو۔ یہ بات سُنکر حزقیل نے فرعون سے کہا کہ اے فرعون آیا مینے تمہارے سامنے کبھی کوئی جھوٹ بات کہی ہے۔ اُس نے کہا کہ ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔ حزقیل نے کہا کہ تم ان سے سوال کرو کہ انکا خدا کون ہے اُسوقت میں بھی حقیقت حال کو بیان کرونگا۔ اُن لوگوں نے بیان کیا کہ ہمارا پروردگار فرعون ہے۔ اسکے بعد حزقیل نے سوال کیا کہ تمہارا خالق (پیدا کرنیوالا) کون ہے اُنھوں نے کہا فرعون۔ پھر سوال کیا کہ تمہارا رازق (رزق دینے والا) کون ہے اُنہوں نے کہا کہ فرعون۔ حزقیل نے سوال کیا کہ وہ کون ہے جو مصیبت و بلا کے وقت تمہاری کفالت کرتا ہے اور تمہاری ضروریات کو بہم پہونچاتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ فرعون۔ ان باتوں کے بعد حزقیل نے فرعون سے مخاطب ہوکر کہا کہ ای بادشاہ میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کا خدا میرا خدا ہے۔ اور

خالق میرا خالق ہے۔ اور انکا رازق میرا رازق ہے۔ اور میں اُس شخص سے بالکل بیزار ہوں
جو انکا خالق اور رازق اور کفیل نہیں ہے۔ اور میں اُسکی خدائی کا اعتقاد نہیں رکھتا ہوں تو اُس
حزقیل کی مراد یہ تھی کہ جو انکا حقیقی پروردگار ہے وہی میرا بھی پروردگار ہے۔ اور اُنکی
یہ مراد تھی کہ جس شخص کو اُن لوگوں نے اپنا پروردگار قرار دیا ہو وہی میرا پروردگار ہے۔ لیکن فرعون اور اُس کے تابعین نے
اُنکی مراد کو نہ سمجھا۔ وہ یہی سمجھے جس شخص کے پروردگار ہونیکا اُنہوں نے اقرار کیا ہو اُسی کے
پروردگار ہونیکا حزقیل نے بھی اقرار کیا ہے۔ پس حزقیل کے چغلخوروں پر فرعون غضبناک ہوا
اور کہنے لگا کہ یہ لوگ میری بادشاہت میں مفسدہ برپا کرنا اور میرے عزیز قریب کو
ہلاک کرانا چاہتے ہیں۔ اسکے بعد اُن کے عذاب کرنے اور سزا دینے کا حکم صادر کیا۔
پس اُنمیں سے ہر ایک کے سینہ اور پنڈلی پر ایک ایک آہنی میخ گاڑی گئی۔ اور شکنجہ سے اُنکی
کھالیں کھینچ لی گئیں۔

(۴۳) خلیفہ اول ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ کی ہمراہ جاتے تھے لوگوں نے اُن (خلیفہ اول)
سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں آپ نے فرمایا۔

رجل یھدینی السبیل } یہ ایک مرد ہیں جو مجھکو راستہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس کلام سے پوچھنے والا یہی سمجھا کہ ان کی مراد لفظ سبیل سے راستہ ہے اس لئے وہ یہ جواب
سنکر چلا گیا۔ مگر خلیفہ اول کے لفظ سبیل سے راہ حق مراد تھی۔ اگر خلیفہ صاحب یہ توریہ نکرتے
تو نہ معلوم کیا مفسدہ پیش آتا۔

اور حضرت ابراہیم نے کفار کے بتوں اور معبودوں کی نسبت جو فرمایا تھا۔

بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم
ان کانوا ینطقون ٥ }
بلکہ اسکو ان کے بڑے بت نے کیا ہے پس تم اُنسے پوچھ لو اگر وہ گویائی رکھتے ہیں۔
پارہ ١٧ سورۂ انبیاء

تو حضرت ابراہیم نے جملہ شرطیہ کو بیان فرمایا ہے۔ اور حضرتؑ کی مراد یہ ہے کہ اگر تمہارے
معبود گویائی رکھتے ہوں تو یہ فعل تمہارے بڑے معبود نے کیا ہے تم اُنسے سوال کرو۔

[illegible] اُن سے بڑے بت نے وہ کام
نہیں کیا اس لئے کہ حضرت نے اپنے قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ کو اپنے قول
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ کے ساتھ مشروط کیا ہے اور شرط کا موجود نہ ہونا مشروط کے موجود نہ ہونیکو مقتضی ہوتا ہے
اس تقدیر پر حضرت کا دروغ ہرگز ثابت نہ ہوگا بلکہ مشرکین کی بے وقوفی اور حماقت پر
تنبیہ ہوگی کہ تم لوگ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو گویائی پر بھی قدرت نہیں رکھتیں
اسکے علاوہ یہ ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کلام سے مشرکین اور بت پرستوں پر
استہزا کرنا اور اُنکا ساکت کرنا مقصود تھا بایں معنے کہ بت پرستوں کے خدا ایسے ناقص
اور عاجز ہیں کہ کسی کام پر قدرت نہیں رکھتے تاکہ وہ لوگ اپنے خداؤں کی حالت پر نظر
کریں کہ آیا اُنسے کسی قسم کا نفع یا ضرر صادر ہوسکتا ہے یا نہیں اور جبکہ اُن کو یقیناً
معلوم ہو جائے کہ وہ بالکل قاصر و عاجز ہیں تو اپنے اعتقاد اور اُنکی پرستش سے باز
آئیں چنانچہ ہمارے بیان کی اس آیہ شریفہ کے بعد کی آیہ مبارک سے تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے
فَرَجَعُوْا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ } اُن کفار نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کی اور آپس میں کہنے لگے کہ تم اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہو۔
پارہ ۱۷ سورہ انبیاء
اور اسی مطلب کو جناب ثقۃ الاسلام نے کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
نقل کیا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ
انما قال بل فعله كبيرهم ارادة الاصلاح ودلالة على انهم لا يفعلون } حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول بل فعله كبيرهم کو اصلاح کی غرض سے بیان فرمایا اور اس مطلب پر دلالت کرنا مقصود تھا کہ وہ ایسا ہرگز نکرینگے۔
اور اس مطلب کی سنے اجمالی شرح یہ ہی کہ جب کفار اپنی عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے تو
حضرت ابراہیم اپنے ہمراہ کچھ کھانا لیکر اُن لوگوں کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور

ہر ایک بت کے قریب تشریف لیجاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کھانا کھا جب اُس سے کوئی
جواب نہ آتا تھا تو اُس کے ہاتھ پاؤں پر ایک تیشہ لگاتے تھے اور وہ شکستہ ہو جاتا تھا
یہانتک کہ تمام بتوں کو چکنا چور کر دیا اور فقط بڑے بت کو باقی رہنے دیا اور تیشہ کو اُسکی
گردن میں ڈالدیا۔ پس جبکہ بادشاہ اور اُسکے ہمراہی لوگ عیدگاہ سے واپس آئے تو اُنمیں
سے بعض لوگ کہنے لگے کہ۔

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء)
ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس شخص نے سلوک کیا ہے وہ کوئی بڑا ظالم شخص ہے۔

دوسرے لوگوں نے جواب میں کہا کہ۔

سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء)
ہمنے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ہمارے بتوں کو برائی کے ساتھ یاد کرتا تھا اُسکو ابراہیم کہتے ہیں۔

پس اُن لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر کئے جائیں اور لوگ اُنکو
اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ اُنکے قول یا فعل پر گواہ رہیں پس جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
تشریف لائے تو مشرکین کہنے لگے کہ اے ابراہیمؑ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک
تم نے کیا ہے حضرت نے اُنکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء)
یہ کام تمہارے بڑے بُت نے کیا ہے۔ پس تم اُنسے پوچھ لو۔ اگر تمہارے یہ بت گویائی رکھتے ہوں۔

پس ہمارے اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی دروغ ہرگز سرزد نہیں ہوا
اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہرگز کسی دروغ کے مرتکب نہیں ہوئے پس بعض مخالفین کا یہ کہنا

۱؎ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے حالت تقیہ میں دروغ کا صادر ہونا

کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا تقیہ کی صورت میں جھوٹ بولنا جائز ہے محض افترا ہے۔ البتہ بعض مخالفین نے ایسی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاذ اللہ دروغ کہنا اور جھوٹ بولنا ظاہر ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶) جائز بلکہ واجب ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول انی سقیم کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور انکا یہ بیان غلط ہو اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک انبیاء اور اوصیاء کا ہر ایک گناہ سے معصوم ہونا ضروری ہے اور اس مطلب پر اُن کا اتفاق ہے۔ اور اس بارہ میں آئمہ معصومین سے متواتر خبریں نقل کی ہیں جنکا تذکرہ کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲

لھ اس لئے کہ تقیہ کرنا دروغ کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ بالجملہ شرح ہو چکی ہے۔
اس کے علاوہ یہ ہو کہ ہر جگہ تقیہ کرنا جائز نہیں ہے اس کی شرائط و موانع کا بیان عنقریب کیا جائیگا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی تقیہ کرنے کو مخالفین نے بھی تجویز کیا ہو۔ اگر ہر ایک مقام پر تقیہ کرنا جائز ہوتا تو حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تقیہ کرتے اور اپنے نفس محترم اور دیگر حضرات کو بلا سے محفوظ رکھتے۔ اسی طرح اگر تقیہ ہر ایک جگہ جائز ہوتا تو حضرت ابراہیم بھی تقیہ کرتے اور مشرکین کے بتوں کو شکستہ نہ کرتے ۱۲

کھ واضح ہو کہ بعض مخالفین نے ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے حضرت ابراہیم کا کئی جگہ دروغ بیان کرنا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ علامہ حلی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآب نے روز قیامت کے حالات میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ حضرت آدم کی خدمت میں حاضر ہونگے اور شفاعت کی درخواست کرینگے اور حضرت آدم عذر فرمائینگے بعد ازاں لوگ حضرت نوح کی خدمت میں حاضر ہونگے حضرت نوح بھی عذر فرمائینگے بعد ازاں حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرینگے آپ حقتعالیٰ کے خلیل ہیں آپ بارگاہ خدا میں ہماری شفاعت کیجئے اس لئے کہ ہم جس اضطرار میں مبتلا ہیں آپ خود ملاحظہ فرماتے ہیں۔ پس حضرت ابراہیم ارشاد فرمائینگے کہ آج پروردگار عالم بے حد غضبناک ہے اور میں نے دنیا میں دروغ کا تین بار ارتکاب کیا ہے مجھکو اپنی جان کا خود اندیشہ ہے تم لوگ کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ اور بعض مخالفین نے لکھا ہے کہ وہ تین دروغ جنکا

اور ہم نے جو کچھ کہ بیان ہے اُسی کو مخالفین کے بعض علماء نے بھی بیان کیا ہے۔
اور مذکورۂ بالا روایت کو رد کیا ہے جس سے صحیح بخاری و صحیح مسلم ایسی کتابوں کا بیہودہ
روایتوں پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵) حضرت ابراہیم نے ارتکاب کیا ہے یہ ہیں۔

اوّل یہ کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کی نسبت فرمایا تھا۔

هٰذَا رَبِّیْ } یہ میرا پروردگار ہے۔

دوّم یہ کہ آپ نے مشرکین کے بتوں کی نسبت فرمایا تھا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ } بلکہ اس کام کو ان کے بڑے بُت نے کیا ہے۔

سوم یہ کہ آپ نے فرمایا تھا۔

اِنِّیْ سَقِیْمٌ } میں بیمار ہوں۔

پس اگر ان کی یہ روایت صحیح مان لی جائے تو حضرت ابراہیمؑ کا دروغگو ہونا ثابت ہوگا بلکہ
پہلی دروغ کی بنا پر حضرت کا معاذاللہ مشرک ہونا بھی لازم آئیگا جس سے نبی کا معصوم ہونا بہرحال لازم ہے۔ شاید
اسی بنا پر دوسری روایت میں ھٰذا ربی کی جگہ سارۃ اختی کو شمار کیا ہے۔ لیکن اس صورت میں حضرت ابراہیمؑ کے
چار کذب ثابت ہونگے۔ اور علماء مخالفین اگرچہ پیغمبروں پر ایسے دروغ کو تجویز نہیں کرتے جو تبلیغ احکام سے تعلق
رکھتا ہو مگر مذکورۂ بالا تینوں کذب کا انکے اصولوں کی بنا پر بھی پیغمبر سے صادر ہونا جائز ہوگا اگرچہ عمداً صادر ہوا اسلئے کہ
انکو تبلیغ احکام سے تعلق نہیں ہے بلکہ مخالفین کی بعض علماء نے تبلیغ احکام میں بھی پیغمبر سے کذب کا بھولے سے صادر ہونا تجویز کیا ہے
بلکہ ابن فورک اور ابوبکر باقلانی اور امام غزالی سے نبی کی کافر ہو جانے اور ان کی موید بمعجزات ہونے کی اور انکی مطلقاً معصوم ہونے کی تجویز
منقول ہوئی ہے جسکی فضیلت انبیاء و ملائکہ کے مسئلہ میں فی الجملہ شرح مذکور ہے اور مخالفین کے یہ اقوال بے سند ہیں
اور علماء اہل حق کے نزدیک پیمبر کا ہر ایک گناہ سے منزہ ہونا لازم ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا اور آئندہ کی بیان سے بھی
اس مطلب کی توضیح ہوگی اور مذکورۂ بالا اقوال میں ہرگز دروغ نہیں ہے جسکی شرح کتاب میں مذکور ہے ۱۲

له امام رازی ۱۲

بعض حشویہ[1] نے حضرت محمدؐ سے ان کلمات کو نقل کیا ہے کہ۔

ما کذب ابراھیم الا ثلث کذبات } حضرت ابراہیمؑ نے کذب کا فقط تین دفعہ ارتکاب کیا تھا۔

ہم نے کہا کہ ایسی بے سرو پا روایتوں کا قبول کرنا مناسب نہیں ہے پس وہ (بعض حشویہ) کہنے لگا کہ اگر ایسی روایتوں کو قبول نکریں تو راویوں کا دروغگو ہونا لازم آئیگا۔ ہمنے اُس سے بیان کیا کہ اگر ایسی روایتوں کو قبول کرتے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ ایسے پیغمبر بزرگ کا دروغگو ہونا لازم آئیگا۔ اور اسمیں شبہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایسے پیغمبر کا دروغگوئی سے بچانا اس امر سے کہیں زیادہ اہم ہے کہ بعض مجہول الحال[2] راوی اوس دروغگوئی سے بچائے جائیں۔ اور اس کلام میں اگرچہ فرقہ حقہ کی موافقت مذکور ہے لیکن مخالفین کے اصول کی بنا پر پیغمبروں کا دروغگوئی سے محفوظ ہونا لازم نہیں ہے اس لئے کہ جمہور مخالفین کے نزدیک خدا پر کوئی امر واجب نہیں ہے اس صورت میں خدا پر پیغمبروں کا معصوم ہونا بھی لازم نہوگا اور اُنکا دروغگو ہونا اور ہر ایک گناہ میں آلودہ ہونا جائز ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک

عصمت حضرت یوسفؑ

مخالفین عصمت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے معصوم ہونے پر کئی اعتراض کئے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ خداوند عالم سورہ یوسف ارشاد فرماتا ہے۔

---

[1] حشویہ مخالفین کا ایک فرقہ مراد ہے جو ہر ایک روایت پر عمل کو تجویز کرتے ہیں اگرچہ اُسکا مضمون عقل صریح کے خلاف ہو اور امام رازی کے اس کلام سے حسب صحیح بخاری وغیرہ کا جنہوں نے اس کلام کو نقل کیا ہے فرقہ حشویہ میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲

[2] اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی مجہول الحال ہیں حالانکہ ان دونوں کتابوں کو

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ } اور ضرور زلیخا نے یوسفؑ سے بدی کا قصد کیا۔ اور یوسفؑ بھی زلیخا سے ایسا قصد کرتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

پارہ ۱۲ سورۂ یوسف

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے امر شنیع کا قصد کیا تھا اور معصیت کا قصد کرنا بھی معصیت ہے۔ لہذا جناب یوسفؑ عاصی ہونگے اور معصوم نہیں ہو سکتے۔

لہ بعض لوگوں نے آیۂ شریفہ کی تفسیر میں حضرت یوسفؑ کے متعلق بہت زیادہ جسارت سے کام لیا ہے جو کسی معمولی آدمی کے لئے بھی تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کا پائجامہ کھولنے کیلئے کمر بند پر ہاتھ ڈالدیا اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے مجامعت کرنے والے اس ارادۂ خاص سے بیٹھتے ہیں۔ اور بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے کان میں ایک غیبی صدا پہونچی۔

اِیَّاکَ وَاِیَّاھَا ۔ } خبردار یوسف زلیخا سے مباشرت نکرنا۔

مگر حضرت یوسف متنبہ نہوئے اور اپنے قصد پر مصر رہے۔ پھر دوسری مرتبہ وہی آواز سُنی مگر کچھ اثر نہوا تیسری دفعہ یوں ایک آواز سنائی دی اعرض عنہا (زلیخا کے پاس سے ہٹ جاؤ) مگر اسیطرح اپنے ارادہ میں مستقل رہے حتے کہ حضرت یعقوب اُن کے سامنے پہونچ گئے اور نہایت ملامت کے ساتھ اُنہیں ممانعت فرمائی بعد ازاں حضرت یوسفؑ کو ایک آواز سنائی دی۔

یا یوسف لا تکن کالطائر کان لہ ریش فلما زنی فقد صار لا ریش لہ ۔ } اے یوسفؑ اُس طائر کی مانند نہو جس کے بال و پر تھے اور پرواز کیا کرتا تھا پس جبکہ اُسنے زنا کیا تو اُسکے بال و پر گرگئے اور وہ اُڑنے سے مجبور ہوگیا۔

اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اُس وقت خاص میں حضرت یوسفؑ و زلیخا کے درمیان ایک ہاتھ غیب سے ظاہر ہوا جسپر قلم قدرت سے لکھا تھا۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ } اور تم پر بزرگ لکھنے والے نگہبان (مقرر) ہیں۔

پارہ ۳۰ سورہ انفطار

مگر باوجود اس کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔ پھر دوبارہ اُسپر یہ لکھا پایا۔

اس اعتراض کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ سے یہ امر ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ جناب یوسفؑ نے معصیت کا قصد بھی فرمایا ہو مخالفین عصمت کو معصیت کے ارادہ کرنیکا صرف اس وجہ سے شبہ پیدا ہوا ہے کہ وہ آیہ مبارکہ جواب لولا مقدر محذوف بتاتے ہیں اور اُس کی اصل یوں قرار دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَفَعَلَ	زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ نے زلیخا کا۔ اگر حضرتؑ برہان رب کا مشاہدہ نکرتے تو ضرور مرتکب ہوتے

لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ لولا کا جواب مقدر و محذوف کیا جائے۔ بلکہ اسکی جزاء موجود ہے جو مقدم کردیگئی ہے اور اسکی اصل یوں ہے۔

لقد همت بہ زلیخا الی یوسف بارادۃ الزنا ولولا ان رائ البرھان لھمّ بھا لکن رای البرھان فلم یھمّ بھا۔	زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا اور اگر حضرت یوسفؑ برہان رب کا مشاہدہ نفرماتے تو وہ بھی اُس (زنا) کا ارادہ فرماتے لیکن آپنے برہان رب کا مشاہدہ کرلیا پس اُس (زنا) کا ارادہ نہیں کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ج پارہ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل } زنا کے پاس نہ جاؤ اس لئے کہ یہ ایک فاحشہ اور بُرا رستہ ہے۔ مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہوا پھر اُسپر لکھا ہوا پایا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ق پارہ ۳ سورہ بقرہ } اُس دن سے ڈرو کہ جس دن اپنے پروردگار کی طرف رجوع کروگے۔ لیکن کوئی اثر اس تحریر پر بھی مترتب نہوا اب جناب باری کا خطاب جبرئیل کو ہوا۔

ادرک عبدی ان یصیب الخطیئۃ } میرے بندہ کے پاس قبل اسکے پہونچ جاؤ کہ اُس سے کوئی خطا سرزد ہو۔ حضرت جبرئیلؑ جناب باری کے حکم سے نازل ہوے۔ اور کہنے لگے۔

یا یوسف اتعمل عمل السفہاء وانت مکتوب فی دیوان الانبیاء۔	اے یوسف کیا سفہاء کا سا کام کرتے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء کے دفتر میں لکھا ہوا ہے ۱۲

اور لولا کی جزاء کا شرط پر مقدم ہونا شائع بھی ہے جیسے کنت ھلکت لولا ان تدارکتنی - کہ اس کی اصل اسطرح ہے۔ لولا ان تدارکتنی لکنت ھلکت -

پس جبکہ یہ استعمال عرب میں شائع و متعارف بھی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آیت میں جزا کو مقدم نہ قرار دیں - علی الخصوص جبکہ محذوف فرض کرنا خلاف اصل بھی ہے اور تا وقتیکہ کلام کا بدون حذف صحیح ہونا ممکن ہو اُسوقت تک حذف کا فرض کرنا صحیح نہوگا۔ حالانکہ اگر مقدر کرنا راجح ہوتا تب بھی اس مقام پر تاویل کرنا متعین ہوتا کیونکہ حضرت کی عصمت پر ادلہ عقلیہ قائم ہو چکی ہیں -

اور اس مطلب کو جناب صدوق علیہ الرحمہ نے امام رضا علیہ السلام سے عیون اخبار رضا میں بھی نقل فرمایا ہے اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ماموں رشید نے اپنے سوالات کے ضمن میں حضرت ع کی خدمت میں عرض کیا کہ قول باری تعالے -

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ

اور ضرور زلیخا نے یوسف سے بدی کا قصد کیا - اور یوسف بھی زلیخا سے ایسا قصد کرتے اگر اپنے رب کے برہان کا مشاہدہ نکرتے -

کے معنی بیان فرمائیے اور ہمارے دل سے اس اشکال کو دفع فرمائے کہ حضرت یوسف ع سے باوجود عصمت و نبوت کے زلیخا سے اختلاط کا قصد کیوں ہوا - حضرت امام رضا ع نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا -

لولا ان رای برھان ربہ لھم بھا کما ھمت بہ لکنہ کان معصوما والمعصوم لا یھم بذنب -

زلیخا نے حضرت یوسف ع سے مخالطت اور صحبت کا ارادہ کیا اور اگر حضرت یوسف اپنے پروردگار کے برہان کا مشاہدہ نکرتے تو حضرت یوسف بھی اُس سے مخالطت کا قصد فرماتے لیکن حضرت یوسف ع معصوم تھے اور معصوم کسی گناہ کا قصد نہیں کرتا

یہ سنکر ماموں کہنے لگا - للہ درک یا ابا الحسن - اور آیہ مبارکہ میں برہان پروردگار سے نور عظمت اور روشنی نبوت و عصمت مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ حضرت یوسف ع اگر اپنے میں نور نبوت و عصمت کا معائنہ نکرتے تو البتہ اس فعل شنیع کے مرتکب ہو سکتے تھے لیکن چونکہ اُن میں نور عظمت و جلالت موجود تھا

اس لئے وہ اس قول ناشائستہ اور اسکے ارادہ سے باز رہے بہر حال حضرت یوسف ع کے معصوم ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ اور لوگوں کا اُنکے متعلق لغو اور مہمل واقعات کو بیان کرنا اُنکے دامن عصمت پر دھبہ نہیں لگا سکتا۔

اور جن لوگوں نے جناب یوسف ع کے متعلق اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں ایسے اُمور سے کام لیا ہے جو معمولی آدمی کے لئے بھی تجویز نہیں کئے جاتے وہ نبوت کی منزلت اور نبی کی شان سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان اُمور کو علامۂ زمخشری نے تفسیر کشاف میں نقل کرکے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسی پر اقتصار کیا جاتا ہے۔

هذا ونحوه مما يورده اهل الحشو والجبر الذين دينهم بهت الله تعالى وانبيائه واهل العدل والتوحيد ليسوا من مقالاتهم ورواياتهم بحمد الله بسبيل ولو وجدت من يوسف عليه السلام ادنى زلة لنعيت عليه وذكرت توبته واستغفاره كما نعيت على آدم زلته و على داؤد وعلى نوح و على ايوب وعلى ذي النون وذكرت توبتهم واستغفارهم كيف وقد اثنى عليه و سمي مخلصا۔

یہ اُمور اور ان کی امثال وہ ہیں جنہیں ارباب حشو و جبر وارد کرتے ہیں جنکا دین و مذہب ہی یہ ہے کہ وہ خدا اور اُس کے رسولوں پر افترا کیا کریں۔ لیکن ارباب عدل و توحید (معتزلہ) کے کلام میں یہ اُمور نہیں دکھائی دیتے۔

اگر حضرت یوسف سے کہیں کوئی معمولی سی معمولی لغزش ہو بھی جاتی تو ضرور جناب باری کچھ اُن کی تشنیع و ملامت کرتا اور اسپر وہ حضرت توبہ و انابت کرتے اور یہ سب باتیں قرآن شریف میں مذکور ہوتیں جسطرح کہ حضرت آدم ع و داؤد ع و نوح و ایوب و یونس کی کچھ لغزشیں اور اسکے بعد ان حضرات کی توبہ و استغفار کا قصہ مذکور ہے لیکن صفحات قرانی پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اُمور کا تذکرہ حضرت یوسف ع کے بارہ میں کہیں نہیں ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے جا بجا اُن کی مدح و ثنا موجود ہے اور مخلص کے لقب سے ممتاز کیا ہے۔

فعلم بالقطع انه ثبت فی ذلك المقام
الدحض وانه جاهد
نفسه مجاهدة اولی
القوة والعزم ناظرا
فی دلیل التحریم
و وجه القبح حتی استحق
من الله الثناء فیما انزل
من کتب الاولین
ثم فی القران الذی
هو حجة علی سائر
کتبه و مصدق لها
ولم یقتصر الا علی
استیفاء قصته وضرب
سورة کاملة علیها
لیجعل له لسان صدقٍ فی
الاخرین کما جعله لجده الخلیل
ابراهیم ولیقتدی به
الصالحون الی اخر الدهر فی
العفة وطیب الازار و
والتثبت فی مواقف العثار
فاخزی الله اولئك فی ایرادهم

پس یقین کرلینا چاہئے کہ ایسے خطرناک موقع پر جہاں
قرار وثبات دشوار ہے حضرت یوسف ع کا دامن عفت لغزش
کے بدنما دھبے سے بالکل پاک وصاف رہا ہے۔ اور حضرت نے
ایسا جہاد نفس فرمایا ہے جیسا کہ صاحبان قوت وعزم جہاد
کرتے ہیں اور ایسی سخت سے سخت حالت میں بھی دلائل
حرمت و وجہ قبح پر نظر رکھتے تھے کہ جسکی وجہ سے وہ حضرت
اس امر کے مستحق ہوئے کہ جناب باری نے اُن کی مدح و ثنا
اُن آسمانی کتابوں میں فرمائی جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں
اور اُسکے بعد قرآن مجید میں بھی جو باقی کتب سماویہ پر حجت الٰہی ہے
اور جسکے آیات و بینات ان کتابوں کی مصدق ہیں ثنا و ستائش
کی اور اسی پر اقتصار نہیں فرمایا بلکہ حضرت کا مفصل قصہ ایک علیحدہ
سورہ میں بیان فرما دیا تاکہ آنے والی نسلیں اس پر اثر قصہ سے
سبق حاصل کریں اور عفت و پرہیزگاری اور عصمت و پرہیزگاری
اور خطرناک موقعوں پر اپنے کو ثابت قدم رکھنے میں اُن (حضرت
یوسفؑ) کی اقتدا کریں خداوند عالم ارباب حشو و جبر کو اپنی رحمت سے
دور رکھے اُنکا کلام اس امر کی طرف منجر ہوتا ہے کہ گویا (نعوذ باللہ)
خدا نے ایک ایسا سورہ نازل فرمایا جو احسن القصص ہے اُسکی
ایک آیت کا یہ مقصود ہے کہ لوگ ایک پیغمبر کی اُس ذلیل امر میں اقتدا کریں
ایک زنا کرنے والی عورت کے پاؤں کے درمیان بیٹھنا
بوجہ حرام مباشرت کرنے کی قصد سے کمربند کھولنا۔ اور ایسے امر عظیم
کے بجا لانے اور حرکت قبیحہ کے صادر کرنے میں مستقل بنا

مایودی الی ان یکون انزال اللہ السورۃ التی ھی احسن القصص فی القرآن العربی المبین لیقتدی بنبی من انبیاء اللہ فی القعود بین شعب الزانیۃ وفی حل تکتہ للوقوع علیھا وفی ان ینھاہ ربہ ثلث کرات ویصاح بہ من عندہ ثلث صیحات بقوارع القرآن وبالتوبیخ العظیم وبالوعید الشدید وبالتشبیہ بالطائر الذی سقط ریشہ حین سفد غیر انثاہ وھو جاثم فی مربضہ لا یتحلحل ولا ینتھی ولا ینتبہ حتی یتدارکہ اللہ بجبرئیل وباجبارہ ولو ان اوقح الزناۃ واشطرھم واحدھم حدقۃ واجلحھم وجھا لقی بادنی مالقی بہ نبی اللہ مما ذکروا لما بقی لہ عرق ینبض ولا عضو یتحرک فیالہ من مذھب ما افحشہ ومن ضلال ما ابینہ

اور اُسکے قبیح پر متنبہ ہونا جس سے روکنے کے لئے اُسکا پروردگار تین تین مرتبہ آیات قرآنی کے ضمن میں بآواز بلند سرزنش و ملامت کرے یہانتک کہ تہدید و وعید کے لئے اُس جانور سے تشبیہ دے جسکے پر و بال اس بُری حرکت کی وجہ سے گر گئے ہوں اور وہ پرواز سے بالکل مجبور ہو گیا ہو۔ پھر خداوند عالم جبرئیل ایسے جلیل القدر فرشتہ کو منع کرنے کے لئے بھیجے حالانکہ اگر کوئی انتہا درجہ کا زنا کار اور اعلیٰ درجہ کا دلیر بھی مذکورہ بالا ملامت و سرزنش اور تہدید و وعید کو ملاحظہ کرے جسکو یہ لوگ ایک پیغمبر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں تو ہرگز ہرگز اُسکی رگوں میں حرکت اور اعضا میں قوت باقی نہیں رہ سکتی۔ افسوس اور تعجب ہے کہ ان لوگوں نے کیونکر ایسا مذہب اختیار کیا جس سے فحش و غلاظت میں بالاتر کوئی مذہب متصور نہیں ہو سکتا۔ اور جس کی گمراہی ظاہر تر ہے۔ انتہی ملخص کلام الزمخشری

صاحب کشاف نے ایسے جسارت کرنے والے لوگوں کی نسبت جو کچھ رقم فرمایا وہ نہایت مناسب ہے لیکن خود صاحب کشاف کے کلام میں بعض مواقع قابل نظر ہیں مثلاً حضرات انبیاء حضرت آدمؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ایوبؑ۔ حضرت یونس علیہم السلام سے لغزش و تقصیر کا ثابت ہونا۔ دراصل یہ کلام اُن کے اس اعتقاد کا نتیجہ ہے کہ انبیاء سے معصیت صغیرہ یعنی لغزش صادر ہو سکتی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ انبیاء کی شان

دوسرا جواب یہ کہ ہم کو اُن لوگوں پر نظر کرنی چاہیئے جو جناب یوسفؑ کے واقعہ سے واقفیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے ان واقعات کو دیکھکر حضرت یوسفؑ کی متعلق کیا خیال قائم کیا ہے۔ اور اُن کی اس بارہ میں کیا رائے ہے اور انھوں نے حضرت کے برأت کے متعلق کیا شہادت دی ہے اُسکے بعد اس امر کا آسانی سے فیصلہ ہو سکیگا کہ عصمت حضرت یوسفؑ پر جو حملہ کیا جاتا ہے وہ کس حد تک قابل اعتنا ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہ اشخاص جو اس قصہ سے واقفیت رکھتے تھے اُن کی تعداد سات سے زائد نہ تھی۔

اول حضرت یوسفؑ کہ جنکی طرف ہر جگہ روئے خطاب ہے۔

دوم۔ زلیخا جسکے ساتھ حضرتؑ کو متہم کیا جاتا ہے۔

سوم۔ عزیز مصر جو زلیخا کا شوہر ہے۔

چہارم۔ وہ عورتیں جنکو زلیخا نے اس واقعہ پر مطلع کرنے کے لئے طلب کیا تھا۔

پنجم۔ وہ گواہ جسکو حضرت یوسفؑ نے اپنے دعوی کی تصدیق کیلئے طلب کیا تھا۔

ششم۔ جناب باری عزّ اسمہ۔

ہفتم۔ ابلیس کہ جو سلسلۂ فساد و افساد کا محرک تھا۔

ان سب نے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کا اعتراف کیا اور اس امر کی شہادت دی کہ اُنکا دامن عفت کسی معصیت کی نجاست سے آلودہ نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں کسی منصف کا اُسکے خلاف دعوے کرنا قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان سب کی شہادتیں کتاب ربانی میں موجود ہیں جنکا اس مقام پر تذکرہ کر دینا ضروری ہے۔

حضرت یوسفؑ کی پہلی شہادت

جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے بدی کا ارادہ کیا اور جناب یوسفؑ وہاں سے چلدیے تو زلیخا نے [illegible]

قریب زلیخا کا شوہر بھی ملگیا۔ زلیخا کہنے لگی کہ جو تیری زوجہ سے بدی کا ارادہ کرے اسکی سزا اسکے علاوہ کیا ہے کہ اسکو مقید کر دیا جائے یا دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اس وقت حضرت نے اپنی پاکدامنی کو اسطرح بیان فرمایا۔

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (پارہ ۱۲ — سورہ یوسف) اُس عورت نے مجھے خود مائل کرنا چاہا

حضرت یوسف کی دوسری شہادت۔ جب حضرت یوسف کو فعل قبیح کے بجا نہ لانے پر قیدی ہوجانیکی دھمکی دی تو آپنے اپنی نفرت کو درگاہ باری میں اس طرح ظاہر کیا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ (پارہ ۱۲ — سورہ یوسف) } پروردگارا جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اُسکی بہ نسبت مجھے قید زیادہ پسند ہے

حضرت یوسفؑ کی دونوں شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں آپکا ذرہ برابر قصور نہ تھا اور آپ نے ہرگز ہرگز معصیت کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ آپ اُس سے سخت متنفر تھے۔

زلیخا کی پہلی شہادت۔ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی عصمت اور اپنی معصیت کو اسطرح بیان کیا۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (پارہ ۱۲ — سورہ یوسف) } مینے خود اُسکو پھسلانا چاہا مگر وہ معصوم ثابت ہوئے۔

زلیخا کی دوسری شہادت۔ جسوقت عورتیں بُلائی گئیں اور حقیقت حال منکشف ہوگئی تو زلیخا کہنے لگی۔

اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ (پارہ ۱۲ — سورہ یوسف) } اب تو حق کھل ہی گیا میں نے اُسکو پھسلانا چاہا تھا۔

زلیخا کے بیانات اس کے لئے کافی ثبوت ہیں کہ حضرت یوسفؑ معصوم رہے

اور جسقدر قصور ہوا وہ زلیخا کی طرف سے اور درحقیقت اہل انصاف کے لئے زلیخا کی شہادت کے بعد کسی دوسری شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ جب ایک فریق خود قبول کرلے کہ اُسکا مخالف حق پر ہے اور وہ خود باطل پر تو پھر کسی اور شہادت کی کیا ضرورت ہے۔

عزیز مصر کی شہادت۔ جب عزیز مصر نے دیکھ لیا کہ حضرت یوسفؑ کا پیراہن عفت اس آلودگی سے شستہ ہے تو اپنی عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا۔

إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } یہ تم عورتوں کا مکر ہے اور تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔

زنان مذکورہ کی پہلی شہادت۔ علامہ زمخشری کشاف میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز مصر کی خواص میں سے پانچ عورتیں شہر مصر میں بیٹھی ہوئی زلیخا کا عیب بیان کر رہی تھیں کہ عزیز مصر کی زوجہ اپنے غلام (حضرت یوسفؑ) پر عاشق ہو گئی ہے اور اس سے آرزوئے وصال رکھتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اُسکے دل میں یوسف کی محبت و اُلفت جگہ کر گئی ہے لیکن ہمارے خیال میں وہ اپنی اس حرکت سے سخت گمراہی میں ہے کیونکہ عزیز مصر ایسے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ ایک زرخرید غلام سے دل لگا رہی ہے۔

اِس واقعہ کو رب العزت نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف) } عزیز مصر کی بیگم اپنے غلام کو پھسلاتی ہے اُسکی محبت اُسکے دل میں بیٹھ گئی ہے بے شک ہم تو اُسکو کھلی غلطی میں پاتے ہیں۔

زنان مذکورہ کی دوسری شہادت۔ جب شاہی قاصد حضرت یوسفؑ کو قید خانہ سے لینے کے لئے آیا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اپنے آقا کے

پاس پلٹ جاؤ اور اُس سے کہدو کہ اول اُن عورتوں کے بارہ میں تحقیق کر لی جنہوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے - بادشاہ نے اُن عورتوں کو بلا کر دریافت کیا کہ تم نے جب یوسف کو پھسلایا تو تمہاری کیا کیفیت تھی اُنہوں نے جواب دیا -

حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ پارہ ۱۲ سورہ یوسف

حاشا للہ ہمنے اُس میں کوئی بدی نہیں پائی -

گواہ کی شہادت - جب حضرت یوسف نے اس فعل شنیع کے ارادہ کی نسبت زلیخا کی طرف دی اور ظاہر فرمایا کہ میرا دامن عفت اس آلائش سے پاک و صاف ہے - تو عزیز مصر نے یہ کہا کہ مجھے اس کی راستی کیونکر معلوم ہو کیونکہ تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس واقعہ سے واقفیت رکھنے والا نہیں ہے - حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ ایک چار ماہ کا بچہ اُس مکان میں تھا - عزیز مصر نے کہا بھلا اتنا چھوٹا بچہ واقفیت ہی کیا رکھ سکتا ہے - اور پھر وہ کلام کیونکر کر سکتا ہے - حضرت یوسف نے جواب دیا کہ میرا خدا تو اسپر قادر ہے - یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے - عزیز مصر نے اُس لڑکے کو بلا کر پوچھا کہ تو اس بارہ میں کیا کہتا ہے - وہ بچہ بقدرت خدا گویا ہو کر کہنے لگا -

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ پارہ ۱۲ سورہ یوسف

اگر یوسف کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹے ہیں اور اگر اسکا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں -

پس جب نظر کی گئی تو حضرت یوسفؑ کا دامن پیچھے سے پھٹا ہوا ملا - اُسوقت عزیز مصر نے حضرت یوسف کے کلام کی تصدیق کی اور اس بچہ کی شہادت حضرت یوسف کی عصمت پر بہت زبردست شہادت قرار پائی -

خداوند عالم کی شہادت - خداوند عالم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت و بے گناہی پر اسطرح شہادت دی -

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ پارہ ۱۲ سورہ یوسف

یہ اس لئے کہ ہمنے اُنسے بدی اور بیحیائی کی بات کو دور رکھا بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے -

پہلے تو خداوند عالم نے اس امر کی خبر دی کہ زلیخا نے یوسف سے مباشرت کا ارادہ کیا اور اگر یوسف اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ لیتے تو زلیخا کا قصد فرماتے مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت یوسف ع نے خداوند عالم کے برہان کا مشاہدہ کر لیا تھا اس لئے اُنہوں نے زلیخا کا قصد نفرمایا اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ اسیطرح ہمنے یوسف کو اطاعت حق میں ثبات قدم عطا کیا اور اپنے برہان کو اُنہیں دکھلا دیا تاکہ اُنسے بدی اور افعال ناشائستہ (زنا وغیرہ) کو دور کریں اس لئے کہ وہ (یوسف ع) ہمارے خالص بندوں میں داخل ہے اور یہ کہ ہمنے اُنکو ہر ناشائستہ کام سے پاک کیا ہے -

اس آیہ مبارکہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت بہ صراحت ثابت ثابت ہوتی ہے جسکے بعد کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا -

ابلیس کی شہادت - ابلیس کل انبیاء کی عصمت پر جنمیں حضرت یوسف بھی داخل ہیں گواہی دیتا ہے خداوند عالم نے ابلیس کے قول کو قرآن شریف میں اسطرح ذکر فرمایا ہے -

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ پارہ ۲۳ سورہ ص

تیری ہی عزت کی قسم ان میں سے تیرے خالص بندوں کو چھوڑکر اور تو میں سب ہی کو بھکاؤنگا -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے گمراہ کرنیکا اثر خدا کے خالص بندوں تک نہیں پہونچ سکتا اور اس میں شبہ نہیں کہ حضرت یوسف خدا کے خالص بندوں میں داخل ہیں

جیسا آیۂ وافی ہدایہ اِنَّہٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ دلالت کرتا ہے۔ پس حضرت بھی ہر گمراہی اور گناہ سے پاک و صاف ہوئے اور اُن پر کبھی شیطان کا دسترس نہ ہو سکا۔ بہر حال زائد سے زائد جو لوگ کہ حضرت یوسفؑ و زلیخا کے واقعہ پر مطلع ہو سکتے تھے وہ یہی تھے جنکا تذکرہ کیا گیا۔ اور اُن میں کسی نے بھی دامنِ عفت جناب یوسفؑ کو داغدار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر ایک نے اس امر کی شہادت دی کہ آپ معصوم ہیں۔ ان کے علاوہ کسی ایسے شخص کو جو اس واقعہ پر مطلع نہیں حضرت کی عصمت پر حملہ کرنے اور اس کے لئے طرح طرح کی فحش اور لغو واقعات بیان کرنیکا کیا مجاز ہو سکتا ہے۔ پس جو لوگ کہ حضرت یوسفؑ سے اس فعل کے سرزد ہونے کے قائل ہیں اگر وہ تابعین حق میں سے ہیں تو اُن کے لئے حضرت یوسفؑ کو معصوم سمجھنے کے لئے حق تعالےٰ کی شہادت کافی ہے اور اگر وہ لوگ تابعین شیطان سے ہیں تو اُن کو کم از کم اُسکے تابع ہونیکی حیثیت سے شیطان ہی کے شہادت کو کافی سمجھ کر عمل کرنا چاہئے اور خیال کرنا چاہئے کہ جب شیطان خود اُنکی عصمت کا اقرار کرتا ہے تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ جب حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کی روانگی کا سامان کر چکے تو شاہی پیمانہ جو دراصل پانی پینے کا برتن تھا اپنے بھائی کے اسباب میں رکھوا دیا پھر آپ کے مؤذن (منادی) نے ندا دی۔

اَیَّتُهَا الۡعِیۡرُ اِنَّكُمۡ لَسٰرِقُوۡنَ ۝ پارہ ۱۳ سورۂ یوسف } اے قافلہ والو تم سارق ہو۔

پس حضرت نے اُن کی طرف چوری کی نسبت دلائی حالانکہ وہ سارق نہ تھے۔

اور اس اعتراض کا جواب کئی وجہوں سے ہو سکتا ہے۔

پہلی وجہ ممکن ہے کہ یہ آواز حضرت یوسف کے حکم سے نہ دی گئی ہو۔ بلکہ لوگوں نے جب شاہی پیمانہ کو لاپتہ پایا ہو تو اُن لوگوں نے خیال کیا ہو کہ شاید قافلہ والوں میں سے

کسی نے چرالیا ہو ورنہ نہ ملنے کی کوئی وجہ نہیں اور اُنہیں سے ایک شخص نے بڑھکر خود ہی آواز دیدی ہو۔ اس صورت میں حضرت یوسفؑ پر یہ الزام نہیں ہو سکتا کہ اُنہوں نے قافلہ والوں کو باوجود چوری نکرنے کے چور بنایا۔

دوسری وجہ قافلہ والوں کو جو ندا دی گئی یہ کسی شخص نے خود ہی ایسا کیا ہو یا حضرت یوسفؑ نے ندا دلوائی ہو اور اُن (قافلہ والوں) کے سارق ہونے سے یہ مراد ہو کہ اُنہوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے باپ سے چرایا ہے۔ اس صورت میں نہ ندا دینے والا جھوٹا ہو سکتا ہے نہ حضرت یوسفؑ پر کوئی الزام آسکتا ہے۔ تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نہ تو اُسوقت بھائیوں نے چوری کی تھی اور نہ یوسفؑ نے غلط فرمایا اُنہوں نے یہ ندا دلوائی کہ تم چور ہو تو اسکا یہ مطلب تھا کہ تم نے یوسف کو اُن باپ سے چُرایا۔

تیسری وجہ۔ ممکن ہے کہ یہ جملہ مقام استفہام میں وارد ہوا ہو اور مراد یہ ہو کہ کیا تم لوگ چور ہو اس صورت میں بھی حضرت یوسفؑ پر کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔

تیسرا اعتراض حضرت یوسف نے عزیز مصر سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ زمین کے خزانوں پر ان کو معین کردے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی خواہش کو جو عزیز مصر سے کی تھی یوں بیان فرمایا ہے۔

اِجْعَلْنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۵ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) اس ملک کے سب خزانوں پر مجھے معین کردو۔ اور کسی ظالم سے ولایت کا طلب کرنا معصیت ہے۔

جواب۔ حضرت یوسفؑ نے جو کچھ طلب کیا تھا وہ انکا حق تھا بلکہ اُنپر واجب تھا تاکہ اُسکو برمحل صرف کرکے اُن حقوق کو ادا کریں جو اُنپر واجب ہیں۔

چوتھا اعتراض جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائی مصر میں آئے ہیں تو سب نے اُن کو سجدہ کیا۔ جس کو خداوند عالم نے قرآن شریف میں بھی

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ
پارہ ۱۳ سورہ یوسف
اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے۔

سجدہ غیر خدا کے واسطے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت یوسف کا اس سجدہ پر راضی رہنا داخل معصیت ہوگا۔

اسی طرح حضرت یعقوب پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ باوجود اس امر کے کہ وہ خود نبی تھے اُنہوں نے حضرت یوسف ؑ کو کیوں سجدہ کیا کیا اُنکو معلوم نہ تھا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ نہیں ہو سکتا۔

اور اس اعتراض کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے حضرت یوسف ؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ خداوند عالم کو سجدہ کیا تھا۔ اگرچہ حضرت یوسف ؑ کے سبب سے کیا۔ اور آیۂ مبارکہ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے یہی معنے ہیں کہ حضرت یوسف کی سبب سے سجدہ کیا نہ یہ کہ حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ انما صلیت بوصولی الی اھلی اس کے معنی یہ ہیں کہ مینے اپنے اہل تک پہونچنے کی سبب سے خدا کی نماز پڑھی نہ یہ کہ اپنے اہل تک پہونچنے کو نماز پڑھی۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ اِنَّمَا صمت لشفائی من مرض اسکی معنی یہ ہیں کہ مینے مرض سے شفا پانیکی سبب سے خدا کے لئے روزہ رکھا نہ یہ کہ مرض سے شفا پانیکو روزہ رکھا۔ اگر انما صلیت کو صولی الی اھلی کے یہ معنی لئے جائیں کہ مینے اپنے اہل تک پہونچنے کی نماز پڑھی اور انما صمت لشفائی من مرض کے یہ معنی لئے جائیں کہ مینے مرض سے شفا پانے کو نماز پڑھی تو آیۂ مبارکہ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے بھی یہ معنے لئے جائیں کہ اُنہوں نے یوسف کو سجدہ کیا لکن جبکہ پہلے دونوں فقروں میں یہ معنے مراد نہیں ہو سکتے اور وہاں یہی معنی ہیں

که مینے اہل تک پہونچنے کی وجہ سے خدا کی نماز اور شفا پانیکی وجہ سے خدا کا
روزہ رکھا تو آیۂ مبارکہ میں ان معنوں کا مراد لینا کیوں نہ جائز ہوگا کہ حضرت یعقوبؑ
وغیرہ نے حضرت یوسفؑ کی وجہ سے خدا کو سجدہ کیا۔ اور اس صورت میں نہ جناب
یعقوبؑ کے سجدہ کرنے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ جناب یوسفؑ کی
راضی رہنے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس سجدہ سے حضرت
یوسفؑ کی تعظیم اور خداوند عالم کی عبادت اور اُسکا شکر مد نظر تھا۔ چنانچہ تفسیر قمی
میں حضرت امام علی نقیؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ سے دریافت کیا گیا تھا کہ
حضرت یعقوب اور اُنکے بیٹوں نے باوجودیکہ نبی اور اولاد نبی تھے حضرت
یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت یعقوبؑ اور اُنکی
بیٹوں نے حضرت یوسف کو سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ اُنکا سجدہ حضرت یوسفؑ کو
تعظیم دینے کے لئے تھا اور خداوند عالم کی اطاعت ظاہر کرنے کے لئے
جیساکہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا جسمیں خدا کے حکم کی اطاعت
منظور تھی اور حضرت آدم کے لئے تعظیم۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ اور اُنکی
بیٹوں اور خود حضرت یوسف نے اس پریشانی کے مرتفع ہو جانیکے سبب
خدا کا شکریہ ادا کیا کیا تم نہیں دیکھتے کہ یوسفؑ نے اُسی وقت شکر خدا
میں عرض کیا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ | اے میرے پروردگار بالتحقیق تونے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا اور باتوں کی مجھے تعبیر یعنی مناسب سمجھی سکھائی ۱۲

شبہ۔ اس جواب پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کا اسکے بعد یہ کہنا۔

یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف) کہ ای بابا جان میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے

اس بات کو بتلاتا ہے کہ حضرت یعقوب اور اُنکی اولاد نے سجدہ حضرت یوسفؑ ہی کو

کیا تھا نہ خداوند عالم کو اس لئے کہ حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں جسکو خداوند عالم نے قرآن مجید میں اسطرح ذکر فرمایا ہے۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ پارہ ۱۲ سورہ یوسف } (اسوقت کو یاد کرو) جبکہ یوسف نے اپنے والد سے عرض کی کہ بابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے انھیں اپنی طرف سجدہ کرتی ہوئی دیکھا۔

اور ان چیزوں کا سجدہ خدا کے لئے نہ تھا بلکہ حضرت یوسف کے لئے تھا پس جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ

هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ پارہ ۱۳ سورہ یوسف } پہلے جو میں خواب دیکھ چکا ہوں اسکی یہ تعبیر ہے۔

خواب میں جو سجدہ ہوا تھا وہ حضرت یوسف کے لئے تھا اور جب یہ اسکی تعبیر ہے تو یہ سجدہ بھی حضرت یوسف کے لئے ہوگا۔

پہلا جواب۔ آیۂ مبارکہ میں لفظ هٰذا کا مشار الیہ سجدہ مذکورہ نہ لیا جائے بلکہ اس کا مشار الیہ وہ ملک و سلطنت لیجائے جو حضرت یوسف کے لئے من جانب اللہ حاصل ہوئی تھی اور حاصل مراد یہ ہو کہ میرا یہ ملک و سلطنت میری اسی خواب کی تعبیر ہے جسکو میں نے قبل ازیں دیکھا تھا اور اس صورت میں یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ سجدہ مذکورہ حضرت یوسفؑ کے لئے واقع ہوا۔

دوسرا جواب۔ اس امر کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف بمنزلہ قبلہ ہوں اور سجدہ خدا کے لئے کیا گیا ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی کوئی خرابی پیش نہیں آتی

تیسرا جواب ممکن ہے کہ اس زمانہ میں سجدہ تحیہ جائز ہو اور ان حضرات نے حضرت یوسفؑ کو سجدہ تحیہ کیا ہو اس لئے کہ حرام تو وہ سجدہ ہے جو غیر خدا کو بروجہ عبادت کیا جائے

عصمت حضرت موسیٰؑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر بھی مخالفین عصمت نے کئی اعتراض کئے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص پر ایک قبطی نے کچھ ظلم و زیادتی
اور اسکے مار ڈالنے کا ارادہ کیا جبکہ وہ اسرائیلی حضرت موسیٰ کے پاس فریادی بنکر آیا۔
حضرت موسیٰؑ نے اُس قبطی کو قتل کر ڈالا۔ اگر حضرت موسیٰ کا یہ فعل ظلم نہ تھا تو اسپر
حضرت موسیٰؑ کو نادم ہونے اور یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (پارہ ۲۰ سورہ قصص) } یہ شیطان کا عمل (کارروائی) تھی بیشک وہ بہکانے والا (اور) کھلا دشمن ہے۔

اور درگاہ باری میں یہ عرض کرنیکی کیا حاجت تھی۔

رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ (پارہ ۲۰ سورہ قصص) } اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھے بخشدے۔

اور اگر حضرت موسیٰؑ کا یہ فعل ظلم پر مبنی تھا تو یہ عصمت کے خلاف ہے۔

جواب ممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اُس قبطی کو عمداً قتل نکیا ہو اور نہ اسکے قتل کا ارادہ فرمایا ہو۔ بلکہ جب آپنے اس امر کو مشاہدہ فرمایا کہ قبطی آپ کے ایک شیعہ پر ظلم کر رہا ہے اور اُسے ناحق قتل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے ارادہ فرمایا ہو کہ اُس اسرائیلی کو بچالیں اور قبطی کو اُس سے دور کر دیں۔ پس اُسکے دور کرنے میں بغیر قصد و ارادہ قتل کی صورت پیش آگئی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جناب موسیٰؑ کے علم میں وہ قبطی اپنے کفر کی وجہ سے مستحق قتل ہو۔ اور حضرت موسیٰؑ کو بھی استحبابی حکم ملچکا ہو کہ وقت قدرت تک تاخیر کرو لیکن امر مستحب کو ترک کرنا گناہ نہیں جیسا کہ اس کا تذکرہ بھی ہوچکا ہے۔

اور حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد کہ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اس میں دو احتمال ہیں

پہلا احتمال یہ کہ لفظ ھذا کا مشار الیہ عمل مقتول ہو اور مراد یہ ہو کہ اس مقتول کا عمل عمل شیطان ہے۔ اس صورت میں قول جناب موسیٰؑ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ سے انقطاع اور خدا کی طرف رجوع کرنا مراد ہوگا۔ اور یہ حقوق نعمت کے اعتراف سے کوتاہی ہے یعنی میں تیری بڑی بڑی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں پس جو ثواب کہ شکر پر مترتب ہوتا ہے اُس سے مجھکو محروم نفرمانا۔

دوسرا احتمال یہ کہ استحباب تاخیر کو چھوڑ کر قتل میں جلدی کرنا عمل شیطان ہی ہے کیونکہ تاخیر کی وجہ سے جس ثواب کا استحقاق ہوتا وہ فوت ہو گیا۔

پس اس صورت میں اس امر کا التزام کرلینا پڑیگا کہ شیطان اگرچہ انبیاءؑ پر اس عنوان سے مسلط نہیں ہو سکتا کہ کسی واجب کے چھوٹ جانے یا حرام کے بجالانے کا سبب ہو سکے لکن یہ ممکن ہے کہ بعض مستحبات کو فوت کرلے۔

دوسرا اعتراض۔ جب موسیٰؑ کو خطاب رب الارباب ملا کہ تم فرعون کی طرف جاؤ تو آپ نے درگاہ احدیت میں عرض کیا

رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ۝ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ۝	پروردگارا میں اس سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائینگے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی پس تو ہارون کے پاس (بھی وحی) بھیجدے

پارہ ۱۹ سورہ شعراء

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو خدا کی پیغامبری میں تأمل تھا اور رسالت سے استعفا چاہتے تھے۔ جو انبیاءؑ کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔

جواب۔ جناب موسیٰؑ کو خدا کی پیغامبری میں کچھ تأمل نہ تھا اور نہ رسالت سے استعفا چاہتے تھے بلکہ اپنی زبان میں زیادہ گویائی کی قوت نہ ہونے اور مبلغ کلام نہ کرسکنے کی وجہ سے چاہتے تھے کہ امر رسالت میں ہارون بھی شریک کردیے جائیں تاکہ

جس میں حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا مذکور ہے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ۝	ای میرے پروردگار میرا سینہ میرے لئے کھولدے
وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝	اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھولدے
وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هَارُوْنَ	کہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرا ایک وزیر (بوجھ اُٹھانیوالا)
اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ وَاَشْرِکْهُ	میرے ہی کنبہ میں سے مقرر کردے میرا بھائی ہارون اُسکے ذریعے
فِیْۤ اَمْرِیْ ۝ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا ۝ وَّنَذْکُرَکَ	میری کمر مضبوط کردے اور اُسکو میرے کام میں شریک کردے تاکہ ہم بہت تیری پاکی
کَثِیْرًا ۝ اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ)	بیان کریں اور بہت تجھے یاد کیا کریں بیشک تو ہمارے حال سے خوب آگاہ ہے

تیسرا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے ارشاد فرمایا۔

اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ (پارہ ۱۱ سورہ یونس)	جو کچھ تمہیں ڈالنا ہو ڈالو۔

اس کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے سحر کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ سحر معصیت ہے اور معصیت کا حکم دینا بھی گناہ ہے جو عصمت کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتا۔

جواب حضرت موسیٰؑ کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنی حجت کو ظاہر کرو تاکہ اُسکو باطل کردیا جائے اور تمہارے دعوے کی حقیقت کھل جائے اور تمہارا جادو باطل اور میرا اعجاز ظاہر ہو۔ بلکہ اسوقت حضرت موسیٰؑ پر واجب تھا کہ وہ اُنسے اس امر کی فرمائش کریں اس لئے کہ اثبات نبوت اسی پر موقوف تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ جب انکا جادو باطل ہو جائیگا تو انمیں سے بہتسے لوگ ایمان لے آئینگے اور یہ فائدہ اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے سحر کی چیزوں کو نہ ڈالیں اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں ڈالنا ہو ڈالو تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔

چوتھا اعتراض جسوقت جادوگروں نے رسیاں اور لکڑیاں ڈالیں اور وہ

جادو سے ایسے معلوم ہونے لگیں کہ گویا دوڑ رہی ہیں تو حضرت موسیٰؑ کو خوف معلوم ہوا جسے خدا نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ۵ پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف معلوم ہوا

حالانکہ خداوند عالم اسکے یہاں وارد ہونے سے قبل اطمینان دلا چکا تھا چنانچہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس آنے کا حکم ہوا اور انہوں نے اپنے خوف اور اُسکی سرکشی کا تذکرہ کیا تو خدا نے فرمایا تھا۔

لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } تم ذرا نڈرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں (جو گذریگی) میں سنونگا اور دیکھونگا۔

باوجود اسکے کہ انکو یہ بشارت دیگئی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو خوف نہ ہونا چاہیئے ظاہر آیت اس امر کو چاہتی ہے کہ آپ کو اپنی نبوت کی صحت میں شک رہا ہو۔

جواب حضرت موسیٰؑ کو اپنے نفس کا خوف نہ تھا بلکہ اس خیال سے خوف پیدا ہوا تھا کہ مبادا یہ لوگ میرے معجزہ کو بھی دیکھکر ایمان نہ لائیں شقاوت و بدبختی کی تاریکیوں میں مبتلا رہیں اور معجزہ کا ظاہر کرنا عبث اور بے کار ہوجائے اور ظاہر بین نظریں خیال کریں کہ یہی لوگ غالب رہے اور حضرت موسیٰ کی حجت واضح نہوئی جسپر خداوند کا ارشاد جو اسوقت حضرت موسیٰؑ سے فرمایا تھا کہ۔

لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۵ پارہ ۱۶ سورہ طہٰ } ڈرو نہیں غالب تو تم ہی رہوگے۔

شاہد ہے اور اسی مطلب پر جناب امیرؑ کا قول بھی دلالت کرتا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لم یوجس موسیٰؑ خیفۃ علی نفسہ اشفق من غلبۃ الجہال و دول الضلال۔ } موسیٰ اپنی ذات کیلئے نہیں ڈرتے تھے بلکہ انکو یہ خوف تھا کہ کہیں جاہل غالب آجائیں اور گمراہی نہ پھیل جائے۔

اس مطلب کو احقر العباد نے آسانی کے لئے اس طرح نظم کر دیا ہے۔

وَمَا شَكَّ موسیٰ فی نبوۃ نفسه ‌ ‌ ولکنّه قد خاف سطوة جهال

(اور حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت میں شک نہیں کیا تھا ‌ ‌ بلکہ جاہلوں کے غلبہ سے آپکو خوف عارض ہوا تھا)

اور حضرت موسیٰؑ کے متعلق دیگر مباحث کا دوسرے مقام پر تذکرہ ہو چکا ہے یہاں پر اعادہ کرنا خالی از تطویل نہیں ہے۔

تتمّہ۔ جسطرح کہ انبیاءؑ کا معصوم ہونا ضروری ہے جسکی بقدر ضرورت اسی مقام پر شرح کی گئی اسیطرح انبیاءؑ کا اُن جملہ امور سے منزہ ہونا بھی لازم ہے جو باعتبار عادت موجب نفرت اور سبب کراہت ہوتے ہیں تاکہ فائدہ بعثت حاصل ہو ورنہ نقض غرض لازم آئیگا جس کا حکیم مطلق سے واقع ہونا محال ہے خواہ وہ امور نسب سے تعلق رکھتے ہوں جیسے آباء و اجداد کا کافر یا فاسق ہونا یا اُن کا خسیس پیشوں کو اختیار کرنا یا اُنکے امہات کا فسق و فجور کے ساتھ متہم ہونا۔

یا وہ امور طبعی ہوں جیسے ترش رو درشت کلام ہونا۔ یا جذام۔ برص سلس الریح یا اُبنہ وغیرہ میں مبتلا ہونا۔

یا وہ امور اخلاق سے متعلق ہوں جیسے حاسد ہونا۔ دنیا پر حریص ہونا۔ کینہ ور ہونا اور اسی طرح نبی کا کمال عقل اور غایت فطانت اور شدت ذکاء اور قوت رائے کے ساتھ موصوف ہونا بھی ضروری اور اُنکے اضداد و منافیات سے پاک و منزہ ہونا لازم ہے پس نبی کا ضعیف الرائے یا اپنے امور میں متردد ہونا صحیح نہوگا اس لئے کہ ایسے شخص سے لوگ باعتبار عادت نفرت کرتے ہیں جس کا غرض بعثت کے منافی ہونا معلوم ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے کسی نبیؑ کو بغیر کمال عقل و اصابت رائے کے مبعوث نہیں کیا تاکہ لوگ اُسکی اطاعت کریں چنانچہ مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے اوصاف انبیاءؑ کا اس طرح تذکرہ ہوا ہے کہ

ان الله مكن انبيائه من خزائن لطفه وكرمه ورحمته وعلمهم من مخزون علمه وافردهم من جميع الخلائق لنفسه فلا يشبه اخلاقهم واحوالهم احد من الخلائق اجمعين اذ جعل وسائل سائر الخلق اليه وجعل حبهم وطاعتهم سبب رضاه وخلافهم وانكارهم سبب سخطه وامر كل قوم باتباع ملة رسولهم ثم الى ان يقبل طاعة احد الا بطاعتهم ومعرفة حقهم و حرمتهم ووقارهم وتعظيمهم وجاههم عند الله فعظم جميع انبياء الله ولا تنزلهم بمنزلة احد من دونهم لا تتصرف بعقلك في مقاماتهم واحوالهم واخلاقهم الا ببيان محكم من عند الله واجماع اهل البصائر بدلائل تتحقق بها فضائلهم ومراتبهم

حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اپنے لطف و کرم اور رحمت کے خزانوں پر متمکن کیا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ اسرار کی انکو تعلیم کی ہے اور تمام مخلوقات سے انکو اپنے نفس کے لئے ممتاز فرمایا ہے۔ پس ان کے اخلاق اور احوال سے کسی مخلوق کے اخلاق و احوال مشابہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے انکو باقی مخلوقات کے لئے اپنی طرف وسیلہ قرار دیا ہے اور ان کی محبت و طاعت کو اپنی خوشنودی کا سبب اور ان کی مخالفت و نافرمانی کو اپنی ناراضی کا سبب قرار دیا ہے اور ہر ایک قوم کو ان کے رسول کی شریعت کی اتباع کرنے پر مامور کیا ہے۔ بعد ازاں کسی کی اطاعت کو اسوقت تک قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے جبتک کہ وہ انکی اطاعت نہ کریں اور انکے حق اور حرمت اور وقار اور عظمت اور اس منزلت کی معرفت حاصل نہ کریں جو ان کے لئے پیش خدا حاصل ہے۔ پس تم تمام انبیاء خدا کی تعظیم کرو۔ اور کسی شخص کو قدر و منزلت میں انکے برابر نہ سمجھو۔ اور تم اپنی عقل سے ان کے مقامات و احوال و اخلاق میں اسوقت تک تصرف نہ کرو جبتک کہ منجانب اللہ کوئی بیان محکم یا اہل بصائر کا اجماع ایسا دلیلوں کے ساتھ حاصل نہ ہو جن سے انکے فضائل و مراتب ثابت ہو جائیں

وانى بالوصول الى حقيقة
ما لهم عند الله وان قابلت
اقوالهم وافعالهم بمن دونهم
من الناس اجمعين-
فقد اساءت صحبتهم
وانكرت معرفتهم و
جهلت خصوصيتهم بالله
وسقطت عن درجة حقيقة
الايمان والمعرفة فاياك ثم اياك

اور عقلوں کی اُن مقامات کی حقیقت تک کہاں
رسائی ہو سکتی ہے جو اُن کے لئے پیش خدا حاصل ہیں
اور اگر تم نے اُن کے اقوال و افعال کا اور لوگوں کے
افعال و اقوال سے مقابلہ کیا تو تم نے اُن کی
صحبت کی ناقدری کی اور اُنکی معرفت حاصل
نہ کی اور اُنکی اُس خصوصیت سے جاہل ہے
جو اُنکو خدا کے ساتھ حاصل ہے۔ اور حقیقت
ایمان و معرفت کے درجہ سے تم ساقط ہو گئے۔
پس تم اس سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہو۔ انتہی۔

اور علل الشرائع میں صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
ایک کلام طولانی کے بعض فقرات یہ نقل کئے ہیں کہ۔

الحمد لله المحتجب بالنور دون
خلقه فى الافق الطامح والعز
الشامخ والملك الباذخ فوق
كل شئ علا ومن كل شئ دنا
فتجلى لخلقه من غير ان يكون
يرى وهو يرى وهو
بالمنظر الاعلى فاحب
الاختصاص بالتوحيد
اذا احتجب بنوره وسما
فى علوه واستتر عن خلقه

لائق حمد و شکر ہے وہ خدا جو اپنی مخلوق سے نہایت
بلند مقام میں نور کے ساتھ پوشیدہ ہے وہ اپنی
شرف و بزرگی میں ہر ایک شی سے برتر ہے۔
اور اپنی جود و رحمت میں ہر ایک شی سے قریب ہے
پس وہ اپنی مخلوق کے لئے اپنے جود و کرم کے
نازل کرنے سے ظاہر ہوا۔ بغیر اس کے کہ وہ آنکھوں سے
دکھائی دے اور وہ ہر ایک شی کو دیکھتا ہے
اور وہ اپنی بزرگی میں ہر ایک چیز سے برتر ہے پس جبکہ وہ اپنے نور کی وجہ سے
محجوب اور اپنی بزرگی میں برتر ہوا تو اُس نے چاہا کہ توحید کے ساتھ مخصوص ہو
تاکہ اُسکے بندوں پر اُسکی حجت تمام ہو پس اُس نے اپنے بندوں میں انبیاء کو مبعوث کیا

فيهم النبيين المبشرين ومنذرين
ليهلك من هلك عن بينة ويحيى
من حي عن بينة وليعقل العباد عن
ربهم ما جهلوا وعرفوه بربوبية
بعد ما انكروا و يوحدوه
بالالهية بعد ما اضدوه۔

تاکہ وہ اُنکو ثواب کی بشارت دیں اور عذاب خدا سے
ڈرائیں تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ ختم حجت کے بعد ہلاک ہو
اور جو شخص زندہ رہے وہ ختم حجت کے بعد زندہ رہے
اور بندے اپنے پروردگار کی اُن چیزوں کو سمجھ لیں
جنکو وہ نہ جانتے تھے اور نہ پہچاننے کے بعد اُسکی پروردگاری کی
معرفت حاصل کریں اور ہمسر قرار دینے کے بعد اُسکے معبود یکتا ہونیکا اقرار کریں انتہیٰ بلفظہ

اور نبیؐ کے کمال عقل اور قوت رائے کے متعلق جناب ثقة الاسلام علیہ الرحمہ نے
کافی میں حضرت رسول خدا سے روایت کی ہے کہ۔

ما قسم الله للعباد شيئا افضل من العقل
فنوم العاقل افضل من سهر الجاهل
واقامة العاقل افضل من شخوص
الجاهل ولا بعث الله نبيا ولا رسولا
حتى يستكمل العقل ويكون عقله افضل
من عقول جميع امته وما يضمر النبي
في نفسه افضل من اجتهاد المجتهدين
وما ادى العبد فرائض الله تعالى حتى
عقل عنه ولا بلغ جميع العابدين في
فضل عبادتهم ما بلغ العاقل
والعقلاء هم اولوا الالباب الذين
قال الله تعالى وما يذكر الا

حقتعالی نے بندوں کے لیے کوئی چیز ایسی نہیں
تقسیم کی جو عقل سے بہتر ہو پس عاقل کا سونا جاہل کے
جاگنے سے اور عاقل کا مقیم رہنا جاہل کے سفر کرنے سے
افضل ہوگا اور حقتعالی نے کسی نبی یا رسول کو اُسوقت
تک مبعوث نہیں فرمایا جبتک کہ اُسکی عقل کو کامل
نہیں کر دیا اور نبی کی عقل اُسکی تمام امت کی عقلوں سے
افضل ہوتی ہے اور جس چیز کو کہ نبی اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں وہ
مجتہدین کے اجتہاد سے کہیں بہتر ہے اور کسی بندہ نے خدا کے فرائض
کو اُسوقت تک ادا نہیں کیا جبتک کہ اُس نے عقل کے ذریعہ سے اُن کو
اچھی طرح سمجھ نہیں لیا اور کوئی عابد بھی عبادت کی فضیلت میں اُس حد تک
نہیں پہونچ سکتا جس حد تک کہ عاقل پہونچتا ہے۔ اور عقلا ہی وہ اولوا الالباب
ہیں جنکی نسبت حقتعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اولوا الالباب کے سوا

اور محاسن برقی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سی منقول ہو کہ۔

مابعث الله نبیًا قط الا عاقلا وبعض النبیین ارجح من بعض وما استخلف داؤد سلیمان حتی اختبر عقله واستخلف داؤد سلیمان وهو ابن ثلثة عشر سنة ومکث فی ملکه اربعین سنة وملك ذوالقرنین وهو ابن اثنا عشر سنة ومکث فی ملکه ثلاثین سنة

خدا نے کسی نبی کو اُسوقت تک مبعوث نہیں فرمایا جبتک کہ اُس میں کمال عقل حاصل نہیں ہوا۔ اور بعض انبیاء کو بعض پر عقل میں فضیلت حاصل رہی ہی اور حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اُسوقت تک اپنا خلیفہ نہیں قرار دیا جب تک کہ اُن کی عقل کا امتحان نہیں کرلیا اور حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اپنا خلیفہ اُسوقت قرار دیا تھا جبکہ اُنکا سن شریف تیرہ برس کا تھا اور وہ اپنی بادشاہت میں چالیس برس ٹھہرے رہے۔ اور ذوالقرنین کو اُسوقت بادشاہت حاصل ہوئی تھی جبکہ اُن کا سن مبارک بارہ برس کا تھا اور وہ اپنی بادشاہت میں تیس برس مقیم رہے

اور تفسیر علی ابن ابراہیم میں حضرت امام ابوالحسن علیہ السلام سے بروایت یاسر منقول ہو۔

مابعث الله نبیا الا صاحب مرة سوداء صافیه۔

حق تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہو وہ اعلیٰ درجہ کی قوت عاقلہ کے ساتھ جو خیالات فاسدہ سے منزہ ہو موصوف تھا

له صاحب مجمع البیان نے قول باریتعالیٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى کی ذیل میں لفظ مرہ کی نسبت لکھا ہو

ای قوة فی عقله ورائه ومتانة فی دینه وصحة فی جسمه

وہ اپنی عقل ورائے میں قوت اور اپنے دین میں مضبوطی اور استحکام اور اپنے جسم میں صحت وتندرستی رکھتے ہیں۔

اور کچھ کلام کے بعد لکھتے ہیں۔

والمرة خلط من اخلاط البدن غیر الدم والجمع مرار بالکسر وفیه الحدیث بکسر المرة

اور مرۃ منجملہ اخلاط بدن ایک خلط کا نام ہو جو خون کے علاوہ ہو اور اُسکی جمع مرار ہے اور حدیث میں ہے کہ مرۃ کو سرکہ کھو تا ہو

لما كان صاحب هذه المرة في غلبة الحذق والفطانة والحفظ الكرقد يجامعها الخيالات الفاسدة والجبن والغضب والطيش فلذا وصفها بالصافية اي صافية عن هذه الامور التي تكون في غالب من تغلب عليه هذه المرة من الاخلاق الردية

ازبسکہ جس شخص میں یہ مرہ سودا موجود ہوتی ہے وہ حد درجہ کی حذاقت اور فطانت اور حافظہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے لکن باوجود اس کے کبھی اُس (مرہ سودا) کے ساتھ خیالات فاسدہ اور بزدلی اور غیظ و غضب بھی اکٹھا ہو جاتی ہیں اسلئے حضرت نے اُس (مرہ سودا) کی صفت میں لفظ صافیہ کا بھی اضافہ فرما دیا جس سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے اخلاق رذیلہ سے پاک اور صاف ہو جو ایسے شخص پر باعتبار عادت غالبیہ آجایا کرتے ہیں

اور محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تجرید الاعتقاد میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

ويجب ان يكون في النبي كمال العقل والذكاء والفطنة وقوة الراي

نبی میں کمال عقل اور شدت ذہانت اور قوت رائے اور تدبیر کا موجود ہونا واجب ہے۔

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اسکی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ نبی میں کمال عقل واجب ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اور اسی طرح لازم ہے کہ نبی غایت ذکاء و فطنت اور قوت رائے کے ساتھ موصوف ہو بایں معنے کہ ضعیف الرائے اور اپنے امور میں متردد نہو اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو اعظم منفرات میں داخل ہیں اسی طرح واجب ہے کہ نبی پر سہو و نسیان بھی جائز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴)

اسکے بعد صاحب مجمع البیان نے حدیث مذکور کو وارد کیا ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ حق تعالی جس نبی کو مبعوث کرتا تھا اُسمیں قوت عقل و رائے اور متانت دین و مذہب اور صحت جسمانی حاصل ہوتی تھی اور اُسمیں کوئی خیال فاسد جو اس خلط کے باعتبار عادت لازم قرار پاتا ہے نہیں ہوتا تھا۔ اور سودا بھی ایک خلط کا نام ہے جسکے لئے قوت عقل وغیرہ کے ساتھ خیال فاسد غالبا جمع ہوتا ہے لکن ازبسکہ نبی میں کوئی خیال فاسد نہیں ہوتا تھا اور تنہا اوصاف مذکورہ ہی کے ساتھ موصوف ہوتا تھا اسلئے حدیث میں لفظ صافیہ اُسکے ساتھ زائد کر دیا گیا ۱۲

نہ ہوتا کہ بعض احکام آئیہ میں جنکی تبلیغ پر وہ ما مور ہے سہو نکرے۔

اور علامہ قوشجی تحریر فرماتے ہیں کہ اوصاف مذکورہ کا نبی میں موجود ہونا اسلئے ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص ان صفات کے ساتھ موصوف نہ ہوگا تو اُسکی پیروی میں رغبت نہ ہوگی اور اُسکے اوامر ونواہی کا انقیاد حاصل نہوگا اور بعثت کا فائدہ منتفی ہوگا۔

کلام مذکور کے بعد محقق علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

وعدم ماینتفر عنہ من دناءۃ الاباء وعھر الامھات والفظاظۃ والغلظۃ وشبھھا والاکل علی الطریق وشبھہ۔

(اسی طرح) نبی کا اُن چیزوں سے منزہ ہونا بھی لازم ہے جنسے کہ نفرت اور کراہت کیجاتی ہے جیسے کہ اُس کے آباء واجداد کا دنی اور ذلیل ہونا اور اُس کے امہات کا مرتکب قبیح ہونا یا اس (نبی) کا سخت کلامی اور تند خوئی وغیرہ کے ساتھ موصوف ہونا اور اُس کا راستہ گلی میں کھانا پینا وغیرہ۔

واجب ہے کہ جو اُمور مکروہ طبع ہوتے ہیں وہ بھی نبی سے صادر نہوں تاکہ بعثت کا فائدہ حاصل ہو اور لوگ اُنکے کہنے پر عمل کریں اور نظر مردم میں صاحب عزت وتمکین ہوں۔

اور علامہ حلی علیہ الرحمہ اس قول کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کا آباء واجداد کی دناءت ورذالت اور امہات کے فسق وفجور سے بھی منزہ ہونا لازم ہے اس لئے کہ یہ اُمور بھی باعث نفرت ہوتے ہیں۔

اسی طرح واجب ہے کہ نبی ترش روئی اور سخت کلامی سے بھی منزہ اور مبرا ہو تاکہ اُسسے نفرت حاصل نہ ہونے پائے۔ اسیطرح نبی کا اُن امراض سے بھی منزہ ہونا لازم ہے جو موجب نفرت وکراہت ہوتے ہیں جیسے اُبنہ۔ سلس الریح جذام۔ برص۔ اور اسیطرح نبی کا بہت سے ایسی مباح چیزوں سے بھی منزہ ہونا واجب ہے جو اُسکی باتوں کے قبول کرنے سے مانع اور

اُسکی تعظیم میں قادح ہوتی ہیں جیسے راستہ پر کھانا وغیرہ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں موجب نفرت ہوتی ہیں اور غرض بعثت کی منافی ہیں۔

اور عبارت مذکورہ کے ترجمہ میں شارح بدخشی نے لکھا ہے کہ نبی میں کسی ایسی چیز کا نہ ہونا واجب ہے جس سے لوگوں کی طبیعت نفرت وکراہت کرتی ہو جیسے اُس کے آباء واجداد کا دنی اور رذیل ہونا جیسے حجام اور جولاہہ۔ اسیطرح نبی کا ایسے پیشوں سے پاک ہونا جو خسّت پر دلالت کرتے ہوں۔ اسیطرح نبی کی امہات کا پاکدامن اور صاحب عصمت وعفّت ہونا اور کسی پشت کا زنا سے متولد نہ ہونا اور اُنکی جملہ آباؤ امہات کا حضرت آدم ع سے لیکر اُن تک جسقدر لوگ کہ پیدا ہوئے ہوں وہ سب مؤمنین و مؤمنات ہوں۔ اور اسی طرح نبی کے لئے لازم ہے کہ وہ درشت خوئی اور تند طبعی اور غضبناکی اور قساوت قلبی اور بدخلقی اور کینہ وحسد کے ساتھ بھی موصوف نہو اور اسی طرح خلقی عیوب بھی نہ رکھتا ہو جیسے اندھا ہونا۔ بہرہ ہونا۔ اور اسیطرح مرض ابنہ اور برص اور جذام اور ریح صادر ہونیکی شکایت سے بھی مُبرّا ہو۔

تنزیہ انبیاء کا ضابطہ

اور تنزیہ انبیاء میں اصلی ضابطہ یہ ہے کہ جو چیزیں باعث نفرت ہوں اُن کے ساتھ وہ موصوف نہ ہوں اور جو چیزیں کہ از قبیل کرم وشرف ہوں اُن کے ساتھ آراستہ ہوں تاکہ بعثت کا فائدہ بوجہ اکمل واتم جلوہ گر ہو جسطرح کہ عصمت میں جملہ گناہان کبیرہ وصغیرہ سے محفوظ رہنے کی بنا قائم ہوئی ہے خواہ وہ عمداً صادر ہوں یا سہواً قبل نبوت ہوں یا بعد نبوت۔ اور اسی طرح ایسے امور سے نبی کا پاک و پاکیزہ ہونا بھی ضروری ہے جو باعث نفرت اور موجب نقص غرض ہوں۔

اور اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے حق الیقین میں تحریر فرمایا ہے کہ پیغمبر کو اپنی امت سے افضل اور اعلم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ مفضول کا ترجیح دینا از راہ عقل قبیح ہے

اور چاہئے کہ نبی اُن تمام علوم کو جانتا ہو جنکی طرف اُمت کو حاجت ہے۔ اور چاہئے
کہ صفات کمال کے ساتھ آراستہ ہو جیسے کمال عقل۔ زیرکی۔ فطانت۔ قوت رائے
عفت۔ شجاعت۔ کرم۔ سخاوت۔ ایثار۔ غیرت دین۔ رافت۔ رحم۔ مروت۔ تواضع
نرمی۔ مدارا۔ ترک دنیا۔ رعایت علماء و صلحاء و اہل دین اور چاہئے کہ جملہ صفات
ذمیمہ سے منزہ ہو جیسے کینہ۔ بخل۔ حسد۔ حرص۔ محبت دنیا۔ محبت مال و جاہ۔ کج خلقی
جبن۔ اور چاہئے کہ ایسے امراض سے بھی منزہ ہو جو موجب نفرت خلق ہوں جیسے
مبروص ہونا۔ مجذوم ہونا۔ اندھا ہونا۔ بہرہ ہونا۔ گونگا ہونا۔ اور مثل اس کے اور چاہئے
کہ اُسکے نسب میں کسی قسم کی قدح نہ ہو جیسے ولدالزنا وغیرہ ہونا۔ اور اُسکے آبا و اجداد
دنی نہوں۔ بلکہ رذیل پیشے بھی نرکھتے ہوں جیسے جولاہا ہونا۔ حجام ہونا۔ حمامی ہونا۔
اور بھٹیار ہونا۔ اور اسی طرح چاہئے کہ نبی سے ایسے اُمور بھی صادر نہوں جو منافی
مروت ہوں جیسے کسی چیز کا بازاروں میں چلنے کے وقت کھانا یا مثل اسکے۔ اور
ان اُمور کو بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے جنمیں سے بعض میں کلام ہو سکتا ہے۔ اور
وہ جملہ حضرات جو ہمارے حضرتؐ کے آبا و اجداد میں داخل ہیں ہمیشہ مسلمان رہے
انتہی ما اردنا ایرادہٗ۔

علماء امامیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی کے آبار و اجداد کا مومن و دیندار
ہونا ضروری ہے۔ اور اس باب میں کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا۔ اور قول باریتعالےٰ
وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ (پارہ ۷ سورہ انعام) کے اور (اُسوقت کو یاد کرو) جسوقت ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔
کی نسبت کہتے ہیں کہ آذر درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہ تھے۔ بلکہ اُن کے باپ تارخ
تھے اور آذر اُن کے چچا تھے۔ اور کلام عرب میں لفظ اَب کا چچا پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے
اور یہ امر علماء فریقین کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ فریق مخالف کے علماء
اس امر کے قائل ہیں کہ معاذاللہ حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کافر تھے

پس ان لوگوں کا اس مطلب کو تسلیم کرلینا اُس تاویل کے قوی ہونیکی دلیل ہو جسکو کہ ہمارے علمار نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے زجاج سے نقل کیا ہو کہ۔

لاخلاف بین الناس ان اسم ابیه تارخ ومن الملاحدة من جعل ذلك طعنا فی القران۔

لوگوں نے اس باب میں اختلاف نہیں کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا اور بعض ملاحدہ اسکو قرآن مجید میں وجہ طعن قرار دیتے ہیں۔

اور اسکی توجیہ میں کئی وجہیں ذکر کی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک وجہ یہ ہو کہ اب کا لفظ چچا کے لئے بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے حکایت کی ہے۔

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ۔

ہم آپ کے معبود اور آپ کے آبار ابراہیم واسمعیل واسحاق کے معبود کی عبادت کیا کرینگے۔ (پارہ ۱ سورہ بقر)

اور اس میں شبہ نہیں ہو کہ حضرت اسماعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ اور اسی مطلب کی فاضل نسفی نے مدارک میں بھی تصریح کی ہے۔ اور اسی پر باری تعالیٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے۔

اَلَّذِیْ یَرٰكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۵ وَتَقَلُّبَكَ فِی السَّاجِدِیْنَ ۵

جو اُس وقت بھی تمکو دیکھتا رہا جب تم نبوت پر قائم ہوئی اور سجدہ کرنیوالوں کے صلب و رحم میں تمہارے منتقل ہونیکو بھی دیکھتا رہا۔ (پارہ ۱۹ سورہ شعرا)

چنانچہ بعض مفسرین نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا تھا۔ اس تقدیر پر حضرت کے جملہ آبار واجداد مسلمان ہونگے۔ پس چونکہ حضرت ابراہیمؑ بھی آپ کے اجداد میں منسلک ہیں لہذا اُنکا مسلمان ہونا بھی متعین ہوگا۔ اور

علماء اہل سنت والجماعت نے حضرت رسول خدا سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت نے ارشاد فرمایا۔

لم یزل ینقلنی اللہ من اصلاب الطاہرین الی ارحام المطہرات حتے اخرجنی فی عالمکم ہذا	حق تعالیٰ ہمیشہ مجھ کو پاک اور طاہر لوگوں کی پشت سے پاک وصاف و پاکیزہ عورتوں کے رحم کی طرف نقل کرتا رہا تا اینکہ مجھ کو تمہارے اس عالم میں خارج کیا۔

رہا یہ امر کہ باقی انبیاء کے آباء و اجداد کا بری ہونا تو ہر چند کہ علامہ طبرسی نے آیۂ شریفہ

یَا اَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا	چچا جان مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کو خدا کی طرف سے عذاب پہونچے۔ پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ پارہ ۱۶ سورۂ مریم

کے ذیل میں فرمایا ہے کہ اس مقام پر باپ سے آذر مراد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے نانا یا چچا تھے اور انہوں نے اس مقام پر تارخ مراد نہیں ہیں جو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے اس لئے کہ ہمارے علماء نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ انبیاء کے آباء و اجداد حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلمان اور موحد تھے۔ مگر جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے عماد الاسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ انکا یہ قول ان اخبار سے منقوض ہے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بعضے پیغمبروں کے آباء و اجداد کافر تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حکم میں توقف فرمایا ہے لیکن اگر اجماع مذکور کا ثابت ہونا فرض کر لیا جائے تو آیات مرقومہ بالا کی طرح روایات مشار الیہا کی بھی تاویل کیجاویگی یا انکا طرح کرنا معین ہوگا۔

بہرحال چونکہ انبیاء و اوصیاء کا جملہ عیوب سے منزہ اور پاک ہونا بداہت عقل سے ثابت ہو سکتا ہے اسی لئے کہ خدا نے ان برگزیدوں کو اپنی وحی و اسرار کا

ایں اور امت تک جملہ احکام کے پہونچانے کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور لوگوں پر انکی
اطاعت و فرمانبرداری اور غایت انقیاد کو لازم کیا ہے لہذا اگر انبیاء میں کسی ایسے
امر کا موجود ہونا فرض کیا جائے گا جو لوگوں کی نفرت اور کراہت کا سبب
قرار پائے گا تو خود حقتعالے کا ناقض غرض ہونا لازم آئے گا جس کا حقتعالی
سے صادر ہونا محال ہے لیکن باوجود اسکے حضرات معصومین ؑ نے بھی ان مطالب
کو احکام عقلیہ کی تائید کے لئے بیان فرمایا ہے۔ اس مقام پر من باب التیمن
بعض احادیث کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔
پہلی حدیث وہ ہے جو عیون اخبار رضا ؑ میں مذکور ہے۔ حضرت نے امام کے
اوصاف میں بیان فرمایا ہے کہ

هو معصوم مؤيد موفق مسدد
قد امن من الخطايا والزلل و
العثار يخصه الله بذلك
ليكون حجته على عباده
وشاهده على خلقه وذلك
فضل الله يؤتيه من يشاء
والله ذو الفضل العظيم ٥

وہ معصوم مؤیّد من اللہ توفیق یافتہ صاحب صلاح
و سداد ہوتے ہیں جملہ خطاؤں اور لغزشوں سے
مامون ہوتے ہیں حقتعالی انکو ان امور کے ساتھ
اس لئے مخصوص کرتا ہے کہ وہ اسکے بندوں کی
حجت اور اسکی مخلوقات پر شاہد قرار پائیں اور
یہ فضل خدا ہے جسکو وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے
اور خدا صاحب فضل عظیم ہے۔

اس حدیث شریف سے حجّت خدا کا محاسن عادات اور مکارم اخلاق اور
دیگر صفات حمیدہ کے ساتھ موصوف ہونا اور جملہ منفرات و عیوب سے پاک
و پاکیزہ ہونا مستفاد ہوا جسکا مؤید مطلوب ہونا واضح ہے۔
دوسری حدیث وہ ہے جو کتاب مذکور میں حضرت سے دربارۂ امام منقول ہے
الامام المطهر من الذنوب والمبرء من العيوب کہ امام تمام گناہوں سے پاک و پاکیزہ اور جملہ عیوب سے منزہ و مبرا ہوتا ہے۔

تیسری حدیث وہ ہے جسے جناب امیر المومنین ع نے خطبۂ قاصعہ میں حضرت رسول خدا ص کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔

ولقد قرن الله به من لدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکة یسلک به طریق المکارم ومحاسن اخلاق العالم لیله ونهاره الحدیث	اور خدا تعالیٰ نے اُنکی بچپنے ہی کی زمانہ سے ایک بہت بڑے فرشتہ کو اُنکے ہمراہ رہنے پر مامور فرمایا تھا جو اُنکو مکارم اخلاق اور محاسن صفات کے طریقونپر رات دن لے چلتا تھا۔

چوتھی حدیث وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق ع سے منقول ہے۔

نحن قوم معصومون امر الله تبارک وتعالی بطاعتنا ونهی عن معصیتنا الحدیث	ہم لوگ معصوم ہیں حق تعالیٰ نے ہماری طاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری نا فرمانی سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خداوند عالم نے لوگوں کو ان بزرگوار ونکی اطاعت و فرمانبرداری پر مامور کیا ہے اور نافرمانی سے ممانعت فرمائی ہے۔ اب اگر انبیاء اور ائمہ ع میں کسی خصلت مذمومہ یا کسی عیب کا موجود ہونا فرض کیا جائیگا تو لوگ ان حضرات کی نافرمانی میں معذور سمجھے جائینگے۔ اور ان حضرات کے مبعوث اور مقرر کرنیکی غرض وغایت حاصل نہوگی۔ لکن چونکہ حقتعالیٰ کا ان بزرگوں کو بغرض ہدایت معین کرنا مفروض ہے لہذا ایسے اُمور سے انکا محفوظ رکھنا لازم ہوگا۔ جو اس غرض کے حاصل ہونے میں قادح فرض کیے جائیں۔

اور مجالس شیخ مفید علیہ الرحمہ میں مذکور ہے کہ وہ شریف ابو عبداللہ کے یہاں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جو ورثانی کے لقب سے پکارے جاتے اور اہل سنت وجماعت کے فقہا میں شمار کیے جاتے تھے وارد ہوئے اور کہنے لگے کہ آیا آپکا یہ مذہب نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا ص ہر ایک خطاء سے بری اور ہر ایک قسم کی لغزش سے پاک تھے۔ اُن پر سہو وغلط جاری نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ہر ایک

امر میں اپنی رعیت سے مستغنی تھے جناب شیخ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ وزیر ثانی نے کہا کہ پھر آپ قول باریتعالے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط } پارہ ۴ سورہ آل عمران } اور اُنسے معاملات میں مشورہ کرلیا کرو اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کرلو تو اُسوقت اللہ پر بھروسہ کرو

کی نسبت کیا فرمائینگے آیا اس آیۂ شریفہ میں حقتعالی نے حضرتؐ کو اس امر پر مامور نہیں فرمایا کہ وہ رائے میں لوگوں سے استعانت کریں۔ اور یہ کہ حضرتؐ کو اُن کے مشورہ کی حاجت ہی۔ پھر آپ کا دعوے کیونکر صحیح ہوگا۔ حالانکہ ظاہر قرآن اور خود حضرتؐ کا اُن لوگوں سے اپنے اُمور میں مشورہ کرنا آپ کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتا ہی۔ یہ سنکر جناب شیخ مفید نے ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے اس لئے مشورہ نہیں فرمایا کہ حضرتؐ کو اُن کی رائے کی احتیاج اور اُن کے مشورہ کی ضرورت تھی۔ اور حضرتؐ جو اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے وہ اس غرض سے نہ ہوتا تھا جسکا تمکو خیال ہے بلکہ حضرتؐ کے مشورہ کرنے کا سبب اور تھا جسکو میں تمسے بیان کرونگا۔ ہمکو حضرتؐ کا گناہان کبیرہ سے معصوم ہونا معلوم ہو چکا ہے اگرچہ گناہان صغیرہ سے حضرت کے معصوم ہونے میں تم لوگ مخالفت کرتے ہو۔ اور اس امر پر تمام اہل اسلام نے اتفاق کیا ہی کہ حضرتؐ تمام لوگوں میں باعتبار رائے کے بہتر اور باعتبار عقل و فہم کے زائد اور باعتبار تدبیر کے سب سے افضل تھے اور حقتعالے کے فیوض حضرتؐ سے ہر وقت متصل رہتے تھے اور اُسکے مقرب فرشتے حضرتؐ پر ایسے اخبار لیکر متواتر آیا کرتے تھے جنسے تہذیب کی طریقے معلوم ہوتے اور مصالح واقعیہ پر متنبہ کرنے کی خبر دیتے تھے اور جبکہ حضرتؐ کا ایسے اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا فرض کرلیا گیا تو اب حضرتؐ کے ... اپنی رعیت ... سے رائے لینے اور وجہ صواب دریافت کرنے کا

کوئی داعی فرض کرنا صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ حضرتؐ کی رعیت میں جتنے لوگ تھے وہ تمام اوصاف حمیدہ میں حضرتؐ سے پست مرتبہ رکھتے تھے- اور شخص حکیم کسی دوسرے شخص سے بطور استفادہ و اعانت اُسی وقت مشورہ کرسکتا ہے جبکہ اُسکو اس امر کا یقین یا کم از کم ظن حاصل ہو کہ کوئی دوسرا شخص اُس سے رائے میں بہتر اور تدبیر میں زائد ہوشیار اور باعتبار عقل کامل تر ہے پس جبکہ حضرتؐ کو یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ اوصاف و مکارم میں اُنکی رعیت پست مرتبہ رکھتی ہے تو حضرتؐ کا کسی شخص سے اپنی تدبیر میں استعانت کرنا بے معنی ہوگا- انتہیٰ ملخصاً-

اور اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے نزدیک حضرتؐ کا معصوم ہونا اور سہو و خطا کا حضرتؐ پر جائز نہ ہونا موالف و مخالف دونوں کے یہاں مشہور و معروف تھا-

فائدہ

انبیاءؑ کا ملائکہ سے افضل ہونا

اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ ملائکہ سے انبیاءؑ افضل ہیں یا انبیاءؑ سے ملائکہ افضل ہیں اور اسمیں کئی قول ہیں-

پہلا قول نوع ملائکہ کا نوع بشر سے افضل ہونا- اور ملائکہ مقربین کا انبیاءؑ و اوصیاءؑ سے اور انبیاءؑ کا باقی ملائکہ (غیر مقربین) سے افضل ہونا- اس قول کو ابن ابی الحدید معتزلی نے معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے اور علامہ قوشجی وغیرہ سے منقول ہوا ہے کہ حکماء اور قاضی ابو بکر اور ابو عبد اللہ حلبی نے بھی معتزلہ کی موافقت کی ہے-

دوسرا قول انبیاءؑ کا مطلق ملائکہ سے افضل ہونا- اور اس قول کو اشاعرہ نے اختیار کیا ہے-

تیسرا قول انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کا مطلق ملائکہ سے افضل ہونا- اور اس قول کو فرقۂ امامیہ

اختیار کیا ہے۔ صاحبؒ اقف تحریر فرماتے ہیں کہ

لا نزاع انهم افضل من الملائكة السفلية الارضية انما النزاع فی الملائكة العلوية السماوية

اسمیں کوئی نزاع نہیں ہے کہ سفلی ملائکہ جو زمین پر رہنے والے ہیں اُنسے انبیاء افضل ہیں لیکن جو نزاع واقع ہوئی ہو وہ اُن علوی ملائکہ میں ہے جو آسمان پر رہتے ہیں۔

اور ان اقوال میں تیسرا قول حق ہے جسپر کئی امروں کے ساتھ استدلال ہو سکتا ہے۔
پہلا امر۔ اجماع ہے اور ہمارے علماء اعلام کا اس مطلب پر اتفاق ہے کہ فرشتوں سے انبیاء علیہم السلام اور اوصیاء افضل ہوتے ہیں۔ اس مقام پر بعض حضرات کے کلمات کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

ان اعتقادنا فی باب الانبیاء والرسل انهم حجج الله وانهم افضل من الملائكة

انبیاء و رسل کے باب میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ حجت خدا ہیں اور یہ کہ وہ ملائکہ سے افضل ہیں۔

اور ابن ابی الحدید سے مذہب امامیہ کی نسبت منقول ہوا ہے کہ

ان مذهب الامامية ان الانبياء والاوصياء كلهم افضل من الملائكة

امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ سے انبیاء و اوصیاء افضل ہیں۔

(۲) محقق طوسی علیہ الرحمہ تجرید میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وهو افضل من الملائكة وكذا غيره من الانبياء لوجود المضاد للقوة العقلية و قهره على الانقياد عليها۔

ملائکہ سے ہمارے نبی اور باقی انبیاء افضل ہیں اس لئے کہ جو چیزیں قوت عقلیہ کی ضد ہیں وہ انبیاء میں موجود ہیں اور اُنکو قوت عقلیہ کی اطاعت و انقیاد پر اُنہوں نے مغلوب کیا ہے۔

وقد اختلف المسلمون فيه
فذهب اكثر الاشاعرة
الى ان الانبياء ع افضل من
الملائكة وصرح بعضهم بان عوام
البشر من المؤمنين افضل من
عوام الملائكة وخواص الملائكة افضل
من عوام البشر اي غير الانبياء
وذهب اكثر المعتزلة الى ان
الملائكة افضل من جميع البشر
ولا خلاف بين الامامية
في ان الانبياء والائمة افضل
من جميع الملائكة وادعى الاجماع
عليه جماعة منهم السيد مرتضى رضي الله عنه
في الغرر والدرر والمفيد قدس سره
في كتاب المقالات والصدوق طيب الله
تربته في رسالة العقائد والعلامة في بعض
كتبه والاخبار في ذلك مستفيضة اوردتها
في الكتاب الكبير مع تاويل ما يوهم خلافه
واما سائر المؤمنين ففي فضل كلهم او بعضهم على
جميع الملائكة او بعضهم فلا يظهر شيء من ذلك من الآيات
والاخبار ظهورا بينا يمكن الحكم فيه باحد الشقوق المذكورة

مسلمانوں نے اس مقام پر اختلاف کیا ہے پس اکثر
اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ ملائکہ سے انبیاء ع افضل
ہیں اور بعض اشاعرہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ
عام فرشتوں سے مومنین کے عام لوگ افضل ہیں
اور عام آدمیوں (غیر انبیاء) سے خواص ملائکہ افضل
ہیں۔ اور اکثر معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام آدمیوں
سے فرشتے افضل ہیں اور مابین امامیہ اس امر
میں اختلاف نہیں ہے کہ تمام ملائکہ سے انبیاء اور
ائمہ ع افضل ہیں اور اس مطلب پر ایک جماعت نے
اجماع کا دعوے کیا ہے منجملہ اُنکے سید مرتضی علیہ الرحمہ
نے غرر و درر میں اور جناب شیخ مفید نے کتاب المقالات
میں اور جناب صدوق ع نے رسالہ عقائد میں اور
علامہ علیہ الرحمہ نے اپنی بعض کتب میں اسکی تصریح
کی ہے اور اس باب میں جو اخبار منقول ہوئے
ہیں وہ مستفیض ہیں میں نے اُن کو کتاب کبیر میں وارد
کیا ہے اور جو امور کہ موہم خلاف تھے اُن کی تاویل کو
بھی ذکر کیا ہے۔ رہے باقی مومنین پس آیا وہ سب
یا اُن میں سے بعض جملہ ملائکہ پر یا بعض ملائکہ پر فضیلت
رکھتے ہیں یا نہیں تو اس بارہ میں آیات و اخبار سے
کوئی ایسا واضح امر ظاہر نہیں ہوتا جس کی بنا پر مذکورہ بالا
شقوں میں سے کسی ایک کا حکم کرنا صحیح ہو۔

او لفیہا فنحن فیہا من المتوقفین } پس اس بارہ میں ہم توقف کرتے ہیں انتہی ملخصاً

(۴) جناب غفران مآب نے اس کلام کی تفصیل میں ارشاد فرمایا ہے کہ بشر میں بہت سے ایسے امور موجود ہیں جو قوت عقلیہ کی ضد ہیں اور اس (بشر) کو طاعات عملیہ سے روکتی ہیں جیسے شہوت و غضب اسی طرح بشر میں باقی حوائج ایسے موجود ہیں جو اسکو عبادات سے مانع ہوتے ہیں اور کمالات کا اضداد قوت عاقلہ کو مغلوب کرکے حاصل کرنا استحقاق ثواب میں اوخل ہوتا ہے۔

اور افضلیت سے استحقاق ثواب کا زائد ہونا ہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ انسان نے ایسی ترکیب پائی ہے جو فرشتوں اور بہائم کے درمیان ہے۔ پس انسان کو اپنی عقل کے سبب سے حظ ملائکہ اور طبیعت کے سبب سے حظ بہائم حاصل ہے پس اگر اسکی عقل پر اسکی طبیعت غالب آگئی تو وہ بہائم سے بھی بدتر ہوجاتا ہے چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اولئك كالانعام بل هم اضل۔ اور اگر اسکی طبیعت پر اسکی عقل غالب آجائے تو وہ ملائکہ سے بہتر ہوگا۔

اور تفسیر حضرت امام حسن عسکریؑ میں خیار بنی آدم کے ملائکہ سے افضل ہونیکی جو وجوہ عقلیہ مذکور ہوئے ہیں انمیں سے بعض وجوہ کا بطور تیمن اس مقام پر وارد کرنا مناسب ہے حضرت ایک حدیث طویل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ثم اخرج من صلب آدم ذریتہ منھم الانبیاء والرسل والخیار من عباد اللہ افضلھم محمد ثم آل محمد ومن الخیار الفاضلین منھم اصحاب محمد وخیار امۃ محمد وعرف الملائکۃ بذلك انھم افضل

بعد ازاں حقتعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے انکی ذریت کو پیدا کیا جنمیں انبیاء اور رسل اور بہت سے نیکوکار اور برگزیدہ بندے داخل ہیں اور ان سب میں حضرت محمد مصطفےٰؐ اور انکی آل پاک کو بعد ازاں انکے اصحاب اور امت کے دیگر نیک بندوں کو سب سے افضل قرار دیا۔

من الملائكة اذا احتملوا ما حملوه من الاثقال
وقاسوا ما هم فيه من تعرض اعوان الشياطين
ومجاهدة النفوس واحتمال اذى ثقل العيال
والاجتهاد فی طلب الحلال ومعاناة مخاطرة
الخوف من الاعداء من لصوص مخوفين
ومن سلاطين جبرة قاهرين وصعوبة
فی المسالك فی المضائق والمخاوف
والاجزاع والجبال والتلال
لتحصيل اقوات الانفس
والعيال من الطيب الحلال عرفهم الله
عز وجل ان خيار المؤمنين يحتملون هذه البلايا
ويتخلصون منها ويحاربون الشياطين
ويهزمونهم ويجاهدون انفسهم بدفعها عن
شهواتها ويغلبونها مع ما ركب فيهم من شهوة
الفحولة وحب اللباس والطعام والعز والرياسة
والفخر والخيلاء ومقاساة العناء والبلاء
من ابليس لعنه الله وعفاريته وخواطرهم
واغوائهم استهوائهم ودفع ما يكيدونه
من الم الصبر على سماع الطعن من اعداء الله
وسماع الملاهی والشتم لاولياء الله مع
ما يقاسونه فی اسفارهم لطلب اقواتهم

اور ملائکہ کو بتلا دیا کہ یہ لوگ اُنسے افضل ہیں
جبکہ وہ شدائد پر تحمل کریں اور شیطانوں کے مددگاروں
کی وسوسوں اور نفوس سے مجاہدہ اور عیال کی گرانباریوں
اور رزق حلال کی تلاش میں زحمتوں پر صبر کریں۔
اور دشمنوں کے خوف سے طرح طرح کی خطروں کی مشقتوں پر
تحمل کریں جیسے خوفناک چور اور ظالم بادشاہ مراد ہیں اسیطرح
وہ ملائکہ پر اُسوقت فوقیت لیجا سکتے ہیں جبکہ وہ تنگ و
تاریک رستوں اور ہولناک مقامات اور پہاڑوں اور
ٹیلوں کی آمد و رفت کی صعوبتوں کو برداشت کریں تاکہ
اپنے اور اپنے عیال کے لئے قوت حاصل کریں پس حقتعالے
نے فرشتوں کو اس امر سے آگاہ کردیا کہ اُنکے نیک اور دیندار بندے
ان بلاؤں کا تحمل کرینگے اور اُنسے رہائی حاصل کرینگے اور شیطان
سے مقابلہ کرینگے اور اُنکو شکست دینگے۔ اور مجاہدہ نفس میں مشغول
ہونگے اور اُنکی شہوات کو دفع کرکے غالب آئینگے حالانکہ اُن میں قوت
شہوت اور لباس اور کھانے اور عزت اور ریاست اور فخر اور تکبر کی محبت
پیدا کی گئی ہے۔ اور اسیطرح وہ اپنے نفسوں پر غالب آتے ہیں شیطان اور اسکے
لشکروں اور اُن کے وسوسوں اور اُنکے مکر و فریب اور اُنکے تسلط
کی مزاحمت کرینگے اور دشمنوں کے طعن و تشنیع اور لہو و لعب کی
آوازیں اور اولیاء خدا کی سب و شتم کی سننے پر صبر کرینگے
اسی طرح وہ اپنے اُن سفروں میں جو اپنے کھانے
اور پینے کی چیزوں کے لئے مشقت جھیلتے ہیں

والهرب من أعداء دينهم
أو لما يألمون من مخالفيهم
في دينهم قال الله تعالى عزّ وجل
يا ملائكتي وانتم من جميع ذلك
بمعزل لا شهوات الفحولة
تزعجكم ولا شهوة الطعام تحفزكم
ولا خوف من اعداء دينكم ودنياكم ينخب
في قلوبكم ولا لابليس في ملكوت
سمواتي وارضي شغل على اغواء
ملائكتي الذين قد عصمتهم منهم
يا ملائكتي فمن اطاعني منهم وسلم دينه
من هذه الآفات والنكبات
فقد احتمل في جنب محبتي ما لم
تحتملوا واكتسب من القربات الي
ما لم تكتسبوا فلما عرف الله الملائكة
فضل خيار امة محمدؐ وشيعة عليؑ
وخلفائه عليهم السلام واحتمالهم
في جنب محبة ربهم ما لا يحتمله
الملئكة بان بني آدم الخيار المتقين
بالفضل عليهم (الحديث)

اور اعدائے دین سے بھاگتے ہیں اور اُن لوگوں سے
جو دین میں اُنکے مخالف ہیں اذیتیں اُٹھاتے ہیں۔
حق تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ تم اُن سب
باتوں سے الگ ہو۔ نہ قوت شہوانی تمکو زچ کرتی ہے
اور نہ کھانیکی خواہش تمکو آمدرفت پر مجبور کرتی ہے
اور نہ تمکو دین و دنیا میں دشمنوں کا خوف ہے کہ تمہارے
دلوں میں بزدلی پیدا کرے ورنہ میرے آسمان و زمین
میں شیطان کے لئے میرے اُن ملائکہ کے بہکانیکا
کوئی شغل ہے جنکو میں نے اُنسے محفوظ رکھا ہے۔
اے فرشتو جو شخص کہ بنی آدم میں سے میری اطاعت
کریگا اور اپنے دین کو ان آفتوں اور سختیوں سے
سالم رکھیگا تو وہ میری محبت میں ایسی شدتوں کا
تحمل کریگا جنکا تم نے تحمل نہیں کیا اور میری قرب
و منزلت کے اُن درجوں کو حاصل کریگا جنکو تم نے
حاصل نہیں کیا۔ پس جبکہ حقتعالے نے اپنے ملائکہ
کو امت محمدؐ کے نیک بندوں اور شیعیان علیؑ اور
اُن کے خلفاءؑ کی فضیلت کو بتلایا اور یہ کہ وہ
اپنے پروردگار کی محبت میں اُن چیزوں کا تحمل کرینگے
جنکا کہ ملائکہ تحمل نہیں کرسکتے تو بنی آدم میں کے نیکوکار اور
پرہیزگار بندوں کی فضیلت کو اُنپر ظاہر فرمایا۔ (انتہی ملخصاً)

تیسرا امر دلیل نقل اور اس مطلب پر جن وجوہ نقلیہ کے ساتھ تمسک کیا جاتا ہے اُنکا حصر دشوار ہے اس مقام پر بعض وجوہ کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) یہ کہ حقتعالی نے ملائکہ کو سجدۂ آدم پر مامور کیا تھا۔ اور حکیم کسی افضل کو ادنی کی سجدہ پر مامور نہیں کرسکتا۔ اور شیطان نے جو سجدۂ آدمؑ سے انکار کیا تھا اُسکا سبب یہ بیان کیا تھا کہ میں اُنسے بہتر ہوں اس لئے کہ تونے مجھکو آگ سے اور اُنکو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

چنانچہ حقتعالی نے شیطان کی زبانی بیان فرمایا ہے۔

أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ – سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ بھلا دیکھ تو یہ وہی ہے جسکو تونے مجھپر فضیلت دی ہے

اور دوسرے مقام پر اُسکے قول کی اس طرح حکایت فرماتا ہے۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ – پارہ ۸ میں اُن (آدم) سے بہتر ہوں مجکو تونے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُنکو مٹی سے۔

شیطان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سجدہ پر حقتعالی نے ملائکہ کو مامور کیا تھا وہ سجدۂ تکریمی تعظیمی تھا اور سجدۂ تحیۃ و زیارت نہ تھا۔

اور اسی مطلب کو جناب امیر المؤمنینؑ نے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ طویلہ میں ذکر فرمایا ہے جسکے بعض فقرات یہ ہیں۔

واستادی اللہ سبحانہ وتعالی الملائکۃ ودیعتہ لدیہم وعہد وصیتہ الیہم فی الاذعان بالسجود لہم والخنوع لتکرمتہ وقال سبحانہ وتعالی اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس۔ وقبیلہ اعترتہم الحمیۃ وغلبت علیہم الشقوۃ وتعززوا بخلقۃ النار

اور حق تعالی نے فرشتوں سے اپنی اُس ودیعت کو طلب فرمایا جس کو اُن کے پاس امانت رکھا تھا۔ اور اُسکی اُنکی طرف وصیت کی تھی جس کے حضرت آدم کے لئے سجدہ کرنیکا اذعان اور اُنکی تعظیم و تکریم کیلئے فروتنی کرنا مراد ہے پس حقتعالی نے ارشاد فرمایا کہ تم آدم کے لئے سجدہ کرو پس سوائے ابلیس اور اُسکے قبیلہ کے سب نے سجدہ کیا اُنکو حمیت عارض ہوئی شقاوت اُنپر غالب ہوئی اور اُنہوں نے آگ کی

واستوهنوا خلق الصلصال۔

پیدائش کے سبب سے اپنے آپ کو معزز قرار دیا۔ اور مٹی کی پیدائش کو ذلیل سمجھا الخ۔

اور احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ حضرت امام موسی بن جعفرؑ نے اپنے آباء طاہرینؑ سے نقل کیا ہے کہ۔

ان یهودیا سئل امیر المؤمنین عن معجزات النبی فی مقابلة معجزات الانبیاء فقال هذا آدمؑ قد اسجد الله له ملٰئکته فهل فعل لمحمد شیئا من هذا فقال علی لقد کان ذلک ولکن اسجد الله لآدم ملائکته فان سجودهم لم یکن سجود طاعة انهم عبدوا آدم من دون الله عزوجل ولکن اعترافا لآدم بالفضیلة ورحمة من الله له ومحمد اعطی ما هو افضل من هذا ان الله جل وعلا صلی علیه فی جبروته والملائکة

ایک یہودی نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے ہمارے نبی اور باقی انبیاءؑ کے معجزوں میں باہم مقابلہ کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ حق تعالے نے ملائکہ کو حضرت آدم کے لئے سجدہ کرنیکا حکم دیا تھا پس آیا اس قسم کا کوئی امر حضرت محمدؐ کے ساتھ بھی کیا ہے یا نہیں۔

پس حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ضرور ہوا ہے لیکن حقتعالے نے ملائکہ کو جو حضرت آدمؑ کے سجدہ کرنے پر مامور کیا تھا وہ سجدۂ طاعت نہ تھا کہ انہوں نے حضرت آدمؑ کی عبادت کی ہو مگر اس سجدہ سے حضرت آدمؑ کی فضیلت کا اعتراف مقصود تھا اور رحمت خدا تھی اور حضرت محمد مصطفےؐ کو حقتعالی نے ایسی چیز عطا فرمائی کہ وہ اس سے افضل ہے اس لئے کہ حقتعالی نے اپنے جبروت میں اور تمام ملائکہ نے

باجمعها وتعبد المؤمنون بالصلوٰة علیه	حضرت پر درود بھیجا ہے اور حضرت پر درود بھیجنے کو مؤمنین کے لئے عبادت مقرر فرمایا۔

اور عیون اخبار رضا میں ابوالصلت ہروی سے مذکور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین ع سے نقل فرمایا ہے کہ۔

قال رسول اللّٰہ ان اللہ فضل انبیائہ المرسلین علی ملائکتہ المقربین وفضلنی علی جمیع النبیین والمرسلین (الی ان قال) ثم ان اللہ تبارک وتعالی خلق آدم فاودعنا صلبہ وامر الملائکۃ بالسجود لہ تعظیما لنا واکراما وکان سجودھم للہ عز وجل عبودیۃ ولآدم اکراما وطاعۃ لکوننا فی صلبہ فکیف لانکون افضل من الملائکۃ وقد سجدوا لآدم کلھم اجمعون (الحدیث)	رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالے نے اپنے انبیاء مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین پر اور مجھکو جملہ انبیاء ومرسلین پر فضیلت دی ہے تا اینکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالی نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ہمکو اُن کی پشت میں جگہ دی اور ملائکہ کو اُن کی لئے سجدہ کرنیکا ہماری تعظیم واکرام کے لئے حکم دیا اور انکا سجدہ خدا کے لئے ازراہ عبودیت تھا اور حضرت آدم کے لئے ازراہ اکرام وطاعت تھا اسلئے کہ ہم اُنکی پشت میں موجود تھے۔ پس ہم ملائکہ سے کیونکر افضل نہونگے حالانکہ جملہ ملائکہ نے حضرت آدم کیلئے سجدہ کیا تھا۔ الخ

اور ابوالبصیر نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے وہ (ابوالبصیر) کہتے ہیں کہ مینے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ۔

سجدت الملائکۃ لآدم ووضعوا جباھھم علی الارض۔	آیا فرشتوں نے حضرت آدم کے لئے سجدہ کیا تھا اور اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھا تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

نعم تکرمۃ من اللہ تعالے لہ	ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔ اسمیں حضرت آدم کی تعظیم وتکریم مقصود تھی

پس قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہوا کہ ملائکہ نے جو حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا
وہ سجدۂ تعظیم وتکریم تھا اور یہ کہ وہ حضرت آدمؑ کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے۔
پس اس مقام سے ابن ابی الحدید کا یہ قول ساقط ہو جاتا ہے کہ سجدہ کرنا مسجود
کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ
کے لئے سجدہ کیا تھا حالانکہ حضرت یوسف کا اُن (حضرت یعقوبؑ) سے افضل
ہونا ثابت نہیں ہے۔ اور وجہ سقوط ظاہر ہے۔ اس لئے کہ سجدہ ملائکہ
کا سجدۂ تعظیمی وتکریمی ہونا معلوم ہوا اور حضرت یعقوب کا سجدہ محض سجدۂ تحیت تھا
پس ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا درست نہوگا۔ اور ابن ابی الحدید کے
خیال مذکور کے دفعیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن (ابن ابی الحدید) کے اس
قول سے کہ "سجدہ کرنا مسجود کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا" اگر یہ مراد لیا جائے
کہ ہر ایک سجدہ مسجود کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا تو اُسکے تسلیم کرنے میں
کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ سجدۂ تحیہ وزیارت اُس (مسجود) کی افضلیت پر
دلالت نہیں کرتا لکن اسمقام پر مفید نہ ہوگا اس لئے کہ ہم نے اس کلیہ کا
دعوے نہیں کیا بلکہ خصوص سجدہ حضرت آدم میں نزاع ہے کہ وہ سجدہ
بھی افضلیت پر دلالت کرتا ہے یا نہیں باین معنیٰ کہ اگر وہ سجدۂ زیارت و
تحیۃ ہے تو افضلیت پر دلالت نکریگا اور اگر سجدہ تکرمہ وتعظیم ہے تو افضلیت پر
دلالت کریگا لکن اُسکا سجدۂ تکریمی وتعظیمی ہونا ثابت ہو چکا ہے لہذا اسکا افضلیت
پر دلالت کرنا بھی لازم ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک سجدہ کے موجب افضلیت
نہ ہونے سے کسی سجدہ کا موجب افضلیت نہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا
اس لئے کہ کذب موجبۂ کلیہ اور صدق موجبہ جزئیہ میں

کہ کوئی سجدہ اُس (مسجود) کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا تو اُسکا باطل ہونا بہت واضح ہے اس لئے کہ بعض سجود کا اُس (افضلیت) پر دلالت کرنا ثابت ہوچکا ہے۔ پس ہر ایک سجدہ سے اُس افضلیت) کی نفی درست نہوگی اس لئے کہ موجبہ جزئیہ اور سالبہ کلیہ میں تنافی ہے۔ اور اگر قول مذکور سے بعض سجود کا افضلیت پر دلالت نکرنا مراد ہے تو یہ بھی قابل تسلیم ہے لکن موجبۂ جزئیہ اور سالبہ جزئیہ میں منافات نہیں ہے۔ پس ممکن ہے کہ بعض سجود کا حکم بعض آخر کے منافی ہو۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو اسماء کی تعلیم دی تھی اور متعلم سے معلم کا افضل ہونا ظاہر ہے جسپر واجب تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ } پارہ ۲۳ سورہ زمر } کیا وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہوجائینگے۔

اور آیہ شریف کے سیاق سے مفہوم ہوتا ہے کہ خدا کو حضرت آدم کی اُس افضلیت کا ظاہر کرنا مقصود تھا جو ملائکہ پر مخفی تھی اس لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ } پارہ ۱ سورہ بقر } جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

اور ارشاد فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ } پارہ ۱ سورہ بقر } میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہوں۔

پس اس مقام پر بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ملائکہ کے لئے بھی بہت سے علم حاصل تھے جو حضرت آدمؑ کے علم سے کہیں زائد تھے کیونکہ اُنہوں نے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا تھا اور مدتہائے دراز تک تجربہ اور نظر کے ذریعہ سے مجہولات کثیرہ اُنپر منکشف ہوئی تھے خارج از بحث ہوگا اس لئے کہ ملائکہ کو علوم کثیرہ کا حاصل ہونا اس امر کو مقتضی نہیں ہے کہ اُنپر فضیلت حضرت آدمؑ کی جملہ وجوہ بھی منکشف ہوں۔

تا اینکہ حضرت آدمؑ کی فضیلتِ مخفی کا اُن (ملائکہ) پر ظاہر کرنا مقصود ہو۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ ملائکہ کے لئے اسقدر علوم کا حاصل ہونا کہ حضرت آدمؑ کے علوم سے زائد ہوں قابلِ تسلیم نہیں ہے پس ممکن ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اسقدر علوم و اسرار تعلیم فرمائے ہوں کہ ملائکہ کے لئے باوجود طول زمان کبھی حاصل نہ ہو سکے ہوں اس لئے کہ افاضۂ علوم میں قوتِ استعداد اور شدتِ قابلیت کی حاجت ہوتی ہے پس ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ کی قابلیت و استعداد اُن (ملائکہ) کی قابلیت و استعداد سے کہیں زائد رہی ہو اور قولِ واجب تعالیٰ۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (پارہ ۱ سورۂ بقر) } اور آدم (علیہ السلام) کو کل نام تعلیم کئے۔

میں لفظ اسماء سے محض الفاظ بدون معانی مراد لینا بے وجہ ہے۔ پس ممکن ہو کہ اسماء کے تحت میں ایسے رموز و اسرار مندرج ہوں جو ملائکہ کے لئے حاصل نہوں

(۳) قولِ واجب تعالیٰ۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران) } یقیناً خدا نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالموں سے برگزیدہ کیا۔

اس آیہ شریفہ کے عموم میں اگرچہ آل ابراہیمؑ اور آل عمران کے وہ لوگ بھی داخل ہیں جو انبیاء نہیں ہیں۔ لیکن اُنکا اصطفاء سے خارج ہونا بالاجماع ثابت ہے۔

اس تقدیر پر حضرت آدم اور حضرت نوحؑ اور باقی جملہ انبیاء کا جنکو حقتعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں برگزیدہ فرمایا ہے تمام عالم کے لوگوں پر جنمیں ملائکہ بھی داخل ہیں افضل ہونا ثابت ہو گا اس لئے کہ لفظ عالمین کے عموم میں ملائکہ بھی داخل ہیں اور اُن (ملائکہ) کے مستثنیٰ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے

(۴) ملائکہ کا زمین کی اُس خلافت کے لئے آرزو مند ہونا جو حضرت آدمؑ کو عطا کی گئی

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط پارہ ۱ / سورۂ بقر

اور (اے رسول) تمہارے پروردگار نے جس وقت کل فرشتوں
سے یہ فرمایا کہ زمین پر خلیفہ (ہمیشہ) میں مقرر کرونگا۔

اور قول واجب تعالیٰ جسمیں قول ملائکہ کی حکایت کی گئی ہے۔
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط پارہ ۱ / سورۂ بقر حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں۔
دلالت کرتا ہے۔ اور خلافت زمین کی آرزو اُسیوقت متصور ہے جبکہ اُس (خلافت)
کا مرتبہ ملائکہ سے بالاتر ہونا فرض کیا جائے۔

(۵) وہ روایت ہے جو عیون اخبار رضاؑ میں مذکور ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے
اپنے آباء طاہرین کے ذریعہ سے حضرت رسول خداؐ کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ

ما خلق الله خلقا افضل منی
ولا اکرم علیه منی قال علیؑ فقلت یا رسول الله
فانت افضل ام جبرئیل فقال صلی الله
علیه و آله وسلم یا علی ان الله تبارك
وتعالی فضل انبیائه المرسلین
علی ملآئکته المقربین وفضلنی
علی جمیع النبیین والمرسلین
والفضل بعدی لك یا علیؑ
والائمة من بعدك وان الملائکة لخدامنا
وخدام محبینا یا علیؑ الذین یحملون
العرش ومن
حوله یسبحون
بحمد ربهم

خداوند عالم نے کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جو
مجھ سے افضل ہو اور پیش خدا بہ نسبت میرے گرامی تر
ہو۔ جناب امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتؐ
سے دریافت کیا کہ آپ افضل ہیں یا حضرت جبرئیلؑ
پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ حق تعالےٰ
نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر اور مجھکو جملہ
انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے اور میرے بعد
اے علی تمہارے لئے اور اُن اماموں کے لئے
فضیلت حاصل ہے جو تمہارے بعد ہونگے۔ اور
فرشتے ہمارے اور ہمارے دوستوں کے خادم ہیں
اے علیؑ جو فرشتے کہ حامل عرش ہیں۔ اور جو فرشتے
کہ اُس (عرش) کے گرد رہتے ہیں وہ اپنے
پروردگار کے شکریہ میں اُس کی تسبیح کرتے ہیں۔

ويستغفرون للذين آمنوا بولايتنا
يا علي لولا نحن ما خلق الله آدم
ولا حوّا ولا الجنة والنار
ولا السماء ولا الارض فكيف
لا تكون افضل من الملائكة و
قد سبقناهم الى معرفة
ربنا وتسبيحه وتهليله وتقديسه
لان اول ما خلق الله عزوجل
ارواحنا فانطقها بتوحيده و
تمجيده ثم خلق الملائكة
فلما شاهدوا ارواحنا نوراً واحداً
استعظمت امرنا فسبحنا
لتعلم الملائكة انا خلق
مخلوقون وانه منزه
عن صفاتنا فسبحت الملائكة
تسبيحنا ونزهته
عن صفاتنا فلما شاهدوا
عظم شاننا هللنا لتعلم
الملائكة ان لا اله الا الله
وانا عبيد ولسنا
بالهة۔

اور اُن لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جو
ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں اے علی اگر
ہم نہوتے تو حقتعالیٰ آدمؑ اور حوّا اور بہشت
اور دوزخ اور آسمان اور زمین کو پیدا نکرتا۔
اور ہم ملائکہ سے کیونکر افضل نہ قرار پائینگے۔
حالانکہ ہمنے خدا کی معرفت اور اُسکی تسبیح و تہلیل
اور اسکی تقدیس کی طرف اُن (ملائکہ) سے
سبقت کی ہے اس لئے کہ حقتعالیٰ نے پہلی
پہل جس چیز کو پیدا کیا ہے وہ ہماری ارواح
ہیں اُنکو خدا نے اپنی توحید اور تمجید کے ساتھ
گویا کیا بعد ازاں اُسنے فرشتوں کو پیدا کیا۔
پس جبکہ فرشتوں نے ہماری ارواح کو مشاہدہ
کیا کہ وہ نور واحد ہیں تو ہمارے امر کو عظیم
سمجھا۔ یہ دیکھکر ہمنے حقتعالےٰ کی تسبیح کی
تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم مخلوق
ہیں اور حقتعالیٰ ہمارے صفات سے منزہ ہے
پس فرشتوں نے بھی حقتعالیٰ کی اُسیطرح تسبیح
کی جس طرح کہ ہم تسبیح کرتے تھے اور حقتعالےٰ
کو ہمارے صفات سے اُنہوں نے منزہ سمجھا
اور جبکہ ملائکہ نے ہماری شان کی عظمت کو مشاہدہ
کیا تو ہمنے کلمہ لا الہ الا اللہ کی قراءت کی۔

يجب ان لا تعبد معه احد دونه
فقالوا لا اله الا الله فلما شاهدوا
كبر محلنا كبرنا لتعلم الملائكة
ان الله اكبر من ان لا ينال عظيم
المحل الا به فلما شاهدوا
ما جعله الله لنا من العز
والقوة قلنا لا حول ولا
قوة الا بالله لتعلم الملائكة
ان لا حول لنا ولا قوة الا
بالله فلما شاهدوا ما انعم الله
به علينا واوجبه لنا من فرض
الطاعة قلنا الحمد لله
لتعلم الملائكة ما يحق الله
تعالى ذكره علينا من الحمد
على نعمه فقالت الملائكة
الحمد لله فبنا اهتدوا
الى معرفة توحيد الله
وتسبيحه وتهليله وتحميده
وتمجيده ثم ان الله تبارك
وتعالى خلق آدم فاودعنا
صلبه وامر الملائكة بالسجود له

تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ حقتعالے کے سوا
کوئی چیز معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ ہم بندے ہیں
اور معبود نہیں ہیں لازم ہے کہ ہمارے اُس کے ساتھ
یا بغیر اُس کے کسی طرح بھی عبادت نہ کیجائے۔
پس فرشتوں نے بھی لا الہ الا اللہ کہا اور جبکہ فرشتوں نے
ہمارے محل کی بزرگی اور رفعت کو مشاہدہ کیا تو ہمنے
تکبیر کہی تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ حقتعالی
اس امر سے بزرگ و برتر ہے کہ کسیکو بغیر اُس کے
کسی قسم کی عظمت و بزرگی حاصل ہو۔ اور جبکہ ملائکہ
نے ہماری اُس عزت و قوت کو مشاہدہ کیا جو ہمکو
حقتعالی نے مرحمت فرمائی تھی تو ہم نے لا حول
ولا قوة الا باللہ کہا تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے
کہ ہمکو جو حول و قوت حاصل ہے وہ خدا ہی کی
عنایت کی ہوئی ہے اور جبکہ ملائکہ نے ان نعمتوں کو مشاہدہ کیا
جو حقتعالی نے ہمکو عطا فرمائی تھیں اور ہماری اطاعت و فرمانبرداری کو
لازم کیا تھا تو ہم نے الحمد للہ کہا تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ
حقتعالی کو ان نعمتوں کے مقابلہ میں جو ہمکو عطا کی ہیں
حمد و شکر کا استحقاق ہے اُسوقت فرشتوں نے بھی الحمد للہ کہا۔ پس
ہماری وجہ سے فرشتوں نے خدا کی معرفت اور اُسکی توحید
اور اُسکی تسبیح و تہلیل و تحمید کیطرف ہدایت پائی بعد ازاں
حق تعالی نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ہمکو انکی پشت میں امانت رکھا اور فرشتوں کو

عزوجل عبودية ولآدم
اكراما وطاعة لكوننا فى صلبه
فكيف لانكون افضل من
الملائكة وقد سجدوا
لآدم كلهم اجمعون -
وانه لما عرج بى الى السمآء اذن جبرئيل
واقام مثنى مثنى ثم قال
لى تقدم يا محمد فقلت له يا جبرئيل
اتقدم عليك فقال نعم لان الله
تبارك وتعالى فضل انبيائه على
ملائكته اجمعين وفضلك
خاصة فتقدمت وصليت
بهم ولا فخر فلما انتهيت
الى حجب النور
قال لى جبرئيل تقدم
يا محمد وتخلف عنى فقلت
يا جبرئيل فى مثل هذا
الموضع تفارقنى فقال يا محمد

... تعظیم و تکریم کی غرض سے حضرت آدم کو
سجدہ کرنے پر مامور کیا اور فرشتوں کا یہ سجدہ
حقتعالی کے لئے عبودیت تھا اور حضرت آدمؑ کیلئے
اکرام اور طاعت تھا اس لئے کہ ہم انکی پشت میں
موجود تھے - پس ہم فرشتوں سے کیونکر افضل نہ قرار
پائینگے حالانکہ جملہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کیلئے
سجدہ کیا تھا اور جبکہ میرے لئے آسمان تک
معراج ہوئی تو حضرت جبرئیل نے دو دو مرتبہ
اذان اور دو دو مرتبہ اقامت کہی بعد ازاں مجھسے کہا
کہ ای محمد آپ سبقت کیجئے میں نے کہا کہ اے جبرئیل
آیا میں تم پر سبقت کروں پس انہوں نے کہا کہ ہاں
(ضرور سبقت کیجئے) اس لئے کہ حق تعالی نے اپنے
انبیاء کو عموماً اور آپ کو خصوصاً اپنے تمام فرشتوں پر
فضیلت دی ہے پس میں نے سبقت کی اور انکو
نماز پڑھائی اور کوئی فخر نہیں ہے[ل] پس جبکہ میں حجابہائے
نور کی طرف منتہی ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے مجھسے کہا
کہ اے محمد سبقت کیجئے اور خود مجھسے پیچھے رہ گئے
پس میں نے کہا کہ ای جبرئیل تم مجھسے ایسے مقام پر علیحدہ
ہوتے ہو پس انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ میرے لئے

ل مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے یہ فضائل جو بیان کئے ہیں اُن سے مجھکو اپنی شرف و بزرگی پر فخر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ نعمات الہی کا بیان کرنا مقصود ہے ۱۲

ان انتہاء حدی الذی وضعنی الله
عزوجل فیہ الی ھذا
المکان فان تجاوزتہ
احترقت اجنحتی
یتعدی حدود ربی جل جلالہ
فزخ بی فی النور
زخۃ حتی انتہیت الی
ماشاء اللہ من علو مکانہ
فنودیت یا محمد فقلت لبیك
ربی وسعدیك تبارکت وتعالیت
فنودیت یا محمد انت عبدی و
انا ربك فایای فاعبد وعلی
فتوکل فانك نوری فی عبادی
ورسولی الی خلقی وحجتی
علی بریتی لك ولمن
تبعك خلقت جنتی
ولمن خالفك
خلقت ناری
ولاوصیائك

حق تعالی نے جو حد مقرر کردی ہے وہ اسی مقام تک
منتہی ہوتی ہے پس اگر میں اس مقام سے تجاوز کروں
تو میرے بال و پر جلجائیں اسلئے کہ اس صورت میں
اُس حد سے تعدی لازم آئیگی جسکو کہ حقتعالی نے
میرے لئے معین کردیا ہے۔
بعد ازآں میں دریائے نور میں پھینکدیا گیا تا اینکہ میں
اُس مقامِ بلند تک منتہی ہوا جہانتک کہ حق
تعالی کو میرا پہونچا دینا مقصود تھا۔
پھر مجھکو ندا آئی کہ اے محمدؐ میں نے عرض کیا لبیك[1]
ربّی وسعدیك تبارکت وتعالیت بعد ازاں
مجھکو ندا دی گئی کہ اے محمدؐ تم میرے بندۂ خاص
ہو اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری عبادت
کرو اور مجھی پر بھروسہ کرو تم میرے بندوں میں
میرے نور ہو اور میری مخلوق کی طرف
پیغمبر اور اُنپر میری حجت ہو۔
تمہارے اور تمہارے اتباع کے لئے
میں نے اپنی جنت کو پیدا کیا ہے اور اُس شخص
کے لئے جو تمہاری مخالفت کرے میں نے دوزخ
کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اوصیاء کے لئے اپنی

[1] یعنے اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں اور تو مبارک اور بلند مرتبہ ہے ۱۲

اوجبت لی امتک وشیعتهم
اوجبت ثوابی فقلت یارب
ومن اوصیائی فنودیت
یا محمد اوصیائک المکتوبون
علی ساق العرش فنظرت وانا
بین یدی ربی جل جلاله الی ساق
العرش فرأیت اثنی عشر نورا فی کل
نور سطرا اخضر علیه اسم وصی
من اوصیائی اولهم علی ابن ابی طالب
وآخرهم مهدی
امتی فقلت یارب هولاء
اوصیائی بعدی
فنودیت یا محمد
هولاء اولیائی واحبائی
واصفیائی وحججی بعدک
علی بریتی وهم
اوصیائک وخلفائک
وخیر خلقی بعدک وعزتی وجلالی
لاظهرن بهم دینی ولاعلین بهم
کلمتی ولاطهرن
الارض بآخرهم

ثرامت اور اُن کے شیعوں کے لئے اپنے
ثواب کو واجب کیا ہے پس مینے عرض کیا کہ
اے میرے پروردگار میرے اوصیاء کون ہیں
پس مجھکو ندا دی گئی کہ اے محمد تمہاری اوصیاء
وہ ہیں جو ساق عرش پر لکھے ہوئے ہیں پس
مینے جبکہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر تھا
ساق عرش کی طرف نظر کی۔ پس مینے بارہ نور
دیکھے کہ ہر ایک نور میں ایک سطر سبز موجود تھی
جس پر میرے ایک ایک وصی کا نام مرقوم تھا
اُن سب کے اول علی بن ابیطالب تھے اور
اُن سب کے آخر میری اُمت کے مہدی تھے۔
مینے عرض کی کہ اے میرے پروردگار آیا میرے بعد
یہی میرے اوصیاء ہونگے۔ پس ندا آئی کہ اے محمد یہ لوگ
میرے اولیاء اور میرے احباء اور میرے اصفیاء
ہیں۔ اور تمہارے بعد میری مخلوق پر میری حجتیں ہیں
اور یہی تمہارے اوصیاء اور تمہارے خلفاء ہیں
اور بعد تمہارے میری مخلوقات میں سب سے
بہتر ہیں اپنی عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں
اُن کی وجہ سے اپنے دین کو ظاہر کرونگا اور
انکی وجہ سے اپنے کلمہ کو بلند کرونگا اور ان میں
جو میری آخری حجت ہے اُس کے ہاتھوں زمین کو

من اعدائي ولامكننه
مشارق الارض ومغاربها
ولاسخرن له الرياح ولاذللن
له السحاب الصعاب ولارقينه
في الاسباب ولانصرنه
بجندي ولامدنه بملائكتي
حتى يعلن دعوتي ويجمع الخلق
على توحيدي ثم
لاديمن ملكه ولاداولن الايام
بين اوليائي الى يوم القيامة

اپنے دشمنوں سے پاک کرونگا اور انکو زمین کی
مشرقوں اور مغربوں کا مالک کرونگا اور اسکے لئے
ہواؤں کو مسخر اور ابر سخت کو نرم کرونگا - اور انکو
ہر ایک مقام مطلوب تک پہونچنے کے اسباب
عطا کرونگا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس کی نصرت
اور اپنے فرشتوں کے ساتھ اس کی مدد کرونگا
تاکہ وہ میری دعوت کا اعلان اور مخلوق کو
میری توحید پر جمع کرے - بعد ازاں اس کے
ملک کو باقی اور اپنے اولیاء کی دولت کو تا قیامت
جاری رکھونگا -

اور اس حدیث کے بعض فقرات قبل ازیں سجدۂ حضرت آدمؑ کے تعظیمی و تکریمی ہونے کے بیان میں گذر چکے ہیں -

(۶) وہ حدیث ہے جو کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ -

لما اراد الله ان يخلق الخلق
نثرهم بين يديه فقال لهم
من ربك فاول من نطق رسول الله ص
وامير المؤمنين والائمة
عليهم السلام فقالوا
انت ربنا فحملهم العلم والدين
ثم قال للملائكة

جب حق تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کا ارادہ
کیا تو انکو اپنے سامنے منتشر کیا اور انسے پوچھا
کہ تمہارا پروردگار کون ہے پس پہلی پہل جو لوگ
کہ گویا ہوئے وہ حضرت رسول خدا اور حضرت
امیر المؤمنینؑ اور ائمہ طاہرینؑ تھے پس انہوں نے
کہا کہ ہمارا پروردگار تو ہی ہے پس حقتعالیٰ نے
انکو علم و دین کا حامل قرار دیا بعد ازان فرشتونسے

هؤلاء حملة دينى وعلمى وامنائى فى خلقى وهم المسئلون۔ ثم قال لبنى آدم اقروا لله بالربوبية ولهؤلاء النفر بالولاية والطاعة فقالوا نعم ربنا اقررنا فقال الله للملائكة اشهدوا فقال الملائكة شهدنا قال على ان لا تقولوا غداً انا كنا عن هذا غافلين او تقولوا انما اشرك آباؤنا من قبل وكنا ذرية من بعدهم افتهلكنا بما فعل المبطلون۔ يا داؤد ولايتنا مؤكدة عليهم فى الميثاق

ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے علم و دین کے حامل ہیں اور میری مخلوق میں میرے امین ہیں بعد ازاں بنی آدم سے فرمایا کہ تم خدا کے لئے اسکی ربوبیت کا اور ان اشخاص کے لئے ولایت و طاعت کا اقرار کرو پس سب نے کہا کہ ہاں ہم نے اقرار کیا بعد ازآن حقتعالیٰ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ تم شاہد رہو پس فرشتوں نے کہا کہ ہم شاہد ہیں۔ حقتعالےٰ نے بنی آدم سے فرمایا کہ تم اس امر پر شاہد رہو کہ تم کل کو یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل تھے یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا اور ہم انکے بعد ذریت تھے آیا تو ہمکو ان افعال کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جنکو کہ اہل باطل نے کیا ہے

اے داؤد ہماری ولایت کی اُنپر میثاق میں تاکید کیگئی ہے

(۷) وہ حدیث ہے جو عیون اخبار رضا میں مذکور ہے کہ۔

ان آدم لما اكرم الله تعالى ذكره باسجاد ملائكته له وبادخاله الجنة قال فى نفسه هل خلق الله بشرا افضل منى فعلم الله تعالى ما وقع فى نفسه فناداه ارفع راسك يا آدم فانظر الى ساق عرشه فرفع آدم راسه

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو فرشتوں کی سجدہ کرانے اور بہشت میں داخل کرنے کے ساتھ مشرف کیا تو اپنے دل میں کہنے لگے کہ آیا حقتعالےٰ کسی ایسے بشر کو بھی پیدا کریگا جو ہمسے افضل ہو پس حقتعالیٰ کو وہ امر معلوم ہوا جو انکے دل میں خطور کیا تھا پس انکو ندا کی کہ اے آدم اپنے سر کو بلند کرو۔ اور ساق عرش کی طرف نظر کرو۔ حضرت آدمؑ نے اپنا سر بلند کیا۔

فنظر الی ساق العرش فوجد علیه
مکتوبا لا اله الا الله محمد رسول
الله علی بن ابی طالب امیر المؤمنین
وزوجته فاطمة سیدة النساء
العالمین والحسن والحسین
سیدا شباب اهل الجنة
فقال آدم یا رب من هؤلاء فقال
عزوجل هؤلاء من ذریتك
وهم خیر منك ومن جمیع خلقك
لولا هم ما خلقتك ولا خلقت
الجنة والنار ولا السماء والارض فایاك
ان تنظر الیهم بعین الحسد فاخرجك
من جواری فنظر الیهم بعین الحسد
وتمنی منزلتهم فتسلط علیه
الشیطان حتی اکل من شجرة التی
نهی عنها وتسلط علی حواء
لنظرها الی فاطمة علیها السلام
بعین الحسد حتی اکلت من
الشجرة کما اکل
آدم فاخرجهما الله عزوجل
جنته واهبطهما من جواره الی الارض

اور ساق عرش کی طرف نظر کی تو اُسپر لکھا ہوا
پایا کہ کوئی خدا کے سوا معبود برحق نہیں ہے
محمد رسول خدا ہیں علی ابن ابیطالب امیر المومنین
ہیں اور اُنکی زوجہ فاطمۂ سیدہ نساء العالمین ہیں
اور حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں
پس حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ اے پروردگار
یہ کون لوگ ہیں حقتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ
لوگ تمہاری ذریت میں ہونگے اور وہ تم سے
اور میری تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور اگر یہ لوگ
نہ ہوتے تو میں تمکو اور بہشت و دوزخ کو اور آسمان
و زمین کو پیدا نکرتا پس تم اُن کی طرف بچشم حسد
نظر کرنے سے پرہیز کرو ورنہ میں تمکو اپنی ہمسایہ
سے نکال دونگا۔ پس حضرت آدمؑ نے اُن کیطرف
حسد کی آنکھ سے نظر کی اور اُنکی منزلت کے بہ بلند
ہونے کی آرزو ہوئے پس حقتعالیٰ نے اُنپر شیطان کو مسلط
کر دیا تا اینکہ اُنہوں نے اُس درخت سے تناول کر لیا جسکی ممانعت کی گئی
تھی اور اسی طرح حقتعالیٰ نے حواؑ پر بھی شیطان کو مسلط کر دیا اسلئے کہ
اُنہوں نے حضرت فاطمہؑ کی طرف حسد کی آنکھ سے نظر کی تھی تا اینکہ
اُنہوں نے بھی حضرت آدمؑ کی طرح درخت مذکور سے
تناول کر دیا۔ پس حقتعالیٰ نے اُن دونوں کو اپنی بہشت سے
خارج کر دیا اور اپنے جوار سے زمین کی طرف اُتار دیا۔

(۸) قطب الدین نے قصص الانبیاء میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ۔

لما خلق الله آدم ونفخ فيه من
روحه التفت آدم يمنة العرش
فاذا خمسة اشباح فقال يا رب
هل خلقت قبلي من البشر احدا
قال لا قال فمن هؤلاء الذي ارى اسمائهم
فقال هؤلاء خمسة من ولدك ولولاهم
ما خلقتك ولا خلقت الجنة
ولا النار ولا العرش ولا الكرسي
ولا السماء ولا الارض ولا الملائكة
ولا الجن ولا الانس هؤلاء خمسة
ما اشتقيت بهم اسما من اسمائي
فانا المحمود وهذا محمد وانا
الاعلى وهذا علي وانا الفاطر وهذه
فاطمة وانا ذو الاحسان وهذا
الحسن وانا المحسن وهذا الحسين
آليت على نفسي انه لا يأتيني احد
وفي قلبه مثقال حبة من خردل من محبة احدهم
الا ادخلته جنتي وآليت بعزتي انه

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور انمیں اپنی
روح[۱] کو پھونک دیا تو حضرت آدمؑ نے یمین عرش کی
طرف التفات کیا اور ناگاہ اشباح پنجگانہ پر اُنکی
نظر پڑی کہنے لگے کہ اے پروردگار آیا تو نے کسی بشر
کو مجھسے پہلے پیدا کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ
نہیں حضرت آدم نے عرض کی کہ پھر یہ کون لوگ ہیں
جنکے اسمار کو میں دیکھتا ہوں ارشاد ہوا کہ یہ پانچ
شخص ہیں جو تمہاری اولاد میں ہونگے اگر یہ لوگ نہوتے
تو تمکو اور بہشت و دوزخ کو اور عرش و کرسی کو اور آسمان
و زمین کو اور فرشتوں اور جن و انسان کو پیدا نکرتا
یہ وہ پانچ شخص ہیں جنکے نام کو مینے اپنے نام
سے مشتق کیا ہے۔ پس میں محمود ہوں اور یہ محمدؐ ہیں
اور میں اعلیٰ ہوں اور یہ علیؑ ہیں اور میں فاطر ہوں
اور یہ فاطمہؑ ہیں اور میں ذوالاحسان ہوں اور
یہ حسنؑ ہیں اور میں محسن ہوں اور یہ حسینؑ ہیں مینے اپنی
ذات کی قسم کھائی ہے کہ میرے پاس جو ایسا شخص
آئیگا جسکے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی انمیں سے کسی ایک کی محبت
ہوگی تو اُسکو اپنی بہشت میں ضرور داخل کرونگا اور مینے اپنی عزت کی

فا۱ روح کو پھونک دینے سے جسم کی تدبیر و تصرف کا اُس (روح) سے متعلق کر دینا مراد ہے ۱۲

لا يأتيني احد وفي قلبه مثقال حبة من خردل من بغض احدهم الا ادخلته ناري يا آدم هؤلاء صفوتي من خلقي بهم انجي من انجي وبهم اهلك من اهلك۔

قسم کھائی ہے کہ جسکے دل میں رائی کے دانہ کی برابر بھی ان میں کسی ایک کی عداوت ہوگی تو اُسکو دوزخ میں ضرور داخل کرونگا اے آدم یہ لوگ میری مخلوقات میں برگزیدہ ہیں جن لوگوں کو کہ میں نجات دونگا انہیں کے سبب سے نجات دونگا اور جن لوگوں کو کہ میں ہلاک کرونگا انہیں کے سبب سے ہلاک کرونگا۔

(۹) کتاب ث کو میں یونس بن ظبیان سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ۔

اجتمع ولد آدم في بيت فتشاجروا فقال بعضهم خير خلق الله ابونا آدم وقال بعضهم الملائكة المقربون وقال بعضهم حملة العرش اذ دخل عليهم هبة الله فقال بعضهم لقد جاءكم من يفرج عنكم فسلم ثم جلس فقال في اي شيء كنتم فقالوا كنا نفكر في خير خلق الله

حضرت آدم کی اولاد ایک مکان میں مجتمع ہوئی اور آپسمیں جھگڑا کرنے لگی بعض کہتے تھے کہ تمام مخلوقات الٰہی میں ہمارے پدر بزرگوار حضرت آدمؑ افضل ہیں اور بعض کہنے لگے کہ مقرب فرشتے افضل مخلوقات ہیں اور بعض نے کہا کہ حاملان عرش سب سے افضل ہیں اسی اثنا میں اُن کے پاس ہبۃ اللہ (حضرت شیثؑ) تشریف لائے پس اُنمیں سے بعض لوگ کہنے لگے کہ تمہارے پاس وہ بزرگ آگئے ہیں جو تمہارے اس تنازع کو برطرف کردینگے پس اُنھوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اس امر میں غور کر رہے تھے کہ افضل مخلوقات کون

فی خبرہ فقال اصبروا
قلیلا حتی ارجع الیکم فاتا
اباہ فقال یا ابت انی دخلت
علی اخوتی وھم یتشاجرون
فی خیر خلق الله نسالونی
فلم یکن عندی ما اخبرھم
فقلت اصبروا حتی ارجع
الیکم فقال آدمؑ یا بنی
وقفت بین یدی الله
جل جلاله فنظرت الی
سطر علی وجه العرش
مکتوب بسم الله
الرحمن الرحیم محمد
وال محمد
خیر من
برء الله

شخص ہے اس کے بعد اُن لوگوں نے
اپنے خیالات کو اُنپر ظاہر کیا اُنہوں (ہبتہ اللہ)
نے فرمایا کہ تھوڑا سا صبر کرو کہ جا کر میں تمہارے
پاس واپس آؤں پس وہ (ہبتہ اللہ) اپنے پدر
بزرگوار حضرت آدمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کی کہ اے پدر بزرگوار میں اپنے بھائیوں
کے پاس گیا تھا وہ اس امر میں جھگڑا کر رہے
ہیں کہ افضل مخلوقات الٰہی کون شخص ہے
اُنہوں نے مجھسے سوال کیا لیکن میرے پاس
اس باب میں کوئی معقول جواب نہ تھا کہ
میں اُنسے بیان کرتا پس میں نے کہا کہ تم لوگ صبر
کرو تا اینکہ میں تمہارے پاس واپس آؤں۔
پس حضرت آدمؑ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند
میں پیش خدا کھڑا ہوا تھا پس میں نے عرش پر
ایک سطر کی طرف نظر کی جسمیں بسم اللہ کے بعد
لکھا تھا محمد و آل محمد اُن تمام لوگوں سے
افضل ہیں جنکو کہ حقتعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

(۱۰) کتاب مذکور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث
کے یہ جملے مذکور ہیں۔

ان جبرئیل علیه السلام امر
الملائکة ان یصطفوا خلف شیث

حضرت جبرئیل نے فرشتوں کو اس امر کا حکم دیا
کہ وہ حضرت شیث کے پیچھے صف باندھکر

كما يصطف اليوم خلف
المصلى على الميت فقال شيث
يا جبرئيل ويستقيم
هذا لي وانت من الله
بالمكان الذي انت ومعك
عظماء الملائكة
فقال جبرئيل يا شيث الم
تعلم ان الله تعالى لما خلق
اباك آدم اوقفه
بين الملائكة وامرنا
بالسجود له فكان امامنا
ليكون ذلك سنة
في ذريته وقد قبضه اليوم
وانت وصيه ووارث
علمه وانت تقوم
مقامه فكيف يتقدمك
وانت امامنا
نصلي بهم عليه
كما امره

کھڑے ہوں جسطرح کہ اس زمانہ میں میت پر
نماز پڑھنے والے کے پیچھے صف باندھی جاتی
ہے پس حضرت شیث علیہ السلام نے کہا کہ ای جبرئیل
آیا میرے لئے یہ امر مناسب ہے حالانکہ تمہارے
لئے پیش خدا جو منزلت حاصل ہے وہ معلوم
ہے اور تمہارے ساتھ بڑے بڑے فرشتے
بھی ہیں حضرت جبرئیل نے کہا کہ اے شیث
آیا آپکو یہ امر معلوم نہیں ہے کہ حقتعالی نے جب آپکے
پدر بزرگوار حضرت آدم کو پیدا کیا تھا تو انکو فرشتوں
کے درمیان کھڑا کیا تھا اور ہمکو انکے لئے سجدہ
کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ ہمارے امام
بنائے گئے تھے تاکہ یہی طریقہ انکی ذریت
میں بھی جاری رہے اور آج کے دن حقتعالی
نے انکی قبض روح کی ہے اور آپ ان کے وصی
اور ان کے وارث علم اور انکے قایم مقام ہیں
پس ہم آپ پر کیونکر تقدم کر سکتے ہیں حالانکہ آپ ہمارے
امام ہیں پس انہوں نے حضرت آدم پر فرشتوں کو
نماز پڑھائی جسطرح کہ حضرت جبرئیل نے انکو
حکم دیا تھا۔

اور اسی مضمون کو شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ نے تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام سے بروایت عبداللہ بن سنان اس طرح نقل فرمایا ہے کہ۔

عليه قال هبة الله لجبرئيل
تقدم يا رسول الله فصل على
نبي الله فقال جبرئيل ان الله
امرنا بالسجود لابيك فلسنا
نتقدم ابرار ولده وانت
من ابرّهم فتقدم فكبّر عليه
خمسا عدة الصلوة التي
فرض الله على
امة محمد وهي
السنّة الجارية
في ولده الى
يوم القيامة

نماز پڑھنے کا وقت پہونچا تو حضرت شیث نے
حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اے پیغمبر خدا تم
نبی خدا پر نماز پڑھو پس حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ
ہمکو حقتعالی نے آپ کے پدر بزرگوار کے
لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لہذا ہم اُن کی
نیکوکار اولاد پر تقدم نہیں کر سکتے اور آپ تو
اُن کی سب اولاد میں زائد نیک ہیں پس حضرت
شیث نے تقدم کیا اور اُنپر پانچ تکبیریں کہیں جو
اُن نمازوں کے ہم عدد ہیں جنکو حقتعالی نے
حضرت محمد مصطفیٰؐ کی اُمت پر لازم کیا ہی
اور یہی وہ طریقہ ہے جو تا قیامت اُن کی
اُمت میں جاری رہیگا۔ انتہی ملخصًا

اور خصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت سفیان بن سمت
منقول ہے کہ۔

ان آدم اشتكى فاشتهى فاكهة فانطلق
هبة الله يطلب له فاكهة
فاستقبله جبرئيل
فقال له اين تذهب يا هبة الله
فقال ان آدم يشتكي وانه
يشتهي فاكهة فقال له فارجع

حضرت آدمؑ بیمار ہوئے اور آپنے میوہ کی خواہش کی
پس حضرت شیثؑ اُس (میوہ) کی جستجو میں تشریف
لے گئے سامنے سے حضرت جبرئیل ملگئے اُن سے
پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اُنہوں نے جواب دیا
کہ حضرت آدم بیمار ہوگئے ہیں اور اُنہوں نے میوے کی
خواہش کی ہے حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپ واپس جائیے

فان الله عز وجل قد قبض
روحه قال فرجع فوجده
قد قبضه الله وغسلته
الملائكة ثم وضع وامره
الله ان يتقدم ويصلى عليه
فتقدم فصلى عليه والملائكة
خلفه واوحى الله عز وجل
ان يكبر عليه خمسا وان
يسلّه وان يسوى قبره ثم قال
هكذا فاصنعوا بموتاكم

اس لئے کہ حقتعالی نے اُنکی روح قبض کر لی ہے پس
حضرت شیث واپس آئے اور دیکھا کہ حضرت آدمؑ
کی روح قبض ہو چکی ہے اور فرشتوں نے اُنکو غسل
دیا ہے اور اُنکا جنازہ رکھا گیا۔ اور حضرت شیثؑ کو
حضرت جبرئیل نے حکم دیا کہ وہ اُنپر نماز پڑہیں پس
حضرت شیثؑ نے اُنپر نماز پڑہی اور فرشتے اُنکے
پیچھے کھڑے ہوئے اور حقتعالی نے اُنکی طرف
وحی کی کہ وہ اُنپر پانچ تکبیریں کہیں اور اُنکو جنازہ
سے قبر میں اُتار دیں بعد ازان فرمایا کہ تم اپنے
مردوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا کرو انتہی ملخصاً

اور حسن بن سلیمان کی کتاب مختصر میں کتاب الشفاء والجلاء سے ایک حدیث طولانی
منقول ہے جسمیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مضمون بھی مذکور ہوا ہے کہ

فدعا آدم شيثا وقال يا بنى اخرج وتعرّض
لجبرئيل او لمن لقيت من الملائكة و
اخبره بوجعى واسئله ان
يهدى الى من فاكهة الجنة قبل ان
اموت قد كان سبق فى علم الله تعالى
ان لا ياكل آدم من ثمار الجنة
حتى يعود اليها وخرج
شيث فلقى جماعة من الملائكة
فابلغهم ما قال آدم فقال جبرئيل يا شيث

پس حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے
فرزند جاؤ اور جبرئیلؑ یا جس کسی فرشتہ سے ملاقات ہو تو
اور میرے درد کی خبر دو اور اُنسے سوال کرو کہ وہ میرے واسطے
مرنے سے پہلے بہشتی میوہ بھیجدیں اور علم واجب تعالے
میں یہ امر گذر چکا تھا کہ حضرت آدمؑ اُسوقت تک کوئی
بہشتی میوہ نکھائیں جب تک کہ بہشت کی طرف عود نکریں
اور شیثؑ تشریف لے گئے اور فرشتوں کی ایک جماعت سے
اُنہوں نے ملاقات کی اور اُنکو حضرت آدمؑ کا پیام پہونچایا
پس حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اے شیث خدا تمکو تمہارے پدر بزرگوار

[illegible]

نحبه فاهبطنا لنحضر الصلوٰة عليه فانصرف مع الملائكة فوجد اباه قد مات وغسله شيث مع جبرئيل فلما فرغ شيث من غسله قال لجبرئيل تقدم فصل على آدم فقال له جبرئيل يا معشر الملائكة امرنا بالسجود لابيك وليس لاحدنا ان يتقدم بين يدی الاوصياء من ذريته قال فتقدم شيث فصلے على آدم فكبر عليه ثلاثين تكبيرة بامر جبرئيل الخ

زیادہ ہیں اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے انتقال کیا اور ہم انپر نماز پڑھنے کے لئے اُتاری گئی ہیں یہ سنکر مع ملائکہ واپس آئے اور اپنے پدر بزرگوار کو پایا کہ وہ انتقال فرما چکے ہیں اور حضرت شیثؑ نے مع حضرت جبرئیلؑ انکو غسل دیا اور جبکہ حضرت شیثؑ نے اُن کی غسل سے فراغت پائی تو حضرت جبرئیلؑ سے کہا کہ بڑہیے اور حضرت آدمؑ پر نماز پڑھیے پس حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ ہم گروہ ملائکہ تمہارے باپ کے لئے سجدہ کرنے پر مامور ہو چکے ہیں اور ہم میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اُنکی ذریت میں سے کسی وصی پر تقدم کرے پس حضرت شیثؑ بڑھے اور حضرت آدمؑ پر نماز پڑہی اور بحکم جبرئیلؑ انپر تیس تکبیریں کہیں آہ۔

(۱۱) اور بصائر الدرجات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

ان الله عرض ولاية امير المؤمنين فقبلها الملائكة واباها ملك يقال لها فطرس فكسر الله جناحه فلما ولد الحسين بن علی بعث الله جبرئيل فی سبعين الف ملك الى محمد يهنئهم بولادة فمر بفطرس فقال له فطرس يا جبرئيل

حق تعالیٰ نے ولایت حضرت امیر المؤمنینؑ کو ملائکہ وغیرہ پر پیش کیا تو اسکو جملہ فرشتوں نے قبول کر لیا لکن ایک فرشتے نے جسکا نام فطرس تھا اُسکا انکار کیا۔ پس حقتعالیٰ نے اُس کے بازو کو توڑ دیا پس جبکہ حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حقتعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کے پاس مبعوث کیا تاکہ وہ حضرت کی مولود ہونیکی تہنیت دین پس حضرت جبرئیلؑ کا فطرس کیطرف سے گذر ہوا فطرس نے پوچھا کہ اے جبرئیل

الی این تذهب قال
بعثنی الله محمدا یهنئهم
بمولود ولد فی هذه اللیلة
فقال له فطرس احملنی معك
وسل محمدا یدعوالی
فقال له جبرئیل ارکب جناحی
فرکب جناحه فاتی محمدا فدخل
علیه وهناه فقال له یا رسول الله
ان فطرس بینی وبینه اخوة
وسئلنی ان اسألك ان
تدعو الله ان یرد علیه
جناحه فقال رسول الله
لفطرس اتفعل قال
نعم فعرض علیه
رسول الله ولایة
امیر المؤمنین فقبلها
فقال رسول الله شانك
بالمهد فتمسح به وتمرغ
فیه قال فمضی فطرس
فمشی الی مهد الحسین
بن علی ورسول الله یدعوالہ

کہاں جاتی ہو انہوں نے فرمایا کہ مجھکو حقتعالی نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں مبعوث کیا ہے تاکہ اُس مولود کی تہنیت ادا کروں جو اِس شب میں پیدا ہوا ہے یہ سنکر فطرس نے کہا کہ مجھکو بھی اپنے ہمراہ اُٹھا کر لیچلو اور محمدؐ سے سوال کرو کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں پس حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ تم میری بازو پر سوار ہو جاؤ وہ اُن کے بازو پر سوار ہوگئے پس وہ حضرت کے پاس آئے اور تہنیت ادا کی بعد از آن کہنے لگے کہ اے رسولخداؐ میرے اور فطرس کے درمیان اخوت ہے انہوں نے مجھے فرمائش کی ہے کہ میں آپ سے اس امر کا سوال کروں کہ حقتعالے سے اس امر کی دعا کیجئے کہ حقتعالے اُنکے اُن کی بازو کو واپس کردے پس حضرت رسول خداؐ نے فطرس سے پوچھا کہ آیا تم قبول کروگے اُسنے کہا کہ ہاں پس حضرتؐ نے (فطرس) پر ولایت حضرت امیر المومنینؑ کو پیش کیا اور اُنہوں نے اُس کو قبول کر لیا اسکے بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ تم اپنے بدن کو گہوارہ سے مس کرو اور اُسمیں لوٹو پس فطرس حضرت امام حسینؑ کے گہوارہ کی طرف چلے اور حضرت رسولخداؐ اُنکے لئے دعا فرماتے تھے.

قال كان ... رسول الله فنظرت
الى ريشه وانه ليطلع و
يجري منه الدم ويطول
حتى لحق بجناح الاخر
وعرج مع جبرئيل الى السماء
وصار الى موضعه

پس حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اُسکے پروں کیطرف
نظر کی کہ وہ نکلتے تھے اور اُس سے خون جاری تھا
اور وہ یہانتک دراز ہوئے کہ اُسکے دوسرے بازو سے
ملحق ہوگئے۔ اور وہ (فطرس) حضرت جبرئیل کے
ساتھ آسمان کی طرف پرواز کرگئے اور اپنے مقام
معین پر پہونچ گئے۔ انتہی ملخصاً۔

(۱۲) تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

ان الله تبارك وتعالى غضب على
ملك من الملائكة فقطع جناحه والقاه
في جزيرة من جزائر البحر فبقي ما شاء الله
في ذلك البحر فلما بعث الله
ادريس ع جاء ذلك الملك اليه
فقال يا نبي الله ادع الله لي ان يرضى
عني ويرد على جناحي قال
نعم فدعا ادريس
ربه فرد الله عليه
جناحه ورضي عنه

حق تعالیٰ ایک فرشتہ پر غضبناک ہوا اور اُسکے بازو
کو قطع کردیا اور اُسکو ایک جزیرہ میں ڈالدیا۔ وہ
مدت تک اُس جزیرہ میں باقی رہا اور جبکہ حقتعالیٰ
نے حضرت ادریس ع کو مبعوث فرمایا تو وہ فرشتہ
حضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ اے نبی خدا حقتعالیٰ
سے میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے
راضی ہوجائے اور مجھپر میرے بازو کو واپس
کرے پس حضرت ادریس ع نے اقرار فرمایا۔
اور خدا سے دعا کی حقتعالیٰ نے اُسپر اُس کے
بازو کو واپس کیا اور اُس سے راضی ہوگیا الخ انتہی ملخصاً

(۱۳) قصص الانبیاء میں حضرت امام محمد باقر ع سے منقول ہے کہ حضرت رسولخدا ص نے
ارشاد فرمایا کہ۔

ان ملكا من الملائكة كانت له
منزلة فاهبطه الله من السماء الى الارض

ایک فرشتہ کے لئے پیش خدا منزلت تھی اُس کو
حقتعالیٰ نے آسمان سے زمین پر اُتار دیا پس وہ فرشتہ

فاتی ادریس النبی فقال له
اشفع لی عند ربک فصلی ثلث
لیال لا یفتر و صام ایامها لا یفطر
ثم طلب الی الله فی السحر
للملک فاذن له
فی الصعود
الی السماء الخ

حضرت ادریسؑ نبی کی خدمت میں حاضر ہوا اور
کہنے لگا کہ آپ اپنے پروردگار سے میرے لئے شفاعت
فرمائیے پس حضرت ادریسؑ نے تین شب متصل نماز
پڑھی اور تینوں دن روزہ رکھا کہ افطار نہ کرتے تھے
بعد ازآن وقت سحر آپ نے حقتعالیٰ سے اُس فرشتہ
کے لئے دُعا فرمائی۔ پس خدا نے اُسکو آسمان کی
طرف صعود کرنے کی اجازت دی الخ۔ انتہی ملخصاً۔

(۱۴) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام اور احتجاج طبرسی سے خبر طویل کے ضمن میں مذکور ہے کہ

ان المنافقین قالوا لرسول اللہ اخبرنا
عن علیؑ اھو افضل ام ملائکۃ اللہ المقربون
فقال رسول اللہ وھل شرفت ملائکۃ اللہ
الا بحبھا لمحمد و علیؑ و قبولھا لولایتھما انہ
لا احد من محبی علی نظف قلبہ
من قذر الغش والدغل والغل
ونجاسۃ الذنوب الا کان اطھر و افضل
من الملائکۃ وھل امر اللہ الملائکۃ
بالسجود لآدم الا لما کانوا قد وضعوہ
فی نفوسھم انہ لا یصیر فی الدنیا خلق بعدھم
اذا رفعوھم عنھا الا وھم یعنون انفسھم
افضل منھم فی الدین فضلا و اعلم باللہ و بدینہ
علما واراد اللہ ان یعرفھم انھم قد اخطاؤا فی ظنونھم و اعتقاداتھم فخلق آدم

منافقوں نے حضرت رسول خداصؐ سے عرض کی
آیا علیؑ افضل ہیں یا خدا کے مقرب فرشتے افضل ہیں
حضرتؐ نے جواب دیا کہ فرشتوں کو اسی لئے شرف
ملا ہے کہ وہ محمدؐ و علیؑ کی محبت رکھتے ہیں اور اُنکی
ولایت کو قبول کر چکے ہیں دوستانِ علیؑ میں سے
جو شخص اپنے دل کو آمیزش اور مکر اور گناہوں کی
نجاست سے صاف کریگا وہی فرشتوں سے افضل اور
پاکیزہ تر ہوگا اور حقتعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدمؑ کے
سجدہ پر اسی لئے مامور کیا تھا کہ وہ خیال کرتے تھے
کہ ہمارے بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا کہ جو ہم سے
علم اور معرفت میں اُنسے افضل ہو۔ اور حقتعالیٰ نے
ارادہ کیا کہ اُن (ملائکہ) کو بتلا دے کہ اُنہوں نے
اپنے گمان و اعتقاد میں خطا کی ہے پس اُسنے حضرت آدمؑ کو

وعلمه الاسماء كلها ثم عرضها عليهم

فعجزوا عن معرفتها وامر ادم ان ينبئهم

بها وعرفهم فضله فی العلم عليهم

ثم اخرج من صلب ادم ذريته

منهم الانبياء والرسل والخيار

من عباد الله افضلهم محمد ثم ال محمد

ومن الخيار الفاضلين

منهم اصحاب محمد

وخيار امة

محمد

وعرف الملائكة

بذلك انهم

افضل من الملائكة

پیدا کیا اور تمام اسمار انکو تعلیم کردیے بعد ازاں

انکو فرشتوں پر پیش کیا اور وہ انکی معرفت سے

عاجز آگئے اور حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ وہ انکو اسمار

مشار الیہا پر آگاہ کردیں اور حقتعالی نے فرشتوں کو

بتلا دیا کہ وہ اُنسے علم و معرفت میں افضل ہیں

بعد ازاں انکی پشت سے اُن کی ذریت کو پیدا کیا

جنمیں انبیاء و رسل اور بہت سے نیکو کار اور برگزیدہ

بندے داخل ہیں اور اُن سب میں حضرت محمدؐ

اور اُنکی آل پاک کو سب سے افضل قرار دیا۔

اور نیکو کار بندوں میں اُن کے اصحاب

اور اُمّت کے دیگر برگزیدہ لوگوں کو

افضل قرار دیا بعد ازاں ملائکہ کو بتلا دیا کہ یہ لوگ

اُنسے افضل ہیں۔

اور اس حدیث شریف کا کافی حصہ قبل ازیں دلیل عقلی کے ذیل میں بھی مذکور ہو چکا ہے

اخبار مذکورہ کے علاوہ بھی بہت سے اخبار ہیں جو انبیاء اور اوصیاءؑ کے عموماً اور ہمارے

نبیؐ اور دیگر خلفاء راشدین اور جناب سیدہؑ کے خصوصاً بلکہ دیگر اولیاء خدا کے

ملائکہ مقربین سے افضل ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن مقدار مذکور پر اقتصار کرنا کافی

ہے انشاء اللہ تعالے۔

اور جن لوگوں نے کہ پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ مقرب فرشتوں کو انبیاء و اوصیاءؑ

سے افضل جانتے ہیں اُنہوں نے بھی اپنے مختار پر کئی امروں کے ساتھ استدلال

کیا ہے جنکا اس مقام پر وارد کرنا اور بروجہ اجمال اُنسے تعرض کرنا مناسب ہے۔

پہلا امر فرشتے ارواح مجردہ ہیں جنکے جملہ کمالات بالفعل ہوتے ہیں بخلاف سفلیات کہ اُنکے کمالات بالقوہ ہوتے ہیں اور جو چیز کہ بالفعل ہوتی ہے وہ اُس چیز سے افضل ہوتی ہے جو بالقوہ ہو۔

جواب ملائکہ کا ارواح مجردہ اور جملہ کمالات کا اُن کے لئے بالفعل ہونا صحیح نہیں ہے اور جو شخص اس مطلب کا قائل ہو وہ دین اسلام سے خارج ہے اور جن لوگوں نے کہ اُسکو اختیار کیا ہے اُنہوں نے کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی ہے اور شریعت اسلام میں فرشتوں کا جسمانی ہونا اور حرکت و سکون وغیرہ پر قادر ہونا بالبداہت ثابت ہے۔ اگر فرشتوں کا ارواح مجردہ ہونا اور اُنکے کمالات کا فعلی ہونا اختیار کیا جائے جو فلاسفہ اور ملاحدہ کا خیال ہے تو جملہ شریعتوں کا باطل ہونا لازم آئیگا اور اس قول کی مہمل اور غیر مستقیم ہونے میں اسی قدر کافی ہے۔

دوسرا امر۔ روحانیات کا ہیاکل علویہ سے تعلق ہوتا ہے جو فاسد نہیں ہوتے اور نفوس انسانیہ کا اجسام سفلیہ سے تعلق ہوتا ہے جنپر کون و فساد طاری ہوتا ہے اور جو نسبت کہ جسم کو ہیکل سے ہوتی ہے وہی نسبت نفوس کو ارواح سے ہوتی ہے۔

جواب ارواح مجردہ کا ہیاکل سے متعلق فرض کرنا اُنکے مجرد ہونیکے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اس تقدیر پر دوسرے استدلال اور پہلے استدلال میں منافات ہوگی۔ اور تناقض کی وجہ سے دونوں کا ساقط از اعتبار ہونا لازم ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ نفوس انسانیہ سے ہیاکل علویہ کو بہرحال افضل قرار دینا معقول نہیں ہے جسکی وجہ ہمارے بیانات سابقہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ رہا ہیاکل علویہ اور اجسام سفلیہ کے فاسد ہونے نہونے کا مسئلہ تو اسباب میں صحیح یہ ہے کہ نفس انسانی بھی انقطاع عن البدن کے بعد باقی رہتا ہے لہذا نفوس و ارواح میں اُسی نسبت کا قرار دینا جو اجسام کو ہیاکل کے ساتھ ہے محض بے معنی ہوگا۔ اِسکے علاوہ یہ ہے کہ ہیاکل علویہ اور اجسام سفلیہ کا

باقی رہنا یا فاسد ہو جانا مشیت الٰہیہ اور ارادۂ ازلیہ پر موقوف ہے جنکو افعال اختیاریہ سے کوئی ربط نہیں ہے لہٰذا بقاء وفساد کو معیار افضلیت قرار دینا فاسد ہوگا۔

تیسرا امر روحانیت کا شہوت اور غضب سے مبرّا ہونا معلوم ہے اور یہی دونوں جملہ شرور کے مبدء قرار پاتے ہیں بخلاف سفلیات کے کہ انہیں ان دونوں چیزوں کا موجود ہونا قابل انکار نہیں ہے لہٰذا روحانیت کا سفلیات سے افضل ہونا بھی محل اشتباہ نہ ہوگا۔

جواب وجود شہوت وغضب کی صورت میں آثار قوت عاقلہ کا صادر ہونا بہ نسبت اسکی کہیں دشوار ہوتا ہے کہ وہ (آثار) بدون ان دونوں چیزوں کے مزاحمت کے صادر ہوں لہٰذا شہوت وغضب کو مطلقاً مبدء شرور قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس مقام پر اُن انسانوں کا تذکرہ نہیں ہے جو شہوت وغضب کا اتباع کرتی اور قوت عاقلہ کے احکام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چوتھا امر روحانیات نورانی ہوتے ہیں اور جسمانیات ظلمانی ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ (جسمانیات) مادہ اور صورت سے مرکب ہوتے ہیں جنکا ظلمانی ہونا معلوم ہے۔

جواب۔ اِسکا جواب ہماری مذکورۂ بالا تقریروں سے واضح ہو جاتا ہے لہٰذا اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔

پانچواں امر۔ روحانیات کے لئے افعال شاقہ پر قوت حاصل ہوتی ہے جیسے زلزلے اور باوجود اس کے انکو کسی قسم کی سستی عارض نہیں ہوتی بخلاف جسمانیات کے کہ اُن کو اس قسم کی قوت نہیں ہوتی اور باوجود اس کے کسی مشقت کے کام سے انمیں بہت جلد سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

جواب فرق مذکور کو معیار فضیلت قرار دینا حد درجہ کی لغویت پر مبنی ہے۔

چھٹا امر۔ روحانیات بہ نسبت جسمانیات کے زیادہ صاحب علم ہوتے ہیں
اس لئے کہ انکو ان سب خبروں پر اطلاع ہوتی ہے جو زمانہ گذشتہ میں واقع
ہوتے ہیں۔ اور اسیطرح انکو ان سب چیزوں پر بھی اطلاع ہوتی ہے جو زمانہ آیندہ
سے تعلق رکھتی ہیں بخلاف سفلیات کے کہ انکے علم کا دائرہ نہایت ہی محدود
ہوتا ہے۔ اسی طرح روحانیات کے علوم کلی فعلی اور فطری ہوتے ہیں جنمیں غلطی کا
واقع ہونا محال ہوتا ہے بخلاف جسمانیات کے کہ انکے علوم میں اکثر غلطی اور
خطا واقع ہوتی ہے۔

جواب۔ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے لئے امور گذشتہ و آیندہ کا بہ تعلیم الٰہی
جو انکشاف ہوتا ہے وہ بھی ہر طرح غلطی سے مبرا ہوتا ہے۔ پس ہر ایک جسمانی
چیز کو ہر ایک روحانی چیز سے باعتبار علم ناقص فرض کرنا درست نہیں ہے۔
اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان امور ششگانہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ فلسفہ
کے ان قواعد پر مبنی ہے جنکے بطلان پر ادلہ قطعیہ قایم ہوچکے ہیں اور اہل اسلام
کے نزدیک وہ کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہیں لہذا انکے ساتھ استدلال کرنا غیر صحیح اور
مصادرہ پر مشتمل ہوگا۔

ساتواں امر۔ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے نقل فرمایا ہے۔
ولا اقول لکم انی ملک } پارہ ۷ سورۂ انعام } اور نہ میں تمسے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔
پس اگر فرشتہ کا افضل ہونا مسلم نہ ہوتا تو پیغمبر کا معرض تواضع میں ایسا کہنا صحیح نہ ہوتا
جواب اس قول کا معرض تواضع میں صادر ہونا مسلم نہیں ہے بلکہ قول مذکور اسوقت
صادر ہوا ہے جبکہ آیہ شریفہ
والذین کذبوا بایاتنا یمسهم العذاب بما کانوا یفسقون ۵ } پارہ ۷ سورۂ انعام } اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو بوجہ اسکے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے عذاب ان کو پہنچ جائیگا۔

نازل ہوا تھا - اور کفار قریش سے نزول عذاب کی حضرتؐ سے ازراہ سخریہ و استہزا تعجیل کی فرمائش کی تھی اُسوقت یہ آیہ شریفہ

لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۔ (پارہ ۷ سورۂ انعام) } میں تمسے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کی خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب داں ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۔

نازل ہوا تھا اور حضرتؐ کی غرض یہ تھی کہ میں عذاب کے نازل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے کہ میرے پاس خزائن الٰہی موجود نہیں ہیں جہانسے عذاب نازل ہوتا ہے اور نہ میں غیب کے امر کو جانتا ہوں تا اینکہ اُس کے موافق بہ تعجیل اپر عذاب نازل ہوا ورنہ میں فرشتہ ہوں جو عذاب کے نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل سے حکایت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے مؤتفکاتؑ[1] کو اپنی ایک بازو پر اُٹھا لیا تھا - پس آیۂ شریفہ سے اِسیقدر ثابت ہوگا کہ فرشتہ بہ نسبت بشر کے قادر اور قوی تر ہوتا ہے لیکن اس مطلب کو افضل ہونے نہ ہونے سے کوئی ربط نہیں ہے

آٹھواں امر خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے -

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ (پارہ ۸ سورہ اعراف) } تمہارے پروردگار نے تمکو اس درخت سے روکا نہیں ہے - مگر (صرف) اس لئے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ کو رہنے والے نہو جاؤ -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ و حوا ازبسکہ فرشتوں کے درجہ سے پست مرتبہ تھے

---

[1] مؤتفکات سے وہ گاؤں مراد ہیں جہاں حضرت لوطؑ کی قوم آباد تھی جب اُن لوگوں پر عذاب آسمانی نازل ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے سب قریوں کو اپنے بازو پر اُٹھا کر جانب آسمان بلند کیا اور جب حکم خدا ہوا تو اُنکو منقلب کر دیا - اور لفظ ائتفاک کے معنی ہیں انقلاب - چونکہ وہ گاؤں مع اپنے باشندوں کے وقت عذاب منقلب ہو گئے تھے اسلئے اُن کو مؤتفکات کہا گیا ۱۲

اس لئے شیطان نے اُنسے بیان کیا تھا کہ خدا نے تمکو اس درخت سے تناول کرنے کی
اسی لئے ممانعت کی ہو کہ تمکو فرشتوں کی بزرگی اور شرف حاصل نہ ہونے پائے۔
جواب۔ حضرت آدمؑ و حوا نے فرشتوں کو نیک صورت اور عجیب الخلقت اور کامل القوۃ
مشاہدہ کیا تھا۔ پس شیطان نے اُنکے خیال میں اس واہمہ کو حادث کر دیا کہ فرشتوں کی
یہ صورت خلقت اور قوت اُن کے افضل و اکمل ہونے کی دلیل ہے۔ اور ازبسکہ
اس قول میں حقتعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ اور اُسکی غلط بیانی کو نقل فرمایا ہے
لہذا اُسکے ساتھ افضلیت ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہوگا۔

نواں امر۔ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ پارہ ۶ سورۃ النساء

مسیح کو یہ بات ہرگز ناگوار نہ ہوگی کہ وہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتوں کو۔

جو ملائکہ مقربین کے حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ
ایسے مقام پر ضعیف کے بعد قوی کا تذکرہ کرنا مناسب ہوتا ہے اور اُسکا عکس مناسب
نہیں ہوتا اسی لئے یہ کہنا صحیح ہو لا اَنَا اَقْدِرُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا مَنْ ھُوَ فَوْقِیْ[1]
فی القوۃ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ لا انا اقدر علی ھذا ولا من ھو دونی[2]
فی القوۃ اور جبکہ ملائکہ مقربین کا حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہونا ثابت ہوا تو
اُن (ملائکہ مقربین) کا باقی جملہ انبیاء سے بھی افضل ہونا ثابت ہوگا۔ اس لئے
کہ کسی شخص نے افضل ہونے نہ ہونے میں بین انبیاء علیہم السلام کے تفرقہ نہیں کیا۔
جواب۔ اس آیت سے افضلیت ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ

[1] یعنی میں نہ اسپر قادر ہوں نہ وہ لوگ جو مجھسے قوت میں زائد ہیں ۱۲

[2] یعنی نہ میں اسپر قادر ہوں نہ وہ لوگ مجھ سے قوت میں کم ہیں ۱۲

[illegible]

مسیح کی عبادت گذاروں میں داخل ہونیکا انکار کیا تھا۔

اوّل اس لئے کہ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جو شخص کہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہوگا اسکی شان عبادت خدا سے برتر ہوگی کیونکہ کسی عبادت گذار میں اس قسم کی قدرت نہیں ہو سکتی۔

دوم اس لئے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور جو شخص کہ بغیر باپ کی پیدا ہوگا وہ کسی کا عبادت گذار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو شخص کسیکی عبادت کرتا ہی وہ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہو سکتا۔

پس آیۂ شریفہ میں اُن کے اس قول کا رد کرنا مقصود ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ ملائکہ مقربین ان دونوں باتوں میں حضرت عیسیٰ ؑ سے فوقیت رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ (ملائکہ) ایسے اُمور پر قدرت رکھتے ہیں جنپر حضرت عیسےٰ قادر نہیں ہیں اور اسیطرح وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں باوجود اسکی وہ اپنے کو عبادت گذاروں میں داخل ہونے سے انکار نہیں کرتے۔ پس اگر حضرت عیسےٰ ؑ کے لئے یہ دونوں امر اُن کے معبود ہونے اور عبادت گذاروں میں داخل نہونیکا سبب ہو سکتے تو ملائکہ مقربین بدرجۂ اولیٰ اُس کے مستحق ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ملائکہ مقربین اس امر میں اپنا فخر جانتے ہیں کہ وہ بندۂ خدا اور عبادت گزار قرار پائیں لہذا حضرت عیسیٰ ؑ بدرجۂ اولیٰ بندۂ خدا اور اُسکے عبادت گذار قرار پائینگے اور ظاہر ہے کہ اس مطلب کو افضلیت سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دسواں امر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ (پارہ ۹ / سورۃ الانفال)	جو لوگ کہ تمہارے پروردگار سے قربت رکھتے ہیں وہ اسکی عبادت کرنے سے اکڑتے نہیں

جو دو وجہ سے ملائکہ کے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
اوّل اس لئے کہ اُنکی عند اللہ ہونے سے قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب شرف ورتبہ مراد ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو قرب و منزلت کہ ملائکہ کو پیش پروردگار حاصل ہے وہ کسی انسان کو حاصل نہیں ہے۔
دوم۔ اس لئے کہ آیۂ شریفہ سے ملائکہ کا انسان سے بدرجۂ اولیٰ استکبار نکرنا ثابت ہوتا ہے جو اُنکے افضل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ آیۂ شریفہ کے مطلب کا حاصل یہ ہے کہ جب ملائکہ اُسکے عبادت کرنے سے استکبار نہیں کرتے تو غیر ملائکہ کو بدرجۂ اولیٰ استکبار کرنا مناسب نہیں ہے جس سے ملائکہ کا افضل ہونا بالبداہتہ ثابت ہوتا ہے۔
جواب۔ واجب تعالیٰ کا یہ قول
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (پارہ ۲۷ سورہ قمر) } پرہیزگار لوگ یقیناً جنتوں میں اور نہروں میں ایک اقتدار بادشاہ کے پاس خوشنودی کی جگہ میں ہوں گے۔
تقریر مذکور کی معارض ہے اس لئے کہ اس آیۂ شریفہ سے انسان کا عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور چونکہ عند اللہ ہونے سے قرب مکانی مراد نہیں ہوسکتا لہذا قرب شرف ورتبہ مراد ہوگا اسکے علاوہ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں حقتعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا منقول ہوا ہے۔
اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ } ہم اُن لوگوں کے پاس ہیں جنکے قلوب منکسر ہیں۔
جس سے حقتعالیٰ کا اُن لوگوں کے قریب ہونا ثابت ہوتا ہے جنکے قلوب منکسر ہیں اور ان دونوں شخصوں میں کسقدر فرق ہے کہ ایک شخص تو خدا کے قریب ہو اور دوسرے شخص کے قریب خود حقتعالیٰ ہو۔ اور ملائکہ کے استکبار نکرنے کے ساتھ اُنکی افضلیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اُن کے استکبار نکرنیکی وجہ کمال معرفت اور اظہار عبودیت اور فروتنی ہے جو جملہ مخلص بندوں میں مشترک ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہوسکتا جو عبادت خدا سے استکبار کرتا ہو۔

گیارھواں امر۔ حقتعالی نے ملائکہ کو معلم انبیاء قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيدُ الْقُوٰى ﴿پارہ ۲۷ سورۃ النجم﴾ اسکو بڑی قوتوں والے نے تعلیم کیا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ ﴿پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء﴾ روح الامین نے اسکو تمہارے قلب پر اُتارا ہی۔

اور معلّم کا متعلم سے افضل ہونا معلوم ہے۔

جواب۔ ان دونوں آیتوں میں تعلیم اور تنزیل سے اُنکا علوم الٰہیہ کو انبیاء تک پہونچانا مراد ہے اور معلّم حقیقی حقتعالی ہے اس صورت میں فرشتوں کا مبلغ احکام ہونا ثابت ہوگا جس کو افضلیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہی کہ مانع کے لئے محض انکار کردینا کافی ہے۔ اس صورت میں فرشتوں کے معلّم حقیقی ہونے کا ثابت کرنا مستدل کے ذمہ قرار پائیگا۔ اور اُنکا استدلال ناتمام رہے گا۔ اسکے علاوہ یہ ہی کہ اگر ملائکہ کا معلم حقیقی ہونا تسلیم کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ صاحب شریعت بھی ملائکہ ہی قرار پائیں اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کے صاحب شریعت ہونیکا کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا لہذا قدر تیقن اسیقدر ہی کہ فرشتوں سے صرف تبلیغ احکام کی خدمت متعلق تھی۔

بارھواں امر۔ حقتعالی ملائکہ کو اپنے انبیاء کی طرف بھیجتا ہی اور بھیجنے والے سے بہ نسبت اُس شخص کے جسکے پاس وہ بھیجا جاتا ہی رسول اقرب ہوتا ہے جس طرح سے کہ نبی بہ نسبت اپنی امت کے خدا سے قریب تر ہوتا ہے۔

جواب۔ اگر اس استدلال کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ جو معمولی آدمی کسی ایک بادشاہ کی طرف سے کسی دوسرے بادشاہ کے پاس ایلچی یا قاصد بناکر بھیجا جائے وہ بادشاہ مرسل الیہ سے افضل ہو حالانکہ کوئی عاقل اس مطلب کا التزام نہیں کر سکتا۔

تیرھواں امر حقتعالی نے جہاں کہیں کہ ملائکہ اور انبیاء کا ذکر کیا ہے وہاں پر ذکر ملائکہ کو

جواب - تقدیم ذکری کو فضیلت بھی لازم نہیں ہے پس اُسکو افضلیت بدرجۂ اولیٰ لازم نہ ہوگی - اس لئے کہ افضلیت سے تقدیم ذکری عام ہے اور عام کا کسی خاص پر دلالت کرنا مسلمہ عقلا ہے پس ممکن ہے کہ حقتعالیٰ نے ذکر ملائکہ کو اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکا وجود مقدم تھا یا اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکا جسم لطیف ہے یا اس لئے مقدم کیا ہو کہ اُنکی معرفت مقدم ہو اور ظاہر ہے کہ ان احتمالوں کے بعد خصوص افضلیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہوسکتا -

تنبیہ } اشاعرہ نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے جس سے انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا مراد ہے از انجملہ افضلیت انبیاء کے جو ادلہ مذکور ہوے اُنہیں کے ساتھ اشاعرہ نے اپنے قول پر بھی استدلال کیا ہے لہذا اُن کے مختار کے لئے علیحدہ سے کسی دلیل کے وارد کرنے کی حاجت نہیں ہے البتہ اس مقام پر ایک امر کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جمہور اشاعرہ کے نزدیک ملائکہ سے انبیاء افضل ہیں - اور مواقف میں لکھا ہے کہ قاضی ابو بکر باقلانی اور ابو عبداللہ حلیمی نے اسکے خلاف کو اختیار کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشاعرہ میں ان دو شخصوں کے علاوہ باقی اشاعرہ کے نزدیک انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا مسلّم ہے اور اُن کی عین عبارت یہ ہے

قال اکثر اصحابنا الانبیاء افضل وعلیہ الشیعۃ واکثر اھل الملل وقالت المعتزلۃ وابو عبداللہ الحلیمی والقاضی ابو بکر منا الملائکۃ افضل وعلیہ الفلاسفۃ -

ہمارے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ ملائکہ سے انبیاء افضل ہیں اور اسی قول کو شیعہ اور اکثر اہل ملت نے اختیار کیا ہے - اور معتزلہ اور ہم میں سے ابو عبداللہ حلیمی اور قاضی ابو بکر نے کہا ہے کہ ملائکہ افضل ہیں اور اسی کو فلاسفہ نے اختیار کیا ہے

اور افضلیت انبیاء کے ادلہ و شواہد کا اوپر کی عبارتوں میں تذکرہ ہو چکا ہے اور خصوص ملائکہ کے مثل انبیاء معصوم ہونے کو اکثر مخالفین نے بھی اختیار کیا ہے اور یہ کہ وہ جملہ

گناہان کبیرہ اور صغیرہ سے محفوظ ہیں چنانچہ عیون اخبار رضاء میں حضرت کا یہ قول مذکور

ان ملائكة الله معصومون
محفوظون من الكفر والقبائح بألطاف الله
تعالى قال الله عز وجل فيهم
لا يعصون الله ما امرهم
ويفعلون ما يؤمرون وقال عز وجل
وله من في السموات ومن في الارض و
من عنده يعني الملائكة لا يستكبرون عن عبادته
ولا يستحسرون يسبحون الليل والنهار
لا يفترون وقال عز وجل في الملائكة
ايضا بل عباد مكرمون لا يسبقونه
بالقول وهم
بأمره يعملون۔
يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم
ولا يشفعون الا لمن ارتضى وهم
من خشيته مشفقون۔

خدا کے فرشتے معصوم اور کفر اور دیگر قباحتوں سے
بلطف الٰہی محفوظ ہیں حقتعالی نے اُنکے حق میں فرمایا ہے
کہ وہ احکام خدا میں اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جس
کام پر وہ مامور ہوتے ہیں اُسکو بجا لاتے ہیں" اور
دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ
"جو لوگ آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں وہ اُسیکے
بندے ہیں اور جو لوگ اُسکے پاس ہیں (فرشتے)
وہ اُسکی عبادت میں تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں
شب و روز خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے"
اور تیسرے مقام پر فرشتوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے
"بلکہ وہ معزز بندے ہیں جو کسی بات میں اُسپر
سبقت نہیں کرتے اور اُسکی حکم پر عمل کرتے ہیں
حقتعالی اُنکے آگے اور پیچھے کے اُمور کو جانتا ہے
اور وہ اُسی شخص کی سفارش کرتے ہیں جسکو کہ خدا
پسند کرتا ہے اور وہ اُسکے خوف سے ڈرتے ہیں"

اور صدوق علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ۔

اعتقادنا في الانبياء والرسل والائمة
والملائكة انهم معصومون مطهرون من
كل دنس وانهم لا يذنبون ذنبا صغيرا ولا
كبيرا ولا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما

انبیاء و رسل اور اماموں اور فرشتوں کے بارہ میں ہمارا
یہ اعتقاد ہے کہ وہ ہر ایک کثافت سے معصوم
اور پاک ہیں اور وہ کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے مرتکب
نہیں ہوتے اور حقتعالی اُنکو جس چیز کا حکم دیتا ہو وہ

مما یؤمرون ومن نفی عنہم العصمۃ فی شیء من احوالہم فقد جہلہم واعتقادنا فیہم انہم موصوفون بالکمال والتمام والعلم من اوائل امورہا الی اواخرہا لا یوصفون فی شیء من احوالہم بنقص ولا جہل۔

اُسمیں اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام پر کہ وہ مامور ہوتے ہیں اُسکو بجالاتے ہیں اور جو شخص کہ کسی حال میں اُنکی معصوم ہونے کا انکار کرے وہ اُنکی اصلی حالت سے جاہل و بے خبر ہے اور اُنکی بارہ میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ابتدا سے انتہا تک کمال اور علم کے ساتھ موصوف ہیں اور کسی حال میں اُنکا ناقص یا جاہل ہونے کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں۔

وجملۃ القول فی ذلک انہ لما ثبت بالنصوص واجماع الفرقۃ المحقۃ عصمۃ الملائکۃ لابد من تاویل ما یوہم صدور المعصیۃ منہم علی نحو ما مر فی عصمۃ الانبیاء۔

اور اس مقام پر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب احادیث کے نصوص اور فرقۂ حقہ کے اجماع سے فرشتوں کا معصوم ہونا ثابت ہوچکا ہے تو اُن اُمور کا تاویل کرنا ضروری ہوگا جنمیں فرشتوں سے معصیت کے صادر ہونیکا توہم ہوتا ہے جیسا کہ عصمت انبیاء میں گذرچکا ہے۔

بہرحال محققین فریقین کے نزدیک ملائکہ کا مثل انبیاء معصوم ہونا محل نزاع نہیں ہے بلکہ معتزلہ کے نزدیک اُنکا انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہے جیسا کہ اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا۔ اس مقام پر ابن فورک (جنکا منجملہ علماء اشاعرہ ہونا معلوم ہے) اسی طرح امام غزالی اور قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں کہ خداوند عالم کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کافر کو نبی بناکر ہدایت کے لئے مبعوث کرے چنانچہ امام غزالی کی کتاب منخول سے منقول ہوا ہے۔

والمختار ما ذکرہ القاضی وھو انہ لا یجب عقلا

اور ہمارا مختار وہی ہے کہ جس کو قاضی ابوبکر نے ذکر کیا ہو اور وہ یہ ہے کہ عقل کے نزدیک اُن انبیاء کا

وقوعہ بضرورۃ العقل ولا بنظرہ ولیس ھو منافضا لمدلول المعجزۃ فان مدلولہ صدق اللھجۃ فیما یخبر عن اللہ تعالیٰ لا عمداً ولا سھواً ومعنے التنفیر باطل فانا نجوز ان یبعث اللہ تعالیٰ کافراً ویؤیدہ بالمعجزات انتھی بالفاظہ

...ہوتا وجب نہیں ہے اس سے کہ عقل یا بداہت یا نظر سے وقوع کذب کا محال ہونا ظاہر نہیں ہوتا اور وہ مدلول معجزہ کے بھی منافی ہے اس لئے کہ اُسکا مدلول اسی قدر ہے کہ وہ (نبی) جس چیز کی کہ منجانب اللہ خبر دیتے ہیں اُسمیں راست گو ہیں خواہ وہ دیدہ و دانستہ صادر ہو یا سہو و نسیان سے اور معنی تنفیر باطل ہیں اس لئے کہ ہم اس امر کو تجویز کرتے ہیں کہ حقتعالیٰ کسی کافر کو نبی بنا کر مبعوث کرے اور معجزات کے ساتھ اُسکی تائید فرمائے۔ انتہی ملخصاً۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کافر کا مبعوث برسالت ہونا صحیح ہے۔ اب چونکہ انبیاء کا ملائکہ سے افضل ہونا اشاعرہ کے نزدیک مسلم ہے تو غور کرنے کی قابل ہے کہ اُن کے نزدیک ملائکہ مقربین کا کیا درجہ قرار پاتا ہے۔

انبیاء کی تعداد اور صاحبان شریعت و اولوالعزم کا بیان

جو انبیاء علیہم السلام کہ ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہوے ہیں اُنکی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ حضرات جو محض نبی ہیں اور صاحب شریعت اور رسول نہیں ہیں۔

(۲) وہ حضرات جو نبی مرسل ہیں اور صاحب شریعت نہیں ہیں۔

(۳) وہ حضرات جو نبی مرسل بھی ہیں اور صاحب شریعت بھی ہیں۔

لہٰذا ہر ایک قسم کے عدد اور اُنکی صاحب شریعت ہونے نہ ہونے سے بحث کرنا ضروری ہوا۔

انبیاء کی تعداد کی انبیاء کے عدد میں اگرچہ مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں لیکن مشہور ہے کہ مجموع انبیاء

کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جنمیں انبیاء مرسلین تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ[1] اور انبیاء اولوالعزم پانچ ہیں چنانچہ حضرت ابوذر کی روایت میں منقول ہے کہ۔

قلت یا رسول اللہ کم النبیون قال
مائۃ الف و اربعۃ وعشرون الف نبی قلت
کم المرسلون منہم قال ثلثمائۃ وثلثۃ عشر جما
غفیرا قلت من کان اول الانبیاء قال
ادم قلت وکان من الانبیاء مرسلا
قال نعم خلقہ اللہ بیدہ
ونفخ فیہ من روحہ ثم قال یا اباذر
اربعۃ من الانبیاء سریانیون آدم
وشیث واخنوخ وھو
ادریس وھو اول من
خط بالقلم ونوح واربعۃ
من العرب
ھود وصالح
وشعیب ونبیک
محمدؐ و
اول نبی من بنی اسرائیل موسٰیؑ

میں نے عرض کی کہ اے رسول خداؐ کل انبیاء علیہم السلام کسقدر ہیں
حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار
میں نے عرض کی انمیں رسول کسقدر ہیں آپ نے ارشاد فرمایا
تین سو تیرہ میں نے عرض کی کہ سب سے پہلے نبی کون تھے
آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدمؑ میں نے عرض
کی کہ آیا حضرت آدم نبی مرسل تھے آپ نے ارشاد فرمایا
کہ ہاں حقتعالی نے اُن کو اپنے دست قدرت سے
پیدا کیا تھا اور انمیں اپنی روح کو پھونکا تھا۔
بعد ازآں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر
چار نبی ایسے تھے کہ جو سریانی تھے حضرت
آدمؑ حضرت شیث حضرت اخنوخؑ
جنسے حضرت ادریسؑ مراد ہیں جنہوں نے
پہلی مرتبہ قلم سے لکھا تھا اور حضرت نوحؑ
اور چار نبی ایسے ہیں جو عربی تھے حضرت ہودؑ
حضرت صالحؑ حضرت شعیب اور تمہارے
نبی محمدؐ۔ اور بنی اسرائیل میں پہلے نبی حضرت موسیٰؑ

---

[1] بعض حضرات نے حضرت ابوذر سے انبیاء مرسلین کا عدد تین سو پندرہ نقل کیا ہے۔ اسی لئے اس مقام پر تردید کی گئی۔ لیکن اُن کی روایت میں انبیاء مرسلین کے عدد کا تین سو تیرہ ہونا اقرب الی الصواب ہے جسکی دیگر روایات سے بھی تائید ہوتی ہے ۱۲

واخرهم عيسى وستمائة نبي[1] قلت يارسول الله كم انزل الله تعالى من كتاب قال مائة كتاب واربعة كتب انزل الله تعالى على شيث خمسين صحيفة وعلى ادريس ثلثين صحيفة

اور آخری حضرت عیسیٰ اور چھ سو نبی[1] جو انکے بعد ہوئے میں نے عرض کی کہ اے رسول خدا حقتعالی نے کسقدر کتابیں نازل فرمائی ہیں ارشاد فرمایا کہ سو صحیفے اور چار کتابیں جنمیں سے حضرت شیث پر پچاس صحیفے اور حضرت ادریس پر تیس صحیفے اور

---

[1] اس مقام پر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ لفظ ستمائة نبی میں احتمال ہے کہ وہ عیسیٰ پر معطوف ہو اور مراد یہ ہو کہ چھ سو نبی جو حضرت عیسیٰ کے بعد مبعوث ہوئے - اور یہ بھی ممکن ہو کہ انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے علاوہ چھ سو نبی تھے اس تقدیر پر چھ سو نبی سے بنی اسرائیل کے عظماء انبیاء مراد ہونگے تاکہ خبر سابق کے منافی ہو اور علامہ موصوف کی خبر سابق سے وہ خبر مراد ہے کہ جسکو انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ

بعثت على اثر ثمانية آلاف نبي منهم اربعة آلاف من بني اسرائيل

میں آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث ہوا ہوں جنمیں بنی اسرائیل کے چار ہزار نبی تھے -

اور علامہ موصوف کے مراد کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حدیث حضرت ابوذر میں چھ سو نبی سے جملہ انبیاء بنی اسرائیل کا اس عدد میں محصور ہونا فرض کیا جائے گا تو انس کی خبر سے منافات لازم آئیگی - اس لئے کہ اسمیں انبیاء بنی اسرائیل کا چار ہزار ہونا مرقوم ہے اور ترجمہ میں علامہ مجلسی کے پہلے احتمال پر بنا کی گئی ہے جس سے انبیاء بنی اسرائیل میں چھ سو نبی کا حضرت عیسیٰ کے بعد مبعوث ہونا مراد ہے - البتہ اس مقام پر انس بن مالک کی روایت میں یہ اشکال رہتا ہے کہ حدیث ابوذر میں مجموع انبیاء کا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونا مذکور ہے - حالانکہ انس بن مالک کی روایت میں ہمارے حضرت کا آٹھ ہی ہزار انبیاء کے بعد مبعوث ہونا بیان کیا گیا ہے - اس اشکال کے دفعیہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ -

لعل المراد هنا عظماء الانبياء لئلا ينافي الخبر السابق واللاحق -

شاید کہ اس مقام پر عظماء انبیاء مراد ہیں تاکہ خبر سابق ولاحق کے منافی نہ ہو -

اور اس کلام میں سابق سے خصال و امالی کی وہ روایت مراد ہے جو متن میں مذکور ہے جسمیں عدد انبیاء کا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونا مذکور ہے

وعلى ابراهيم عشرين صحيفة وانزل التوراة والانجيل والزبور والفرقان الخ

حضرت ابراہیم پر بیس صحیفے نازل فرمائے اور اسکے علاوہ حقتعالی نے توراۃ اور انجیل اور زبور اور فرقان کو نازل فرمایا الخ۔

اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے بروایت ابو حمزہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ابو بصیر منقول ہے۔

من احب ان يصافحه مائة الف نبي واربعة وعشرون الف نبي فليزر قبر ابي عبد الله الحسين بن علي في النصف من شعبان فان ارواح النبيين يستاذنون الله في زيارته فيؤذن لهم منهم خمسة اولوا العزم من الرسل قلنا من هم قال نوح وابراهيم وموسى وعيسى ومحمد صلى الله عليهم قلنا له ما معنى اولي العزم قال بعثوا الى مشرق الارض وغربها جنها وانسها۔

جو شخص چاہے کہ اُس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؑ مصافحہ کریں اُسکو چاہئے کہ نیمہ شعبان میں حضرت ابو عبداللہ حسین بن علیؑ کی قبر کی زیارت کرے اسلئے کہ حقتعالی سے ارواح انبیاء اُسکی زیارت کرنیکی اجازت لیتے ہیں اور اُنکو اجازت دیجاتی ہے اُنمیں پانچ بزرگوار رسولان اولو العزم ہیں ہم نے عرض کی کہ وہ کون بزرگوار ہیں فرمایا کہ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےؐ ہیں ہم نے عرض کی کہ اولو العزم سے کیا مراد ہے فرمایا کہ یہ بزرگوار زمین کی مشرق و مغرب کی جن و انس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

اور صدوق علیہ الرحمہ نے خصال و امالی میں حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے آباء طاہرین سے حضرت رسولخداؐ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

خلق الله عز وجل مائة الف نبي واربعة وعشرين الف نبي انا اكرمهم على الله ولا فخر وخلق الله عز وجل مائة الف وصي

حق تعالی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو پیدا کیا ہے اور میں پیش پروردگار اُن سب میں بزرگتر ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے۔ اور حقتعالی نے ایک لاکھ

واربعة وعشرين الف وصی فعلی اکرمهم علی الله وافضلهم۔

چوبیس ہزار اوصیاء کو پیدا کیا ہے اور علی اُن سب سے پیش پروردگار بزرگتر اور افضل ہیں۔

اور اختصاص میں ابن عباس سے منقول ہے

اول المرسلین آدم واخرهم محمد وکانت الانبياء مائة الف واربعة وعشرين الف نبی الرسل منهم ثلثمائة وخمسة منهم اولو العزم نوح وابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ومحمد وخمسة من العرب هود وصالح وشعیب واسمعیل ومحمد وخمسة سریانیون آدم وشیث وادریس ونوح وابراهیم واول انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ۔ واخرهم عیسیٰ والکتب التی انزلت علی الانبیاء مائة کتاب واربعة کتب منها علی آدم خمسون صحیفة وعلی ادریس ثلثون وعلی ابراهیم عشرون وعلی موسیٰ التورية وعلی داؤد الزبور وعلی عیسیٰ الانجیل وعلی محمد الفرقان

اول مرسلین حضرت آدم ہیں اور آخر مرسلین حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں کل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے جنمیں تین سو نبی رسول تھے اور اُنمیں سے پانچ اولو العزم ہیں حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اور پانچ نبی عربی تھے حضرت ہود حضرت صالح حضرت شعیب وحضرت اسمعیل اور حضرت محمد مصطفیٰ اور پانچ نبی سریانی تھے۔ حضرت آدم اور حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ اور بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ اور آخری نبی حضرت عیسیٰؑ تھے اور جو کتابیں کہ انبیاء علیہم پر نازل کی گئیں وہ سو صحیفے اور چار کتابیں تھیں منجملہ اُن کے حضرت آدم پر پچاس صحیفے اور حضرت ادریس پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم پر بیس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر توراۃ اور حضرت داؤد پر زبور اور حضرت عیسیٰ پر انجیل اور حضرت محمد مصطفیٰ پر قرآن نازل ہوا

لہ اس روایت میں ۵۰ صحیفوں کا حضرت آدم پر نازل ہونا اور حضرت ابوذر کی روایت میں پچاس صحیفوں کا حضرت شیث پر

اور بصائر الدرجات میں حضرت امام محمد باقر ؑ سے بروایت عبد الرحمن بن بکیر ہجری منقول ہے

قال ان اول وصی کان علی وجہ الارض هبۃ اللہ بن آدم وما من نبی مضی الا ولہ وصی کان عدد جمیع الانبیاء مائۃ الف نبی واربعۃ وعشرین الف نبی خمسۃ منہم اولوالعزم نوح وابراھیم وموسی وعیسی ومحمد وان علی بن ابیطالب کان ھبۃ اللہ لمحمد ورث علم الاوصیاء وعلم من کان قبلہ اما ان محمدا ورث علم من کان قبلہ من الانبیاء والمرسلین

پہلی دفعہ جو وصی کہ روئے زمین پر ہوئے ہیں وہ ہبۃ اللہ بن آدم تھے اور کوئی نبی ایسے نہیں گذرے جنکے لئے وصی نہ ہو۔ جملہ انبیاء کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھا انمیں پانچ نبی اولوالعزم ہیں حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت محمد۔ اور یہ کہ علی بن ابیطالب محمد کے لئے ہبۃ اللہ ہیں جنکو اوصیاء اور جملہ اُن بزرگواروں کا علم میراث میں پہونچا ہے جو اُنکے قبل تھے۔ اور محمد کو اُن تمام انبیاء و مرسلین کا علم وراثت میں پہونچا ہے جو آپ کے قبل گذرے ہیں۔

اور قصص الانبیاء میں شاہزادہ عبد العظیم حسنی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

کتبت الی ابی جعفر الثانی اسالہ عن ذی الکفل ما اسمہ وھل کان من المرسلین فکتب بعث اللہ تعالی جل ذکرہ مائۃ الف نبی واربعۃ وعشرین الف نبی المرسلون منھم ثلثمائۃ وثلثۃ عشر رجلا وان ذالکفل منھم کان بعد سلیمان بن داؤد وکان یقضی بین الناس کما کان یقضی داؤد ولم یغضب الا للہ عز وجل و

مینے حضرت امام محمد تقی ؑ کی خدمت میں عریضہ لکھا جسمیں سوال کیا تھا کہ ذوالکفل کا نام کیا تھا اور آیا وہ نبی مرسل تھے پس حضرت نے تحریر فرمایا کہ حق تعالے نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے جنمیں تین سو تیرہ بزرگوار نبی مرسل تھے اور اُنہیں میں ذوالکفل بھی داخل ہیں اور وہ حضرت سلیمان بن داؤد کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں میں اُسی طرح فیصلہ کرتے تھے جس طرح کہ حضرت داؤد ؑ فیصلہ کرتے تھے اور اُنھوں نے اپنے لئے کبھی غصہ نہیں کیا البتہ اگر کوئی شخص حکم خدا کے خلاف کرتا تھا تو اُسپر غضبناک ہوتے تھے اور

كان اسمه عويد يا وهو الذي ذكره الله تعالى جلت عظمته في كتابه حيث قال واذكر اسمعيل واليسع وذاالكفل كل من الاخيار

اُن کا نام عوید یا تھا۔
یہ وہی بزرگوار ہیں جنکا حقتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔
"اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ یہ سب نیکو کاروں میں ہیں"

شریعت کی تعریف لفظ شریعت سے اصل لغت میں پانی کا وہ مقام مراد ہے جسپر لوگ اُسکے پینے کی غرض سے وارد ہوتے ہیں۔ اور اصطلاح میں اُس سے وہ دین و ملّت مراد ہے جسکو حقتعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں پر نازل فرمایا ہے۔ اور عامہ مکلّفین کو اُنکی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔

صاحبان شریعت اور اولوالعزم کا بیان اور جن حضرات پر کہ خداوند عالم نے اُس (شریعت) کو نازل فرمایا ہے وہ شارع کہلاتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو اُنکی پیروی کا حکم دیا ہے اُنکی متشرعہ کے ساتھ تعبیر کیجاتی ہے پس خداوند عالم نے جن بزرگوں پر شریعت کو نازل فرمایا ہے وہ چھ پیغمبر ہیں جنمیں سے پانچ پیغمبر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ اُن بزرگواروں میں پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں جنکی شریعت ابتدائی ہے اور باقی پانچ بزرگوں کی شریعت ناسخہ ہے اور اُنسے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفٰےؐ مراد ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ

تمہارے لئے دین کی اُسنے وہی باتیں مقرر کیں جنکی بابت اُس نے نوح کو وصیت کی تھی اور (اے رسول) جسکی بابت ہمنے تمہاری طرف وحی کی ہے اور جسکی بابت ہمنے ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو

وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِيْ
اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ
مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْا
اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ
مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ
لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ ۝ پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ

قائم رکھو۔ اور اسکی بارہ میں فرقے فرقے نہ بن جاؤ مشرکوں پر وہ امر جسکی طرف تم انکو بلاتے ہو بہت ہی گراں گزرا اللہ اس امر کے لئے جسکو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے اور توفیق ہدایت اسکو عطا کرتا جو اسکی طرف رجوع کرے۔ اور بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا وہ محض آپس کے حسد کے باعث فرقہ فرقہ بن گئے اور اگر تمہارے پروردگار (کیطرف سے مہلت) کا حکم ایک مدت معینہ کے لئے نہ ہو چکا ہوتا تو انکے مابین (کبھی کا) فیصلہ ہو چکتا اور بیشک جن لوگوں کو انکے بعد کتاب کا وارث کیا گیا وہ (آجتک) اسکی بارہ میں شک ہی میں ہیں جو انہیں ڈانواڈول کئے ہوئے ہے۔

اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوا کہ خداوند عالم نے اپنی مخلوق کو اسی شریعت کا پابند کیا ہے جو حضرت نوحؑ اور ہمارے حضرت اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام پر نازل فرمائی تھی۔ اور یہ کہ وہ شریعت ان سب بزرگواروں میں مشترک تھی جس سے توحید (خدا کی یکتائی) اور شرک سے بیزاری اور دین کے ساتھ تمسک کرنا اور اسکے موافق عمل کرنا اور اسپر ثابت قدم رہنا اور اس کی طرف دعوت کرنا۔ اور باہم مختلف نہ ہونا مراد ہے۔ اور ان آیات شریفہ کی تفسیر میں جو کچھ کہ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ حقتعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اسنے تمہارے لئے دین و توحید کے اختیار کرنے اور شرک سے بیزار رہنے کی انہیں چیزوں کو بیان کیا ہے جنکی کہ حضرت نوحؑ کو وصیت کی تھی۔ اور وہ چیزیں وہی ہیں جنکی کہ تجھے ہمنے وحی کی ہے اور انہیں کی حضرت ابراہیمؑ

اور حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسےٰؑ کو بھی وصیت کی تھی۔ اور اُس سے یہ مراد ہے کہ تم
دین کے ساتھ تمسک کرو اور اُسکے مقتضا پر عمل کرو اور اُسپر استمرار کرو اور
لوگوں کو اُسکی طرف بلاؤ اور آپسمیں اتفاق کرو۔ اور تم جو لوگوں کو خدا کی
توحید اور اخلاص کے اختیار کرنے اور بتوں کے چھوڑ دینے اور اپنے آباء
واجداد کے دین کو ترک کرنے کی طرف لوگوں کو بُلاتے ہو وہ مشرکین پر گراں
گزرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے سب معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود کو
اختیار کر لیا ہے اور اُنپر یہ امر بہت شاق گزرا ہے کہ حق تعالےٰ نے تمکو
اپنی وحی اور نبوت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور حق تعالےٰ اپنی رسالت
کے لئے اُنہیں بندوں کو منتخب کرتا ہے جنکو کہ اس مطلب کے قابل سمجھتا ہے
جنمیں تم بھی داخل ہو اور اپنے دین کی طرف اُنہیں لوگوں کو ہدایت کرتا ہے
جو اُسکی طاعت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے تمہارے بارہ میں
اُسیوقت اختلاف کیا ہے جبکہ اُن کو تمہاری نبوت کے صحیح ہونے کا
علم ہو چکا ہے۔ جسکا سبب ظلم و حسد اور عداوت اور طلب دنیا کی حرص ہی
اور اگر حق تعالےٰ وقت معین تک اُن کے باقی رکھنے کا وعدہ نہ کر چکا ہوتا
اور اُنسے عذاب کے مؤخر کرنے کی خبر نہ دیچکا ہوتا تو اُنپر فوراً عذاب نازل کرتا
اور وہ یہود و نصاریٰ یا عرب نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی قوم کے بعد
کتاب آسمانی (قرآن) کے وارث ہوئے ہیں وہ حق کو پہچاننے کے بعد انکار
کرتے یا اُسکی حقیقت میں شک کرتے ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہوا ہے کہ۔

سادۃ النبیین والمرسلین خمسۃ	انبیاء و مرسلین کے سردار پانچ بزرگ ہیں اور
وھم اولوالعزم من الرسل وعلیہم دارت	وہی انبیاء اولوالعزم کہلاتے ہیں اور آسیائے دین اسلام

الرحی نوح و ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء

اُنہیں[1] پر دورہ کرتی ہے اور وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق ع سے قول واجب تعالےٰ

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

اے رسول تم اُسیطرح صبر کرو جس طرح کہ انبیاء اولوالعزم صبر کرتے تھے

کی تفسیر میں منقول ہوا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ مراد ہیں۔ راوی نے عرض کیا کہ یہ انبیاء اولوالعزم کیونکر ہوگئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

لان نوحا بعث بکتابه وشریعته وکل من جاء بعد نوح اخذ بکتاب نوح وشریعته ومنهاجه حتی جاء ابراهیم بالصحف وبعزیمته ترك کتاب نوح لا کفرا به

حضرت نوح ع اپنی کتاب اور شریعت لیکر مبعوث ہوے۔ اور حضرت کے بعد جو نبی مبعوث ہوتے گئے وہ اُنہیں کی کتاب اور شریعت و طریقہ[2] پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت ابراہیم ع آسمانی صحیفے لیکر حضرت نوح ع کی کتاب کے منسوخ کرنے کے ارادے سے مبعوث ہوئے۔ اور حضرت نوح کی شریعت منسوخ کرنے سے انکار مقصود نہ تھا

---

[1] یعنی وہ بمنزلہ قطب ہیں ۱۲

[2] اصل حدیث میں لفظ منہاج واقع ہوا ہے جسکے معنی ہیں طریقہ۔ اور اسمیں قول باریتعالیٰ

ولکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا — اور ہمنے تم میں سے ہر ایک کی لئے گھاٹی اور سیدھا رستہ مقرر کردیا ہے

کی طرف اشارہ ہے ۱۲

فكل نبي جاء بعد ابراهيم اخذ بشريعة ابراهيم و منهاجه وبالصحف حتى جاء موسى بالتورية وشريعته ومنهاجه وبعزيمة ترك الصحف فكل نبي جاء بعد موسى اخذ بالتورية وشريعته ومنهاجه حتى جاء المسيح بالانجيل وبعزيمة ترك شريعة موسى ومنهاجه فكل نبي جاء بعد المسيح اخذ بشريعته ومنهاجه حتى جاء محمد صلى الله عليه واله بالقرآن فحلاله حلال الى يوم القيامة وحرامه حرام الى يوم القيامة فهؤلاء اولوالعزم من الرسل۔

پس جو نبی کہ حضرت ابراہیم کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ اُنہیں کی شریعت و طریقہ اور صحیفوں پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ توراۃ اور اپنی شریعت و طریقہ لیکر حضرت ابراہیم کی صحیفوں کو منسوخ کرنے کے ارادہ سے مبعوث ہوئے پس جو نبی کہ حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ توراۃ اور اُنکی شریعت اور طریقہ پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت مسیح انجیل لیکر حضرت موسے کی شریعت و طریقہ کو منسوخ کرنے کے ارادہ سے مبعوث ہوئے پس جو نبی کہ حضرت مسیح کے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ اُنہیں کی شریعت و طریقہ پر عمل کرتے رہے یہانتک کہ حضرت محمد مصطفیٰ قرآن شریف لیکر حضرت عیسےٰ کی شریعت اور طریقہ کو منسوخ کرنیکے ارادہ سے مبعوث ہوئے۔ پس آپ کی شریعت میں جو چیزیں حلال تھیں وہ روز قیامت تک حلال رہینگی۔ اور جو چیزیں حرام تھیں وہ قیامت تک حرام رہینگی۔ پس یہی وہ بزرگوار ہیں جو رسولان اولوالعزم کہلاتے ہیں۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ آیۂ شریفہ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ تم ان کافروں کی اذیت رسانی اور ایمان نہ لانے پر اُسی طرح صبر کرو جس طرح انبیاء نے صبر کیا ہے۔ لفظ من اس مقام پر بیان جنس کے لئے استعمال

کیا گیا ہے۔ اس تقدیر پر رسل سے جملہ انبیاء مراد ہونگے اس لئے کہ انہوں نے رسالت
کے ادا کرنے اور اُسکی مشقتوں پر تحمل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ
لفظ مِن اس مقام پر تبعیض کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی قول کو اکثر مفسرین نے
اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے علماء کی روایتوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ بعد ازاں علماء نے
اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے کون کون انبیاء مراد ہیں۔ پس بعض علماء نے
فرمایا ہے کہ انبیاء اولوالعزم سے وہ انبیاء مراد ہیں جو اپنی جدید شریعت لیکر مبعوث ہوئے ہیں
جس نے پہلی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے اور وہ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ اور حضرت موسیٰؑ
حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ اور یہ قول عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے منقول ہوا ہے
اور حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی گئی ہے
ان دونوں بزرگواروں نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ انبیاء باقی جملہ انبیاء کے سردار ہیں اور انہیں پر
رسالت کا دار و مدار رہا۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ چھ بزرگوار ہیں۔ اول حضرت
نوحؑ جنہوں نے اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کیا۔ دوم حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے آتش نمرود
پر صبر کیا۔ سوم حضرت اسحٰقؑ جنہوں نے ذبح ہونے پر صبر کیا۔ چہارم حضرت یعقوبؑ
جنہوں نے فرزند کے گم ہونے اور بینائی کے زائل ہونے پر صبر کیا۔ پنجم حضرت یوسفؑ جنہوں نے
کنویں (کی تاریکی) اور قید (کی اذیت) پر صبر کیا۔ ششم حضرت ایوبؑ جنہوں نے بیماری
(درد دکھ) پر صبر کیا اور یہ قول مجاہد سے منقول ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ
انبیاء اولوالعزم سے وہ انبیاء مراد ہیں جو جنگ و جہاد پر مامور ہوئے ہیں اور یہ سدی اور کلبی سے
منقول ہوا ہے اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ انبیاء اولوالعزم چار بزرگوار ہیں حضرت نوح حضرت
ابراہیمؑ حضرت ہودؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم اور یہ قول ابوالعالیہ سے منقول ہوا ہے اور عزم کے
اصل لغت میں وجوب اور حتم مراد ہوتا ہے۔ اور رسولوں میں اولوالعزم وہ انبیاء ہیں جنہوں نے
اپنی شریعتوں پر عمل کرنے اور باقی شریعتوں کے چھوڑ دینے کو لازم کیا۔

اولوالعزم کی وجہ تسمیہ

انبیاء اولوالعزم کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں پس بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اولوالعزم اسلئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ہمارے حضرت کی نبوت اور اُنکے اوصیاء اور حضرت صاحب الامر کی وصایت اور سیرت وغیرہ کا اقرار اور اُنکی جلالت قدر اور بزرگی کے اظہار میں حد درجہ کا اہتمام کیا تھا چنانچہ بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے قول باریتعالی ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ۔

عهد الیه فی محمد والائمة من بعده فترك ولم یکن له عزم فیهم انهم هكذا وانما سموا اولوالعزم لانه عهد الیهم فی محمد واوصیائه من بعده والقائم وسیرته فاجمع عزمهم ان ذلك كذلك والاقرار به۔

حضرت آدم ؑ سے حضرت محمد مصطفیٰ اور ائمہ طاہرین کے بارہ میں عہد لیا گیا تھا مگر اُنہوں نے اُسے ترک کر دیا اور اس بارہ میں اہتمام نہیں کیا اور اُنکو اولوالعزم اس لئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ اور اُنکے اوصیاء اور حضرت امام مہدی اور اُنکی سیرت کے بارہ میں عہد کیا تھا اور اُن سب نے اُن کے اقرار پر اجماع فرمایا تھا۔

اور بعض روایات سے اُنکی وجہ تسمیہ میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے خدا اور اُس کے جملہ پیغمبروں کے اقرار کرنے میں سبقت کی تھی اور اپنی اُمتوں کی تکذیب پر صبر کرنے کا عزم (مستحکم ارادہ) کر لیا تھا۔ چنانچہ علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اولوالعزم کے یہ معنی ہیں کہ اُنہوں نے تمام پیغمبروں پر خدا اور اُس کے جملہ پیغمبروں کے ساتھ اقرار کرنے میں سبقت کی خواہ وہ اُن کے قبل گذرے ہوں یا اُن کے بعد آنے والے ہوں۔ اور اس امر کا عزم کیا تھا کہ وہ اپنی اُمتوں کی تکذیب پر صبر کرینگے اور بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولوالعزم سے وہ پیغمبر مراد ہیں جنکی شریعت نے اگلے پیغمبروں کی شریعت کو منسوخ

کیا ہے اور علماء اعلام میں یہی قول مشہور ہے جسکی تائید امام جعفر صادق کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو سابق میں مذکور ہوئی اور وہ روایت بھی اس مطلب کی مؤید ہے جو جناب امام رضاؑ سے منقول ہے کہ۔

انما سمّی اولو العزم اولی العزم
لانهم کانوا اصحاب العزائم والشرائع
وذلك ان کل نبی کان بعد نوح
کان علی شریعته
ومنهاجه وتابعا لکتابه
الی زمن ابراهیمؑ الخلیل
وکل نبی کان فی ایام
ابراهیم وبعده کان
علی شریعة ابراهیم
ومنهاجه وتابعا لکتابه
الی زمن موسیٰ وکل نبی
کان فی زمن موسیٰ وبعده
کان علی شریعة موسیٰ ومنهاجه
وتابعا لکتابه الی ایام عیسیٰ وکل
نبی کان فی ایام عیسیٰ وبعده کان
علی منهاج عیسیٰ وشریعته وتابعا لکتابه
الی زمن نبینا محمد فهولاء الخمسة اولو العزم
وهم افضل الانبیاء والرسل وشریعة محمد لا تنسخ الی یوم القیامة

اولوالعزم کو اولوالعزم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صاحبان عزیمت اور شریعت تھے اس لئے کہ جو پیغمبر حضرت نوحؑ کے بعد تھے وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت اور طریقہ پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے۔ اور جو پیغمبر کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یا اُنکے بعد مبعوث ہوئے وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت اور طریقہ پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے اور جو پیغمبر کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں یا اُنکے بعد ہوئے وہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک اُنہیں کے طریقہ اور شریعت پر عمل اور اُنکی کتاب کی تبعیت کرتے تھے اور جو پیغمبر کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اور اُنکے بعد مبعوث ہوتے رہے وہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ کے زمانہ تک اُنہیں کی شریعت اور کتاب پر عمل کرتے اور اُنکی کتاب کی تابع رہے ہیں پس یہ پانچ بزرگوار اولوالعزم ہیں اور باقی انبیاء ورسل سے افضل اور بہتر ہیں اور ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ کی شریعت تا قیامت منسوخ نہ ہوگی

ولا نبی بعده الی یوم القیمة فمن ادعی بعده نبوة او اتی بعد القرآن بکتاب فدمه مباح لکل من سمع ذلک منه۔

اور قیامت تک حضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہوگا پس جو شخص کہ حضرت کے بعد اپنے پیغمبر ہونیکا دعوے کریگا یا قرآن کے بعد کسی کتاب کے منجانب اللہ ہونیکا دعوے کریگا اُسکا خون ہر اُس شخص کے لئے مباح ہے جو اُس سے اس دعوے کو سنے۔

اور ایک روایت میں حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہوا ہے کہ۔

من احب ان یصافحه مائة الف نبی واربعة وعشرون الف نبی فلیزر قبر ابی عبداللہ الحسین بن علیؑ فی النصف من شعبان فان ارواح النبیینؑ یستاذنون اللہ فی زیارته فیوذن لهم منهم خمسة اولوالعزم من الرسل قلنا من هم قال نوح وابراهیم وموسی وعیسی ومحمد صلی اللہ علیهم قلنا له ما معنی اولی العزم قال بعثوا الی شرق الارض وغربها جنها وانسها۔

جو شخص چاہے کہ اُسکے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی روح معانقہ کرے تو اُسکو چاہئے کہ نیمۂ شعبان کی شب میں حضرت امام حسینؑ کے روضۂ اطہر کی زیارت کرے اس لئے کہ اُس شب میں پیغمبروں کی روحیں حضرت کی زیارت کے لئے رخصت لیتی ہیں اور اُنمیں پانچ بزرگوار پیغمبران اولوالعزم ہوتے ہیں جنسے حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسےؑ اور حضرت محمد مصطفےؐ مراد ہیں راوی نے سوال کیا کہ اولوالعزم کے کیا معنے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ زمین کی مشرق و مغرب میں تمام جن و انس پر مبعوث ہوئے ہیں۔

اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تمام خلق پر مبعوث ہوئے

اور دیگر احادیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقط بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئی تھی اور بعض علمائے اعلام نے اس مطلب کی تائید میں کہ یہ پانچوں بزرگوار کافۂ خلایق پر مبعوث ہوئے ہیں اس حدیث مشہور کو پیش کیا ہے کہ۔

یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی	علی تمکو مجھسے وہی نسبت ہے جو حضرت کو حضرت ہارون سے تھی مگر ذرق یہ ہی کہ) میرے بعد کوئی نبی نہو گا۔

کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو نسبت تھی نبوت کے سوا وہی نسبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو جناب رسولخدا کے ساتھ حاصل ہے اور از بسکہ ہمارے حضرت کی نبوت کا عام اور حضرت کا کافۂ خلایق پر مبعوث ہونا معلوم ہے لہذا جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا عام ہونا اور اُنکا کافۂ خلایق پر مبعوث ہونا بھی ثابت ہوگا۔ اور جس طرح کہ اِس حدیث شریف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا عام ہونا ثابت ہوتا ہے اُسیطرح حضرت ہارون کی خلافت کا بھی ریاست عامہ ہونا ثابت ہوگا۔ اور ظاہر بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عام نہ تھی بلکہ وہ قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور از بسکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا فقط قوم بنی اسرائیل سے مخصوص ہونا اُن احادیث کثیرہ کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا جنسے کہ انبیاء اولوالعزم کا شرق و غرب اور جن و انس پر مبعوث ہونا ثابت ہوا ہے لہذا وہ اعتبار سے ساقط ہوگی اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عام نہ ہوتی تو اُن (حضرت موسیٰ) کا فرعون و ہامان اور قبطی لوگوں کو جنکی تعداد روایت میں وارد ہوئی ہے ایک لاکھ اسی ہزار تھی ایمان لانے پر مامور کرنا اور صورت مخالفت میں اُنکو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرنا اور بالآخر اُن کو غرق کر دینا کیونکر صحیح ہوتا کیونکہ اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کہ سکتا تھا کہ آپ تو فقط بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے ہیں لہذا آپکا مجھے اور میری قوم کو ایمان لانے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ آپ ہم لوگوں پر مبعوث نہیں ہوئے ہیں اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا فقط بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہونا فرض کیا جائیگا

... ہے ... تشریف ... واضح ہوگا کہ ... بنی اسر
نے ازراہ نافرمانی کہدیا تھا کہ آپ اور آپکا پروردگار اُن (عمالقہ) سے جہاد کرنیکو لئیے
چلے جائیں ہم یہیں پر بیٹھے رہینگے جسپر خداوند عالم کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ ۝ (پارہ ۶ سورۂ مائدہ) } اب تم اور تمہارا پروردگار جاؤ اور دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

پس حضرت موسیٰؑ کا عمالقہ کی دعوت اور ہدایت کے لئے تشریف لیجانا ابن مصری کی روشن دلیل قرار پاتی ہو کہ وہ عمالقہ پر بھی مبعوث تھے۔ اسیطرح اگر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کی شریعت کا عام ہونا اوران دونوں بزرگواروں کا کافہ ناس کی طرف مبعوث ہونا فرض نہ کیا جائیگا تو زمین کا حجت خدا سے خالی ہونا لازم آئیگا جسکا باطل ہونا عقل ونقل دونوں سے ثابت ہو جیسا کہ اوپر کی تقریروں میں مذکور ہوچکا ہو۔

بالجملہ روایات مختلفہ میں جمع و توفیق کا یہ طریقہ ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کا بھی حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح کافہ خلائق پر مبعوث ہونا تسلیم کیا جائے لکن حیات حضرت موسیٰؑ میں اُن کی شریعت کی فقط ملک مصر تک منتشر ہونے اور شریعت حضرت عیسےٰؑ کے فقط شام اور بیت المقدس تک منتشر ہونے کی نوبت آگئی ہو۔

نبی پر تقیّہ کا جائز ہونا یا نہ ہونا

لفظ تقیّہ کا اصل لغت میں خوف اور احتراز کرنے پر اطلاق ہوتا ہے اور اصطلاح میں اُس (لفظ تقیہ) کا نفس محترم کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے حق کے پوشیدہ کرنے پر اطلاق کیا جاتا ہے خواہ خلاف حق کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے اور خواہ (حق کا پوشیدہ کرنا) بعنوان توریہ واقع ہو یا بدون اس کے۔

اس تعریف کی بنا پر خلاف حق کا ظاہر کرنا اُمر (تقیہ) کی حقیقت میں داخل نہ ہوگا اور

اُس کا توریہ پر اطلاق کرنا بدون اشکال درست ہوگا اس لئے کہ توریہ سے لفظ متعدد المعنی کا ازراہ مصلحت استعمال کرنا اور بیان مقصود میں ابہام کر دینا اور معنی غیر ظاہر کا ارادہ کرنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ توریہ کے اس معنے پر حق کا پوشیدہ کرنا جو تعریف تقیہ ہے صادق آتا ہے۔

اور بعض علماء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلاف واقع کا ظاہر کرنا اُس کی حقیقت میں داخل ہے اور اُنکی عین عبارت یہ ہے۔

التقیۃ ھی اظہار خلاف الواقع لغرض من الاغراض الصحیحہ	اغراض صحیحہ میں سے کسی غرض کی وجہ سے خلاف واقع کا اظہار کرنا تقیہ ہے۔

اس صورت میں تقیہ کا توریہ پر صادق آنا خالی از اشکال نہ ہوگا اس لئے کہ توریہ کی تعریف میں خلاف واقع کا ظاہر کرنا ماخوذ نہیں ہے۔

اور بعض اعلام نے اشکال مذکور کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر خلاف واقع کے ظاہر کرنے کا مفہوم تقیہ میں داخل ہونا فرض کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اظہار خلاف بھی اس امر سے عام ہے کہ وہ مخالفت میں صریح ہو یا ظاہر یا اُسمیں دونوں وجہیں (مخالفت و موافقت) محتمل ہوں اور جو محذور کہ تقیہ میں متوہم ہو سکتا ہے اور جو ضرورت کہ اُسکے جائز ہونے کا سبب قرار پا سکتی ہے وہ ان جملہ صورتوں میں جاری ہوتی ہے۔ بہر حال توریہ کا داخل تقیہ ہونا بعینہ اقرب الی الصواب ہے اگر ایسا نہو تو کلام میں توریہ کا استعمال کرنا بے وجہ ہوگا جسکی وجہ واضح ہے۔ فان الابہام فی بیان المرام ینافی الافہام کما لا یخفی علی ذوی الافہام فتدبر[1]

[1] لفظ تدبر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی توریہ سے فہم مخاطب کا اختبار مقصود ہوتا ہے لہذا اُس کا بہر صورت داخل تقیہ کرنا درست نہوگا اور اسکا جواب یہ ہے کہ اس تقدیر پر توریہ اور تقیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی اور مولد تقیہ میں وہ (توریہ) بہر حال اُس تقیہ کی ایک فرد قرار پائیگی اور ہمارا مقصود حاصل ہوگا اور اُس (توریہ) کا بدون تقیہ بھی موجود ہونا ہمارے مضر نہ ہوگا اور اس مطلب کی عصمت انبیاء کے مسئلہ میں شرح ہو چکی ہے جس کا جی چاہے اُس کی طرف رجوع کرے۔ واللہ اعلم ۱۲

اور فاضل گجراتی سے تقیہ کی تعریف میں یہ عبارت منقول ہوئی ہے۔

ھی الحذر عن اظہار ما فی الضمیر من العقیدۃ ونحوھا عند الناس	لوگوں کے سامنے ما فی الضمیر (عقیدہ وغیرہ) کے ظاہر کرنے سے خوف کرنا۔

اور اس عبارت سے اگرچہ پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ما فی الضمیر کے ظاہر نہ کرنے کو حق کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے لیکن لفظ ما فی الضمیر اُس (حق) سے عام ہے اور حق و باطل دونوں کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ تقیہ میں ضرر سے محفوظ رہنے کی غرض کا ملحوظ ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے اور عبارت مذکورہ اس مطلب سے عام ہے۔ حالانکہ اگر کسی دوسرے مصلحت سے ما فی الضمیر کا اظہار نہ کیا جائے تو وہ تقیہ میں داخل ہوگا اور بظاہر فاضل مذکور کی غرض بھی یہی معلوم ہوتی ہے اگرچہ تادیہ مطلب میں اُنسے فی الجملہ مسامحہ ہوا ہے اور جناب شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے تقیہ کی تعریف میں معنی لغوی کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

والمراد ھنا التحفظ عن ضرر الغیر بموافقتہ فی قول او فعل مخالف للحق۔	ضرر غیر سے ایسے فعل میں موافقت کر کے تحفظ کرنا جو مخالف حق ہو۔

اور اس عبارت سے بظاہر دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ مخالف حق کی موافقت کرنے کو خلاف حق کا ظاہر کرنا لازم ہے اور توریہ بھی اُس میں داخل ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ کے معنے ظاہری کی وجہ سے موافقت غیر بھی صادق آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ (معنی ظاہری) مراد متکلم نہیں ہوتے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ ان جملہ عبارتوں میں ایک ہی معنی کا تادیہ مقصود ہے صرف عنوان ادا میں اختلاف ہو گیا ہے اور جملہ عبارتوں میں تقیہ سے ایسے عنوان کا اختیار کرنا مراد لیا گیا ہے جو ضرر سے محفوظ رہنے میں داخل ہو۔ واللہ اعلم۔

اور علماء امامیہ کے نزدیک عامۂ مکلفین کے لئے خون ریزی کے علاوہ ہر ایک ایسے امر

[illegible]

اہل سنت وجماعت نے بھی اُن (امامیہ) کی موافقت کی ہے۔ اور جناب شیخ مفید رح سے نقل کیا گیا ہے کہ۔

انها قد یجب احیانا و یکون فرضا و یجوز احیانا من غیر وجوب و تکون فی وقت افضل من ترکها و قد یکون ترکها افضل و ان کان فاعلها معذورا و معفوا عنه متفضلا علیه بترك اللوم علیها

وہ تقیہ کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی محض جائز ہوتا ہے اور واجب نہیں ہوتا اور کسی وقت اُسکا اختیار کرنا اُسکے ترک سے بہتر ہوتا ہے اور کبھی اُسکا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اگرچہ اُسکا فاعل معذور ہوگا اور اُسکی مذمت نکیجائیگی۔ انتہی ملخصًا۔

اور جناب شیخ جعفر طوسی رح سے منقول ہوا ہے کہ۔

ظاهر الروایات تدل علی انها واجبة عند الخوف علی النفس و قد روی رخصة فی جواز الافصاح بالحق عنده

ظاہر احادیث اُس (تقیہ) کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ نفس پر خوف فرض کیا جائے اور کبھی وقت خوف بھی حق کے ظاہر کرنے کی اجازت منقول ہوئی ہے۔

اور شارح کافی ملا صالح مازندرانی لکھتے ہیں کہ۔

والتقیة عندنا واجبة والمخالفون قالوا ترکها افضل اعزاز للدین۔

اور ہمارے نزدیک تقیہ واجب[1] ہے اور مخالفین نے کہا ہے کہ اُس (تقیہ) کا ترک کرنا بہتر ہے اس لئے کہ اُسمیں اعزاز دین[2] ہے۔

اور حسن بصری سے منقول ہوا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسول خدا صلعم کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا پس ایک سے کہا کہ

---

[1] عنقریب تقیہ کا احکام خمسہ کی طرف منقسم ہونا مذکور ہوگا لہٰذا اُسکے واجب ہونیکا مطلقا حکم کرنا درست نہیں ہے ۱۲

[2] ترک تقیہ کے لئے اعزاز دین لازم نہیں ہے بلکہ بسا اوقات دین کا اعزاز تقیہ ہی میں منحصر ہوتا ہے لہٰذا ترک تقیہ کو بہر صورت افضل قرار دینا بے وجہ ہے ۱۲

اتشہد ان محمدا رسول اللہ } آیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ محمد رسول خدا ہیں
اُسنے جواب دیا کہ ہاں- بعد ازآں اُس نے کہا کہ-

اتشہد انی رسول اللہ } آیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ میں رسول خدا ہوں-

اُس نے جواب دیا کہ ہاں- پھر دوسرے کو بلایا اور اُس سے بھی کہا کہ اتشہد ان محمد رسول اللہ اُسنے کہا کہ ہاں میں اسکی شہادت دیتا ہوں بعد ازآں اُس سے یہ کہا کہ اتشہد انی رسول اللہ اُسنے جواب دیا کہ انی اصم (میں بہرہ ہوں) اسی طرح اُس نے تین مرتبہ کہا اور وہ ہر ایک دفعہ یہی جواب دیتا تھا کہ میں بہرا ہوں پس مسیلمہ نے اُسکی گردن ماردی- اور جبکہ یہ خبر حضرت رسول خدا کو پہونچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ-

اما ذلك المقتول فمضى على صدقه ويقينه واخذ بفضله فهنيا له واما الاخر فقبل رخصة الله فلا تبعة عليه- } یہ شخص جو قتل کیا گیا وہ اپنے راستی اور یقین پر گذر گیا اور اپنی فضیلت کو حاصل کیا- پس اُسکے لئے مبارک وگوارا ہوا اور یہ دوسرا شخص پس اُسنے رخصت خدا کو قبول کیا اور اُسپر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے

پس اس روایت کی بنا پر تقیہ کرنا از قبیل رخصت ہوگا اور حق کا ظاہر کرنا داخل فضیلت ہوگا

جواز تقیہ کے دلائل } اور تقیہ کے جواز یا اُسکے رجحان پر کئی امروں کے ساتھ استدلال ہو سکتا ہے-
پہلا امر نفس محترم کا ضرر سے محفوظ رکھنا تقیہ پر موقوف ہے

اور جس امر پر کہ نفس محترم کا محفوظ رکھنا موقوف ہو اُسکا اختیار کرنا لازم ہے لہذا تقیہ کا اختیار کرنا لازم ہے اور یہ دلیل اُسی صورت میں جاری ہوگی جبکہ نفس کا ضرر سے محفوظ رہنا تقیہ پر موقوف ہو لیکن وہ ہر ایک تقیہ میں جاری نہ ہوگی-

دوسرا امر حق تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ-

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقْيَةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (پارہ ۳ سورہ آل عمران)

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اُس سے اور خدا سے کوئی واسطہ نہیں سوائے اُس صورت کے کہ تم اُنسے کسی قسم کا خوف رکھتے ہو اور اللہ تمکو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے۔

وآمرك ان تستعمل التقية في دينك فان الله عز وجل يقول لا يتخذ المؤمنون اه۔

اور میں تمکو اس امر پر مامور کرتا ہوں کہ تم اپنے دین میں تقیہ کو استعمال کرو اس لئے کہ حق تعالے نے ارشاد فرمایا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ اہ۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وفي هذه الآية دلالة على ان التقية جائزة في الدين عند الخوف على النفس

اور اس آیت میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت ہے جبکہ نفس پر خوف ہو۔

بعد ازاں تحریر فرماتے ہیں۔

وقال اصحابنا انها جائزة في الاحوال كلها عند الضرورة وربما وجبت فيها لضرب من اللطف والاستصلاح وليس يجوز من الافعال في قتل المؤمن ولا يعلم او يغلب على الظن انه استفساد في الدين

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ تقیہ کرنا وقت ضرورت جملہ حالات میں جائز ہے اور بسا اوقات وہ (تقیہ) واجب بھی ہوجاتا ہے جبکہ اُسمیں کسی قسم کا لطف یا اصلاح فرض کیجائے اور قتل مومن یا کسی دوسرے فتنہ و فساد کے مقام پر تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جبکہ اُسکا پیش آنا معلوم یا مظنون ہو انتہیٰ ملخصاً

اور قاضی ناصر الدین بیضاوی نے آیہ شریفہ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الا ان تخافوا من جهتهم ما يجب

(کفار کی دوستی حرام ہے) مگر جبکہ تم کفار کی کسی ایسے امر میں خوف کرو

تقات ـ

جہاں کہ اُسمیں تقیہ کرنا واجب ہو۔

بلکہ قاضی صاحب موصوف نے قاری یعقوب سے جو من جملہ قراء سبعہ میں نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے لفظ تقاۃ کو تقیہ ہی پڑھا ہے بعد ازان بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ[1] نے کفار کی دوستی کو جمیع اوقات میں منع کیا ہے البتہ وقت خوف اُن کی دوستی کے ظاہر کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام رازی نے اسی آیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حفظ نفس کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے اور آیا حفظ مال کے لئے بھی تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں پس احتمال ہے کہ جائز ہو اس لئے کہ حضرت رسول خدا سے منقول ہے کہ من[2] قتل دون مالہ فہو شہید اور اس لئے کہ مال کی حاجت شدید ہے۔

اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ جب پانی کی قیمت کا سونے کی قیمت کے مساوی ہونا فرض کیا ہے تو فرض وضو ساقط ہو جاتا ہے اور تیمم پر اقتصار کرنا جائز ہو جاتا ہے تاکہ مکلف پر اسقدر بھی ضرر مالی عود نکرے پس ایسے مقام پر تقیہ کیوں نہ جائز ہوگا۔

تیسرا امر حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ پارہ ۱۴ سورہ النحل	جو ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کر جائے سوا اُس صورت کے کہ اُسپر جبر کیا گیا ہو درانحالیکہ اُسکا دل ایمان سے مطمئن ہو لیکن جو دل کھولکر کفر کرے پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور اُنہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیہ شریفہ کی شان نزول میں بیان فرمایا ہے کہ قول باریتعالیٰ

[1] قاضی صاحب کی عین عبارت یہ ہے نہی عن موالاتہم ظاہرا و باطنا فی الاوقات کلہا الا وقت المخافۃ فان اظہار الموالاۃ حینئذ جائز کما قال عیسیٰ کن وسطا وامش جانبا ۱۲

[2] جو شخص کہ اپنے مال کے سامنے (اُسکی حفاظت میں) قتل کر ڈالا جائے وہ شہید ہے ۱۲

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان مسلمانوں کی اُس جماعت کے بارہ میں نازل ہوا ہے جنکو کفار نے مرتد ہو جانے پر مجبور کیا تھا - اور وہ حضرت عمار اور انکی پدر بزرگوار یاسر اور اُنکی مادر گرامی سمیہ اور صہیب اور بلال اور خباب تھے - کفار نے ان لوگوں پر عذاب کیا اور حضرت عمار کے ماں باپ دونوں قتل کر ڈالے گئے -

پس حضرت عمار نے اپنی زبان پر اُس کلمہ کو جاری کر لیا جسکے جاری کرنے کو وہ لوگ چاہتے تھے - بعد ازاں حق تعالی نے اس واقعہ کی حضرت رسول خداؐ کو خبر کردی پس ایک قوم نے کہا کہ عمار کافر ہو گئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ -

کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنہ الی قدمہ واختلط الایمان بلحمہ ودمہ -

وہ ہرگز کافر نہیں ہوئے - عمار از سر تا پا ایمان سے مملو ہیں - اور ایمان اُنکے گوشت اور خون میں مخلوط ہو گیا ہے -

اور حضرت عمار حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے - حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ما وراءک - (تمہاری کیا خبر ہے) انہوں نے عرض کیا -

شر یا رسول اللہ ما ترکت حتی نلت منک وذکرت الہتہم بخیر -

اے رسول خدا بری خبر ہے میں اسوقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک کہ آپ کی جناب میں کلمہ ناسزا نہیں کہا - اور اُنکے معبودوں کو خیر و خوبی کے ساتھ یاد نہیں کیا -

پس حضرت رسول خداؐ اُنکی دونوں آنکھیں پونچھنے لگے اور فرماتے تھے کہ -

ان عادوا لک فعد لہم بما قلت } اگر وہ تم سے دوبارہ کہلائیں تو تم اسی کلمہ کو دوبارہ بھی کہدینا -

پس آیہ شریفہ نازل ہوئی - اور یہ قول ابن عباس اور قتادہ سے منقول ہے - اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیہ شریفہ اہل مکہ کی ایک جماعت کے بارہ میں نازل ہوا جو ایمان لائے تھے - اور مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکلے تھے - پس اُن کو قریش نے پالیا تھا اور اُن کو فتنہ میں ڈالا تھا اور انہوں نے مجبور ہو کر کلمہ کفر کو اپنی زبانوں پر جاری کیا تھا

اور یہ قول مجاہد سے منقول ہے - اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت عمار کے والدین
یاسر و سمیہ پہلے دو شخص ہیں جو اسلام میں شہید ہوئے - اور قول باری تعالیٰ من کفر باللہ
اور مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مراد ہے، جو عامر بن
لوی کی اولاد سے ہے اسکے بعد علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے آیۂ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ

من كفر بالله بأن يرتد عن الاسلام
وشرح بالكفر صدرا فعليهم غضب
من الله ولهم عذاب عظيم الا من
اكره فتكلم بكلمة الكفر على
وجه التقية مكرها وقلبه
مطمئن اى ساكن بالايمان
ثابت عليه فلا حرج عليه
في ذلك وقيل انه يتصل
بما تقدم فمعناه انما يفتري الكذب
من كفر بالله من بعد ايمانه ثم استثنى من ذلك
من اكره على ذلك وكان مطمئن القلب الى
الايمان في باطنه فانه بخلافه ولكن من
شرح بالكفر صدرا اى من اتسع قلبه للكفر و
ثابت نفسه به فعليهم غضب من الله ولهم العذاب
في الآخرة (مجمع البيان ج ۱۴ ص ۳۸۰)

جو شخص ایمان کے بعد کافر ہو جائے بایں معنے کہ وہ
اسلام سے پھر جائے اور کفر کو بخوشی خاطر اختیار کرے
تو اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ مگر جو شخص کہ مجبور کیا جائے
اور وہ مجبور ہو کر کلمۂ کفر کو بروجہ تقیہ اپنی زبان پر
جاری کرے اور اُسکا دل ایمان پر ثابت ہو تو اُسپر
اس بارہ میں کوئی حرج نہو گا۔ اور بعض لوگوں نے
کہا ہے کہ آیۂ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن
بالایمان کا قول باری تعالیٰ انما یفتری الکذب
سے تعلق ہے اور معنے یہ ہیں کہ کذب و دروغ کا وہی
شخص افترا کرتا ہے جو ایمان کے بعد کافر ہو جائے
اور اس حکم سے وہ شخص مستثنےٰ ہے جو کفر پر مجبور کیا جائے
اور اُسکا دل باعتبار باطن ایمان پر ثابت ہو تو اُسکا
یہ حکم نہ ہوگا لیکن جب شخص کا دل اُسکے ساتھ خوش
ہوگا تو اُن لوگوں پر غضب خدا اور انہیں پر آخرت میں
عذاب نازل ہوگا - انتہی ملخصاً۔

اور علامۂ زمخشری نے قول باری تعالیٰ -
اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ — کہ سوائے اسکے نہیں کہ جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ج وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ہ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ج وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہ

پارہ ۱۴
سورہ النحل

آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں جو بعد ایمان لانے کے خدا کا انکار کر جائے سوائے اُس صورت کے کہ اُس پر جبر کیا گیا ہو درانحالیکہ اُسکا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ لیکن جو دل کھولکر کفر کرے پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور اُنہی کے لئے بڑا عذاب (تیار) ہے۔

کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ کذب و دروغ کے مفتری وہی لوگ ہیں جو بعد ایمان کافر ہو جاتے ہیں۔ اور اس کلیہ سے اُس شخص کو مستثنیٰ فرمایا ہے جو اظہار کفر پر مجبور کیا جائے کہ ایسا شخص حکم افتراء سے خارج ہوگا۔

اس کے بعد خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی خوشی اور اطمینان قلب سے کلمۂ کفر کو زبان سے جاری کرتے ہیں وہ غضب پروردگار کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی جو لوگ بطیب خاطر اعتقاد دیا دل سے کلمۂ کفر کے ساتھ تکلم کرتے ہیں وہی غضب ربانی میں مبتلا ہوں گے۔

اور اس مقام پر قاضی ناصر الدین بیضاوی اور دیگر مفسرین اہل سنت و جماعت نے اس آیۂ شریفہ کی شان نزول میں روایت کی ہے کہ کفار قریش نے حضرت عمار اور اُن کے پدر بزرگوار یاسر اور اُنکی مادر گرامی سُمیہ کو اسلام سے برگشتہ اور مرتد ہو جانے پر مجبور کیا تھا اور سُمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ایک حربہ کو اُنکی پیشاب گاہ میں داخل کر دیا تھا۔ اور کہتا تھا کہ تم نے مردوں کی محبت میں اسلام کو قبول کیا ہے پس اُنہوں نے سُمیہ اور یاسر کو ہلاک کر دیا اور یہ دونوں بزرگوار پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام میں قتل کئے گئے ہیں۔ اور حضرت عمار نے اُسی کلمۂ کفر کو اُن لوگوں کے جبر و اکراہ سے اپنی زبان پر جاری کر دیا تھا جبر کو کہ وہ جانتے تھے پس حضرت رسول خدا کی خدمت مبارک میں

کی سے کافر ہوکر عرض کیا کہ عمار کافر ہوگئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہرگز
نہیں ہوا وہ (عمار) ایمان سے سر تا پا مملو ہیں اور ایمان اُنکے گوشت اور خون
میں سرایت کر چکا ہے۔ بعد ازآں حضرت عمار گریہ کرتے ہوئے حضرت رسولِ خداؐ
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس حضرت نے اُن کی آنکھوں کے آنسو پونچھے اور
ارشاد فرمایا کہ تم کو کیا خوف و خطر ہے۔ اگر وہ لوگ دوبارہ تم سے وہی کلمہ کہلانا
چاہیں جسکو کہ تم اپنی زبان پر جاری کر چکے ہو تو تم پھر اُسی کلمہ کو اپنی زبان پر جاری کر دینا۔
قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ حضرتؐ کا یہ ارشاد اس امر کی دلیل ہے کہ وقت اکراہ
کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کر دینا جائز ہے اور قاضی صاحب موصوف نے قول باری تعالیٰ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

فِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْاِیْمَانَ هُوَ التَّصْدِیْقُ بِالْقَلْبِ } خداوند عالم کے اِس قول میں اس امر پر دلیل ہے کہ ایمان سے فقط تصدیق قلبی مراد ہے۔

اور اسیطرح مقام مذکور میں کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا داخل افترا بھی نہیں ہے
جسپر علامۂ زمخشری کا یہ قول۔

واستثنیٰ منه المکره } اور مفتری کذب دروغ سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جسپر جبر واکراہ کیا گیا ہو۔

دلالت کرتا ہے۔ پس وہ حکم افترا میں داخل نہوگا۔ اور علامۂ مذکور نے قول باری تعالیٰ
وَمَنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ای طاب به نفسا واعتقده } یعنی کفر سے اُسکا دل خوش ہو اور اُسکا اعتقاد رکھتا ہو۔

پس کلمات مذکورۂ بالا پر نظر کرنے کے بعد ہر ایک شخص اس نتیجہ تک ضرور
پہونچیگا کہ شریعت اسلام میں تاوقتیکہ کفر کا اعتقاد نہ ہوگا اُسوقت تک درحقیقت
کفر صادق نہ آئیگا۔ اور وہ کفر و دروغ جس کا وقت ضرورت ارتکاب فرض کیا جائے
وہ کفر و دروغ کے حکم سے مستثنیٰ اور ہر ایک قسم کی بُرائی سے معرّا ہوگا۔

چوتھا اہر حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ (پارہ ۲۴ سورۂ مومن) } اور فرعون کے کنبہ میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کہا۔

علامۂ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ مومن آل فرعون اپنے ایمان کو اپنے سینہ میں ازراہ تقیہ پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔

التقیۃ مِنْ دِیْنِیْ و دین اٰبائی و لا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ ترس اللہ فی الارض۔ } تقیہ میرے اور میرے آبار و اجداد کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا اُس کا دین کامل نہیں ہے اور تقیہ زمین میں خدا کی سپر ہے۔

کیونکہ اگر مومن آل فرعون اسلام کو ظاہر کرتے تو قتل کر ڈالے جاتے۔

ف ابن عباس سے منقول ہے کہ وہاں پر تین شخصوں کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔

(۱) مومن آل فرعون جنکا جزبیل یا حبیب نام ہے۔ (۲) زن فرعون۔ (۳) وہ مومن جس نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے اس قول سے ڈرایا تھا۔

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (پارہ ۲۰ سورۃ القصص) } اشراف قوم تمہارے قتل کے لئے باہم مشورہ کر رہے ہیں

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ (مومن آل فرعون) فرعون کے چچا زاد بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے اور قصائے مدینہ سے دوڑتے ہوئے آئے تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے ولیعہد تھے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنا ایمان کو سو برس تک اور بقول چھ سو برس تک پوشیدہ رکھا تھا اور وہ مجذوم تھے۔ اور انکی انگلیاں گر گئی تھیں اپنے دونوں ہاتوں سے لوگوں کی طرف اشارہ کرکے کہتے تھے۔

يَا قَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ } اے قوم میرا اتباع کرو میں تمکو راہ راست کی ہدایت کرونگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے مصاحب تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے اُنہوں نے ہی مادر حضرت موسیٰؑ کے لئے تابوت بنایا تھا جسمیں رکھکر حضرت موسیٰؑ کو دریا میں ڈالدیا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ سو برس تک فرعون کے خزانچی رہے بالآخر فرعون نے انکو قتل کر ڈالا۔ ۱۲

اور قاضی بیضاوی نے قول باریتعالی و قال رجل مؤمن من آل فرعون کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔

من اقاربه وقیل متعلق لقوله یکتم ایمانه والرجل اسرائیلی او غریب موحد کان بینا فقیم۔

اُس مومن نے کہا جو فرعون کے اقربا میں سے تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ فقرہ یکتم ایمانه سے متعلق ہے اور یہ شخص اسرائیلی ہے یا کوئی اجنبی جو انکے ساتھ بطور نفاق بسر کرتا تھا انتہی

اور قاضی صاحب کی اس عبارت سے بھی مومن آل فرعون کا اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور آل فرعون کے ساتھ حالت نفاق میں زندگی کو بسر کرنا ثابت ہوتا ہے جس کا تقیہ کے جائز ہونے بلکہ پیش خدا اُسکے ممدوح ہونے پر دلالت کرنا بہت واضح ہے۔ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے توراۃ کے بعض وہ فقرات جنکو خداوند عالم نے مناجات حضرت موسیٰ کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے اسطرح وارد کئے ہیں

واکتم مکنون سری فی سریرتك واظهر فی علانیتك المداراة عنی لعدوی وعدوك من خلقی ولا تستسب لی عندهم باظهارك مکنون سری فتشرك عدوك وعدوی فی سبی۔

تم میرے پوشیدہ راز کو اپنے دل میں چھپائے رکھو اظاہر میں میرے اور اپنے دشمن کے لئے مدارات کا اعلان کرو اور میرے پوشیدہ راز کو ظاہر کرکے تم اس امر کا سبب نہ قرار پاؤ کہ میری سب دشتم میں میرے اور اپنے دشمن کے شریک ہو جاؤ۔

معلے ابن خنیس نے حضرت امام جعفر صادق عسے روایت کی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ

یا معلے اکتم امرنا ولا تذعه فانه من کتم امرنا ولم یذعه اعزه الله به فی الدنیا وجعله نورا بین عینیه فی الآخرة یقوده

اسے معلے ہمارے امر کو پوشیدہ رکھو اور اسکو شہرت نہ دو جو شخص کہ ہمارے امر کو پوشیدہ رکھیگا اور اسکو مشہور نہ کریگا حق تعالی اُسکو دنیا میں عزت عطا فرمائیگا اور آخرت میں اُسکی دونوں آنکھوں کے درمیان ایسا نور پیدا کریگا جو اُسکو بہشت کی طرف کھینچکر لیجائیگا

يا معلى من اذاع امرنا ولم يكتمه اذله الله به في الدنيا ونزع النور من بين عينيه في الاخرة وجعله ظلمة يقوده الى النار يا معلى ان التقيه من ديني ودين آبائي ولا دين لمن لا تقية له۔ يا معلى ان الله يحب ان يعبد في السر كما يحب ان يعبد في العلانية يا معلى ان المذيع لامرنا كالجاحد له

اے معلیٰ جو شخص کہ ہمارے امر کو مشہور کریگا اور اُسکو پوشیدہ نہ رکھیگا تو حق تعالےٰ اُسکو دنیا میں ذلیل کریگا اور آخرت میں اُسکی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کو کھینچ لے گا اور اُسکو ایسی تاریکی کی بدل دیگا جو اُسکو دوزخ کی طرف کھینچ لے جائیگی۔ اے معلیٰ تقیہ میرے اور میرے آباؤ اجداد کے دین میں داخل ہے اور جس شخص کے لئے کہ تقیہ نہیں ہے اُسکے لئے دین بھی نہیں ہے اے معلےٰ حق تعالےٰ مخفی طور پر اپنی پرستش کئے جانے کو اسیطرح دوست رکھتا ہے جس طرح کہ ظاہر بظاہر اپنی پرستش کئے جانے کو دوست رکھتا ہے۔ اے معلےٰ جو شخص کہ ہمارے امر کو مشہور کرتا ہے وہ اُس شخص کے مانند ہے جو اُسکا انکار کرتا ہے۔

کتاب المختصر میں کتاب الشفاء والجلاء سے نقل کرکے بروایت معاویہ بن عمار جناب امام جعفر صادق ع سے ایک حدیث طویل کے ذیل میں منقول ہے۔

فلما انقضت نبوة ادم وفني اجله اوحى الله اليه قد انقضت نبوتك وفنيت ايامك فانظر الى اسم الله الاعظم وما علمتك من الاسماء كلها واثرة النبوة وما يحتاج الناس اليه

پس جبکہ حضرت آدمؑ کی نبوت کا زمانہ منقضی ہوا اور اُنکی عمر کی مدت ختم ہوگئی تو حقتعالیٰ نے اُنکی طرف وحی کی کہ تمہاری نبوت منقضی ہوگئی اور تمہاری عمر کے دن فنا ہوگئے تم خدا کے اسم اعظم اور اُن تمام اسماء کی طرف جو ہم نے تمکو تعلیم کئے ہیں اور آثار نبوت اور اُن چیزوں کی طرف جنکی لوگوں کو حاجت ہے نظر کرو

فادفعه الی شیث وامره ان یقبله بکتمان وتقیة من اخیه لئلا یقتله (الحدیث)	اور اُسکو شیث کے حوالہ کردو اور اُنکو حکم دو کہ اُسکو اپنے بھائی (قابیل) سے پوشیدہ رکھیں تاکہ وہ اُنکو قتل نکر دے آہ انتہیٰ ملخصاً

اور حضرت امام جعفر صادق ع نے ایک حدیث کی ضمن میں عمار سے ارشاد فرمایا کہ آیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سُنا ؎

فلا یعلمون سری وسرک ثالثا　　الا کل سر جاوز اثنین شائع

ان کی مثل اور بھی بہت سے اخبار ہیں جنکا اس مقام پر وارد کرنا مناسب نہیں ہے۔

پانچوان امر حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ پارہ ۲۰ سورۃ القصص	یہی وہ لوگ ہیں جنکو بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا دُہرا اجر دیا جائیگا۔ اور یہی بدی کو نیکی کے ذریعہ دفع کرتے رہتے ہیں۔

اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق ع سے منقول ہے کہ اُسمیں صبر سے تقیہ پر صبر کرنا اور حسنہ سے تقیہ اور سیئہ سے اذاعت (حدیث وغیرہ کا مشہور کرنا) مراد ہے اس مقام پر بعض علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ شاید اجر کے دو مرتبہ دیے جانے سے یہ مراد ہو کہ دنیا میں سلامتی اور آخرت میں ثواب حاصل ہوگا یا ایک اجر اُس عمل کے عوض حاصل ہوگا جو ظاہر میں بطور تقیہ واقع ہوا ہے۔ اور دوسرا اجر اُس اعتقاد باطنی کا حاصل ہوگا جو حق سے متعلق ہے۔

اور اس مقام پر لفظ حسنہ کی تفسیر میں تقیہ کا وارد ہونا اور سیئہ کی تفسیر میں اذاعت کا وارد ہونا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ ان دونوں کی عفو اور انتقام کے ساتھ تفسیر کی جائے اسلئے کہ

؎ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے ہمیں چاہیے کہ میرا اور تمہارا راز کسی تیسرے شخص تک سرایت نہ کرے۔ آگاہ ہو کہ ہر وہ راز جو دو سے

آیات قرآنیہ بیشمار معنوں کو متضمن ہیں جنکو اہل عصمت کی سوا کوئی شخص نہیں جانتا۔ اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اُنکو صبر کی عوض دو مرتبہ اجر کے عطا ہونے سے یہ مراد ہے کہ اُنکو ایک اجر خود اُن کے دین کی ساتھ تمسک کرنے کے عوض دیا جائیگا تا اینکہ اُنہوں نے حضرت رسول خداؐ کا ادراک کیا اور آپ پر ایمان لائے اور دوسرا اجر اُنکو حضرتؐ پر ایمان لانے کے عوض عطا کیا جائیگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اُنکے صبر کرنے سے پہلی کتاب اور دوسری کتاب پر صبر کرنا اور دونوں کتابوں کے احکام پر ایمان لانا مراد ہے اور یہی قول قتادہ سے منقول ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اُنکے صبر کرنے سے اپنے دین پر صبر کرنا اور کفار کی اذیت اور مشقتوں کے تحمل کرنے پر صبر کرنا مراد ہے اور حسنہ کی ساتھ سیئہ کو دور کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ کلام حسن سے اُس کلام قبیح کو دور کرتے ہیں جسکو وہ کفار سے سنتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ امر معروف سے امر منکر کو دفع کرتے ہیں اور یہی قول سعید بن جبیر سے منقول ہوا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ جاہل کے جہل کو حلم کے ساتھ دفع کرتے ہیں اور یہ قول یحییٰ بن سلام سے منقول ہے۔ اور اُسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ۔

ومعناه یدفعون بالمدارات مع الناس اذاهم من انفسهم وروی مثل ذلك ابی عبدالله علیه السلام	اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ تقیہ اور مدارات کرکے اُن کی اذیت کو اپنے نفسوں سے دفع کرتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مثل اسی مطلب کے منقول ہوا ہے۔

ف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک قول قبل ازیں مرقوم ہو چکا ہے۔ اور حضرتؑ سے قول باری تعالیٰ

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ (پارہ ۲۴ سورہ حم السجدہ) اور نیکی اور بدی تو برابر ہوتی نہیں

کی نسبت منقول ہوا ہے۔

اور اس آیۂ شریفہ کی اُس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو ثقۃ الاسلام نے اُصول کافی میں بروایت درست واسطی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

ما بلغت تقیۃ احد تقیۃ اصحاب الکہف ان کانوا لیشہدون الاعیاد ویشدون الزنانیر فاعطاھم اللہ الاجر مرتین۔	کسی شخص کا تقیہ اُس حد تک نہیں پہونچا جس حد تک کہ اصحاب کہف کا تقیہ پہونچا تھا وہ لوگ اپنے مخالفین کی عیدوں میں حاضر ہوتے تھے اور زناروں کو (اپنے جسموں پر) باندھتے تھے پس حقتعالیٰ نے اُنکو دو مرتبہ اجر عطا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۶) الحسنۃ التقیۃ والسیئۃ الاذاعۃ۔ } حسنہ سے تقیہ مراد ہے اور سیئہ سے اذاعت (راز کا افشا کرنا)

اور قول واجب تعالےٰ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ پارہ ۱۸ سورۃ المومنون } (ای رسول) تم بدی کو اُس چیز سے دفع کرو جو بہت ہی اچھی ہو۔

کی نسبت منقول ہوا ہے۔

{ التی ھی احسن التقیۃ فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

اور اس مقام پر بعض علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ فقرہ لا تستوی اگرچہ لفظوں میں اخبار ہے لیکن باعتبار معنی حسنہ کی اختیار کرنے اور سیئہ کی ترک کرنے کا امر ہے اور حضرت نے ان دونوں کی تقیہ اور اذاعت کے ساتھ اس لئے تفسیر فرمائی ہے کہ وہ دونوں (تقیہ و اذاعت) حسنہ و سیئہ کی اعظم افراد میں منسلک ہیں۔ اور حضرت کی اس حدیث میں کہ قول واجب تعالیٰ اَلَّتِي هي احسن سے تقیہ مراد ہے لفظ سیئہ کی کوئی تفسیر منقول نہیں ہے پس ممکن ہے کہ اس تفسیر کی بنا پر سیئہ سے اذاعت حدیث یا وہ ضرر مراد ہو جو ترک تقیہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اور حسنہ کی تفسیر میں تقیہ کو حضرت نے اس لئے بیان فرمایا ہے کہ تقیہ اُس (حسنہ) کے افراد میں داخل ہے۔ پس سابق میں حسنہ کی عفو وغیرہ کے ساتھ جو تفسیر کیگئی ہے وہ اس کے منافی نہوگی ۱۲۔

اور تقیہ کے جائز ہونے پر حضرات معصومینؑ سے بھی بہت سی اخبار منقول ہوئی ہیں جنپر نظر کرنے کے بعد اُسکے جائز یا راجح ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس مقام پر بعض اخبار کا وارد کرنا مناسب ہے۔

پہلی خبر ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

التقیۃ من دین اللہ } تقیہ دین خدا میں داخل ہے۔

مینے عرض کیا کہ کیا تقیہ دین خدا میں داخل ہے پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔

ای واللہ من دین اللہ وقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما۔	خدا کی قسم وہ (تقیہ) دین خدا میں داخل ہے تحقیق کہ حضرت یوسف نے فرمایا تھا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو بخدا کہ اُنھوں نے کوئی چیز چرائی نہ تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوں بخدا کہ وہ بیمار نہ تھے۔

بعض علماء نے اس حدیث شریف کی شرح میں جو کچھ فرمایا ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ تقیہ کو حقتعالی نے دین اسلام میں اس لئے داخل کیا ہے کہ ہر زمانہ میں اکثر مخلوقات نے بدعت اور دین حق کی مخالفت کو اپنا شیوہ قرار دیا ہے لہذا حقتعالی نے اپنے خالص بندوں کے لئے اُن کے نفسوں اور اُنکی جانوں اور اُنکی آبروؤں اور اُنکے مالوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے تقیہ کو مقرر فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو دین خدا بالکلیہ باطل ہوجاتا اور اہل ایمان باقی نہ رہتے۔ پس تقیہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُسکی وجہ سے دین اسلام باقی رہتا اور اہل حق محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اہل حق کو حضرت امیر المومنینؑ کی سب وشتم پر مجبور کرتا ہے اور وہ حضرت کی سب وشتم کو اختیار کرکے اپنے آپ کو اسکے ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں اور حضرت کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں یا کوئی شخص اُنکو وضو میں پاؤں دھونے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اعتقاد

رکھتے ہیں کہ حکم شریعت اس مقام پر منسوخ ہو گیا ہے پس اگر ان موارد میں تقیہ مشروع نہ ہوتا تو وہ (اہل حق) ہلاک ہو جاتے اور دین حق رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو جاتا اسی لئے عقائد میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ از قبیل اسرار ہیں جنپر حقتعالے کے سوا کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا اور حضرتؑ نے اس حدیث شریف میں تقیہ کے دین خدا ہونے پر دو چیزوں کے ساتھ استدلال فرمایا ہے۔

اوّل قول حضرت یوسفؑ کہ آپنے قافلہ والوں کو سارق فرمایا حالانکہ وہ در اصل سارق نہ تھے اس لئے کہ یہ کلام مصلحت صادر ہوا تھا جسکو وہی بہتر جانتے تھے اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اُس (مصلحت) سے اپنے بھائی کا روک لینا مطلوب تھا جسپر کسی وجہ سے حقتعالیٰ نے اُنکو مامور فرمایا تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُنپر لفظ سارق کا محض اسلئے اطلاق کیا گیا ہو کہ مال غیر اُن کے سامان میں برآمد ہوا تھا جسکی وجہ سے اُن کو سارق سے مشابہت حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت نے اپنے اس کلام میں توریہ کیا ہو اور مراد یہ ہو کہ تم نے یوسف کا اُن کے پدر بزرگوار سے سرقہ کیا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیۂ مبارکہ سے فقط تقیہ کے جائز ہونے پر استشہاد کرنا مقصود ہے۔

دوم قول حضرت ابراہیمؑ کہ آپ نے اپنے کو بیمار فرمایا حالانکہ آپ در اصل بیمار نہ تھے اور غرض یہ ہے کہ آپنے اس کلام میں توریہ فرمایا تھا اور بیمار ہونے سے اپنے محزون ہونے کو مراد لیا تھا۔ اس لئے کہ آپ کی قوم بتوں کی پرستش کرتی تھی اور حق سے عناد رکھتی تھی جسکی وجہ سے آپ محزون رہتے تھے۔ یا آپکو نجوم پر نظر کرنے سے حضرت امام حسینؑ کے شہید ہونے کا علم حاصل ہوا تھا جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے اور محتمل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ مراد ہو کہ وہ آئندہ بیمار ہونے والے ہیں اور حضرتؑ نے اس حدیث

ہمراہ جانا منظور نہ تھا جسکو آپ نے بوجہ خوف تقیہ ظاہر نفرمایا اور اپنے نہ جانیکی وجہ میں اپنے سقیم ہونے کو بیان فرمایا۔ اور علامہ طریح نجفی نے آیہ شریفہ انی سقیم کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

اِنّی سقیم ای اسقم ویقال ھو من معاریض الکلام وربما نوی بہ ان من کان اٰخرہ الموت سقیم وفی حدیث الباقر والصادق علیہما السلام انھما قالا واللہ ماکان سقیما وماکذب وقیل استدلال بالنظر فی النجوم الحمی کانت تاتیہ وکان زمانہ زمان نجوم وقیل ان ملکھم ارسل الیہم ان غدا عیدنا فاخرج معنا فاراد التخلف عنھم فنظر الی النجم فقال ھذا النجم لا یطلع الا اسقم وقیل انی سقیم برویۃ عبادتکم غیر اللہ۔

سقیم ہونے سے یہ مراد ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ کلام از قبیل توریہ ہے اور غرض یہ تھی کہ جس شخص کا آخر موت ہے وہ بیمار ہے۔ اور حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ بخدا وہ بیمار نہ تھے۔ اور اُنہوں نے دروغ بھی نہیں فرمایا اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آپ نے نجوم میں نظر فرما کر اُس تپ پر استدلال کیا تھا جو حضرت کو آیا کرتی تھی اور آپ کا زمانہ نجوم کا زمانہ تھا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بادشاہ نے کہلا بھیجا تھا کہ کل کو ہماری عید ہے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیئے اور آپ کو اُن کے ساتھ جانا منظور نہ تھا پس آپ نے ایک ستارہ کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ یہ ستارہ جب نکلتا ہے میں بیمار ہو جاتا ہوں اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرتؑ کی مراد یہ تھی کہ میں تمہاری اس امر کو دیکھکر بیمار ہوں کہ تم غیر خدا کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری خبر ثقۃ الاسلام نے کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا

ان تسعة اعشار الدین فی التقیة لا دین لمن لا تقیة له والتقیة فی کل شیٔ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین۔	دین کی دس چیزوں میں سے نو چیز تقیہ میں ہیں۔ جس شخص کے لئے تقیہ نہیں ہے اُسکے لئے دین ہی نہیں ہے اور نبیذ کے استعمال کرنے اور موزوں پر مسح کرنے کے سوا ہر ایک چیز میں تقیہ ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حق اور اہل حق کو باطل اور اہل باطل سے وہ نسبت ہے جو ایک کو دس سے نسبت ہی باینمعنی کہ اگر ایک حصہ بے تقیہ کے فرض کیا جائے جو اہل حق کے ساتھ مخصوص ہے تو نو حصے اہل باطل کے فرض کئے جاینگے جنمیں تقیہ کرنا مناسب ہے۔ پس اہل حق کے لئے اہل باطل کے ساتھ اُس زمانہ میں مماشاۃ کرنا لازم ہوگا جبکہ اُن کے تسلط اور غلبہ کا دورہ فرض کیا جائے تاکہ وہ (اہل حق) اُنکی ضرر سے محفوظ رہیں اور اس حدیث شریف میں جو لا دین لمن لا تقیة له مذکور ہوا ہے اُس سے اصل دین کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کمال دین کی نفی مقصود ہے چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص تقیہ پر عمل نہیں کرتا اُسکا ثواب اُس شخص کے عمل سے کم ہوتا ہے جو تقیہ پر عمل کرتا ہے لیکن وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور تقیہ پر عمل کا واجب ہونا اور ترک تقیہ کی صورت میں گنہگار ہونا اصل ایمان کے منافی نہیں ہے اگرچہ کمال ایمان کے منافی ہے۔ اور حضرت نے جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ والتقیة فی کل شیٔ اس سے یہ مراد ہے کہ اُس (تقیہ) پر عمل کرنا فقط احکام شرعی اور اعمال دینیہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ افعال عرفیہ میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے اہل باطل کے ساتھ میل جول کرنا۔ اُنکے مریضوں کی عیادت کرنا۔ اُنکے جنازوں کی مشایعت کرنا وغیرہ۔ چنانچہ ہشام کندی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ۔

ایاکم ان تعملوا عملا یعیرونا به فان ولد السوء یعیر ... تم ایسے عمل سے بچو جسکی وجہ سے ہم کو ملامت کیا جائے اسلئے کہ بری اولاد کی بد افعالی کی

والله بعالہ کونوا لمن انقطعتم الیہ زینا ولا تکونوا علیہ شینا صلوا فی عشائرھم وعودوا مرضاھم واشھدوا جنائزھم ولا یسبقونکم الی شئ من الخیر فانتم اولی بہ منہم واللہ ما عبد اللہ بشئ احب الیہ من الخباء قلت وما الخباء قال التقیۃ

وجہ سے لڑکے کے باپ کو عیب لگایا جاتا ہے تم جس شخص کی طرف کہ رجوع کرتے ہو اُسکے لئے سبب زینت قرار پاؤ اور اُسکے لئے موجب عیب نہو اُن کی قبیلوں میں نماز پڑھو اور اُن کے بیماروں کی عیادت کرو اور اُنکے جنازوں میں حاضر ہو اور وہ تم سے کسی بھلائی میں سبقت نکریں کیونکہ تم بہ نسبت اُن کے نیکی بجالانے کے لئے بہتر ہو بخدا حق تعالیٰ کسی ایسی چیز کے ساتھ پرستش نہیں کیا گیا جو خباء سے بہتر ہو۔ ہشام کندی کہتے ہیں میںنے عرض کی کہ خباء کیا چیز ہے حضرت نے فرمایا کہ تقیہ۔

اور حدیث شریف میں جو نبیذ کے استعمال کرنے اور موزوں پر مسح کرنے کا تقیہ سے استثنا کیا گیا ہے اُسکی نسبت شہید اول علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتاب ذکری میں اسکی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اہل باطل ان دونوں کو ضروری نہیں قرار دیتے بلکہ اُنہیں کے اکثر لوگ مسکر کو حرام سمجھتے ہیں اور پاؤں کے دھونیکو مسح کرنیکی بہ نسبت اولے جانتے ہیں پس اُن کے نزدیک موزے کا اُتارنا اور پاؤں کا دھونا بہ نسبت اسکے بہتر ہے کہ موزے ہی پر مسح کرلیا جائے اب اگر شاذ و نادر اسمیں بھی کسی قسم کے ضرر کا خوف فرض کیا جائے تو تقیہ جائز ہوگا۔ اور جناب شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ ان دونوں میں تقیہ اس لئے نہیں ہے کہ یہاں پر جو مشقت فرض کیجاتی ہے وہ بہت کم ہے۔ اور اُسکی وجہ سے نفس یا مال پر کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

اور اگر نفس یا مال کا خوف فرض کیا جائے تو تقیہ جائز ہوگا۔

اور بعض علماء سے منقول ہوا ہے کہ ان دونوں میں تقیہ کرنا سزاوار نہیں ہے اگرچہ ضرر عظیم حاصل ہوتا وقتیکہ ہلاکت کا خوف نہ ہو
بعض علماء سے منقول ہوا ہے کہ اسمقام پر تقیہ نہ کرنا مفید نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کا حکم معروف ہے۔ ھذا ما قالہ بعض الاعلام فی شرح الحدیث اوردناہ بتغیر یسیر فی البین۔

اسمقام پر جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا مضمون اور اخبار میں بھی وارد ہوا ہے جیسے قول معصوم علیہ السلام۔

ثلثۃ لا اتقی فیھن احدا المسح علی الخفین وشرب النبیذ ومتعۃ الحج۔

تین چیزیں ایسی ہیں کہ میں اُنمیں کسی سے تقیہ نہیں کرتا ایک تو موزوں پر مسح کرنا دوسرے نبیذ کا پینا تیسرے متعۃ الحج۔

تیسری خبر عبد اللہ بن ابی یعفور نے حضرت امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے کہ

اتقوا علی دینکم واحجبوہ بالتقیۃ فانہ لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ انما انتم فی الناس کالنحل فی الطیر لو ان الطیر یعلم ما فی اجواف النحل لم یبق منھا شیء الا اکلتہ ولو ان الناس علموا ما فی اجوافکم انکم تحبون اھل البیت لاکلوکم بالسنتھم ولنحلوکم فی السر والعلانیۃ

تم اپنے دین پر ڈرو اور اسکو تقیہ کے ساتھ پوشیدہ کرو کیونکہ اُس شخص کے لئے ایمان نہیں ہے جسکے لئے تقیہ نہیں ہے۔ تم لوگوں میں اُسی قدر ہو جسقدر کہ پرندوں میں مگس شہد ہے۔ اگر پرندوں کو وہ چیز معلوم ہو جائے جو مگس شہد کے شکم میں ہے تو وہ (پرند) اُس (مگس شہد) کو بالکل کھا جائیں تا اینکہ اُن میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اور اگر لوگ اس چیز کو معلوم کرلیں جو تمہارے دلوں میں ہے کہ تم اہلبیت کو دوست رکھتے ہو تو وہ تمکو اپنی زبانوں سے کھا جائیں (یعنی اذیت پہونچائیں) اور ظاہر و باطن میں تمکو

رحم الله عبدا منكم كان علىٰ ولايتنا۔

بری چیزوں کی طرف منسوب کریں۔ خداوند عالم تم میں سے اُس بندہ پر رحم کرے جو ہماری ولایت پر ثابت ہو

چوتھی خبر حبیب بن بشر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ؑ فرماتے تھے کہ۔

سمعت ابی یقول لا والله ما علی وجه الارض شئ احب الی من التقیة۔ یا حبیب انه من کانت له تقیة رفعه الله یا حبیب من لم تکن له تقیة وضعه الله یا حبیب ان الناس انما هم هدنة فلو قد کان ذلك کان هذا۔

میں نے اپنے پدر بزرگوار کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قسم بخدا روئے زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے نزدیک تقیہ سے زیادہ محبوب ہو اے حبیب جس شخص کے لئے تقیہ ہوگا خدا اُسکو بلند کریگا۔ اے حبیب جس شخص کے لئے تقیہ نہوگا خدا اُسکو پست کریگا۔ اے حبیب اہل ایمان کو فی زمانہ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا مناسب ہے پس اگر زمانہ آشتی رہا تو تقیہ بھی ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت نے بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کے لئے اس زمانہ میں اہل باطل کے ساتھ تقیہ میں بسر کرنا مناسب ہے پس جبتک یہی صورت باقی رہیگی تقیہ بھی باقی رہیگا اور جبکہ دولت حق کا ظہور ہوگا تو تقیہ بھی برطرف ہو جائیگا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ زمانۂ رجعت تک مؤمنین کو تقیہ میں بسر کرنا ممدوح ہے۔

اور اخبار سابقہ کے علاوہ بھی بہت سے اخبار منقول ہیں جنسے تقیہ کا راجح یا واجب ہونا مستفاد ہوتا ہے اور ان اخبار کا ظاہر یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ تقیہ کرنا مطلقاً ممدوح ہے اگرچہ ایسی صورت کے اختیار کرنے پر قدرت بھی حاصل ہو جس سے تقیہ کرنے کی نوبت نہ آئے بلکہ بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کرنے کی عادت کا بہم پہونچانا بلاوجہ بھی ممدوح ہے چنانچہ جناب شیخ مرتضیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

لا ریب فی تحقیق التقیة مع الخوف

جبکہ کسی خاص شخص کی نسبت خوف ہو تو تحقق تقیہ حاصل

الشخص بان یخاف علی نفسه
او غیره من ترك التقیة
فی خصوص ذلك العمل
ولا یبعد ان یکتفی بالخوف
من بنائه علی ترك التقیة
فی سائر اعماله او بناء
سائر الشیعة علی ترکها
فی العمل الخاص او مطلق
العمل النوعی فی بلاد
المخالفین وان لم یحصل
للشخص بالخصوص خوف
وهو الذی یفهم من
اطلاق اوامر التقیة
وما ورد من الاهتمام
فیها ویؤیده بل یدل
علیه اطلاق قوله لیس منا من لم یجعل التقیة
شعاره ودثاره مع من یأمنه لیکون سجیة
له مع من یحذره۔

ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے خواہ اُس
عمل میں تقیہ کے ترک کرنے سے اُس شخص کو اپنے
نفس پر خوف ہو یا کسی دوسرے شخص کے نفس پر
اور یہ امر بعید نہیں ہے کہ حصولِ خوف میں اسقدر پر
اکتفا کرنا صحیح ہو کہ اگر یہ شخص یا تمام شیعہ تقیہ کے چھوڑنے
پر اپنے جملہ افعال میں بنا کر لینگے تو ضرر کا اندیشہ
ہوگا جبکہ اہل خلاف کے شہروں میں موجود ہونا
فرض کیا جائے خواہ کسی عمل خاص میں ایسا ہو یا
مطلق عمل میں اگرچہ بالخصوص اُس شخص کے لئے
کسی قسم کا خوف نہ بھی حاصل ہو اور یہی وہ مضمون
ہے جو اوامر تقیہ کے اطلاق سے مفہوم ہوتا ہے
یا اُس اہتمام سے معلوم ہوتا ہے جو اُس (تقیہ)
میں منقول ہوا ہے اور اسی مطلب کی حضرتؑ کے
قول کا اطلاق تائید کرتا بلکہ اُسپر دلالت کرتا ہے
ہم میں سے وہ شخص نہیں ہے جو تقیہ کو اُن لوگوں کے
ساتھ جنسے کہ اسکو کسی قسم کا خوف نہیں ہے اپنا
شعار و دثار قرار نہ دے تاکہ اُسکی یہی عادت اُن
لوگوں کے ساتھ بھی باقی رہے جنسے کہ یہ خوف کرتا ہے

لیکن اخبار مذکورہ کے اطلاق سے وہ صورت باتفاق علماء خارج ہے جو نفس محترم کی
خونریزی سے متعلق ہو کہ ایسے مقام پر اپنے نفس کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا جائز نہوگا
جہاں پر کسی نفس محترم کے قتل کر ڈالنے پر مجبور کیا جائے چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ سے

ایسی صورت میں تقیہ کا جائز نہ ہونا منقول ہوا ہے حضرتؑ فرماتے ہیں کہ۔

انما جعلت التقیة لیحقن بها الدم فاذا بلغ الدم فلیس تقیة

تقیہ اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اُس کے ذریعے نفس محترم کا خون محفوظ کیا جائے۔ پس جبکہ خونریزی تک پہونچنا فرض کیا جائے تو تقیہ جائز نہو گا

اور اس مطلب میں بظاہر کسی شخص نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقام پر چارہ و تدبیر ممکن ہو تو وہاں بھی تقیہ کرنا ممدوح نہو گا۔

تنبیہ چارہ و تدبیر کے نہ ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) وقت عمل اسکو موافق واقع (عمل) کرنے پر قادر نہ ہونا۔ پس اگر وضو میں کف دست سے پانی کو کہنی تک بہانے پر قدرت رکھتا ہو اور جس وقت کہ وہ (پانی) کہنی سے کف دست کی طرف رجوع کرے تو ہاتھ کے دھونے کی نیت کر سکتا ہو تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہو گا اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے جناب شیخ فرماتے ہیں کہ۔

بل التقیة علی هذا الوجه غیر جائزة فی غیر العبادات ایضا وکانه مما لاخلاف فیه

بلکہ اس وجہ پر تقیہ کرنا غیر عبادات میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور شاید کہ اس میں خلاف نہیں ہے۔

(۲) عمل مفروض کے بجالانے کا اُس مجموع وقت میں جو اُس (عمل) کے لئے مقرر کیا گیا ہے ممکن نہ ہونا۔ پس اگر دار نماز کے لئے اُس (نماز) کے وقت معین میں کسی مقام امن پر چلے جانے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہو گا۔ اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے لیکن ایسے چارہ و تدبیر کا موجود ہونا تقیہ کے جائز یا راجح ہونے میں قدح نہیں کر سکتا۔ جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ اس صورت کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

الظاهر عدم اعتباره لان حمل اخبار الاذن في التقية في الوضوء والصلوٰة على صورة عدم التمكن من ايتان الحقّ في مجموع الوقت مما ياباه ظاهر اكثرها بل صريح بعضها ولا يبعد ايضا كونه وفاقيا	ظاہر یہ ہے کہ اسکا اعتبار نہیں ہے کیونکہ جن اخبار سے وضو اور نماز میں تقیہ کرنیکی اجازت مستفاد ہوتی ہے۔ اُن (اخبار) کے اُس صورت پر محمول کرنے سے جہاں مجموع وقت میں حق کے بجالانے پر قدرت نہو اکثر اخبار کا ظاہر بلکہ بعض اخبار کا صریح منافی قرار پاتا ہے اور اس امر کا اتفاقی ہونا بھی بعید نہیں ہے۔

(۳) عمل مفروض میں موضوع امن کے ساتھ موضوع تقیہ کے بدلدینے پر قدرت کا حاصل نہ ہونا - پس اگر کوئی شخص اُن (گروہ مخالفین) کے بازار یا مسجد میں موجود ہو اور وہاں پر اُس (عمل) کا موافق واقع ادا کرنا ممکن نہ ہو لیکن کسی دوسری خالی جگہ پر جا سکتا ہو یا وہاں سے مخالف کو کسی بہانہ سے نکال سکتا ہو تا کہ وہ (مخالف) اسکو دیکھ نہ سکے تو ایسے وقت میں تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ صورت مذکورہ میں راہ چارہ و تدبیر کا موجود ہونا مفروض ہے لیکن ایسے چارہ و تدبیر کا موجود ہونا بھی تقیہ کے جائز یا راجح ہونے میں قادح نہوگا اس لئے کہ اخبار تقیہ سے مخالفین کے افعال متعارفہ میں اُس (تقیہ) پر عمل کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے اور اُن (مخالفین) سے مزاحمت کرنا ثابت نہیں ہوتا اور تقیہ بھی اسی بنیاد پر تجویز کیا گیا ہے کہ شیعوں کے لئے اپنے اُمور میں آسانی ہو اور عسر و حرج لازم نہ آئے لیکن بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کرنا فقط اُسی شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو بغیر اُسکے کوئی حیلہ یا توریہ یا چارہ و تدبیر نہ کر سکتا ہو۔ پس اگر موضوع تقیہ کا بدل دینا یا صحت عمل کے لئے تقیہ کے علاوہ کسی صورت کا پیدا کر لینا ممکن ہوگا تو تقیہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس اس مقام پر بعض اخبار کا وارد کرنا مناسب ہے اور وہ کئی ہیں۔

(۱) التقیة فی کل شئ یضطر الیه ابن آدم فقد احله الله۔

ہر ایسی چیز میں تقیہ کرنا مشروع ہے جسکی طرف کہ آدمی مضطر ہوتا ہے پس خدا نے اُسکو مباح کر دیا ہے۔

(۲) وہ مکاتبہ ہے جو حضرت امام محمد تقی ع کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا اور حضرت ع سے اُسکا جواب صادر ہوا تھا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ساتھ تقیہ کرنا اُسی صورت میں صحیح ہوگا جبکہ بغیر تقیہ کے کسی عمل کا بجا لانا متعذر و دشوار ہو۔ چنانچہ ابراہیم بن شیبہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے حضرت کی خدمت میں اس مضمون کا ایک عریضہ حاضر کیا جسمیں اُس شخص کے ساتھ نماز میں اقتدا کرنا پوچھا گیا تھا جو حضرت امیرالمومنین ع کی ولایت کا قائل ہو اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز جانتا ہو یا کوئی شخص موزوں پر مسح کرنے کو حرام جانتا ہو اور پھر مسح کرتا ہو۔ پس حضرت نے اُسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

ان جامعك وایاهم موضع لا تجد بدا من الصلوٰة معهم فاذن لنفسك فاقم فان سبقك الی القـــــــراٰة فسبّح

اگر کسی ایسے مقام پر تم اُن لوگوں کے ساتھ جمع ہو جاؤ جہاں پر تمکو بغیر اس کے کہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو کوئی چارہ نہو تو تم اپنے لئے اذان و اقامت کہو۔ اگر وہ قرأت کی طرف تم سے پہلے سبقت کریں تو تم تسبیح پڑھتے رہو۔

جناب شیخ مرتضٰے علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس خبر کا ظاہر یہ ہے کہ تقیہ کرنے میں اُنکی ساتھ نماز کے ترک کرنے کا متعذر ہونا معتبر ہے اور یہ کہ بغیر تعذر اُس (نماز) کے ہمراہ مخالفین پڑھنے میں تقیہ کرنا درست نہیں ہے۔ انتہیٰ بحاصلہ۔

(۳) وہ روایت مرسلہ ہے جو حضرت امام موسی کاظم ع سے منقول ہوئی ہے۔

ولا تصل خلف احد الا خلف رجلین احدهما من تثق به وبدینه وورعه واٰخر من تتقی سیفه وسوطه وشره

تم دو شخصوں کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو ایک وہ شخص جسکے دین اور پرہیزگاری پر تمکو وثوق ہو۔ دوسرے وہ شخص جسکی تلوار اور کوڑہ اور اُسکی بدی

وبوائقه وشيعته فصل خلفه على سبيل التقية والمداراة واذن لنفسك واقم واقرأ فيها فانه غير مؤتمن به الحديث

اور اُس کے فتنوں اور اُسکے اتباع سے ڈرتے ہو پس اُس شخص کے پیچھے از راہ تقیہ نماز پڑھو اور اپنے لئے اذان و اقامت کہو اور نماز میں قراءت کرو اس لئے کہ وہ امین نہیں ہے۔ انتہی ملخصاً۔

(۴) معمر بن یحییٰ کی وہ روایت ہے جو اموال کے رہا کرانے کی نسبت وارد ہوئی ہے۔

كلما خاف المؤمن على نفسه فيه الضرر فله فيه التقية

جس چیز میں کہ مومن اپنے نفس پر ضرر کا اندیشہ کرتا ہو تو اُس کے لئے اُس میں تقیہ ہے۔

(۵) وہ روایت ہی جو حضرت امام محمد تقی ؑ سے دعائم الاسلام میں مرقوم ہوئی ہے۔

لا تصلوا خلف ناصب ولا كرامية الا ان تخافوا على انفسكم ان تشهروا ويشار اليكم فصلوا في بيوتكم ثم صلوا معهم واجعلوا صلوتكم معهم تطوعاً

تم کسی ناصب یا فرقہ کرامیہ کے ساتھ نماز میں اقتدا نکرو مگر یہ کہ تم اپنے نفسوں پر مشہور ہونے یا مشار الیہ ہونے سے خوف کرو۔ پس تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بعد ازآں اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔ اور جو نماز کہ اُن کی ساتھ ادا کرو اُسکو سنتی نماز قرار دیدو۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد جناب شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان اخبار کا ظاہر یہ ہی کہ تقیہ کرنا اُسی وقت صحیح ہوگا جبکہ انسان مضطر ہو اور اضطرار اُسوقت نہیں صادق آتا جبکہ اُس (انسان) کے لئے موضوع تقیہ کے بدل دینے پر قدرت ہو یا ایسی مقام امن کیطرف جا سکتا ہو جہاں پر عبادت کو بدون تقیہ بجا لا سکتا ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر اس کے التزام کرنے میں کسی قسم کا ضیق لازم آئے۔ جس سے مخالفین کا تجسس کرنا اور اُسکی حالت کا منکشف ہو جانا مراد ہے تو یہ صورت بھی داخل اضطرار ہوگی پھر فرماتے ہیں

وبالجملة فمراعاة عدم المندوحة في الجزء من الزمان الذي يوقع فيه الفعل

خلاصہ یہ ہی کہ جس زمانہ میں کہ یہ شخص فعل کو واقع کرنا چاہتا ہے اُسمیں چارہ و تدبیر کے نہ ہونیکا اعتبار کرنا

اقوی ہے مع انہ احوط نعم تاخیر الفعل عن اول وقتہ بتحقق الامن ارتفاع الخوف مما لا دلیل علیہ بل الاخبار بین ظاہر وصریح فی خلافہ۔	اقوی ہے اور احوط ہے ہاں اول وقت سے فعل کا اس لئے مؤخر کرنا کہ امن حاصل ہو اور خوف مرتفع ہو بے دلیل ہے بلکہ اخبار کا ظاہر وصریح اس مطلب کے خلاف پر دلالت کرتا ہی انتہی ملخصا

بہرحال آیات وروایات اور علماء فریقین کے کلمات سے تقیہ کا وجہ شرائط کی صورت میں جائز اور راجح ہونا اور عدم شرائط کی صورت میں حرج بلکہ ناجائز ہونا ثابت ہوا اس مقام پر جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اما المستحب من التقیۃ فالظاہر وجوب الاقتصار فیہ علی النص وقد ورد النص بالحث علی المعاشرۃ مع العامۃ وعیادۃ مرضاھم وتشییع جنائزھم والصلوٰۃ فی مساجدھم والاذان لھم فلا یجوز التعدی عن ذلک الی مالم یرد النص من الافعال المخالفۃ للحق کذم بعض رؤساء الشیعۃ للتحبب الیھم وکذلک المحرم والمباح والمکروہ فان ھذہ الاحکام علی خلاف عمومات التقیۃ فیحتاج الی الدلیل الخاص۔	اور تقیہ مستحب میں ظاہر یہ ہے کہ وہاں نص پر اقتصار کرنا واجب ہے اور نص میں مخالفین کے ساتھ معاشرت کرنے اور اُنکے بیماروں کی عیادت کرنے اور اُنکے جنازوں کی مشایعت کرنے اور اُنکی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اُنکے لئے اذان دینے کی حث وترغیب وارد ہوئی ہے پس امور مذکورہ سے دیگر اُن افعال کی طرف جو مخالف حق ہیں تجاوز کرنا جائز نہو گا جیسے بعض رؤسار شیعہ کی مذمت کرنا تاکہ اُن (مخالفین) سے دوستی پیدا کیجائے اور فعل حرام اور مباح اور مکروہ کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ وہ احکام ہیں جو عمومات تقیہ کے خلاف ہیں پس اُن کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہوگی۔ انتہی ملخصا

اقسام تقیہ کے علماء اعلام نے تقیہ کو پانچ قسموں پر منقسم کیا ہے۔

پہلی قسم واجب اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں نفس محترم کو ایسے ضرر سے محفوظ رکھنا مطلوب ہو جس کا دفع کرنا لازم ہے ایسی صورت میں ہر ایک فعل واجب کا ترک کرنا اور ہر ایک فعل حرام کا بجا لانا مباح ہو جاتا ہے اس لئے کہ ضرر کا دفع کرنا واجب ہے۔ اسکے علاوہ یہ ہے کہ مضطر سے مواخذہ کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث مشہور

رفع عن امتی تسعة اشیاء } میری اُمت سے نو چیزیں برطرف کی گئی ہیں۔

دلالت کرتی ہے۔

لہ یہ حدیث خصال و توحید میں بلفظ رفع عن امتی اہ وارد ہوئی ہے۔ اور اُصول کافی کے آخر باب الکفر والایمان میں بلفظ وضع عن امتی اہ منقول ہوئی ہے۔

اور جناب شیخ رہ نے اسکو رسائل میں بھی وارد کیا ہے۔ اور بعض الفاظ میں فی الجملہ تفرقہ بھی ہے جیساکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اُصول کافی میں یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسطرح منقول ہوئی ہے۔

قال رسول اللہ ص وضع عن امتی تسعة اشیاء	جناب رسول خدا ص نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت سے نو چیزیں برطرف کی گئی ہیں۔
الخطاء والنسیان و	(۱) خطا (۲) نسیان (بھول چوک)
مالا یعلمون و	(۳) جو چیز نہ جانتے ہوں۔
مالا یطیقون و	(۴) جس چیز کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔
ما اضطروا الیہ و	(۵) جس چیز کی طرف مضطر ہوں۔
ما استکرھوا علیہ و	(۶) جس چیز پر مجبور کئے جائیں۔
الطیرة و	(۷) بدشگونی۔
الوسوسة فی التفکر فی الخلق و	(۸) پیدائش عالم میں فکر کرنے سے جو وسوسہ پیدا ہو
الحسد مالم یظھر بلسان او بید	(۹) حسد تا وقتیکہ زبان یا ہاتھ سے ظاہر نہو ۱۲

دوسری قسم مستحب ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں فی الحال ضرر کا خوف نہو لیکن آیندہ اُس (ضرر) کے پیش آجانے کا اندیشہ ہو جیسے گروہ مخالفین سے مدارات کا ترک کرنا۔ اُن کی صحبت سے پرہیز کرنا اس لئے کہ ایسی صورت میں اُن (گروہ مخالفین) سے مباینت کے پیدا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے جو موجب ضرر ہے ہاں باختلاف اشخاص و احوال اُس (تقیہ) کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں اس مقام پر شہید اول علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ قسم مستحب وہ ہے جہاں فی الحال ضرر نہو اور آیندہ اُسکا ضرر متوہم ہو یا ایسا ضرر خفیف پیش آتا ہو جسکا تحمل آسان ہو یا کسی مستحب کام میں تقیہ کا اختیار کرنا فرض کیا جائے جیسے تسبیح جناب سیدہؑ کی ترتیب یا فصول اذان میں سے بعض کا حذف۔

تیسری قسم مباح ہے اور اُس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں کسی کام کا بجالانا یا ترک کرنا نظر شارعؑ میں مساوی ہو جیسے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا۔ جناب شیخ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ

والمباح ما کان التحرز عن الضرر وفعله مساویا فی نظر الشارع کالتقیة فی اظہار کلمة الکفر علی ما ذکره جمع من الاصحاب ویدل علیه الخبر الوارد فی رجلین اخذا بالکوفه وامرا بسب امیر المؤمنین علیه السلام۔

اور مباح سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں پر ضرر سے تحفظ کرنا اور اُس کا بجالانا نظر شارع میں مساوی ہو جیسے اظہار کلمۂ کفر میں تقیہ کرنا جیسا کہ اصحاب کی ایک جماعت نے ذکر فرمایا ہے۔ اور اُسپر وہ خبر دلالت کرتی ہے جو اُن دو شخصوں کی نسبت وارد ہوئی ہے جو کوفہ میں ماخوذ ہوئے تھے اور جناب امیر المؤمنینؑ کی سب و شتم پر مامور کئے گئے تھے۔ انتہی الخ

اور جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ نے اپنی اس کلام میں جس خبر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اُس سے وہ روایت مراد ہے جو اُصول کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے بروایت عبداللہ بن عطا منقول ہے وہ (عبداللہ) کہتے ہیں کہ۔

قلت لابی جعفر علیہ السلام رجلان من اهل الکوفة اخذا فقیل لهما ابرءا من امیر المؤمنین فبرء واحد منهما و ابی الاخر فخلی سبیل الذی برء وقتل الاخر فقال علیہ السلام اما الذی برئ فرجل فقیہ فی دینہ واما الذی لم یبرء فرجل تعجل الی الجنة۔

میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اہل کوفہ کے دو شخص گرفتار کیے گئے پس اُنسے کہا گیا کہ تم جناب امیر المؤمنین عؑ سے برائت کرو پس ایک نے برائت کرلی اور دوسرے نے انکار کیا۔ پس جس نے کہ برائت کی تھی چھوڑ دیا گیا اور دوسرا قتل کرڈالا گیا۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جس نے برارت کی وہ اپنے دین میں مرد فقیہ ہے اور جس نے برارت نہیں کی اُس نے داخل جنت ہونے میں تعجیل کی

تنبیہ نبی و امام سے بدون تقیہ برائت (بیزاری) کرنا حرام ہے اور اُس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے اور مقام تقیہ میں اظہار برارت کا مباح یا مستحب یا واجب یا حرام ہونا محل نزاع ہوسکتا ہے اور اسمیں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں جناب علیین مکان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مقام تقیہ میں اُسکا ترک کرنا اگرچہ مباح ہے لیکن اُسکا ترک کرنا افضل ہے اور فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہے کہ اُنہوں نے اس مطلب پر حضرت امیر المؤمنینؑ کے اس قول سے استدلال فرمایا ہے۔

اما السب فسبوا فانہ لی زکوٰۃ ولکم نجاۃ واما البرأۃ فلا تبرؤا منی فانی ولدت علی الفطرۃ۔

مجھپر سب وشتم کرو اس لئے کہ وہ میرے لئے موجب طہارت ہے اور تمہارے لئے سبب نجات لیکن مجھسے برارت نکرو اس لئے کہ میں فطرت پر پیدا ہوا ہوں۔ انتہی ملخصاً

اور دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ۔

واما البرائۃ فمدوا دونها الاعناق

برائت سے پہلے اپنی گردنیں دراز کردو یعنی قتل ہوجانیکو گوارا کرو مگر برائت نکرو

اور یہ دلیل افضلیت ہی علی الخصوص جبکہ یہ شخص اُس گروہ میں داخل ہو جسکی ساتھ اقتدا کیجاتی ہو اور اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام تقیہ میں حضرت کا سب و شتم کرنا اور نکرنا مساوی ہی بخلاف برائت کے کہ اُسکا ترک کرنا افضل ہی لیکن اس باب میں روایت مختلف ہے اس کی بعد جناب موصوف نی فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہی کہ یعقوب بن سکیت کا متوکل کے ساتھ جو واقعہ گذرا ہی کہ اُسنے اُسکی لڑکوں کو حسن و حسین علیہما السلام پر فضیلت نہیں دی تھی اسی قبیل سی شمار کیا جائیگا اس لئے کہ فاسق کا اُن بزرگواروں پر فضیلت دینا

ف۱ جناب علیین مکان علیہ الرحمہ نے خود فاضل مقداد علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہی کہ یعقوب بن سکیت نحوی کا جو واقعہ کہ متوکل کے ساتھ پیش آیا تھا اُسکو جناب قاضی نور اللہ شستری علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین میں اسطرح تحریر فرمایا ہے کہ یعقوب بن سکیت کے فضائل مشہور ہوئے تو متوکل عباسی کی صحبت میں جو ناصبی اور دشمن اہلبیت تھا موجود رہنے کا اتفاق ہوا اور جس زمانہ میں کہ وہ اس شقی کی صحبت میں تشریف رکھتے تھے اور وہ (متوکل) اُنپر انعام اکرام کرتا تھا ایک روز اسکے دونوں بیٹے معتز اور مؤید حاضر ہوئے پس متوکل نے اُنسے پوچھا یا یعقوب انہما احب الیک ابناے ھذان ام الحسن والحسین کہ ای یعقوب تمہارے نزدیک میرے یہ دونوں فرزند زائد محبوب ہیں یا حسن و حسین
یعقوب بن سکیت کی غیرت دینی حرکت میں آئی اور جواب میں فرمایا۔
واللہ ان قنبرا خادم امیر المومنین احب الی منک و من ابنیک کہ قسم بخدا کہ قنبر خادم حضرت امیر المومنین علیہ السلام میری نزدیک تجھسے اور تیرے دونوں بیٹوں سے زیادہ محبوب ہیں پس متوکل نے اُن کی زبان کو گدی سے باہر نکلوا کر قطع کرا دیا اور اُنکو عقوبت کے ساتھ شہید کیا اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہی کہ متوکل شقی نے اپنے ترکی غلاموں کو حکم دیا کہ اُن کی شکم پر طمانچے لگائیں اور جبکہ اُنکو اُٹھا کر اُن کے مکان پر لیگئے تو وہاں جاکر دوسرے ہی روز اُنہوں نے انتقال کیا پس یعقوب بن سکیت نے جو اُسکے دونوں بیٹوں کی تفضیل کو حسنین علیہما السلام پر ترک کیا تھا اُسکی وجہ یہی تھی کہ اُسکے فرزندوں کا فضیلت دینا وہی حکم رکھتا تھا جسمیں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام سے براءت اور حضرت رسول مختار کے قول الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ کی تکذیب لازم آئی اس کے بعد جناب علیین مکان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہی کہ اُس ملعون کے کلمہ خبیثہ کو سنکر اُنکا دل دکھ گیا اور وہ بیقابو ہوگئے یا شاید وہ گمان رکھتے ہوں کہ باوجود اظہار خلوص و محبت کے وہ شقی کلمہ حق پر اسقدر ناراض نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ملاعین ایسی حالت میں اکثر اوقات پہلو تہی کیا کرتے تھے۔ لیکن شیطان اُسکی رگ حمیت کو حرکت میں لایا اور اُسنے اُس فعل شنیع کا ارتکاب کیا جو کرنے کے قابل نہ تھا ۱۲

برائت کا حکم رکھتا ہے بلکہ حضرت رسول خداؐ کے ارشاد۔

هما سيدا شباب اهل الجنة	یہ دونوں (حسنین) نوجوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔

کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور جس خبر کو کہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے اس مقام پر وارد کیا ہے۔ اُسی کے مضمون کی دیگر روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں چنانچہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے جناب امیرؑ کا یہ قول منقول ہوا ہے اور اُسکے مستفیض ہونے کا بھی دعوے فرماتا ہے

ستعرضون من بعدی علی سبّی فسبّونی ومن عرض علیه البرائة فلیمد عنقه فان برء منّی فلا دنیا له ولا اخرة۔	میرے بعد تم لوگ میرے سب و شتم پر آمادہ کئے جاؤ گے پس تم میرے سب و شتم کو اختیار کرنا اور جس پر مجھسے برائت پیش کیجائے وہ اپنی گردن کو دراز کر دے۔ پس اگر مجھسے برائت کریگا تو اُسکے لئے نہ دنیا حاصل ہوگی نہ آخرت انتہی

اور اس خبر سے حضرت کی برائت میں تقیہ کرنے کا حرام ہونا مستفاد ہوتا ہے۔ اور کتاب کشی میں میثم تمار ہروانی سے بروایت یوسف بن عمران میثمی منقول ہے۔ وہ (میثم تمار) کہتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ

یا میثم کیف انت اذا دعاك دعی بنی امیة عبید الله بن زیاد الی البرائة منّی	اے میثم جبکہ تمکو عبید اللہ بن زیاد مجھسے برائت کرنے کی طرف بلائیگا تو تم کیسا کروگے۔

مینے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین واللہ میں آپسے برائت نکرونگا حضرت نے ارشاد فرمایا۔

اذا والله یقتلك ویصلبك	اُسوقت بخدا وہ تمکو قتل کرڈالے گا اور سولی دیگا۔

مینے عرض کیا کہ میں صبر کرونگا اس لیئے کہ راہ خدا میں اسپر صبر کرنا خفیف سی بات ہے۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔

یا میثم فاذا تکون معی فی روضتی	ایسی صورت میں اے میثم تم میری جنت میں میرے ساتھ رہوگے۔

اس روایت سے برائت میں تقیہ نہ کرنے اور قتل ہوجانے کو بظاہر رجحان ثابت ہوتا ہے

جس سے لا اقل قتل ہو جانیکا افضل و مستحب ہونا اور اختیار برارت کا مفضول و مکروہ ہونا مستفاد ہوتا ہے۔ اور اسی خبر کے مثل عبد اللہ بن عطاء کی وہ روایت بھی معلوم ہوتی ہے۔ جو اصول کافی سے اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ اُس سے بھی برارت کی باب میں تقیہ نکرنے کا بظاہر رجحان ہی ثابت ہوتا ہے اگرچہ اُسمیں تقیہ کرنے نہ کرنے کی مساوات کا احتمال زائد قوی ہے اس لئے کہ اُسمیں برارت کرنے والے اور قتل ہو جانے والے دونوں کی مدح مذکور ہے۔ اور احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنین ؑ سے ایک حدیث طولانی کے بعض فقرات باین الفاظ منقول ہوئے ہیں

وامرك ان تستعمل التقیۃ فی دینك فان اللہ عزوجل یقول لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىۃً وقد اذنت لك فی تفضیل اعدائنا ان الجائك الخوف الیہ وفی اظہار البرائۃ ان ملك الرجل علیھا وفی ترك الصلوٰۃ المکتوبات ان خشیت علی حشاشتك الآفات والعاھات وتفضیلك اعدائنا عند خوفك لا ینفعھم ولا یضرنا وان اظہار

اور میں تمکو دین میں تقیہ کے استعمال کرنے کا حکم دیتا ہوں اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا تو اُس سے اور خدا سے کوئی واسطہ نہیں سوائے اُس صورت کے کہ تم اُنسے کسی قسم کا خوف رکھتے ہو" اور میں نے تمکو اس امر کی اجازت دی کہ ہمارے دشمنوں کو ہمپر فضیلت دو اگر تمکو اُس کی طرف خوف مضطر کرے اور میں نے تمکو اس امر کی بھی اجازت دی کہ ہمسے برارت (بیزاری) کا اظہار کرو اگر اسپر تمکو کوئی شخص پریشان کرے اور مینے تمکو نماز ہائے واجبی کے ترک کر دینے کی بھی اجازت دی اگر تمکو اپنے نفس پر آفتوں کے وارد ہونیکا اندیشہ ہو اور تمہارا ہمارے دشمنوں کو وقت خوف ہمپر فضیلت دینا اُن کے لئے نفع نہیں دیسکتا۔ اور ہمارے لئے ضرر نہیں پہونچا سکتا اور وقت تقیہ تمہارا

براءتك عند تقيتك لا يقدح فينا
ولا تبرء منا ساعة بلسانك
وانت موال لنا بجنانك لتبقي على
نفسك روحها التي بها قوامها
ومالها الذي به قيامها وجاهها
الذي به تمكنها وتصون بذلك
من عرف من اوليائنا واخواننا فان
ذلك افضل من ان تتعرض للهلاك
وتنقطع به عن عمل في الدين وصلاح
اخوانك المؤمنين واياك ثم
اياك ان تترك التقية التي
امرتك بها فانك شاحط بدمك
ودماء اخوانك متعرض لنفسك
ولنفسهم للزوال مذل لهم
في ايدي اعداء الدين وقد
امرك الله باعزازهم فانك
ان خالفت وصيتي كان
ضررك على
اخوانك ونفسك
اشد من ضرر الناصب
لنا الكافر بنا۔

ہم سے برأت کرنا ہم میں قدح نہیں کر سکتا اور تم ہم سے
ایک ساعت کے لئے بھی بری نہیں ہو سکتے۔ جبکہ
تم اپنے دل سے ہمارے دوست ہو اس لئے کہ تم
تقیہ کر کے اپنی اُس جان کو محفوظ رکھتے ہو جس سے
تمہاری بقا ہے اور اپنے اُس مال کو بچاتے ہو جس سے
تمہارا قیام ہے اور اپنی اُس جاہ و منزلت کی
حفاظت کرتے ہو جس سے کہ تمہارا اقتدار ہے
اور تم اپنے فعل سے ہمارے اُن دوستوں
اور بھائیوں کو محفوظ رکھتے ہو جو پہچانے جا چکے ہیں
پس تمہارا یہ فعل اس امر سے افضل ہے کہ تم ہلاکت کے
درپے ہو اور دین میں کسی عمل خیر کے بجالانے سے
معذور ہو جاؤ اور اپنے برادران ایمانی کے خیر و صلاح پر
نظر نہ کر سکو اور تم اس تقیہ کو ہرگز نہ چھوڑنا جس کا کہ میں نے
تمکو حکم دیا ہے ورنہ تم اپنے اور اپنے برادران ایمانی
کے خون میں آلودہ ہو گے اور اپنی اور اُنکی جانوں کو
معرض زوال میں داخل کرو گے اور اُنکو دشمنان دین
کے ہاتھوں میں ذلیل کرو گے حالانکہ حقتعالیٰ نے
تمکو اُن کے معزز رکھنے پر مامور کیا ہے اب اگر تم ہماری
اس وصیت کے خلاف کرو گے تو تمہارے اور تمہارے
بھائیوں کے نفسوں پر وہ ضرر وارد ہو گا جو ناصبی اور
کافر کے ضرر سے بھی زائد اور شدید تر ہو گا۔ انتہی ملخصاً

اس روایت سے بھی بظاہر تقیہ کرنے کا رجحان یا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور اس روایت کی اُس حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو محمد بن مروان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ۔

ما منع میثم رحمہ اللہ من التقیۃ فواللہ لقد علم ان ہذہ الآیۃ نزلت فی عمار واصحابہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

میثم کو تقیہ کرنے سے کیا امر مانع ہوا پس قسم بخدا کہ انکو آیہ شریفہ الا من اکرہ کا عمار اور اُنکے اصحاب کی شان میں نازل ہونا معلوم ہو چکا تھا

بلکہ بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین ع نے اپنے آپسے تقیہ میں برارت کرنیکی ممانعت نہیں فرمائی اور یہ کہ اس مطلب کا حضرت کی طرف منسوب کرنا از قبیل کذب و افترا ہے چنانچہ روایت مسعدہ بن صدقہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہوا ہے۔ وہ (مسعدہ) کہتے ہیں کہ۔

قیل لابی عبداللہ الناس یروون ان علیاً قال علی ممبر الکوفۃ ایہا الناس انکم ستدعون الی سبّی فسبونی ثم تدعون الی البراءۃ فلا تبرؤا منی فقال ع ما اکثر ما یکذب الناس علی علی ع ثم قال انما قال ستدعون الی سبّی فسبونی ثم ستدعون الی البرائۃ منی

حضرت امام جعفر صادق ع کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگ اس امر کی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنین نے ممبر کوفہ پر فرمایا تھا کہ اے لوگو تم عنقریب میرے سب و شتم کی طرف بلائے جاؤگے پس تم میری سب و شتم کرنا بعد ازآں تم مجھسے برارت کرنے کی طرف بلائے جاؤگے پس تم مجھسے برارت نکرنا حضرت ع نے ارشاد فرمایا کہ لوگ جناب امیر المؤمنین ع پر کسقدر افترا کرتے ہیں بعد ازآں فرمایا کہ جناب امیر ع نے اسیقدر بیان کیا تھا کہ تم عنقریب میری سب و شتم کی طرف بلائے جاؤگے پس تم مجھکو سب و شتم کرنا بعد ازاں تم مجھسے برارت کرنے کی طرف بلائے جاؤگے

وانی لعلی دین محمد
لم یقل لا تبرؤمنی
فقال لہ السائل
أرأیت ان اختار القتل
دون البراءة فقال واللہ
ما ذاك علیہ وما لہ
الا ما مضی علیہ عمار بن
یاسر حیث اکرھہ
اھل مکہ وقلبہ
مطمئن بالایمان
فانزل اللہ تعالی الا من اکرہ
وقلبہ مطمئن بالایمان فقال النبی یا عمار
ان عادوا فعد فقد انزل اللہ عزوجل عذرك
وامرك ان تعود ان عادوا۔

اور میں حضرت محمد مصطفی ص کے دین پر ہوں
اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ مجھسے برائت
نکرنا۔ پس حضرت ؑ سے سائل نے عرض کیا کہ آپکے
نزدیک اگر وہ اپنے قتل ہو جانے کو اختیار کر لیتا
اور برارت کو اختیار نکرتا تو کیسا تھا۔ حضرت نے
فرمایا کہ بخدا اسکی یہ تکلیف نہ تھی اور اُس کے لئے
اُسی امر کا اختیار مناسب تھا جسپر کہ عمار بن یاسر
گذر گئے جبکہ اُن کو اہل مکہ نے مجبور کیا تھا اور اُنکا
دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ پس حقتعالی نے
اُنکے بارہ میں آیہ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ
مطمئن بالایمان کو نازل فرمایا۔ پھر اُنسے
جناب رسولخدا ص نے ارشاد فرمایا کہ اے عمار اگر وہ عود کریں
تو تم بھی عود کرو کیونکہ حقتعالی نے تمہارا عذر نازل کیا ہے
اور تمکو حکم دیا ہے کہ اگر وہ عود کریں تو تم بھی عود کرو۔

اس حدیث سے اُن اخبار کی بصراحت تکذیب ہوتی ہے جنمیں کہ جناب امیر المومنین ؑ کا اپنی برارت سے حالت تقیہ میں ممانعت کرنا منقول ہوا ہے۔

اور غور و تأمل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حالت تقیہ میں برارت سے منع کرنے اور سب و شتم کی اجازت دینے کا قواعد عقلیہ پر منطبق ہونا بھی خالی از اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بغیر تقیہ کے جس طرح امام سے برارت کرنا حرام اور موجب کفر ہے۔ اُسی طرح امام کا سب و شتم کرنا بھی حرام اور موجب کفر ہے لیکن جبکہ ضرورت تقیہ کی وجہ سے سب و شتم کا مباح ہو جانا فرض کر لیا گیا تو برارت کے مباح نہونے کی

کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ باعتبار اعتقاد اُن دونوں کا مساوی ہونا مفروض ہی
پس عدم اعتقاد کی صورت میں محض زبان پر کلمہ براءت اور سب و شتم کے جاری کرنیمیں
تفرقہ کرنا بے وجہ معلوم ہوتا ہے بلکہ سب و شتم کا مباح ہونا براءت کے مباح ہونیکو
بدرجہ اولیٰ مقتضی ہے اس لئے کہ سب و شتم کرنا اعداء دین کی نسبت بھی جائز نہیں
ہے بخلاف براءت کے کہ اُسکا اعداء دین سے متعلق ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہی
کہ جب سب و شتم کی جو بہ نسبت براءت کے افحش ہے اباحت فرض کرلی گئی ہی تو کلمہ
براءت جاری کرنیکی بدرجۂ اولیٰ اباحت ہونی چاہئے پس جبکہ اباحت سب و شتم
اور اباحت براءت میں تلازم قرار پایا تو اُن اخبار کی تاویل معین ہوگی جنمیں کہ براءت سے
ممانعت کرنا حضرت امیر المؤمنینؑ کی طرف منسوب ہوا ہے پس ممکن ہے کہ براءت سے
براءت حقیقیہ مراد ہو اور غرض یہ ہو کہ اعداء دین اگر تمکو میری ولایت سے درحقیقت
ہٹانا اور اہل براءت میں داخل کرنا چاہیں تو تم ہرگز ایسا نکرنا۔
جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے شیخ مفید کی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہی۔

وظاهرها حرمة التقية فيها كالدعاء ويمكن حملها على ان المراد الاستمالة والترغيب الى الرجوع حقيقة من التشيع الى النصب	اور اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت سے براءت کرنے میں تقیہ کرنا مثل خونریزی کی حرام ہو اور اس روایت کا اس مطلب پر حمل کرنا ممکن ہی کہ اُس سے مذہب تشیع سی درحقیقت عدول کرکی مذہب نصب و عداوت اہل بیت کی طرف رجوع کرنے کی رغبت مراد لیجائے۔

اور اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص درحقیقت مذہب تشیع سے
عدول کرنیکی رغبت دلائے اور ناصبی بنجانے کی فرمائش کرے تو اُسکو ہرگز منظور نکرنا
اور اس تاویل کے مناسب وہ فقرہ بھی ہے جو روایت مشار الیہا میں مذکور ہے۔

فان برا منی فلا دین الہ ولا آخرۃ اِس لئے کہ اعتقاد ولایت کے بعد محض لفظ براءت کے زبان پر جاری کرنے سے دنیا و آخرت دونوں کا برباد ہو جانا بظاہر بے وجہ معلوم ہوتا ہے اور جبکہ روایت مذکورہ کا اس تاویل پر حمل کیا جائے تو کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی۔

اور جناب ملا صالح مازندرانی نے روایت مسعد بن صدقہ کی شرح میں فرمایا ہے کہ حضرت کے اس قول سے کہ وانی لعلی دین محمدؐ یہ مراد ہے کہ میرا دین محمدیؐ ہے لہذا باعتبار باطن مجھ سے براءت کرنا سزاوار نہیں ہے اور حضرت نے انکو باعتبار ظاہر اپنی براءت سے وقت حاجت حفظ نفس کی غرض سے ممانعت نہیں فرمائی پس جسطرح کہ وقت ضرورت سب وشتم کرنا جائز ہے اُسی طرح وقت ضرورت براءت کرنا بھی جائز ہوگا۔ اسکی علاوہ یہ ہے کہ باعتبار عقل وشرع جس طرح کہ اولیائے خدا سے ولایت واجب اور اُنسے براءت حرام ہے اسیطرح اعدار خدا سے براءت کرنا واجب اور اُنکی ولایت حرام ہے پس جبکہ اعدار خدا سے براءت کا اعتقاد اور انکی ولایت کا ازراہ تقیہ زبانی اقرار کرنا جائز ہے اسیطرح اولیار خدا کی ولایت کی ساتھ ازراہ تقیہ اُنسی براءت کرنے کا زبانی اقرار بھی جائز ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ دونوں امروں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے اور جواز تقیہ کے عمومات بھی بظاہر دونوں امرونکو شامل ہیں۔

اسکی علاوہ یہ ہے کہ اگر اعتقاد ولایت کے بعد محض اظہار براءت کی وجہ سے انسانکی دنیا وآخرت کا تباہ و برباد ہونا فرض کیا جائے جیسا کہ منطوق روایت ہے تو لازم آئے گا کہ ولایت کے اعتقاد اور عدم اعتقاد کو انسان کی نجات میں کسی قسم کا دخل نہ رہے جس کا باطل ہونا بہت ظاہر ہے

اسکی علاوہ یہ ہے کہ اس صورت میں شئے کے زبانی وجود کا نفس الامری وجود کی ساتھ متحد ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ اس تقدیر پر باوجود اعتقاد ولایت کے محض زبانی

اظہار برارت پر برارت کے واقعی آثار کا مرتب کرنا لازم آتا ہے جو زبانی وجود اور
واقعی وجود کے متحد ہو جانے کو مقتضی ہے۔ پس اس باب میں جو مختلف روایتیں
وارد ہوئی ہیں اُن میں سے جواز تقیہ کی روایتوں کا ترجیح دینا اور تقیہ کے جائز نہ ہونیکی روایتوں
میں تاویل کرنا معین ہوتا ہے۔ اگر اُن اخبار کو جن میں کہ از روئے تقیہ برارت کرنیکی
ممانعت وارد ہوئی ہے راجح اور قابل عمل قرار دیا جائے تو اُن اخبار کو جنمیں برارت کی
اجازت دیگئی ہے ترک کر دینا یا اُنہیں تاویل کرنا ضروری ہوگا۔ اس صورت میں برارت
کرنیکی حالت تقیہ میں بھی حرمت ثابت ہوگی اور اُن سے افضلیت ترک پر استدلال کرنا
صحیح نہ ہوگا ہاں اگر دونوں قسموں کی روایتوں کا باعتبار سند و ولایت مساوی اور باہم متعارض
ہونا فرض کیا جائے تو افضلیت ترک پر استدلال کرنا صحیح ہوگا۔ وھو بعد لا یخلو عن اشکال[1]
واللہ اعلم بحقیقة الحال۔

چوتھی قسم مکروہ ہے اور اس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں تقیہ کا ترک کرنا اور ضرر کا تحمل کر لینا اُسکے بجالانے
سے بہتر ہو جیسا کہ بعض علماء نے اظہار کلمۂ کفر کی نسبت لکھا ہے اور یہ کہ ایسے مقام پر تقیہ کا اُن
حضرات کے لئے جنکے ساتھ لوگ اقتدار کرتے ہیں ترک کر دینا اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ امر اعلاء
کلمۂ اسلام اور اعزاز دین میں ادخل ہے۔ جناب شیخ مرتضےٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مکروہ سے
وہ امر مراد ہے جس کی ضد افضل ہو۔

پانچویں قسم حرام ہے اور اس سے وہ تقیہ مراد ہے جہاں فی الحال اور آئندہ کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ نہو یا کسی
نفس محترم کے قتل کر ڈالنے میں امر کا دائر ہونا فرض کیا جائے یا بر تقدیر تقیہ کسی دینی مفسدہ کے پیش
آنیکا یقین ہو جیسے حق کا باطل کی ساتھ ملتبس ہو جانا یا اُس (حق) کا بالکلیہ نیست و نابود ہو جانا وغیرہ۔

---

[1] وجہ اشکال یہ ہے کہ جواز تقیہ کی بہت سی خبروں سے بالخصوص اس صورت میں تقیہ کی اختیار کرنیکا راجح یا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اگر
دونوں قسموں کی روایتوں کے رجحان سے قطع نظر کیجائے تو اس صورت مخصوصہ میں فعل و ترک دونوں کی اباحت و مساوات ثابت ہوگی اور کسی ایک قسم کی
افضلیت پر استدلال کرنا درست نہ ہوگا حالانکہ بظاہر اس کا کوئی قائل معلوم نہیں ہوتا فتامل ۱۲

البتہ چونکہ تقیہ بھی منجملہ احکام الٰہیہ ایک حکم ہے جو افراد مکلفین اور مصالح اوقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اور باعتبار ضرورت اُسکے شرائط میں تفاوت ہوتا ہے۔ علی الخصوص انبیاء اور اوصیاء کی تکلیفیں یکساں نہیں ہوسکتیں اور ہر ایک بزرگوار جس حکم پر منجانب اللہ مامور ہوتے تھے اُسی پر عمل کرتے تھے۔ اور نفس کا ہلاکت میں مبتلا کرنا ہر جگہ ممتنع نہیں ہے ورنہ لازم آئیگا کہ راہ خدا میں دشمنوں سے جہاد کرنا بالکل مسدود ہو جائے پس آیۂ شریفہ لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ میں وہی ہلاکت مراد ہوگی جو جہت شرعیہ اور احکام الٰہیہ کے مخالف ہو۔ اور آیۂ شریفہ میں وہ ہلاکت مراد نہیں ہوسکتی جو اوامر خدا کے امتثال اور اطاعت کے وجہ سے حاصل ہو اس لئے کہ ایسی ہلاکت موجب سعادت ابدیہ ہے چنانچہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ

پارہ ۴ سورۂ آل عمران

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے گئے ہیں اُنکو ہرگز ہرگز مردہ نہ گمان کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُنکو دیا ہے وہ اُس سے خوش ہیں۔

اس مقام پر جناب صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تقیہ کے بارہ میں نبی و امام کا حال یکساں ہے کیونکہ جب نبی اپنی نبوت کو ظاہر کردے اور ثبوت دعوے کی غرض سے معجزہ کو ظاہر کرچکے بعد ازاں خوف اعدا کی بنا پر اپنی نبوت کو پوشیدہ کرے تو کسی قسم کا مضائقہ نہوگا۔ اور اس مطلب کی اُس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جسکو صاحب مواہب نے نقل کیا ہے

قال ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود ما زال النبی مستخفیا حتی نزلت فاصدع بما تؤمر

ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا اپنے آپکو برابر پوشیدہ کئے رہے تا آنکہ آیۂ شریفہ فاصدع بما تؤمر نازل ہوا پس اُسوقت آپ نے

تجهر هو واصحابه

اور آپ کے اصحاب نے اعلان شروع کیا۔

اور کچھ کلام کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

قالوا وكان ذلك بعد ثلث سنين من النبوة وهي المدة التي اخفى رسول الله صلعم امره۔

راویان اخبار نے بیان کیا ہے کہ وہ (اعلان) نبوت سے تین سال کے بعد واقع ہوا تھا اور یہ وہی مدت ہے جسمیں حضرت نے اپنے امر کو مخفی رکھا تھا

اور جناب سید مرتضے اور علامہ طبرسی علیہما الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کے لئے اُس امر کا پوشیدہ کرنا جائز نہیں ہے جسکی تبلیغ پر کہ وہ مامور ہوئے ہیں اگرچہ خوف قتل رکھتے ہوں اسلئے کہ اُنکو اس امر کا یقین حاصل ہے کہ حقتعالی نے اُنکو مبعوث برسالت اُسیوقت کیا ہے جبکہ وہ اُنکو قتل سے محفوظ رکھیگا تا اینکہ لوگوں تک خدا کا پیام پہونچ جائے اور دعوت تمام ہوجائے ورنہ لازم آئیگا کہ خداوند عالم خود ہی ناقض غرض ہو چنانچہ سید مرتضے علیہ الرحمہ کتاب تنزیہ الانبیاء میں تحریر فرماتے ہیں

لا يجوز للنبي ان يكتم ما ارسل به خوفا من القتل لانه يعلم ان الله لم يبعثه للاداء الا وهو عاصمه من القتل حتى يقع الاداء ويسمع الدعوة والا كان نقضا للغرض

(انتهى كلامه بتغير يسير)

نبی کو خوف قتل سے اُس امر کا پوشیدہ کرنا جائز نہیں ہے جسکے پونچانے پر کہ وہ مامور ہوا ہے اسلئے کہ وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ حقتعالی نے اُن کو ادائے حکم کے لئے اُسی وقت مبعوث کیا ہے جبکہ وہ اُنکو قتل سے محفوظ رکھنے والا ہے تا اینکہ وہ ادائے حکم سے فارغ ہوں اور دعوت مسموع ہو ورنہ خدا کا ناقض غرض ہونا لازم آئے گا۔

اور قاضی ناصر الدین بیضاوی نے قول باریتعالے

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۝ پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء

اور تو اپنے عمر کے چند برس یہاں رہا اور تو نے وہ کرتوت کی جو کچھ بھی کی اور تو احسان فراموش (ثابت) ہوا

کے ذیل میں لکھا ہے۔

وانت من الکافرین بنعمتی حتی عمدت
الی قتل خواصی ومنک تکفرهم
الآن فانه[۱] کان
یعایشهم
بالتقیه

اورتم میری نعمت کا کفران کرتے تھے تا اینکہ تم نے میری
خواص کے قتل کر ڈالنے کا قصد کیا۔ یا تم اُن لوگوں میں
شمار کئے جاتے تھے جنکو کہ تم اب کافر کہتے ہو کیونکہ
حضرت موسیٰؑ اُن (قبطیوں) کے ساتھ اپنی زندگی
تقیہ کی حالت میں بسر کرتے تھے۔

اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے احتجاج میں روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے جناب امیرالمومنینؑ
پر طعن و تشنیع شروع کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لی اسوة بسبعة من الانبیاء
اولهم نوح اذ قال الله تعالی مخبرا
عنه انی مغلوب فانتصر
والثانی ابراهیم الخلیل
اذ قال واعتزلکم وماتدعون
من دون الله۔
والثالث ابن خالته
لوط اذ قال لقومه

میں اپنے امر میں سات نبیوں کے ساتھ تاسی کرتا ہوں۔
اول حضرت نوحؑ ہیں چنانچہ حقتعالیٰ اُنکی حالت سے
خبر دیتا ہے کہ "میں مغلوب ہوں میری نصرت کرو"
دوسرے حضرت ابراہیمؑ ہیں جبکہ اُنہوں نے فرمایا تھا
کہ "میں تم سے اور اُن چیزوں سے جنکو تم خدا کے سوا
پکارتے ہو علیحدگی اختیار کرتا ہوں"
تیسرے حضرت لوطؑ ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد
بھائی تھے اُنہوں نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا تھا

[۱] اس فقرہ کی شرح میں بعض علماء نے لکھا ہے ای فعلتها والحال انک فی ذلک الوقت من القوم
الذین تزعم الآن انهم کافرون (تم اُسوقت اُن لوگوں میں داخل تھے جنکو اب کافر بتلاتے ہو) ۱۲

[۲] اس فقرہ کی شرح میں بعض علماء نے لکھا ہے۔

لیس المراد انه یظهر اعتقاد الوهیة فرعون
مثلا بل عدم اظهار انه یعتقد خلافه صریحا
کما اظهره بعد البعثة۔

یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اُس (فرعون) کی الوہیت کے اعتقاد کو
ظاہر کرتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اسکے خلاف کے اعتقاد کا صریحاً اظہار
نہ فرماتے تھے جیسا کہ بعد بعثت اسکو ظاہر فرمایا ۱۲

لو ان لی بکم
قوۃ -
والرابع یوسفؑ اذ قال
رب السجن احب الیّ مما
تدعوننی
الیہ -
والخامس موسیٰؑ اذ قال
ففررت منکم لما خفتکم
والسادس ہارونؑ اذ قال
یا بن ام ان القوم استضعفونی
وکادوا یقتلوننی -
والسابع اخی محمدؐ لما
ہرب الی الغار -

"اے کاش مجھکو تمہارے مقابلہ میں کسی قسم کی قوت
حاصل ہوتی"
چوتھے حضرت یوسفؑ ہیں جبکہ اُنہوں نے فرمایا تھا
کہ "اے میرے پروردگار میرے نزدیک زندانخانہ
اس امر سے محبوب تر ہے جسکی طرف کہ یہ عورتیں
مجھ کو بلاتی ہیں"
پانچویں حضرت موسیٰؑ ہیں جبکہ اُنہوں نے فرمایا تھا
"میں جب تم سے خائف ہوا تو تمہارے پاس سے چلا گیا"
چھٹے حضرت ہارونؑ ہیں جبکہ آپ نے فرمایا تھا کہ
"اے بھائی قوم نے مجھکو ضعیف سمجھ لیا قریب تھا
کہ مجھکو قتل کر ڈالیں"
ساتویں میرے بھائی حضرت محمد مصطفےٰ ہیں جبکہ
آپ غار کی طرف چلے گئے تھے -

اور حضرت امیرالمؤمنینؑ نے ان ساتوں پیغمبروں میں سے ہر ایک بزرگوار کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ یہ کہو کہ یہ کلمات و حالات ازراہ خوف صادر نہ ہوئے تھے تو قرآن کا انکار لازم آئیگا - اور اگر تم کہو کہ اُنہوں نے اُمور مذکورہ کو ازراہِ خوف اختیار کیا تھا تو وصی معذور تر ہے
اور قاضی ناصرالدین بیضاوی نے قول باری تعالیٰ الا ان تتقوا منھم تقاۃ کی تفسیر میں بیان کیا ہے -

الا ان تخافوا من جہتہم ما یجب اتقائہ -

گر یہ کہ تم اُن کفار سے تقیہ کرو یعنی ان لوگوں کی جہت سے اس قسم کا خوف کرو جس سے پرہیز کرنا لازم ہے -

اور کچھ فاصلہ کے بعد لکھا ہے کہ -

منع من موالاة ... ظاهرا و باطنا
فی الاوقات کلها الا وقت المخافة
فان اظهار الموالاة حینئذ جائز
کما قال عیسیٰ کن وسطا وامش
جانبا ویحذرکم الله نفسه و
الی المصیر فلا تتعرضوا السخطه بمخالفة
احکامه و موالاة اعدائه
وهو تهدید عظیم
مشعر بتناهی المنهی
فی القبح-

خداوند عالم نے جملہ اوقات میں انکی دوستی سے ظاہرا
اور باطنا منع کیا ہے سوائے وقت خوف کے کہ
اسوقت میں اظہار موالات جائز ہے جیساکہ حضرت
عیسےٰ ع نے فرمایا ہے کہ "تم درمیان میں ہو اور
کنارہ پر چلو اور خدا تمکو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور
اُسی کی طرف بازگشت ہی پس تم اُس کے احکام کی
مخالفت اور اُسکے دشمنوں کی دوستی کرکے اُسکی
ناراضی کے درپے نہو اور یہ بہت بڑی دھمکی ہے
اور اُسمیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کی
ممانعت کیگئی ہے وہ حد درجہ کی بُرائی پر مشتمل ہے۔

اور عیون اخبار رضاؑ سے منقول ہے کہ۔

قال سهل بن قاسم قال رجل للرضاؑ
یابن رسول الله انه یروی عن عروة
بن زبیر انه قال توفی النبی وهو
فی تقیة فقال اما بعد قوله
یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك الخ فانه ازال کل تقیة
بضمان الله ولکن قریشا فعلت ما اشتهت بعده واما قبل نزول هذه الآیة فلعله

سہل بن قاسم نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت امام رضاؑ
کی خدمت میں عرض کیا کہ عروة بن زبیر سے منقول ہوا ہی کہ نبی
حالت تقیہ میں وفات پائی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نزول آیۂ
شریفہ یا ایها الرسل الخ کے بعد خدا کی ضمانت[1] نے ہر ایک تقیہ کو
زائل کردیا لکن قریش نے حضرت رسولخداؐ کے بعد جو چاہا کیا لیکن نزول
آیۂ شریفہ کے قبل پس حضرت کے تقیہ کرنیکا احتمال[2] ہے۔

---

[1] حضرت نے لفظ ضمان سے قول باریتعالیٰ والله یعصمك من الناس کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آخر آیۂ شریفہ میں مذکور ہے لیکن آیۂ
شریفہ ازبسکہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کی امامت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے حضرت نے اسکے بعد فرمایا لکن قریش نے جو چاہا کیا جس سے حضرت کی
یہ مراد ہے کہ قریش نے عہد شکنی کی اور حضرت امیرالمؤمنینؑ کے حق کو چھین لیا۔

[2] اس روایت میں حضرت امام رضاؑ نے جو اجمال فرمایا ہے وہ بظاہر تقیہ پر مبنی ہے۔ ۱۲

اور اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق ع سے حضرت ابراہیم ع اور حضرت یوسف علیہما السلام کا
تقیہ کرنا منقول ہوا ہے- چنانچہ ابو بصیر نے حضرت سے نقل کیا ہے کہ-

ولقد قال یوسف ع ایتها العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم ع انی سقیم واللہ ما کان سقیما

اور حضرت یوسف ع نے فرمایا تھا کہ اے قافلہ والو تم سارق ہو قسم بخدا کہ اُنہوں نے کوئی چیز نہ چرائی تھی اور حضرت ابراہیم ع نے فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوں بخدا کہ وہ بیمار نہ تھے -

اور اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق ع کا تقیہ فرمانا بھی منقول ہوا ہے چنانچہ موسیٰ بن اُشیم سے روایت ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ سے قرآن کی ایک ایک آیت کی تفسیر دریافت کی- آپ نے اُسکو تبلا دی بعد ازاں ایک دوسرا شخص آیا اور اُسنے بھی اُسی آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے اُسکو پہلے شخص کے خلاف جواب دیا پس میرے دل میں ایسے امر نے خطور کیا کہ گویا میرے دل کو کسی نے چھریوں سے پارہ پارہ کر دیا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ہشام بن ابو قتادہ کو چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ واو تک کی غلطی نہیں کرتا اور اُنکے پاس آیا ہوں کہ یہ بالکل غلط بیان کرتے ہیں پس میں اسی تردد میں تھا کہ تیسرا شخص آیا اور اُسنے بھی اُسی آیت کی تفسیر کو دریافت کیا تو آپ نے ایسی تفسیر تبائی جو پہلے دونوں تفسیروں کے خلاف تھی- اُسوقت میرے نفس کو سکون ہوا اور مجھکو معلوم ہوگیا کہ حضرت سے یہ اختلاف بیانی از راہِ تقیہ صادر ہوئی ہے- بعد ازاں حضرت میری طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کہ-

یا ابن اُشیم ان اللہ عزوجل فوض الی سلیمان بن داؤد فقال ھذا عطائنا فامنن

اے پسر اُشیم حقتعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد کو بعض اُمور سپرد کیے تھے اور فرمایا تھا کہ یہ عطا ہے -

---

ف یہ شخص اہل سنت و جماعت کا مشہور مفسر ہے جو امام محمد باقر ع اور امام جعفر صادق علیہما السلام اور اہل سنت کے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا معاصر ہے ۱۲

وامسك بغير حساب وفوض
الى نبيه فقال ما اتاكم الرسول
فخذ وه ومانهاكم عنه
فانتهوا فما فوض رسولہ
فقد فوّضه الينا۔

اور حق تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو بعض اُمور سپرد کئے تھے
اور فرمایا تھا کہ جو کچھ تم سے رسول بیان کریں اُسکو لیلو
اور جس چیز سے کہ منع فرمائیں اُس سے باز رہو پس
حقتعالیٰ نے جس چیز کو کہ رسول خداؐ کی سپرد فرمایا تھا
اُسکو حضرت نے ہمارے سپرد فرمادیا ہے۔

اور فاضل گلستانہ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ترمذی اور نسائی اور موطا مالک و جامع الاصول ابن اثیر سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابی بکر نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ نے جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے اُن (عائشہ) سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ تمہاری قوم نے جب وہ خانہ کعبہ کی تجدید کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ کے اُن قواعد (بنیادوں) سے جنپر آپ نے خانہ کعبہ کی بنا قرار دی تھی کمتر کردیا ہے۔پس حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آپ بناءِ خانہ کعبہ کو قواعد حضرت ابراہیمؑ پر کیوں نہیں قائم فرمادیتے۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم کفر سے قریب العہد نہ ہوتے تو میں ایسا ہی کرتا۔

اور مسلم و بخاری سے دوسری روایت نقل کی ہے کہ حضرتؐ نے عائشہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم کفر و جاہلیت سے قریب العہد نہ ہوتی اور مجکو یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ خانہ کعبہ میں دیوار کے داخل خانہ کرنے اور درِ خانہ کعبہ کے مساوی زمین کرنے پر آزردہ ہونگے تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔

اور بخاری سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ حضرتؐ نے اُن (عائشہ) سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم جاہلیت سے قریب العہد نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کے منہدم کردینے کا اور اُس (خانہ کعبہ) میں اُن چیزوں کے داخل کرنے کا جنکو کہ اُن لوگوں نے باہر کردیا ہے حکم دیتا۔اور درِ خانہ کعبہ کو زمین کے ساتھ چسپان کردیتا اور خانہ کعبہ کے دو دروازے

قرار دیتا ایک شرقی اور ایک غربی - اور خانہ کعبہ کو اسی اساس پر پہونچا دیتا جسپر کہ حضرت ابراہیم ؑ نے قرار دیا تھا - فاضل مذکور فرماتے ہیں کہ ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا ؐ قریش کی ایک جماعت سے جو بظاہر مسلمان تھی تقیہ فرماتے تھے - اس مقام پر جناب علیین مکان فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے وصایت حضرت امیر المومنین ؑ کے اعلان میں حضرت رسول خدا ؐ جرأت نہیں فرماتے تھے اور اپنے نفس مبارک پر خائف تھے تا اینکہ حق تعالیٰ نے تاکید بلیغ اور وعدہ عصمت کو نازل فرمایا اور حضرت نے غدیر خم میں اس مہم کا اعلان کیا -

اور ارشاد القلوب میں روایت کی ہے کہ حقتعالیٰ نے حضرت امیر المؤمنین ؑ کا حضرت رسول خدا ؐ کی حیات میں سات مقاموں پر امتحان لیا - اور یہ جملہ امتحانات حضرت کی شجاعت اور دلیری سے متعلق تھے جنمیں تنہا حضرت ہی ثابت قدم رہے اور اُن مقامات میں دوسرے بہادر اور شجاع لوگوں کا قدم متزلزل ہوگیا -

اسی طرح حقتعالیٰ نے آپکا حضرت رسول خدا ؐ کی وفات کی بعد بھی سات مقاموں پر امتحان فرمایا اور وہ جملہ مقامات آپکے صبر و تحمل سے تعلق رکھتے تھے پس آپ نے صد درجہ کا صبر و تحمل کیا اور غایت استقلال سے وہاں بھی پائے ثبات کو لغزش نہیں ہونے دی - اگرچہ یہ امر بدیہی ہے کہ شجاعان روزگار کو اشرار کے مقابلہ میں صبر و تحمل کرنا جان دینے سے بھی زائد صعب و دشوار ہوتا ہے - لیکن حضرت نے دونوں حالتوں میں اطاعت باریتعالیٰ کو ہر ایک امر پر مقدم کیا اور رضاء خدا کے حاصل کرنے میں کسی شخص کی طعن و تشنیع پر التفات نہیں فرمایا -

بہرحال ازبسکہ خداوند عالم کے جملہ احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں پر بنا قائم ہوتی ہے لہذا وہ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کو جس امر کے بجالانے یا ترک کرنے پر مامور فرماتا ہے

وہ اسی کا امتثال کرتے ہیں۔ پس جبکہ کسی مقام پر تقیہ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہاں پر تقیہ کرتے ہیں اور جس جگہ اظہار حق پر مامور ہوتے ہیں وہاں اسکو بدون تقیہ ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ حق تعالیٰ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو اس مقام پر تقیہ کا حکم نہیں دیسکتا جہاں پر تقیہ کرنا غرض بعثت و ہدایت کے منافی فرض کیا جائے اس لئے کہ ایسے موارد میں تقیہ کے جائز نہ ہونے پر عقل مستقل حاکم ہے۔ اس بنا پر اظہار کلمہ کفر کے جائز یا واجب ہونے سے انبیاء ع کا مستثنےٰ کرنا ضروری ہوگا اس لئے کہ اس مقام پر تقیہ کرنا غرض بعثت کے منافی ہے۔

علاوہ بریں اس مقام پر انبیاء علیہم السلام کا مستثنےٰ ہونا اجماع سے بھی ثابت ہے جیسا کہ فاضل مقداد کی کنز العرفان سے منقول ہوا ہے پس اس مقام پر انبیاء ع کا تقیہ کرنا قسم حرام میں داخل ہوگا۔

اسی طرح انبیاء کا کذب کے واجب یا جائز ہونے سے مستثنےٰ کرنا بھی ضروری ہوگا جس کی وجہ واضح ہے اسیطرح انبیاء علیہم السلام کو مقام تقیہ میں توریہ کا اختیار کرنا معین ہوگا اور ایسے کلمہ کے ساتھ اُن کو تکلم کرنا جائز نہ ہوگا جو محمل صحیح نہ رکھتا ہو کیونکہ انبیاء ع کی شان مرتفع ہوتی ہے اور وہ اپنے ذکاء و فطنت کی وجہ سے ہر ایک مقام پر توریہ کے استعمال کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اسی لئے اُنمیں اور عامہ مکلفین میں فرق کیا گیا ہے اور اسی مقام سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر غیر نبی کا توریہ پر قادر ہونا فرض کیا جائیگا تو اسکو تقیہ کا ضمن توریہ میں اختیار کرنا معین ہوگا۔ اب اگر غیر انبیاء ع بلکہ خود انبیاء ع پر تقیہ کے بدون توریہ جائز ہونے کو مطلقاً تجویز کریں تب بھی اسمیں کسی شخص کے لئے قدح کرنے کا محل نہ ہوگا اس لئے کہ جواز تقیہ کے شواہد و ادلہ جو اس کے مطلقاً جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔

اور اسیطرح ان حضرات پر اس جگہ تقیہ کرنا بھی جائز نہ ہوگا جہاں کہ صورت تقیہ میں

حق کا باطل کے ساتھ ملتبس ہونا یا حق کا نیست و نابود ہو جانا فرض کیا جائیگا یہی وجہ ہے کہ عہد بنی اُمیہ میں اتمام حجت اور اظہار حق کی مصلحت سے حضرت سید الشہداء نے تقیہ کو برطرف کر دیا اور اعداء دین سے ظاہر بظاہر مقابلہ کرکے درجہ شہادت پر فائز ہونیکو اختیار فرمایا تاکہ دین خدا بالمرّہ پوشیدہ نہ ہو جائے - اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ اگر وہ حق کی طرف دعوت کرتے تو ہم اُن کی نصرت و مدد کرتے اور لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ حضرت امام حسن مجتبےٰ ع کے زمانہ میں جو لوگ حضرت کی اطاعت کا دم بھرتے تھے وہ محض زبانی جمعخرچ تھا اور درحقیقت اُن کو دین حق کے باقی رہنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی پس جبکہ حق واضح ہو گیا اور حجت خدا تمام ہو گئی اور امت کا غدر و شقاوت میں منہمک ہونا ظاہر ہو گیا تو حضرت امام زین العابدین ع کے لئے اکثر امور میں تقیہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تا اینکہ رفتہ رفتہ حکومت بنی اُمیہ میں ضعف و اضمحلال کے آثار بہم پہونچے اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کو تقیہ کی اُسقدر حاجت نہ رہی جو حکومت بنی اُمیہ کی قوت و استحکام کے زمانہ میں پیش آتی تھی اسی لئے ان دونوں بزرگواروں نے اظہار حق کے مقام پر بہ نسبت دیگر حضرات کی بہت کم تقیہ فرمایا - اسی طرح ان بزرگواروں سے اُس مقام پر بھی تقیہ کا وجوب یا جواز مستثنےٰ ہوگا جہاں کہ اعلان دعوت اور اظہار نبوت کا واجب ہونا فرض کیا جائیگا اسی طرح انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے لئے اُس مقام پر بھی تقیہ کرنا جائز نہوگا جہاں پر کسی امر حق کے معلوم ہونے کا بغیر اُن کے بیان کے کوئی طریقہ نہ ہوا اور بغیر اُس کے بندوں پر خدا کی حجت تمام نہ ہو سکتی ہو یہ مطلب اگرچہ واضح ہے اور عقول سلیمہ اُسکے ادراک میں مستقل ہیں لیکن مزید تائید کے لئے اس مقام پر جناب شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ کے کلام کا جو اُنکی کتاب تلخیص الشافی کے مقامات مختلفہ پر مذکور ہے بطور تیمن و تبرک وارد کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسمیں مطالب مذکورہ کا مفصل تذکرہ موجود ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں -

اما الرسول فانما تجز التقية عليه
لان الشريعة لا يعرف الا من جهته ولا يوصل اليها
الا بقوله فمتى جازت التقية عليه لم يكن لنا الى العلم
بما كلفناه طريق وليس العلم بان الامام منصوص
عليه موقوفا على قول الامام ولا يعلم الا
من جهته حتى يكون تقية دافعة لطريق العلم
فبان الفرق بين الامرين - فان قيل
اليس من قولكم ان قول الامام
حجة في الشرايع وقد يجوز
عندكم ان ينتهي الامر
الى ان يكون الحق لا يعرف
الا من جهته وبقوله بان
يعرض الناقلون عن النقل
فلا يرد الا من جهته من لا تقوم
الحجة بقوله وهذا يوجب مساواة الامام
للرسول عليه السلام فيما فرقتم بينهما فيه
قلنا اذا كانت الحال في الامام على
ما صورتموه وتعينت الحجة في قوله فان التقية
لا تجوز عليه
كما لا تجوز على النبي
عليه السلام-

رسول پر تقیہ کرنا اسلئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اُن کے شریعت
معلوم نہیں ہو سکتی اور اُسکے حاصل ہونیکا اُنکے قول
کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے پس اگر اُنپر تقیہ جائز ہوگا تو ہمارے
لئے تکلیفات شرعیہ کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ
باقی نرہیگا بخلاف امام کے کہ اُنکا منصوص ہونا
قول امام پر موقوف نہیں ہے اور نہ یہ کہ بغیر اُنکے معلوم
نہو سکتا تا اینکہ اُنکے تقیہ کرنے سے حصول علم کا کوئی
طریقہ باقی نرہے۔ پس نبی اور امام میں فرق ظاہر ہو گیا
اگر کہا جائے کہ آیا تم اس امر کے قائل نہیں ہو کہ
احکام شریعت میں امام کا قول حجت ہے اور تمہارے
نزدیک جائز ہے کہ کسی وقت ایسی حالت پیدا
ہو جائے کہ حق اُسوقت تک معلوم نہو جبتک کہ امام
اُسکو بیان نکردے بایںطور کہ احکام شریعت کے
روایت کرنے والے نقل کرنے سے اعراض کریں
اور اُن (احکام) کو ایسے ہی لوگ نقل کریں جنکا قول
حجت نہو۔ پس اُس صورت میں امام کا اُن چیزوں میں
مساوی رسول ہونا لازم آئیگا۔ جنمیں کہ تم نے فرق کیا تھا
تو ہم جواب دینگے کہ جب امام کے لئے صورت
پیش آئیگی کہ جسکو تم نے بیان کیا ہے اور حجت کا
اُنہیں کے قول میں منحصر ہونا فرض کیا جائیگا تو امام
بھی تقیہ کرنا جائز نہ ہوگا جس طرح کہ نبی کو کبھی جائز نہیں ہے

فان قیل فلو جوزنا ان النبی علیہ السلام قد بین جمیع الشرائع والاحکام التی یلزمہ بیانھا حتی لم تبق شبھۃ فی ذلک ولا ارتیاب اکان یجوز فی الحال ھذہ علیہ التقیۃ فی بعض الاحکام قلنا لیس یمتنع عند قوۃ اسباب الخوف الموجبۃ للتقیۃ ان یتقی اذا لم یکن تقیۃ مخلۃ بالوصول الی الحق ولا منفرۃ عنہ۔

اگر کہا جائے کہ اگر نبی شریعت کے اُن تمام احکام کو بیان کرئے جنکا بیان کرنا اُنپر لازم تھا تا اینکہ اُسمیں کسی قسم کا شبہ باقی نرہے تو آیا ایسی حالت میں بھی اُنپر بعض احکام میں تقیہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں تو ہم جواب دینگے کہ جب خوف کے ایسے اسباب قویہ کا مجتمع ہونا فرض کیا جائے گا جو موجب تقیہ ہیں تو نبی کا ایسی حالت میں تقیہ کرنا ممتنع نہ ہوگا بشرطیکہ اُنکا یہ تقیہ حق کے حاصل ہونے میں مخل اور اُنسے نفرت کرنے کا سبب نہ ہو۔

اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

ان الامام لا یجوز ان یتقی فیما لا یعلم الا من جہتہ ولا طریق الیہ الا من جہۃ قولہ وانما تجوز التقیۃ علیہ فیما قد بان بالحج والبینات و نصبت علیہ الدلالات حتی لا یکون فتیاہ فیہ مزیلۃ لطریق اصابۃ الحق وموقعۃ للشبھۃ ثم لا یتقی فی شیٔ الا و یدل علی خبر وجھہ منہ مخرج التقیۃ اما بما یصاحب کلامہ او یتقدمہ او یتاخر عنہ

امام پر اُن چیزوں میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جو بغیر اُنکے بیان کئے معلوم نہ ہوسکتے ہوں اور اُن (امام) پر اُنہیں چیزوں میں تقیہ کرنا جائز ہوگا جو دلیل و براہان سے معلوم ہو چکی ہیں تاکہ اُنکے فتوے سے حصول حق کا طریقہ زائل نہو اور اُس (فتوے) کی وجہ سے کوئی شبہہ پیدا نہو۔ بعد ازآں امام جب کسی شئے میں تقیہ کرینگے تو اُنپر اس امر کا بیان کردینا لازم ہوگا جس سے اُن کے کلام کا مقام تقیہ میں صادر ہونا معلوم ہو جائے خواہ اپنے کلام کے ساتھ کوئی ایسا امر بیان کردیں جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہو یا اُس کلام سے قبل یا بعد کسی ایسی چیز کو ظاہر کردیں جس سے اُنکا

ومن اعتبر جميع ماروي عن ائمتنا علیهم السلام علی سبیل التقية وحده لا يعري مما ذكرناه۔

مقام تقیہ میں صادر ہونا معلوم ہوجائے اور جو شخص کہ ہمارے ائمہؑ کی اُن جملہ روایتوں میں غور کریگا جو بسبیل تقیہ نقل کئے گئے ہیں تو انکو ان چیزوں سے خالی نہ پائیگا جنکو کہ ہمنے بیان کیا۔

اور تیسرے مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ۔

ان التقية لا تجوز علی النبی والامام فیما لا یعلم الا من جهته

نبی اور امام پر اُن چیزوں میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے جو بغیر اُن کے معلوم نہیں ہوسکتیں۔

تقیہ کے جائز ہونے پر بعض شبہات اور اُن کا دفعیہ

اس مقام پر بعض لوگوں نے تقیہ کے جائز ہونے پر کچھ شبہات کئے ہیں لہذا انکا نقل کرنا اور بروجہ اجمال اُنسے تعرض کرنا مناسب ہے۔

پہلا شبہہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقیہ اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک میں کسی ایک امر کا پوشیدہ کرنا اور اُسکے خلاف کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اور چونکہ نفاق حرام ہے لہذا تقیہ بھی حرام ہوگا۔

جواب۔ نفاق اور تقیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ نفاق سے کفر کا اعتقاد کرنا اور اُس کا دل میں پوشیدہ رکھنا اور ایمان کا ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے اور تقیہ سے امر حق کا اعتقاد رکھنا اور اس کا پوشیدہ رکھنا اور باطل کا محض زبان سے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے لہذا ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا مع الفارق اور نفاق و تقیہ کو ایک قرار دینا ناسمجھی ہے

دوسرا شبہہ۔ اگر انبیاءؑ پر تقیہ کرنا تجویز کیا جائے گا تو لازم آئیگا کہ وہ دروغ گوئی کے مرتکب ہوں حالانکہ اگر انبیاء پر اگرچہ از راہ تقیہ ہی سہی دروغ گوئی کا اختیار کرنا جائز ہو تو اُن کے قول پر اعتماد و وثوق باقی نہیں رہ سکتا اور اس صورت میں غرض بعثت حاصل نہ ہوگی۔

اور احکام الٰہیہ کا اُمت تک پہونچانا ممکن نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اول امر میں جبکہ کوئی ناصر ومعین موجود نہیں ہوتا تو انبیاء کو تقیہ کی حاجت زائد ہوتی ہے۔ پس اگر اول امر میں اُنسے حکم الٰہی کی ممانعت تجویز کیجائے گی اور قوم کی ایذا رسانی کا خوف فرض کیا جائیگا تو احکام الٰہی کے معلوم ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔

جواب - انبیاء ع پر دروغ گوئی کو کسی عالم نے تجویز نہیں کیا اور علماء فریقین نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انبیاء ع جس امر پر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں اُسیکو بجا لاتے ہیں۔ پس جو بزرگوار کہ اسکے خلاف کا دعوے کریں وہ اپنی راست گوئی پر کوئی شاہد مبین قائم کریں۔ اور اگر انبیاء ع پر از راہ تقیہ دروغ گوئی کو بھی تجویز کیا جائے تب بھی اعتراض کرنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ انبیاء ع کا تقیہ پر عمل کرنا کتب فریقین سے ثابت ہے اور انبیاء ع کے تقیہ کرنے سے غرض بعثت اُسی وقت باطل ہوگی جبکہ اُنکا ہر ایک مقام پر ہر وقت تقیہ کرنا تجویز کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُنکا تقیہ کرنا نہ کرنا مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تقیہ کے فی الجملہ تجویز کرنے سے اصل نبوت اور غرض بعثت کا حاصل نہ ہونا لازم نہیں ہے۔ جسکی شرح ہو چکی ہے۔

تیسرا شبہہ - تقیہ کا جائز ہونا فقط صدر اسلام کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ مؤمنین ضعیف تھے لیکن قوت اسلام کے بعد وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ علت (سبب) کا منتفی ہونا معلول (مسبب) کے منتفی ہونے کو مقتضی ہے۔ اور یہ قول مجاہد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

جواب - یہ شبہہ مغالطہ پر مشتمل ہے اس لئے کہ جب خود اس شبہہ سے جواز تقیہ کا ضعف مسلمین پر مبنی ہونا معلوم ہوا تو صدر اسلام کے بعد بھی ہر زمانہ میں یہ حکم اُسی وقت برطرف ہو سکتا ہے جبکہ کسی مسلمان کو کسی وقت بھی ضعف عارض نہو۔ حالانکہ شوکتِ اسلام کے زمانہ میں بھی ضعف کے مطلقاً مرتفع ہو جانے کا قائل ہو جانا صحیح نہیں ہے۔ پس ارتفاع علت

وسبب کی صورت میں وجود معمول ومسبب کا قائل ہونا نادانی یا فریب ہی پر مبنی ہوگا۔
فرض کرو کہ کسی دیہات میں کوئی یکہ وتنہا مسلمان کفار ومشرکین کے نرغہ میں گھر جائے اور
امر حق کے ظاہر کرنے میں اُسکے ہلاک ہونے کا یقین ہوجائے تو ایسی حالت میں
بحکم عقل وشرع اُس (تقیہ) کا اختیار کرنا لازم ہوگا۔ حالانکہ یہ زمانہ صدر اسلام کا
نہیں ہے۔ پس یہ کہنا کہ صدر اسلام کے بعد اُسکی شوکت کے سبب سے حکم تقیہ قیامت
تک کے لئے بالکل برطرف ہوگیا محض بے معنی ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ تقیہ کا حکم بھی
باقی احکام کی طرح وجود شرائط کی صورت میں تا قیامت باقی ہے۔ چنانچہ بخاری
نے اپنی صحیح کے باب الاکراہ میں آیۂ شریفہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان
اور آیۂ شریفہ الا ان تتقوا منہم تقاۃ کے بعد فرمایا ہے کہ تقاۃ سے تقیہ مراد ہے۔
اور حسن بصری کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ

التقیۃ الی یوم القیامۃ } تقیہ تا قیامت باقی ہے۔

اور یہ کہ حضرت رسول خداصؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

الاعمال بالنیۃ } اعمال نیت کے ساتھ ہیں۔

اور فاضل گجراتی نے مجمع بحار میں لفظ تقاۃ سے جو قرآن مجید میں واقع ہوا ہے تقیہ کی
مراد ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور تقیہ کے معنی لکھے ہیں کہ لوگوں کے سامنے
ما فی الضمیر (عقیدہ وغیرہ) کے ظاہر کرنے سے خوف کرنا جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے
اور امام فخر الدین رازی نے حسن بصری کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔

وھذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامکان۔	اور یہ قول اس لئے بہتر ہے کہ نفس سے ضرر کا بقدر امکان دفع کرنا واجب ہے۔

اور امام رازی کے اس قول سے بھی تقیہ کا ہر زمانہ میں واجب ہونا مستفاد ہوتا ہے

کیونکہ یہ وہی دلیل عقلی ہے جسکو علماء اسلام نے تقیہ کے جواز پر وارد کیا ہے

لہ اس مقام پر زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں ایسے مطالب تحریر کئے ہیں جن سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا تقیہ کے شرائط پر مطلع نہ ہونا اور حفاظت نفس کے درپے نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس بارہ میں مجاہد کی برابر بھی سمجھ نہ رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ابتداء اسلام اور ضعف مسلمین کے زمانہ میں دعوت اسلام کا بالاعلان خطبہ پڑھا جسکے بعد کفار قریش نے اُن کی جناب میں بیحد گستاخی اور بے ادبی کی۔ اور جبکہ شوکت اسلام کا زمانہ آیا تو جنگ حُنین میں مسلمانوں کو اُنکی کثرت پر چشم زخم لگا کر حضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر فرار کر گئے۔ چنانچہ حسین بن محمد بن حسین دیاربکری نے کتاب خمیس میں جس جگہ کہ حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام کا ذکر کیا ہے حافظ ابو قاسم دمشقی سے نقل کیا ہے کہ۔

ان اسلامه كان يوم ضرب ابوبكر حين ظهر النبي صلى الله عليه وسلم قبل اسلام عمر من دار الارقم وروى ان ذلك كان قبل اسلام عمر بثلاثة ايام والتوفيق بين الاحاديث كلها ممكن كذا في ذخائر العقبى وفي المنتقى وكان حمزة بن عبد المطلب اسلم يوم ضرب ابوبكر وذلك ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضي عنهم لما اجتمعوا وكانوا تسعة وثلاثين رجلا الح ابوبكر على رسول الله صلعم في الظهور فقال ابابكر انا قليل فلم يزل يلح عليه حتى ظهر رسول الله صلعم في نواحي المسجد وقام ابوبكر في الناس خطيبا ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس

حضرت امیر حمزہ کا اسلام اُس روز واقع ہوا تھا جس روز کہ حضرت ابوبکر کی زد و کوب کی گئی تھی۔ جبکہ حضرت رسول خداؐ اسلام حضرت عمر کے قبل خانہ ارقم سے ظاہر ہوئے تھے۔ اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے تین روز قبل پیش آیا تھا اور جملہ احادیث میں جمع کرنا ممکن ہے جیسا کہ کتاب ذخائر العقبیٰ میں مرقوم ہے اور کتاب منتقی میں لکھا ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب اُس روز اسلام لائے تھے جس روز کہ حضرت ابوبکر کی زد و کوب کی گئی تھی اور یہ واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ جب حضرت رسول خداؐ کے اصحاب مجتمع ہوئے اور وہ اُنتالیس آدمی تھے تو حضرت ابوبکر نے حضرت رسول خداؐ سے ظاہر ہونے میں اصرار فرمایا پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر ہم قلیل ہیں پس وہ حضرتؐ سے برابر اصرار کرتے رہے تا آنکہ حضرتؐ نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکر نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ اور حضرت رسول خداؐ بیٹھے ہوئے تھے

وکان اول خطیب دعا الی اللہ عزوجل والی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثار المشرکون
علی ابوبکر وعلی المسلمین یضربونہم فی نواحی
المسجد ضربا شدیدا ووطی ابوبکر وضرب
ضربا شدیدا ودنا منہ الفاسق عتبہ بن ربیعہ
فجعل یضربہ بنعلین مخصوفتین ویحرفہما
بوجہہ واثر علی وجہ ابی بکر حتے
ما یعرف انفہ
من وجہہ وجاءت بنو تیم
تتعادی فاجلوا المشرکین
عن ابی بکر وحملوا ابابکر فی ثوب
حتی ادخلوہ بیتہ ولا یشکون فی موتہ

اور حضرت ابوبکر پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے خدا و رسول
کی طرف دعوت دی تھی - اور حضرت ابوبکر اور اور مسلمانوں پر
مشرکین ٹوٹ پڑے اور نواحی مسجد میں انکی بہت زدوکوب کی
اور حضرت ابوبکر روند ڈالے گئے اور ضرب شدید سے مجروح
کئے گئے - اور عتبہ بن ربیعہ فاسق اُنکے پاس گیا اور اُنکو اپنی
دونوں جوتیوں سے جنمیں پیوند لگے ہوئے تھے مارنا شروع کیا
اور اُنکو حضرت ابوبکر کی چہرہ پر مارتا تھا اور اُن دونوں (جوتیوں) نے
حضرت ابوبکر کے چہرہ پر اثر کیا تا اینکہ اُنکی ناک اُنکی چہرہ سے
ممتاز نہ ہوتی تھی - اور بنی تیم (جو حضرت ابوبکر کی قوم کی لوگ تھی)
دوڑتے ہوے آئے اور مشرکین کو حضرت ابوبکر کے پاس سے ہٹایا
اور حضرت ابوبکر کو ایک کپڑہ میں اُٹھایا تا اینکہ اُنکو اُنکی گھر
میں داخل کیا - اور وہ اُنکے مرجانے میں شک نہ رکھتے تھے -

رہا یہ امر کہ حضرت ابوبکر نے شوکت اسلام کے زمانہ میں فرار اختیار کیا اُسی کی طرف اشارہ کرنے کو آیہ شریفہ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم الخ اور روایت لن نغلب الیوم عن قلۃ (آج کے دن ہم قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے) کافی ہے - جسکی تفصیل کسی موقع پر آیندہ مذکور ہوگی - اور اسی واقعہ کی طرف فاضل علامہ عبد الحمید بن ابی الحدید معتزلی نے جو منجملہ اعاظم علماء اہل سنت و جماعت ہیں اپنی ان شعروں میں اشارہ کیا ہے ؎

واعجب انسانا من القوم کثرۃ — فلم تغن شیئا ثم ہرول مدبرا
ولیس بنکر فی حنین فرارہ — ففی احد قد فر خوفا وخیبرا

جنکا محصل یہ ہو کہ منجملہ اہل اسلام ایک انسان کو کثرت لشکر نے بیحد متعجب کیا لکن وہ کثرت اُن کے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوئی - اور پشت پھیر کر فرار کر گئے - اور اُنکا جنگ حنین میں فرار کرنا قابل انکار نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ احد و خیبر میں بھی

چوتھا شبہہ - اگر انبیاءؑ کا تقیہ پر عمل کرنا تجویز کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ انبیاءؑ کے لئے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا اور اُسمیں تقیہ کا اختیار کرنا بھی جائز ہو اور اس صورت میں تبلیغ احکام کا معطل ہونا لازم آتا ہے جسکا جائز نہ ہونا بہت واضح ہے -

جواب - انبیاءؑ پر تقیہ کے فی الجملہ تجویز کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے لئے ہر ایک مقام پر تقیہ کرنا جائز ہو - اور تبلیغ احکام کا معطل ہونا اُسی وقت لازم آسکتا ہے . جبکہ انبیاءؑ کے لئے ہر ایک وقت میں تقیہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تجویز کیا جائے -

اسکے علاوہ یہ ہے کہ ضرورت تبلیغ کے مقام پر فریقین میں سے کسی عالم نے انبیاءؑ کی لئے تقیہ کو تجویز نہیں کیا

اسکے علاوہ یہ ہے کہ کسی عالم نے انبیاءؑ کی نسبت اس امر کو ہرگز تجویز نہیں کیا کہ اُن کو کلمۂ کفر کی زبان پر جاری کرنے میں تقیہ کرنا جائز ہے بلکہ اُسکے مستثنےٰ ہونے پر فریقین نے اتفاق کیا ہے اور اگر اس سے قطع نظر کیجائے تو چونکہ جو کلام از راہ تقیہ واقع ہوتا ہے وہ حقیقت کفر سے خارج ہے کیونکہ حقیقت کفر سے اعتقاد ایمان کا حاصل نہ ہونا یا منافیات ایمان کا اعتقاد کرنا مراد ہوتا ہے - اور جس مقام پر کہ کلمۂ کفر کا از راہ تقیہ فقط زبان پر جاری ہونا فرض کیا جاتا ہے سو ہاں پر ایمان کے صحیح ہونے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) کفار کے ڈر سے بھاگ گئے تھے -

اسی طرح علماء اہلسنت و جماعت نے حضرت عمر بن الخطاب کی نسبت بھی تحریر فرمایا ہے کہ وہ باوجود تند خوئی اور درشتی مزاج کی جنگ کے موقع پر بھاگ جایا کرتے تھے - حالانکہ ابتداء اسلام میں اُنکا یہ مقولہ مشہور تھا -

یا رسول اللہ اللات والعزیٰ یعبدان علانیۃ ویعبد اللہ سرًا	اے رسول خدا لات و عزےٰ کی عبادت تو علانیہ کیجائے اور خدا کی عبادت پوشیدہ کیجائے -

اور حضرت عمر کے قول مذکور کو بعض لوگوں نے اس طرح نظم کیا ہے ؎

ایعبد اللات والعزےٰ علانیۃ ویعبد اللہ سرًا قالہ عمر

آیا لات و عزےٰ کی عبادت علانیہ کیجائے اور خدا کی عبادت پوشیدہ طور سے کیجائے اس مطلب کو حضرت عمر نے ارشاد فرمایا ہے

کفر کے باطل ہونے کا اعتقاد حاصل ہوتا ہے۔ لہذا کلمہ کفر کا ازراہ تقیہ صادر ہونا حقیقت کفر کے مغائر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تقیہ کا انبیاء پر تجویز کرنا بالکل بے اشکال ہوگا

پانچواں شبہہ اگر نبی اور غیر نبی دونوں پر تقیہ کا اختیار کرنا تجویز کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ حجت خدا باطل ہو پس اگر غیر نبی پر تقیہ کا جائز ہونا تجویز بھی کیا جائے تو اُسکا نبی کے لئے تجویز کرنا بہرحال باطل ہے

جواب اگرچہ علماء فریقین نے تقیہ کو نبی اور غیر نبی دونوں پر تجویز کیا ہے۔ اور یہ کہ انبیاء ع پر فی الجملہ اور غیر انبیاء ع پر اُن مقامات کے سوا جو بدلیل خاص مستثنیٰ ہو چکے ہیں اُس (تقیہ) کو اختیار کرنا راجح یا واجب ہے لیکن حجت خدا کا باطل ہونا اُسی وقت لازم ہوگا جبکہ نبی اپنی نبوت کو اور ثبوت دعویٰ کی غرض سے معجزہ کو ظاہر نہ کرے۔ پس اگر اظہار معجزہ کے بعد خوف اعداء کی بناء پر نبوت کا مخفی کرنا فرض کیا جائے تو کسی قسم کا مضائقہ نہ ہوگا۔ اور حجت خدا ہرگز باطل نہ ہوگی۔ جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔

چھٹا شبہہ قول باری تعالےٰ۔

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ پارہ ۷ سورۃ الانعام | اور اگر شیطان تمکو بھلادے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔

سے تقیہ کا انبیاء ع اور اوصیاء ع پر جائز نہ ہونا مستفاد ہوتا ہے لہذا ان بزرگواروں پر تقیہ کا تجویز کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور یہ قول جبائی کی طرف منسوب ہے۔

جواب اعلام فریقین نے انبیاء ع اور اوصیاء ع پر تقیہ کو اُسیوقت تجویز کیا ہے جہاں لوگوں پر حجت تمام نہ ہو چکی ہو اور دلیل قطعی جو مفید علم ہو قائم ہو چکی ہو لیکن جس مقام پر بدون نبی و وصی کی معرفت نہ ہو سکتی ہو اور کوئی قطعی حجت اُسپر قائم نہ ہو تو اُنپر تقیہ کو کسی شخص نے تجویز نہیں کیا ہے اسی طرح جبکہ نبی نے کسی حکم شرعی میں حجت کو تمام کردیا ہو تو اُن کو وقت مصلحت دوسری حالت میں اُسکی بیان کا چھوڑ دینا جائز ہوگا۔ اور اس مقام پر جناب مقدس اردبیلی علیہ الرحمہ سے منقول ہوا ہے کہ اس آیت سے نفی تقیہ پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ مطلق ہے جو عدم

خوف وضرر کے ساتھ مقید ہو سکتی ہے۔

اسکے علاوہ یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ کا صلح حدیبیہ کے وقت تقیہ کرنا علمائے فریقین کی تصریح سے ثابت ہے چنانچہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

ان رسول اللّٰہ محا اسمہ یوم الحدیبیۃ واعطاھم امورا ھو محارب علیہا فی الباطن وھو قریب من التقیۃ۔

حضرت نے اپنے نام کو حدیبیہ کے دن محو کیا تھا اور اُنکو ایسے اُمور عطا فرمائے تھے کہ خود اُنپر باطن میں جنگ کرنیکا ارادہ رکھتے تھے اور یہ تقیہ سے قریب ہے۔

اور جو کچھ کہ اس عبارت میں بیان فرمایا ہے وہ واقعہ کے مطابق اور جواز تقیہ کے مؤیدات میں منسلک ہے کیونکہ تقیہ اُسی مقام پر جائز ہوتا ہے جہاں پر کہ ضرورت و مصلحت کی وجہ سے ایسے اُمور کا التزام کیا جاتا ہے جو مخالف شریعت ہیں اور صلح حدیبیہ میں بھی ازراہ مصلحت ایسی ہی شرطیں منظور کی گئی تھیں جو خلاف شرع تھیں۔

قسطلانی نے کتاب مواہب میں بیان کیا ہے کہ اگر کہا جائے کہ اس امر میں کیا مصلحت تھی کہ حضرت پیغمبر خداؐ نے صلح حدیبیہ میں سہیل بن عمرو سے اس شرط کو قبول فرمالیا کہ اگر کوئی مسلمان کفار کے پاس سے بھاگ کر حضرتؐ کی خدمت میں چلا آئیگا تو حضرت اُسکو اُن کفار کی طرف واپس کر دینگے تو ہم کہینگے کہ اس صلح میں جو مصلحت ملحوظ تھی اُسکے فوائد ظاہرہ میں یہ امر داخل ہے کہ آخرکار مکہ معظمہ فتح ہوا اور اہل مکہ کا اسلام بروجہ احسن جلوہ گر ہوا اور لوگوں نے دین اسلام میں فوج فوج داخل ہونا شروع کیا۔

اور بخاری سے نقل کیا ہے کہ جس وقت شرائط مصالحت طے کئے جاتے تھے تو ابو جندل بن سہیل جو کفار کے ہاتھوں میں اسیر تھے وہ بیڑی اور زنجیر پہنے ہوئے اسفل مکہ سے برآمد ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈالدیا پس سہیل بن عمرو نے جو وکیل قریش تھا کہا کہ یہ پہلی وہ شرط ہے جسمیں ہم گفتگو کرتے ہیں چاہیئے کہ شرط کے موافق انکو ہماری طرف واپس کیجئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہنوز مصالحت کی تحریر انجام کو نہیں پہونچی سہیل بن عمرو نے کہا

کہ قسم بخدا اس تقدیر پر میں مصالحت کو برہم کر دونگا اور ہرگز مصالحت نہ ہوگی پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میری خوشی سے اس امر کو چھوڑ دو سہیل نے کہا کہ میں ہرگز ایسا نہ کرونگا پس حضرتؐ نے مکرر ارشاد فرمایا اور وہ انکار ہی پر اصرار کرتا رہا۔ جبکہ ابو جندل مایوس ہوگیا تو کہنے لگا کہ اے گروہ مسلمین میں مشرکوں کی طرف پھر لوٹایا جاتا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ آیا تم اس امر کو نہیں دیکھتے کہ میں نے ان لوگوں کی تعدی سے کسقدر صعوبتوں کا تحمل کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ابو جندل سے ارشاد فرمایا کہ

اصبر واحتسب فانا لا نغدر وان اللہ جاعل لك فرجا ومخرجا۔ } تم صبر کرو اور امیدوار ثواب رہو۔ ہم غادر نہیں ہیں اور حقتعالی تمہارے لئے کشادگی اور راہ چارہ پیدا کریگا

اس کلام کے بعد صاحب مواہب کہتے ہیں کہ علماء نے ابو جندل کے واقعہ کی دو توجیہیں کی ہیں (۱) یہ کہ حق تعالی نے تقیہ کو مسلمانوں کے لئے خوف ہلاکت کے وقت مباح کردیا ہے اور کلمہ کفر کے ساتھ جبکہ دل میں ایمان کا اعتقاد پوشیدہ ہو تکلم کرنیکی اجازت دی ہے بشرطیکہ توریہ کرنا ممکن نہو۔ پس ابو جندل کا کفار کی طرف لوٹا دینا اس قبیل سے نہ ہوگا کہ حضرت نے اُنکو مقام ہلاکت پر پہونچا دیا اس لئے کہ وہ تقیہ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرسکتا تھا۔

(۲) یہ کہ حضرت اُس (ابو جندل) کو اُسکے باپ کے سپرد کیا تھا اور غالب یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ہلاک نہیں کرتا باوجود اس کے کہ تقیہ بھی اُسکے لئے جائز تھا رہا فتنہ پس دنیا محل آزمائش ہے اور حقتعالی اپنے بندوں کا صبر میں امتحان کرتا ہے جناب علیین مکان فرماتے ہیں کہ صاحب مواہب کا یہ کلام ہمارے مطلب کی کئی وجہوں سے تائید کرتا ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ اس کلام سے تقیہ کا مقام خوف میں علی الاطلاق جائز ہونا مفہوم ہوتا ہے۔
دوسری وجہ یہ کہ پیغمبر خداؐ نے خوف اعداء کے سبب سے ایسے اُمور کا التزام فرمایا تھا

جو شریعت میں امن کے مقام میں جائز نہیں ہیں اور یہ بھی معنی تقیہ میں داخل ہے۔
اور اگر پیغمبروں کے لئے تقیہ کرنا مطلقاً جائز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ کا فرعون کے پاس تقیہ میں بسر کرتا جیسا کہ قاضی بیضاوی کی تصریح سے معلوم ہوا کیونکر صحیح ہوتا۔ اکثر اوقات انبیاء عم نے اوقات فرصت کا انتظار کیا ہے اور ابتداء دعوت میں بھی اُسوقت تک اظہار نبوت پر جسارت نہیں کی جب تک کہ اعوان و انصار بہم نہیں پہونچے۔ یا مہلت نہ ملنے کا حتمی حکم صادر نہیں ہوا پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ابتداء دعوت میں تقیہ کی حاجت زیادہ ہوتی ہے اگر انبیاء کو تقیہ کرنا جائز ہوگا تو ہدایت کا دروازہ بند ہو جائیگا بالکل بے سمجھی کی بات ہے اس لئے کہ باب ہدایت کا مسدود ہونا اُسی وقت لازم آئیگا جبکہ ہم انبیاء کے لئے تقیہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں تجویز کریں حالانکہ ہم اسکے قائل نہیں ہیں پس ابتداء دعوت میں بھی انبیاء اولوالعزم سے فرصت کی تلاش اور مہلت کا انتظار ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اہل کفر و عدوان کی صحبتوں میں یا ضرر کے دوسرے مقامات میں انبیاء نے اظہار دعوت سے احتراز فرمایا ہے جیسے حضرت موسیٰ عم اور ہمارے نبی علیہما السلام کی سیرت دلالت کرتی ہے۔ اور اس اجمال کی جناب غفران مآب نے حسام الاسلام میں اسطرح تفصیل فرمائی ہے کہ باب ہدایت کا مسدود ہونا اُسی وقت لازم آئیگا جبکہ انبیاء علیہم السلام کے افعال و اقوال کا وجود مصلحت پر مبنی ہونا نہ فرض کیا جائے۔ حالانکہ ان بزرگواروں کے جملہ افعال و اقوال اسیطرح حکمت و مصلحت کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں جسطرح کہ خداوند عالم کے جملہ افعال و اقوال کا حکمت و مصلحت پر مبنی ہونا معلوم ہے اس لئے کہ یہ حضرات اُسی امر کو بجالاتے ہیں جسپر منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں کبھی اپنے امر کو پوشیدہ فرماتے ہیں کبھی اعلان کے مقام پر اظہار کرتے ہیں اور اپنے جملہ امور میں حکمتوں اور مصلحتوں کی مراعات فرماتے ہیں اور اُنپر بڑے بڑے فائدے مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ جناب مواہب کے کلام سے بھی واضح ہو چکا ہے۔

اسکے علاوہ یہ ہو کہ علماء اسلام نے وقت اکراہ اس امر کو تجویز کیا ہی کہ اگر کوئی شخص دفع ضرر کی نیت سے کلمۂ کفر کا اظہار کرے تو اُس سے مواخذہ نکیا جائیگا اور از بسکہ وقت اکراہ تقیہ کا جائز ہونا غیر نبی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا لہذا ثابت ہو گا کہ انبیاءع پر بھی کلمہ کفر کے ساتھ تکلم کرنا جائز ہو۔

پس بعض لوگوں نے جو بعض عمومات کی بناء پر علماء کو الزام دیا تھا اُسکا علماء اعلام کی تصریح سے باطل ہونا ثابت ہوا۔ اب اگر اس حکم سے انبیاءع کا مستثنےٰ ہونا فرض کیا جائیگا تو کہہ سکتے ہیں کہ جب انبیاءع کو تبلیغ احکام کا حکم دیا جائیگا تو اُنکو تقیہ کرنے کی اجازت نہوگی۔ اور اگر غیر وقت دعوت میں انبیاءع کا تقیہ کرنا فرض کیا جائیگا تو اُن (انبیاء) کو توریہ کا اختیار کرنا معین ہوگا اس لئے کہ تحفظ ضرر کے مقام پر توریہ کرنا بھی داخل تقیہ ہو جیسا کہ اوپر کی عبارتوں میں مذکور ہوچکا ہے اور اس صورت میں انبیاءع کا بعض اوقات اعلان پر اور بعض اوقات کتمان پر مامور ہونا ثابت ہو گا اس لئے کہ کسی عالم نے انبیاء کے لئے کلمۂ کفر و دروغ کے ساتھ کلام کرنے کو تجویز نہیں کیا۔ بلکہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ نے کنز العرفان میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ حکم مذکورہ سے انبیاءع بالاجماع خارج ہیں۔ اور جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے اس مقام پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہو کہ ہماری کتابوں میں اس امر کا نشان تک موجود نہیں ہو کہ ہم انبیاءع پر کلمۂ کفر کے ظاہر کرنے کو از راہ تقیہ تجویز کرتے ہیں اور احادیث تقیہ سے اس مطلب پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کی ایک قسم توریہ بھی ہے اور اُس سے ایسے لفظ کا جو کئی معنی رکھتا ہو استعمال کرنا اور دشمنوں کے خوف سے بیان مقصود میں ابہام کرنا مراد ہے اور کلمۂ دروغ کے ساتھ تکلم کرنا تقیہ کے لئے ہرگز لازم نہیں ہو جسکی تفصیل میں قبل ازیں کلام ہوچکا ہو۔

ساتواں شبہہ تقیہ کرنے اور خدا کے سوا کسی سے خوف نکرنے میں منافات ہو

اور حدیث کافی میں وارد ہوا ہے کہ۔

وقل الحق للامن والخوف ولاتخش الا اللہ۔ } امن و خوف دونوں مقاموں پر حق بات کہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

پس انبیاء ع اور اوصیاء ع پر تقیہ کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

جواب خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ہر ایک حالت میں پروردگار عالم کی اطاعت کیجائے۔ اور ہر ایک کام پر اُسکی خوشی مقدم رکھی جائے۔ اگر قتل ہو جانے یا داخل آتش ہو جانے میں اُسکی خوشی ہو تو اُسکو بطیب خاطر بجالائے چنانچہ حضرت ابراہیم ع اور حضرت جرجیس ع یا حضرت امام حسین ع کے واقعات اس مطلب پر شاہد ہیں اور صفحات تاریخ میں تا روز قیامت جلی حرفوں سے ناصیہ روزگار پر چمکتے رہینگے۔ اور اگر حقتعالی بندہ کو تقیہ اور توریہ کا حکم دے تو اُس سے ہرگز دل تنگ نہوا اور خلاف مقتضائے طبع پر صبر و تحمل کے ساتھ اُسکو بجالائے اور کسی کے طعن و تشنیع کرنیکی طرف التفات نکرے جیسا کہ حضرت موسیٰ ع سے فرعون کی گھر میں۔ اور حضرت رسول خدا ص سے غار ثور میں۔ اور حضرت امیر المؤمنین ع سے خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں صادر ہوا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حقتعالی نے حکم تقیہ کے ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ } پارہ ۳ سورۂ آل عمران — اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے۔

جو خداوند عالم سے خوف کرنے میں مزید اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں باہم کوئی منافات نہیں ہے اس لئے کہ اُس سے حسب تصریح قاضی ناصر الدین بیضاوی یہ مراد ہے کہ تم خدا کے احکام کی مخالفت کرکے اُسکی ناراضی کے درپے نہو۔ اور جو شخص کہ جواز تقیہ کے مقام پر اُس (تقیہ) کو اختیار کرتا ہے وہ ہرگز حکم خدا کی مخالفت نہیں کرتا اور اُسکی ناراضی کے درپے نہیں ہوتا۔ پس اگر خوف خدا سے تقیہ کا ممنوع ہونا

فرض کیا جائیگا تو لازم آئیگا کہ خدا نے ایسے دو حکم دیے ہوں جنمیں باہم منافات اور تناقض ہے اور یہ محال ہے۔

آٹھواں شبہ۔ بعض لوگوں نے خصوص حضرات ائمہ معصومین ع کے لئے تقیہ کے جائز نہونے پر اُس صحیفہ قدسیہ کے ساتھ استدلال کیا ہے جو امالی و بحار الانوار میں منقول ہوا ہے۔ اور اُس میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت مذکور ہے۔

حدث الناس وافتہم وانشر علوم اہل بیتك وصدق بائك ولا تخافن احدا الا الله فانه لاسبیل لاحد علیك	تم لوگوں سے حدیثوں کو بیان کرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ اور اپنے آبا کی تصدیق کرو۔ اور تم خدا کے سوا کسی سے خوف نکرو تمپر کسی شخص کو تسلط نہو گا

اور اُسی صحیفہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے۔

حدث الناس وافتہم ولا تخافن احدا الا الله وانشر علوم اہل بیتك وصدق آبائك الصالحین فانك فی حرز وامان۔	تم لوگوں سے حدیثیں بیان کرو اور اُن کو فتوے دو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ اور اپنے اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ اور اپنے آبا صالحین کی تصدیق کرو اس لئے کہ تم حفظ و امان میں رہوگے۔

پس بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں اماموں کو تقیہ سے محفوظ رکھا تھا اور خلافت بنی اُمیہ و عباسیہ دونوں میں اُنکو شر اعدا سے بچانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس بعض مدعیان علم کا یہ کہنا کہ حضرت امام جعفر صادق ع کے فتاوے میں بہ نسبت دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کے تقیہ کا زائد استعمال ہوا ہے درست نہیں ہے اور شاید کہ اُنہوں نے بعد حمد فارسی کے اس شعر کو نہیں پڑھا جسمیں مذہب تشیع کو خصوص حضرت امام جعفر صادق ع ہی کی طرف منسوب کیا ہے ؎

جعفری باش گر خدا خواہی ✤ ورنہ در ہر طریق گمراہی

جواب جناب علیین مکان نے جو کچھ شبہ مذکورہ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اُسکا

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقام پر مستدل نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُن کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے
اِس لئے کہ اُنکا یہ کلام مثل اس کے ہے کہ قول باری تعالی

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (پارہ ۲۴ سورۃ المؤمن)

(سوال کیا جائیگا کہ) آج سلطنت کسکی ہے (جواب دیا جائیگا) خدائے یکتا و زبردست کی۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس سے مُلک کا مِلک واجب تعالی میں داخل ہونا روز قیامت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کہ قیامت کے علاوہ باقی دنوں میں وہ (مُلک) اسکا نہیں ہے۔ اسیطرح مستدل کا یہ کلام مثل اس کے قرار پائیگا کہ قول واجب تعالے

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ (پارہ ۸ سورۃ الانعام)

(اے رسول) کہدو کہ مجھپر جو وحی آئی ہے میں تو اُسمیں کسی کھانے والے پر (جو اشیاء مذکورہ میں سے کچھ کھائے) کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اسکے کہ مردار ہو یا اُچھل کر نکلا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ سب گندی چیزیں ہیں یا نافرمانی کا ذبیحہ جسپر غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس آیۂ شریفہ سے حرام چیزوں کا اشیاء مذکورہ میں منحصر ہونا ثابت ہوتا ہے پس اُن کے علاوہ ہر ایک چیز حلال اور مباح ہوگی۔ اسی طرح مستدل کا یہ کلام مثل اس کے ہے کہ حدیث مشہور

من قال لا الٰه الا الله دخل الجنة { جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ داخل جنت ہوگا۔

کی نسبت کہا جائے کہ اس حدیث سے نجات متکلم کا اسی کلمۂ طیبہ میں منحصر ہونا ثابت ہوتا ہے اگرچہ باقی ضروریات کا اقرار نہ کیا جائے۔ اور اگر مستدل اس کا التزام کرلیں تب بھی کوئی تعجب خیز بات نہ ہوگی اس لئے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ کے سینہ پر جبکہ اُن کو حضرت رسول خدا صلعم نے اس حدیث کے بیان کرنے پر مامور کیا تھا ایسی ضرب لگائی

که وه زمین پر گر پڑے پس حضرت عمر کے اتباع سے اس قسم کی باتوں کا ظاہر ہونا بعید نہیں ہے
لیکن جبکہ مقامات مذکورہ میں حصر اضافی فرض کیا جائیگا اور باقی نصوص و ادلہ انکی تخصیص میں
کافی سمجھے جائینگے تو ما نحن فیہ میں بھی اسی قسم کی تاویلات کا فرض کرنا لازم ہوگا اور اس تعلیل کی
صادق آنے میں جو صحیفہ قدسیہ سے منقول ہوئی ہے اسیقدر کافی ہوگا کہ وجوب اعلان کے مقام پر
کسی شخص کو تسلط ہو خصوصاً جبکہ ان دونوں اماموں کے لئے بہ نسبت باقی حضرات کے
اسباب اعلان کا زائد موجود ہونا بھی مفروغ از بحث ہو کیونکہ اسمیں شک نہیں ہے کہ ان
دونوں بزرگواروں علی الخصوص حضرت امام جعفر صادق ع کے زمانہ میں احکام شرعیہ اسقدر منتشر
ہوئے ہیں جنکا حصر دشوار ہے۔ اور چار ہزار کتابوں کا چار سو مصنفوں کے لئے بہم پہونچنا اور ہزاروں
روایتوں کا منقول ہونا حضرت ہی کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے اکثر
لوگ آپکو فقیہ اہل البیت کہتے تھے لیکن بعض موارد میں جو حضرت نے حکم پروردگار کے موافق تقیہ اور
توریہ پر عمل فرمایا ہے وہ نشر احکام اور خوف خدا کے منافی نہ ہوگا۔ اگر حضرت کا بعض احکام میں
بحکم خدا تقیہ اور توریہ کو اختیار کرنا خوف خدا کے منافی فرض کیا جائیگا تو لازم آئے گا کہ حضرت
رسول خداؐ نے بھی خوف کفار کو خوف خدا پر مقدم کیا ہو جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا
اور اس مطلب کی فی الجملہ توضیح یہ ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ جانب اللہ مکہ معظمہ سے ہجرت
کرنے پر مامور ہوئے ہیں تو آپ نے کفار کے خوف سے غار ثور میں پوشیدہ ہونے کو اختیار فرمایا۔ اور
ابتدائے اسلام میں علانیہ اظہار دعوت سے احتراز کیا۔ تا اینکہ شیخین نے دل تنگ ہو کر اظہار دعوت پر
حضرت کی حث و ترغیب شروع کی اور آخر کار ایک دن حضرت ابو بکر نے مشرکین کے سامنے اظہار
دعوت کے متعلق خطبہ پڑھا تا اینکہ انپر مشرکین قریش کے ہاتھوں ان صعوبتوں کا سامنا ہوا جو کتب
تاریخ میں مذکور ہیں اور اوپر کی عبارتوں میں بھی فی الجملہ مذکور ہو چکا ہے اسی طرح حضرت عمر بھی اظہار دعوت
نکرنے پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے

ایعبد اللات والعزی علانیۃ و یعبد اللہ سراً

پس اگر حضرت امام جعفر صادق ع کا بعض اُمور میں تقیہ کرنا خوف خدا کے منافی فرض کیا جائیگا تو حضرت رسول خدا ص کا تقیہ کرنا بدرجۂ اولیٰ اُسکے منافی قرار پائیگا لکن تالی کا اقرار کرنا قادح ایمان ہے لہذا مقدم کے اقرار پر بھی یہی حکم جاری ہوگا۔ اس تقدیر پر فقرہ فانہ لا سبیل لاحد علیک اور فقرہ فانک فی حرز وامان سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ اضافی ہوگا جیسا کہ قول باریتعالےٰ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ الخ

میں اشیاء محرمہ کا حصر اضافی ہے۔ اور اس مطلب کو دوسری تقریر میں اسطرح ادا کر سکتے ہیں کہ فقرہ لا تخافن الا اللہ مقام اعلان میں وارد ہے اور قیود واقعیہ کے ساتھ مشروط ہے جس طرح کہ حدیث مشہور من قال لا الہ الا اللہ الخ کا مضمون اپنے قیود واقعیہ کے ساتھ مشروط ہے لکن اعلان کے شروط واقعیہ کا حصرت امام محمد باقر ع اور حضرت امام جعفر صادق ع کے زمانہ میں اکثر اوقات تحقق ہوتا رہا اور باقی ائمہ کے زمانہ میں کمتر مجتمع ہوئیں

اس کے علاوہ یہ ہے کہ علوم اہلبیت کا بیان کرنا احکام تقیہ اور غیر تقیہ دونوں سے عام ہے اس لئے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان التقیۃ دینی ودین اٰبائی } یقیناً تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔

پس بعض مقامات پر حضرات کی روایات کا تقیہ پر محمول ہونا نشر احکام اہلبیت کے منافی نہوگا بہرحال انبیاء ع اور ائمہ ع کا بعض اوقات بحکم خداوند عالم تقیہ پر عمل کرنا کتب فریقین سے ثابت ہوگیا۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال کہ انبیاء اور ائمہ ع کسی وقت بھی تقیہ نکرتے تھے مہمل قرار پایا۔

والحمد للہ اولاً واخراً والصلوٰۃ علیٰ رسولہ واٰلہ باطناً وظاھراً۔

النبوة

(علم کلام اردو)